تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ

جلد پنجم

تسہیل وتخریج وعنوانات

مولانا ابو عبید اللہ صاحب

حواشی

مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ ۔ چوک اردو بازار ۔ لاہور

Ph:7223506-7230718

تفسیر ابن کثیر

رئیس المفسرین

حافظ عماد الدین ابو الفدا ابن کثیر

مترجمہ

خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی

جلد پنجم

تسہیل وتخریج وعنوانات
مولانا ابو عبید اللہ صاحب

حواشی
مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامی کتب خانہ
Islami Kutab Khana

خوبصورت اور معیاری مطبوعات
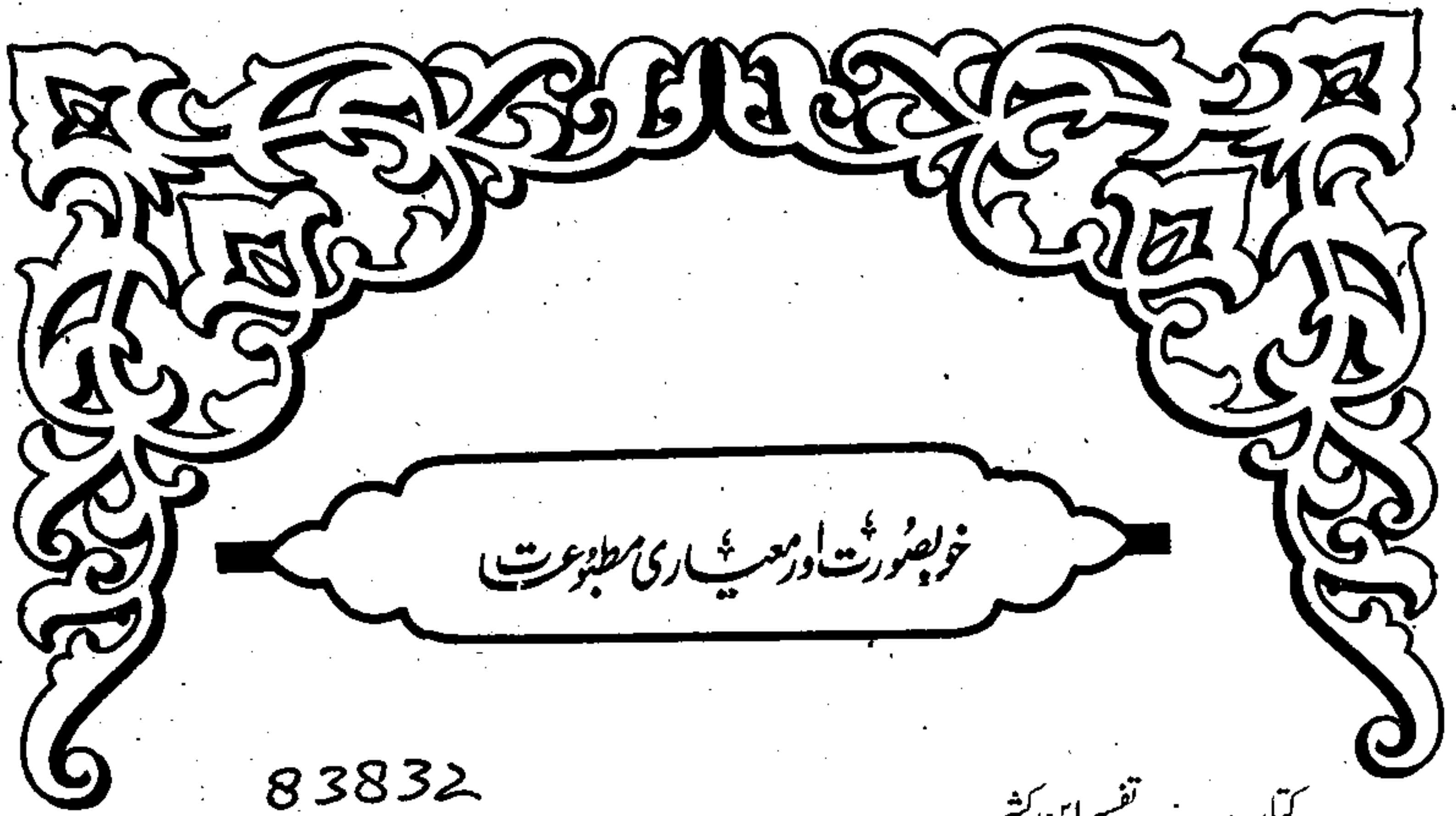
کتاب : تفسیر ابن کثیر

مترجم : مولانا ابو محمد جونا گڑھی

حواشی : مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری خلف الرشید علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

تسہیل : مولانا ایوب صاحب' لاہور

متن قرآن : مولانا رحیم بخش صاحب ملتان' مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کراچی

تخریج : مولانا ابو عبید اللہ صاحب' حفظہ اللہ

طابع : اسلامی کتب خانہ' فضل الٰہی مارکیٹ' چوک اُردو بازار لاہور ۷۲۳۰۷۱۸ ۷۲۲۳۵۰۶

اس تفسیر میں قرآنِ کریم کے متن کا اردو ترجمہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا درج کیا گیا ہے

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے' انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت' طباعت' تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

تفسیر سورۃ قتال (محمد)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۳۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

جولوگ کافر ہوئے[1] اور اللہ کے رستہ سے روکا خدا نے ان کے عمل کالعدم کر دیئے اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ اس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے واقعی امر واقعی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتار دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط رستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح رستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے ○

وہ فساق جن پر خدا کی لعنت ہوگی:

ارشاد ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو راہ راست سے روکا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔ ان کی نیکیاں بے کار ہوگئیں۔ جیسے فرمان ہے۔ ہم نے ان کے اعمال پہلے سے ہی غارت و برباد کر دیئے ہیں اور جولوگ ایمان لائے دل سے اور مطابق شرع اعمال کئے بدن سے۔ یعنی ظاہر و باطن دونوں خدا تعالیٰ کی طرف جھکا دیئے اور وحی الٰہی کو بھی مان لیا' جو موجودہ آخر الزماں پیغمبر پر اتاری گئی ہے اور جو فی الواقع رب کی طرف سے ہی ہے اور جو سراسر حق و صداقت ہی ہے۔ ان کی برائیاں برباد ہیں اور ان کے حال کی اصلاح کا ذمہ دار خود خدا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہو چکنے کے بعد ایمان کی شرط آپ پر اور قرآن پر ایمان لانا بھی ہے۔ حدیث میں حکم ہے کہ جس کی چھینک پر حمد کرنے کا جواب دیا گیا ہوا سے چاہئے کہ: يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ[1] کہے۔ یعنی خدا تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت سنوار دے۔ پھر فرماتا ہے کفار کے اعمال غارت کر دینے کی اور

[1] اس بے بضاعت کا خیال ہے کہ سورہ احقاف کے خاتمہ پر جن فساق کے لئے ہلاکت کی اطلاع دی گئی تھی سورہ محمد میں انہیں کی نشاندہی کی گئی ہے الذین کفروا فرما کر۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر

مومنوں کی برائیاں معاف فرما دینے اور ان کی شان سنوار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کفار تو ناحق کو اختیار کرتے ہیں حق کو چھوڑ کر اور مومن حق کو پرے پھینک کر حق کی پابندی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے انجام کو بیان فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾

سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔ یہ حکم (جہاد کا جو مذکور ہوا) بجا لانا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا لیکن تاکہ تم میں ایک دوسرے ذریعہ امتحان کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی ان کو پہچان کرا دے گا۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے تباہی ہے اور ان کے اعمال خدا تعالیٰ کالعدم کر دے گا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا ○

فساق کی ہلاکت اور اس کا عالم اسباب میں انتظار:

یہاں ایمانداروں کو جنگی احکام دیئے جاتے ہیں کہ جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے اور دستی لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑاؤ، تلوار چلا کر گردن دھڑ سے اتار دو۔ پھر جب دیکھو کہ دشمن ہارا اس کے آدمی کافی کٹ چکے تو باقی ماندہ کو مضبوط قید و بند کے

حاشیہ صفحہ گزشتہ

یا اصلاح احوال دنیا میں اعمال صالحہ کی توفیق کی صورت میں اور آخرت میں نجات کی شکل میں ہو۔

ساتھ مقید کرلو۔ جب لڑائی ختم ہو چکے اور معرکہ پورا ہو جائے تو تمہیں (صرف دو باتوں کا) اختیار ہے۔ یا قیدیوں کو بطور احسان بغیر کچھ لئے چھوڑ دو یا ان کو تاوان جنگ وصول کر کے چھوڑ دو۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے غزوے کے بعد یہ آیت اُتری ہے کیونکہ بدر کے معرکہ میں زیادہ تر مخالفین کو قید کرنے اور قتل کرنے کی کمی کرنے میں مسلمانوں پر عتاب کیا گیا تھا اور فرمایا تھا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى...... (سورہ انفال: ۶۷) نبی ﷺ کو لائق نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں' جب تک کہ ایک مرتبہ جی کھول کر مخالفین میں موت کی گرم بازاری نہ ہو لے۔ کیا تم دنیوی اسباب کی تمنا میں ہو؟ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو آخرت کا ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔ اگر پہلے ہی خدا کا لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو تم نے لیا' اس کی بابت تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ اختیار منسوخ ہے اور یہ آیت ناسخ ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ...... (سورہ توبہ: ۱۵) یعنی حرمت والے مہینے جب گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو۔ لیکن اکثر علماء کا فرمان ہے کہ منسوخ نہیں۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یعنی یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دے۔ یا فدیہ لے کر چھوڑ دے[1] لیکن بعض کہتے ہیں کہ قتل کر ڈالنے کا بھی اختیار ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابو معیط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ثمامہ بن اثیل نے جب کہ اسیر کی حالت میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تھا کہ کہو ثمامہ کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ احسان کریں تو ایک شکر گزار پر احسان رکھیں گے اور اگر آپ مال طلب کرتے ہیں تو آپ جو مانگیں گے مل جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک چوتھی بات کا بھی اختیار بتاتے ہیں۔ یعنی قتل کا' احسان کا' بدلہ کا اور غلام بنا کر رکھ لینے کا۔ اس مسئلے کی تفصیل فروعی مسائل کی کتابوں میں ملے گی اور ہم نے بھی خدا کے فضل و کرم سے کتاب الاحکام میں اس کے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔ یعنی بقول مجاہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں۔ ممکن ہے حضرت مجاہد کی نظریں اس حدیث پر ہوں جس میں ہے کہ میری امت ہمیشہ حق کے ساتھ ظاہر رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔ مسند احمد اور نسائی میں ہے کہ حضرت سلمہ بن نفیل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور ہتھیار الگ کر دیئے اور لڑائی سے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور میں نے کہہ دیا کہ اب لڑائی ہے ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا' اب لڑائی آ گئی۔ میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر ظاہر رہے گی۔ جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے یہ ان سے لڑیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے روزیاں دے گا یہاں تک کہ خدا کا اُمر آ جائے اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ مؤمنوں کی زمین شام میں ہے۔ گھوڑوں کے ایال میں قیامت تک کے لئے خیر رکھ دی ہے۔ یہ حدیث امام بغوی نے بھی ذکر کی ہے اور حافظ ابو یعلی موصلی نے بھی۔ اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ اس آیت کو منسوخ نہیں بتلاتے۔ گویا کہ یہ حکم مشروع ہے۔ جب تک کہ لڑائی باقی رہے گی۔ یہ آیت مثل اس آیت کے ہے: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ...... (سورہ بقرہ: ۱۹۳) یعنی ان سے لڑتے رہو۔ جب تک کہ فتنہ باقی رہے اور جب تک کہ دین اللہ ہی کے لئے نہ ہو جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں لڑائی کے ہتھیار رکھ دینے سے مراد شرک کا باقی نہ رہنا اور بعض سے منقول ہے کہ مراد یہ ہے کہ مشرکین اپنے شرک سے توبہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنی کوشش خدا کی اطاعت کی طرف کرنے لگ جائیں۔ پھر فرماتا

[1] اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ لونڈی غلام کے بارے میں یہ آخری حکم ہے اس کے بعد ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہو گیا ہے لیکن جمہور باوجود اس کے بھی لونڈی غلام کے جواز کے قائل ہیں۔

ہے کہ اگر خدا چاہتا تو آپ ہی کفار کو برباد کر دیتا۔ اپنے پاس سے ان پر عذاب بھیج دیتا۔ لیکن وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں آزمائے۔ اسی لئے جہاد کے احکام جاری فرمائے۔ سورہ آل عمران اور براءت میں بھی اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ آل عمران میں ہے: اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ...... (سورہ آل عمران: ۱۴۲) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ بغیر اس بات کے خدا تعالیٰ جان لے کہ تم میں سے مجاہد کون ہے اور تم میں سے صبر کرنے والے کون ہیں۔ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ سورۂ براءت میں ہے: قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ (سورہ توبہ ۱۴) ان سے جہاد کرو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب کرے گا اور تمہیں ان پر نصرت عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینے شفا والے کر دے گا اور اپنے دلوں کے ولولے نکالنے کا انہیں موقع دے گا اور جس کی چاہے گا توبہ قبول فرمائے گا۔ اللہ بڑا علیم و حکیم ہے۔ اب چونکہ یہ بھی تھا کہ جہاد میں مؤمن بھی شہید ہوں گے۔ اس لئے فرماتا ہے کہ شہیدوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے بلکہ بڑھا چڑھا کر ثواب انہیں دیئے جائیں گے۔ بعض کو تو قیامت تک کے ثواب ملیں گے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ انعامات حاصل ہوتے ہیں: (۱) اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اس کے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۲) اسے اس کا جنت کا مکان دکھایا جاتا ہے اور (۳) نہایت خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کرا دیا جاتا ہے۔ (۴) وہ بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہتا ہے۔ (۵) وہ عذاب قبر سے بچالیا جاتا ہے۔ (۶) اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے۔ جو در و یاقوت کا جڑاؤ ہوتا ہے۔ جس میں کا ایک یاقوت تمام دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے گراں بہا ہے۔ اسے بہتر حوریں[1] ملتی ہیں اور پھر اپنے خاندان کے ستر شخصوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے سوائے قرض کے، شہیدوں کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ شہید کے فضائل کی حدیثیں اور بھی بہت ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں خدا جنت کی راہ سمجھا دے گا اور جیسے آیت اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... (سورہ یونس: ۹) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے۔ ان کے ایمان کے باعث ان کا رب انہیں جنتوں کی طرف رہبری کرے گا۔ جو نعمتوں سے پُر ہیں اور جن کے چپے چپے بہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال اور ان کے کام سنوار دے گا اور جن جنتیوں کو پہلے ہی پہنچوا چکا ہے اور جن کی طرف ان کی رہبری کر چکا ہے۔ آخر کار انہی میں انہیں پہنچائے گا یعنی ہر شخص اپنے مکان اور اپنی جگہ کو جنت میں اس طرح پہچان لے گا۔ کہ میری جگہ یہی ہے۔ جیسے دنیا میں پہچان لیا کرتا تھا۔ انہیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ یہ معلوم ہو گا گویا شروع پیدائش سے یہیں مقیم ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جس انسان کے ساتھ اس کے اعمال کا محافظ جو فرشتہ تھا۔ وہی اس کے آگے آگے جائے گا۔ جب یہ اپنی جگہ پہنچے گا تو از خود پہچان لے گا کہ میری جگہ یہی ہے۔ یونہی پھر اپنی زمین میں سیر کرتا ہوا جب سب دیکھ چکے گا تب فرشتہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنی لذتوں میں مشغول ہو جائے گا۔ صحیح بخاری کی مرفوع حدیث میں ہے جب مؤمن آگ سے چھوٹ جائیں گے تو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر جو مظالم تھے، ان کے بدلے اتار لئے جائیں گے۔ جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت مل جائے گی۔ قسم خدا کی جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے۔ اس سے بہت زیادہ لوگ اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے، ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے: وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ط (سورہ حج: ۴۰) اللہ

[1] ایمان کے بہتر شعبے ہیں۔ شہید نے اپنی جان فی سبیل اللہ دے کر ان بہتر شعبوں کی تصدیق کر دی گویا کہ ہر شعبہ کے عوض میں اس کو ایک حور ملی

ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی کرے۔ اس لئے کہ جیسا عمل ہوتا ہے اسی جنس کی جزا ہوتی ہے اور وہ تمہارے قدم بھی مضبوط کر دے گا۔ حدیث میں ہے جو شخص کسی اختیار والے کے سامنے ایک ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائے جو خود وہاں نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پل صراط پر اس کے قدم مضبوطی سے جما دے گا۔ پھر فرماتا ہے کافروں کا حال بالکل برعکس ہے۔ یہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ دینار و درہم اور کپڑے لتے کا بندہ ٹھوکر کھا گیا۔ وہ برباد ہوا اور ہلاک ہوا۔ وہ اگر بیمار پڑ جائے تو خدا کرے اسے شفا بھی نہ ہو۔ ایسوں کے نیک اعمال بھی اکارت ہیں۔ اس لئے کہ یہ قرآن حدیث سے ناخوش ہیں۔ نہ اس کی عزت و عظمت ان کے دل میں نہ ان کا قصد نہ تسلیم کا ارادہ۔ پس ان کے جو کچھ اچھے کام تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی غارت کر دیا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ۧ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

ع ۵

کیا یہ ملک میں چلتے پھرتے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر تباہی کیسی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی اس قسم کے معاملات ہونے کو ہیں۔ یہ اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور (یعنی انہیں فقط یہ میسر ہوگا کہ وہ) اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان لوگوں کا ٹھکانا ہے اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں اسکے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا ہم نے انکو ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہیں۔ ○

کفار کا مکمل استیصال:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں زمین کی سیر نہیں[1] کی جو یہ معلوم کر لیتے ہیں اور اپنی آنکھوں دیکھ لیتے کہ ان سے اگلے جو ان جیسے تھے ان کے انجام کیا ہوئے؟ کس طرح وہ تاخت و تاراج کر دیئے گئے اور ان میں سے اسلام و ایمان والے ہی نجات پا سکے۔ کافروں کے لئے اسی مثل عمل آیا کرتے ہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے

[1] یہ یہ چل کر بھی ہو سکتی ہے اور دیدہ بہ ت تاریخ کے مطالعہ تو ہوں گے حالات اور امم کے تذکروں سے بھی گھر بیٹھے ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کا خود خدا والی ہے اور کفار بے ولی ہیں[1]۔ اسی لئے احد والے دن مشرکین کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دونوں خلفا کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ تو کہنے لگا کہ یہ سب ہلاک ہو گئے۔ پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا' جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی کر رکھا ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے کان' ناک وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں۔ میں نے ایسا حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا۔ پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے۔ کہنے لگا: اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے پوچھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل کا بول بالا ہو۔ جس کے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت وکرم والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا: لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا عزیٰ (بت) ہے اور تمہارا نہیں ہے۔ اس کے جواب میں بفرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَکُمْ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ پھر جناب باری خبر دیتے ہیں کہ ایمان دار قیامت کے دن جنت نشین ہوں گے اور کفر کرنے والے دنیا میں اگرچہ نفع اُٹھائیں گے۔ لیکن ان کا اصلی ٹھکانہ جہنم ہے۔ دنیا میں ان کی زندگی کا مقصد کھانا اور پیٹ بھرنا ہے۔ اسے یہ لوگ مثل جانور کے پورا کر رہے ہیں۔ جس طرح وہ اِدھر اُدھر منہ مار کر گیلا سوکھا پیٹ میں بھرنے کا ہی ارادہ رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ ہے کہ حلال حرام کی اسے کچھ تمیز نہیں' پیٹ بھرنا مقصود ہے[2]۔ حدیث شریف میں ہے' مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں[3]۔ جزا والے دن اپنے اس کفر کی پاداش میں ان کے لئے جہنم کی گوناگوں سزائیں ہیں۔ پھر کفار مکہ کو دھمکاتا ہے اور اپنے عذاب سے ڈراتا ہے کہ دیکھو جو لوگ تم سے بہت زیادہ طاقت قوت والے تھے ان کو ہم نے بہ سبب ہمارے نبیوں کے جھٹلانے اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے تہس نہس کر دیا تو تم جو ان سے کمزور اور کم طاقت ہو اس رسول کو جھٹلاتے اور ایذائیں پہنچاتے ہو جو خاتم الانبیاء ہیں۔ سمجھ لو کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ مانا کہ اس نبی رحمت کے مبارک وجود کی وجہ سے اگر دنیوی عذاب تم پر نہ بھی آئے تو اُخروی زبردست عذاب تو تم سے دور نہیں ہو سکتے؟ جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو نکالا اور آپ غار میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت مکہ کی طرف توجہ کی اور فرمانے لگے اے مکہ تو تمام شہروں سے زیادہ خدا کو پیارا ہے اور اسی طرح مجھے بھی تمام شہروں سے زیادہ پیارا تو ہے۔ اگر مشرکین مجھے تجھ میں سے نہ نکالتے تو ہرگز نہ نکلتا۔ پس تمام حد سے گزرنے والوں میں سے سب سے بڑا حد سے گزر جانے والا وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نکل جائے۔ حرم خدا میں یا اپنے قاتل کے سوا کسی اور کو قتل کرے یا جاہلیت کے تعصب کی بنا پر قتل کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اُتاری۔

---

[1] ولی کا مطلب حامی مددگار خاص ہے اور نہ ظاہر ہے کہ رزق رسانی وغیرہ میں جس طرح مومنین کے لئے وہ رازق ہے ایسے ہی کفار کے لئے بھی۔

[2] شبہ یہ نہ پیدا ہو کہ کفار بھی بامقصد زندگی گزارتے ہیں پھر قرآن کریم نے ان کے متعلق یہ کیا کہہ دیا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں زندگی بامقصد وہی ہے جو ایمان کے ساتھ آخرت کو سنوارنے کے لئے صرف ہو رہی ہو ورنہ دین و دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے جدوجہد اسلام اور خدا تعالیٰ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

[3] بعض کفار یقیناً مسلمانوں سے کم ہی کماتے ہوں گے پھر اس حدیث کی صحت پر کیوں اعتماد کیا جائے جواب وہی ہے کہ کفار کا کھانا برائے کھانا ہے اور مومن کی خورد و نوش کا مقصد عبادت الٰہی کے لئے طاقت اور خدائی نظام کو قائم کرنے کے لئے قوت ہوتا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿١٥﴾

تو جولوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہے اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں تغیر نہ ہوا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی۔ کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا ○

فردوس بریں کی بہترین نعمتیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص دین خدا میں یقین کے درجے تک پہنچ چکا ہو۔ جسے بصیرت حاصل ہو چکی ہو۔ فطرت صحیحہ کے ساتھ ہی ہدایت وعلم بھی ہو۔ وہ اور وہ شخص جو بداعمالیوں کو نیک کاریاں سمجھ رہا ہے۔ جو اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا ہوا ہو۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے فرمان ہے: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ (سورہ رعد: ۱۴) یعنی نہیں ہو سکتا کہ خدا کی وحی کو حق ماننے والا اور ایک اندھا برابر ہو جائے اور ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سورہ حشر: ۲۰) یعنی جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی کامیاب اور مراد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ اس میں پانی کے چشمے ہیں۔ ایسا پانی جو کبھی بگڑتا نہیں۔ سڑتا نہیں' متغیر نہیں ہوتا نہ بدبو پیدا ہوتی ہے۔ بہت صاف موتی جیسا ہے کوئی گدلا پن نہیں۔ کوڑا کرکٹ نہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جنتی نہریں مشک کے پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ اس میں پانی کے علاوہ دودھ کی نہریں بھی ہیں۔ جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ بہت سفید بہت میٹھا اور نہایت صاف شفاف اور بامزہ پر ذائقہ۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا نہیں۔ بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی' جو پینے والے کا دل خوش کردیں' دماغ کشادہ کردیں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی ہے نہ بدذائقہ۔ بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ' نہایت خوشبودار۔ جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں کشید کی ہوئی نہیں۔ بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں

شہد کی نہریں بھی ہیں' جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ جنت میں دودھ' پانی' شہد اور شراب کے سمندر ہیں۔ جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں۔ پھر ایک حوض میں آتی ہیں۔ وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس طلب کرو۔ وہ سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ طبرانی میں ہے حضرت نقیط بن عامر جب وفد میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشہ کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والے دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوہ جات' عجیب وغریب بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی۔ دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اُٹھائیں گے۔ ہاں بال بچے وہاں نہ ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی' زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں' نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں۔ ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں۔ ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ پھر فرماتا ہے وہاں ان کے لئے ہر طرح کے میوے اور پھل پھول ہیں۔ جیسے اور جگہ فرماتا ہے: يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ (سورہ دخان: ۵۵) یعنی وہاں امن وامان کے ساتھ ہر قسم کے میوے وہ منگوائیں گے اور کھائیں گے اور آیت میں ہے: كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ (سورہ رحمٰن: ۵۲) دونوں جنتوں میں ہر ہر قسم کے میووں کے جوڑ ہیں۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رب خوش ہے وہ اپنی مغفرت ان کے لئے حلال کر چکا ہے انہیں نواز چکا ہے اور ان سے راضی ہو چکا ہے اب کوئی کھٹکا ہی نہیں۔ جنتوں کی یہ دھوم دھام اور نعمتوں کے بعد فرماتا ہے کہ دوسری جانب جہنمیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہنم کے درکات میں جل بھن رہے ہیں اور وہاں سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں اور سخت پیاس کے موقعہ پر وہ کھولتا ہوا گرم پانی' جو دراصل آگ ہی ہے لیکن بہ شکل پانی انہیں پینے کے لئے ملتا ہے کہ وہ ایک گھونٹ اندر جاتے ہی آنتیں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر بھلا ان دونوں میں کیا جوڑ؟ کہاں جنتی کہاں جہنمی۔ کہاں نعمت کہاں زحمت' یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ

يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع ۸

اور بعضے آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی ہے۔ یہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔ سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعتہً آ پڑے سو اس کی علامتیں تو آ چکی ہیں۔ تو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اس وقت ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مرد سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے ○

منافقین کی حیلہ تراشیاں:

منافقوں کی کند ذہنی' بے علمی' ناسمجھی اور بے وقوفی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود مجلس میں شریک ہونے کے' کلام الرسول سن لینے کے' پاس بیٹھے ہوئے ہونے کے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ مجلس کے خاتمے کے بعد اہل علم صحابہؓ سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کیا کیا کہا؟ یہ ہیں جن کے دلوں پر مہر خداوندی لگ چکی ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے پڑ چکے ہیں۔ فہم صریح اور قصد صحیح ہے ہی نہیں۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے' جو لوگ ہدایت کا تصور کرتے ہیں' انہیں خود خدا بھی توفیق دیتا ہے اور ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ پھر اس پر جم جانے کی ہمت بھی عطا فرماتا ہے اور ان کی ہدایت بڑھاتا رہتا ہے اور انہیں رشد و ہدایت الہام فرماتا رہتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تو اسی انتظار میں کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے تو یہ معلوم کر لیں کہ اس کے قریب ہونے کے نشانات تو ظاہر ہو چکے ہیں۔ جیسے اور موقعہ پر ارشاد ہوا ہے: هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (سورہ نجم: ۵۶) یہ ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں سے قریب آنے والی قریب آ چکی ہے اور بھی ارشاد ہوتا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... (سورہ قمر: ۱) قیامت قریب ہو گئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ...... (سورہ انبیاء: ۱) لوگوں کا حساب قریب آ گیا۔ پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہی ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہو کر دنیا میں آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس لئے کہ آپ رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی محبت اپنی مخلوق پر پوری کی اور حضور علیہ السلام نے قیامت کی شرطیں اور اس کی علامتیں اس طرح بیان فرما دیں کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبیؑ نے اس قدر وضاحت نہیں کی تھی۔ جیسے کہ اپنی جگہ وہ سب بیان ہوئی ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا قیامت کی شرطوں میں سے ہے۔ چنانچہ خود آپ کے نام حدیث میں یہ آئے ہیں۔ نبی التوبہ' نبی الملحمہ' حاشر جس کے قدموں پر لوگ جمع کئے جائیں اور عاقب جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیچ کی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو اٹھا کر فرمایا' میں اور قیامت مثل ان دونوں کے بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا کہ کافروں کو قیامت قائم ہو جانے کے بعد نصیحت و عبرت کیا سود مند ہوگی؟ جیسے ارشاد ہے: يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (فجر ۲۳) اس دن نصیحت حاصل کرے گا۔ لیکن اس کیلئے نصیحت ہے کہاں؟ یعنی آج کے دن کی عبرت بے سود ہے اور آیت میں ہے: وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ (سورہ سبا: ۵۲) یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے۔ حالانکہ اب انہیں دور مکان پر دسترس کہاں ہو سکتی ہے۔ یعنی اُن کا ایمان اس وقت بے سود ہے۔ پھر فرماتا ہے اے نبی جان لو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے

کوئی اور نہیں۔ یہ دراصل خبر دینا ہے اپنی وحدانیت کی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے علم کا حکم دیتا ہو۔ اسی لئے اس پر عطف ڈال کر فرمایا اپنے گناہوں کا[1] اور مومن مرد و عورت کے گناہوں کا استغفار کرو۔ صحیح حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِيْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذَالِكَ عِنْدِیْ) یعنی اے اللہ میں نے جو کچھ گناہ پہلے کئے ہیں اور جو کچھ پیچھے کئے ہیں جو چھپا کر کئے ہیں اور جو ظاہر کئے ہیں جو زیادتی کی ہے اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ بخش دے۔ تو ہی میرا اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور صحیح حدیث میں ہے آپ نے فرمایا اے لوگو اپنے رب کی طرف توبہ کرو۔ پس تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ کے ساتھ آپ کے کھانے میں سے کھانا کھایا۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو بخشے۔ آپؐ نے فرمایا اور تجھے بھی۔ تو میں نے کہا کیا میں آپ کے لئے استغفار کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اور اپنے لئے بھی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی' اپنے گناہوں اور مومن مردوں اور باایمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کر۔ پھر میں نے آپ کے داہنے کھوے یا بائیں ہتھیلی کو دیکھا۔ وہاں کچھ جگہ اُبھری ہوئی تھی۔ جس پر گویا تل تھے۔ اسے مسلم ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابویعلی میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لا الٰہ الا اللہ کا اور استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑ لو اور انہیں بکثرت کہا کرو۔ اس لئے کہ ابلیس کہتا ہے۔ میں نے ان کو گناہوں سے ہلاک کیا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو انہیں خواہشوں کے پیچھے لگا دیا۔ پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ ایک اور اثر میں ہے کہ ابلیس نے کہا خدایا مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم' جب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے اسے بہکاتا رہوں گا۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا' جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں۔ استغفار کی فضیلت میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا دن میں ہیر پھیر اور تصرف کرنا اور تمہارا رات کو جگہ پکڑنا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (سورہ انعام: ۶۰) یعنی وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن کو جو کچھ کرتے وہ جانتا ہے اور آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ...... (سورہ ہود: ۶) یعنی زمین پر جتنے بھی چلنے والے ہیں' ان سب کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ ان کے رہنے کی جگہ اور دفن ہونے کا مقام جانتا ہے۔ یہ سب باتیں واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ مراد آخرت کا ٹھکانا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' تمہارا چلنا پھرنا دنیا میں اور تمہاری قبروں کی جگہ اسے معلوم ہے۔ لیکن اول قول ہی صاف اور واضح ہے۔ واللہ اعلم

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

[1] استغفار اگر نبی علیہ السلام کرے تو اس سے پہلے گناہ ضروری نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفت عفاری کا ظہور انبیاء پر سب سے زیادہ ہے اور ان صفات کے ظہور کے لئے کچھ تمہیدی سامان مطلوب ہیں جیسا کہ آگ جلانے سے پہلے لکڑی وغیرہ پس انبیاء علیہم السلام خود کو خدا تعالیٰ کی اس رحمت عام یعنی عفاری کا مظہر بنانے کے لئے استغفار کرتے ہیں حالانکہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوئے بلکہ ہم سب ہی کہتے ہیں کہ مرا اور سویا برابر ہیں پس یہاں موت سے نیند کی وہی کیفیت مراد ہے جس میں انسان کے بہت سے قوی حواس مردہ کی طرح کام چھوڑ دیتے ہیں۔

الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰی لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤی اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ نازل ہوئی۔ سو جس وقت کوئی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے) اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ سو (اصل یہ ہے کہ) عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے۔ پس جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو رب نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ○

دلوں کے بیمار:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ مؤمن تو جہاد کے حکم کی تمنا کرتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ جہاد کو فرض کر دیتا ہے اور اس کا حکم نازل فرما دیتا ہے تو اس سے اکثر لوگ ہٹ جاتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ...... (سورہ نساء: ۷۷) یعنی کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا' جن سے کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ کا ڈر ہو۔ بلکہ اس سے زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب ہم پر تو نے جہاد کیوں فرض کیا۔ تو نے ہم کو قریب کی مدت تک ڈھیل کیوں نہ دی؟ آپ ان سے کہئے کہ دنیا کی متاع بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایمان والے تو جہاد کے حکموں کی آیتوں کے نازل ہونے کی تمنا کرتے ہیں لیکن منافق لوگ جب ان آیتوں کو سنتے ہیں تو بوجہ اپنی گھبراہٹ بوکھلاہٹ اور نامردی کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس طرح آپ کو دیکھنے لگتے ہیں۔ جیسے موت کی غشی والا' پھر انہیں مرد میدان بننے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے۔ ان کے حق میں بہتر تو یہ ہوتا کہ یہ سنتے مانتے اور جب موقعہ آ جاتا' معرکہ کارزار گرم ہوتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے۔ پھر فرماتا ایسوں پر خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے اور یہ رب کی طرف سے بہرے اندھے ہیں۔ زمین میں فساد کرنے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح اور صلہ رحمی کرنے کی ہدایت کی ہے اور ان کا حکم فرمایا ہے۔ صلہ رحمی کے معنی ہیں قرابت داروں کے ساتھ معاملات میں سلوک و احسان کرنا اور ان کی مالی مشکلات میں ان کے کام آنا۔ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں موجود ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا[1]۔

[1] حدیث پر ایمان لانا چاہئے اور تفصیلات کا علم خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے۔

اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیری پناہ میں آنے کا۔ اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ...... اور سند سے ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا بُرا نہیں' جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بڑی پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی' بغاوت اور قطع رحمی کے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص چاہے کہ اس کی عمر بڑی ہو اور روزی کشادہ ہو' وہ صلہ رحمی کرے اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے قرابتدار مجھ سے تعلقات منقطع کرتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں۔ وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ تم صلہ رحمی پر ہی رہو اور یاد رکھو کہ جب تک تم اس پر باقی رہو گے' اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ بخاری وغیرہ میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلہ رحمی عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں' جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے۔ یا کہ صحیح معنی میں رشتے ناتے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی۔ اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کے۔ وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی۔ پس وہ کاٹ دیا جائے گا۔ جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا[1]۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر خدا بھی رحم کرتا ہے' تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والوں کو خدا تعالیٰ ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والوں کو خود خدا تعالیٰ توڑ دیتا ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے۔ تو آپ کہنے لگے تم نے صلہ رحمی کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ میں رحمٰن ہوں اور رحم کا نام میں نے اپنے نام پر رکھا ہے۔ اسے جوڑنے والے کو میں جوڑوں گا اور اس کے توڑنے کو میں توڑوں گا اور حدیث میں ہے' آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں۔ جو روز اول میں میل کر چکی ہیں۔ وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے۔ یہاں بھی ان میں بعد رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جب زبانی دعوے بڑھ جائیں عمل گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو' دلی بغض و عداوت ہو' رشتے دار رشتے دار سے بدسلوکی کرے[2] اور اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا

[1] اس حدیث کی تفصیلات بھی خدا تعالیٰ کے علم کامل کے سپرد کیجئے۔

[2] اور منافقت کا یہ معاملہ آج جس قدر عام ہے شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ جو لوگ پشت پھیر کر ہٹ گئے پھر اس کے کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو چکمہ دیا ہے اور ان کو دور دور کی سجھائی ہے یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہا مان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے۔ سو ان کا کیا حال ہو گا۔ جبکہ فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا سے نفرت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کالعدم کرتا ہے ○

ارتداد اور اس کی عبرتناک سزا:

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں غور و فکر کرنے سوچنے سمجھنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اس سے بے پروائی و اعراض سے روکتا ہے۔ ارشاد ہے کہ غور و تامل تو کجا' ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ کوئی کلام اس میں اثر ہی نہیں کرتا۔ جائے تو اثر کرے اور جائے کہاں سے۔ جب کہ جانے کی راہ نہ پائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک نوجوان نے کہا کہ بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں۔ جب تک خدا نہ کھولے اور الگ نہ کرے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں رہی۔ یہاں تک کہ اپنی خلافت کے بارے میں اس سے مدد لیتے رہے[1]۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر کر چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ دراصل شیطان نے اس کار بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے اُن کے اس نفاق کی' جو ان کے دل میں تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے۔ کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے' گھبراؤ نہیں' ابھی ابھی ہم بھی بعض امور میں تمہارا ساتھ دیں گے لیکن یہ باتیں اس خدا سے تو چھپ نہیں سکتیں جو ظاہری باطنی حالات سے خوب واقف ہو' جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو۔ جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہو گا' جب کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور ملائکہ جبراً قہراً ڈانٹ جھڑک اور مار پیٹ سے انہیں باہر نکالیں گے۔ جیسے ارشاد باری ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ...... (سورہ انفال: ۵۰) یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب کہ ان کافروں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہوئے ان کے منہ پر طمانچے اور ان کی پیٹھ پر کے مارتے ہیں اور آیت میں ہے: تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ...... (سورہ انعام: ۹۳) یعنی کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ ظالم سکرات موت میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو[2]۔ آج تمہیں ذلت کے عذاب کئے جائیں گے۔ اس لئے کہ تم خدا کے

[1] مطالب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے درست اور ذہن ثاقب پر اعتماد کیا اور اپنی زمانہ خلافت میں ان کے مشوروں پر عمل بھی فرمایا۔ ......=

ذمے ناحق کہا کرتے تھے اور اس کی آیتوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جن سے خدا ناخوش ہو اور خدا کی رضا سے کراہیت کرتے تھے۔ پس ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور ہم اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے سو آپ ان کو حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کر لیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں ○

آزمائش:

یعنی کیا منافقوں کا خیال ہے کہ ان کی مکاری اور عیاری کا اظہار اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر کرے گا ہی نہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مکر اس طرح واضح کر دے گا کہ ہر عقل مند انہیں پہچان لے اور ان کی بدباطنی سے بچ سکے۔ ان کے بہت کچھ احوال سورہ براءت میں بیان کئے گئے اور ان کے نفاق کی بہت سی خصلتوں کا ذکر وہاں کیا گیا یہاں تک کہ اس سورت کا دوسرا نام ہی فاضحہ رکھ دیا گیا۔ یعنی منافقوں کو فضیحت کرنے والی۔ اضغان جمع ہے ضغن کی۔ ضغن کہتے ہیں دلی حسد و بغض کو۔ اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے نبی اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود تمہیں دکھا دیں۔ پس تم انہیں کھلم کھلا جان جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ ان تمام منافقوں کو بتلا نہیں دیا تاکہ اس کی مخلوق پر پردہ پڑا رہے[1]۔ ان کے عیوب پوشیدہ رہیں۔ ہر ایک کی نگاہ میں ان کی ذلت نہ ہو۔ امور اسلامی ظاہر داری پر رہیں اور باطنی حساب اسی ظاہر و باطن جاننے والے کے ہاتھ رہے۔ لیکن ہاں تم تو ان کی بات چیت کے طرز کلام کے ڈھنگ سے ہی صاف پہچان لو گے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے۔ اللہ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔ ہم نے شرح صحیح بخاری کے شروع میں عملی اور اعتقادی نفاق کا بیان پوری طرح کر دیا ہے۔ جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ حدیث میں منافقوں کی ایک جماعت کی صاف صاف تعیین آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا' تم میں بعض لوگ منافق ہیں' پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر

[2] کافر کو دنیاوی زندگی نہایت ہی پسندیدہ اور مرغوب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بوقت موت اس کی روح جسم سے مفارقت کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

[1] خدا تعالیٰ کا ایک نام ستار العیوب بھی ہے لوگوں کے عیوب چھپانے والا نفاق تک کی پردہ داری اسی صفت عالی کا مظہر ہے۔

فرمایا اے فلاں کھڑا ہو جا' اے فلاں کھڑا ہو جا۔ یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے۔ پھر فرمایا تم میں یا تم میں سے منافق[1] ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوئے تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے۔ پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے۔ پھر فرماتا ہے ہم حکم احکام دے کر روک ٹوک کر کے تمہیں خوب آزما کر معلوم کر لیں گے کہ تم میں سے مجاہد کون ہے؟ اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ اور ہم تمہارے احوال آزمائیں گے۔ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس علام الغیوب کو ہر چیز اور ہر شخص اور اس کے اعمال معلوم ہیں۔

یہاں مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سامنے کھول دے اور اس حال کو دیکھ لے اور دیکھا کرے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس جیسے مواقع پر لِنَعْلَمَ کے معنی کرتے تھے لِنَرٰی یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستے سے روکا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان کو رستہ نظر آ چکا تھا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مٹا دیں گے۔ اے ایمان لانے والو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (کفار کی طرح اللہ اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے رستے سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر گئے خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا۔ سو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کا عبرتناک انجام:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ کفر کرنے والے اور خدا کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور رسول کی مخالفت کرنے والے ہدایت کے ہوتے ہوئے گمراہ ہونے والے خدا کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ کل قیامت کے دن یہ خالی ہاتھ ہوں گے۔ ایک نیکی بھی ان کے پاس نہ ہوگی۔ جس طرح نیکیاں گناہوں کو ہٹا دیتی ہیں اسی طرح ان کے بدترین جرم و گناہ نے نیکیاں برباد کر دیں۔ امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں حدیث لائے ہیں کہ صحابہ کا خیال تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں

[1] یہ اس وجہ سے کہ انسان کی کوشش پردہ داری کی خدا تعالیٰ کی مشیت اور مصالح کے خلاف تھی۔

83832

دیتے۔ جیسے کہ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی۔ اس پر یہ آیت: اَطِيْعُوا اللّٰهَ اتری اب اصحاب رسول اس سے ڈرنے لگے کہ گناہ نیکیوں کو باطل نہ کر دیں۔ دوسری سند سے روایت ہے کہ صحابہ کرام کا خیال تھا کہ ہر نیکی بالیقین مقبول ہے۔ یہاں تک کہ آیت اُتری تو کہنے لگے کہ ہمارے اعمال کو برباد کرنے والی چیز گناہ کبیرہ اور برائیاں ہیں۔ یہاں تک کہ آیت: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ...... (سورہ نساء: ۴۸) نازل ہوئی۔ اب اس بارے میں کوئی بات کہنے سے رک گئے اور کبیرہ گناہ اور بدکاریاں کرنے والے پر انہیں خوف رہتا تھا اور ان سے بچنے والے کے لئے اُمید رہتی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو اپنی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جوان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی چیز ہے اور مرتد ہونے سے روک رہا ہے۔ جو اعمال کو غارت کرنے والی چیز ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے کفر کرنے والے راہ خدا سے روکنے والے اور کفر ہی مرنے والے خدا کی بخشش سے محروم ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ خدا شرک کو نہیں بخشتا۔ اس کے بعد جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے کہ اے میرے مومن بندو! تم دشمنوں کے مقابلے میں عاجزی کا اظہار[1] نہ کرو اور ان سے دب کر صلح کی دعوت نہ دو۔ حالانکہ قوت و طاقت میں زور و غلبہ میں تعداد و اسباب میں تم قوی ہو۔ ہاں جب کافر قوت میں تعداد میں اسباب میں تم سب سے زیادہ ہوں اور مسلمانوں کا امام مصلحت صلح ہی میں دیکھے تو ایسے وقت بے شک صلح کی طرف جھکنا جائز ہے۔ جیسے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر کیا۔ جبکہ مشرکین نے آپ کو مکہ جانے سے روکا تو آپ نے دس سال لڑائی بندر کھنے اور صلح قائم رکھنے پر مصالحت کر لی۔ پھر ایمان والوں کو بہت بڑی بشارت وخوشخبری سناتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے[2]۔ اس وجہ سے فتح و نصرت تمہاری ہی ہے۔ یقین مانو کہ تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی وہ ضائع نہ کرے گا بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب تمہیں عنایت فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۟﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۸

دنیوی زندگی تو محض ایک لہو ولعب ہے اور اگر ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال

[1] فقہاء مفسرین کی یہ تصریح پیش نظر رہے کہ کفار سے وہی صلح صرف ممنوع ہے جو دب کر اور عاجز ہو کر کی جائے ورنہ امت کی فلاح اور مصالح کی خاطر صلح کرنے کی خاطر کوئی مضائقہ نہیں۔

[2] یعنی دنیا میں تصرف کے ساتھ اور آخرت میں بخشش و رحمت کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ فلا تھنوا کا مطلب یہ ہے کہ پست ہمتی کے تقاضوں پر عمل نہ کرو گویا کہ صرف عمل کی مخالفت ہے ورنہ دشمن کی کثرت اس کی تیاری اس کی شوکت و قوت دیکھ کر متاثر ہونا تو طبعی اور فطری تقاضا ہے۔

طلب نہ کرے گا۔ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تمہارے ناگواری ظاہر کردے۔ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ○

دُنیا کی موہوم زندگی:

دنیا کی زندگی اور اس کی حقارت و ذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے بجز تماشے[1] کے اور کچھ حاصل حصول نہیں۔ ہاں جو کام خدا کے لئے کئے جائیں۔ وہ باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ذات بے پرواہ ہے' تمہارے اچھے کام تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں۔ وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں۔ اس نے تمہیں جو خیر خیرات کا حکم دیا ہے۔ وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غربا و فقراء کی پرورش ہو[2] اور پھر تم آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا۔ مال کے نکالنے میں یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گزرتا ہے۔ پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ صدقے کی فضیلت اور اس کے اجر سے محروم ہی رہے گا اللہ تعالیٰ سب سے غنی ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں۔ غنا خدائے تعالیٰ کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے[3] نہ یہ اس سے کبھی الگ ہو' نہ وہ اس سے۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے' اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے علاوہ اور قوم پیدا کردے گا۔ جو تم جیسی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی' تو صحابہؓ نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں' جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے؟ تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شانے پر رکھ کر فرمایا' یہ اور ان کی قوم۔ اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اسے فارس کے لوگ لے آتے۔ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں بعض ائمہ جرح و تعدیل نے کچھ کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ الفتح

بخاری مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ والے سال اثنائے سفر میں راہ چلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر ہی سورہ فتح کی تلاوت فرمائی اور ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا[4] تو میں آپ کی تلاوت کی طرح تلاوت کرکے تمہیں سنا دیتا۔

[1] یعنی دنیا دار آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے یہ حقیقت کبھی نہ بھولئے کہ قرآن مجید دنیا کے متعلق جب اس طرح کے خیالات ظاہر کرتا ہے تو وہاں ہمیشہ دنیا کا آخرت سے مقابلہ پیش نظر ہوتا ہے۔

[2] یہ انفاق فی سبیل اللہ ظاہر ہے کہ ہمیشہ بندوں ہی کے لئے مفید ہوتا ہے اور امراء و رؤسا کی داد و دہش سے ہمیشہ غربا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

[3] یعنی خدا تعالیٰ کو غنی ہی ہونا چاہئے اور بندوں کو محتاج۔

[4] یہ تھا مزاج حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا کہ فتنہ کے خطرہ سے آنحضور ﷺ کی طرح تلاوت کرنے سے بھی گریز کیا آج امت اس آئینہ میں اپنا بھی منہ دیکھ لے کہ سینکڑوں بدعات کس طرح اس میں پیدا ہو کر جڑ پکڑ چکی ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۴ کل آیت: ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل فرمادے اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے اور اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہے ○

فتح مُبین:

ذی قعدہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرنے کے ارادے[1] سے مدینہ سے مکہ کو چلے۔ لیکن راہ میں مشرکین نے روک دیا اور مسجد الحرام کی زیارت سے مانع ہوئے۔ پھر وہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوئے' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات پر کہ آپ اگلے سال عمرہ ادا کریں گے' ان سے صلح کر لی۔ جسے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت پسند نہ کرتی تھی۔ جس میں قابل ذکر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف ہے۔ آپ نے وہیں اپنی قربانیاں کیں اور لوٹ گئے۔ جس کا پورا واقعہ ابھی اسی سورت میں کی تفسیر میں آ رہا ہے ان شاء اللہ۔ پس لوٹتے ہوئے راہ میں یہ مبارک سورت آپ پر نازل ہوئی۔ جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور اس صلح کو باعتبار نتیجہ فتح کہا گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تم تو فتح' فتح مکہ کو کہتے ہیں۔ لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح جانتے تھے۔ حضرت جابرؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیعت الرضوان کے واقعہ حدیبیہ کو فتح گنتے ہیں۔ ہم چودہ سو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقعہ پر تھے۔ حدیبیہ نامی ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس میں پانی اپنی ضرورت کے مطابق لینا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد پانی بالکل ختم ہو گیا۔ ایک قطرہ بھی نہ بچا۔ آخر پانی نہ ہونے کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک پہنچی۔ آپ اس کنوئیں کے پاس آئے۔ اس کے کنارے بیٹھ گئے اور پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا۔ جس میں کلی بھی کی۔ پھر دعا کی اور وہ پانی اس کنوئیں میں ڈلوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد جو ہم نے دیکھا تو وہ پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ ہم نے

[1] ۶ ھ ماہ رجب مطابق مارچ ۶۲۲ء میں آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یہ سفر کیا ابھی آپ حدیبیہ ہی کے مقام پر پہنچے تھے۔ کفار نے مزاحمت کی آپ نے ان سے کہلا بھیجا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہم صرف حج کرنے کے ارادے سے آئے ہیں کفار نے آپ کے اس صداقت آمیز بیان کو تسلیم نہیں کیا تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ معظمہ بطور سفیر کے روانہ کیا خبر اڑی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اس پر آپ نے اپنے صحابہ سے بیعت جہاد فرمائی کفار نے یہ سنا تو سرداران مکہ کی ایک جماعت مصالحت کی گفتگو کرنے آئی صلح نامہ مرتب ہوا اور اس کی بعض دفعات پر صحابہ کو خفت محسوس ہوئی لیکن اس حال صلح ہوئی اس کو صلح نہیں کہنا قرآن مجید کی ایک پیش گوئی تھی جو پوری ہوئی اسلامی مؤرخین متفق ہیں کہ بعد کی تمام کامیابیاں اسی ایک کامیابی کا نتیجہ تھیں۔

بھی پیا۔ جانوروں نے بھی پیا۔ اپنی حاجتیں پوری کیں اور سارے برتن بھر لئے۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک سفر میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ تین مرتبہ میں نے آپ سے کچھ پوچھا' آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب تو مجھے سخت ندامت ہوئی اس امر پر کہ افسوس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی۔ آپ جواب دینا نہیں چاہتے اور میں خواہ مخواہ سر ہوتا رہا۔ پھر مجھے ڈر لگنے لگا کہ میری اس بے ادبی پر میرے بارے میں کوئی وحی آسمانی نہ نازل ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی سواری کو تیز کیا اور آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے سنا' کوئی منادی میرے نام کی ندا کر رہا تھا۔ میں نے جواب دیا تو اس نے کہا چلو تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں۔ اب تو میں سناٹے میں آ گیا کہ ضرور کوئی وحی نازل ہوئی اور میں ہلاک ہوا۔ جلدی جلدی حاضر حضور ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا گزشتہ شب مجھ پر ایک سورت اتری ہے' جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپؐ نے اِنَّا فَتَحْنَا کی تلاوت کی۔ یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ صحابہؓ آپ کو مبارک باد دینے لگے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ہوئی آپ کے لئے۔ ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے عَظِيْمًا تک نازل ہوئی (بخاری مسلم) حضرت مجمع بن حارثہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قاری قرآن تھے' فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آ رہے تھے جو میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جا رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے۔ آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی۔ تو ایک صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے' یہ فتح ہے۔ خیبر کی تقسیم صرف انہی پر کی گئی' جو حدیبیہ میں موجود تھے۔ اٹھارہ حصے بنائے گئے۔ کل لشکر پندرہ سو کا تھا۔ جس میں تین سو گھوڑے سوار تھے۔ پس سوار کو دوہرا حصہ ملا اور پیدل کو ایک۔ (ابوداؤد وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' حدیبیہ سے آتے ہوئے ایک جگہ رات گزارنے کے لئے ہم اترے اور سو گئے۔ تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوئے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے۔ اتنے میں آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کیا کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے۔ اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں گم ہو گئی۔ ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رُکی کھڑی ہے۔ اسے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا۔ ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی۔ وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی۔ جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتلایا کہ آپ پر سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا...... اتری ہے (ابوداؤد و نسائی مسند وغیرہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوافل تہجد وغیرہ میں اس قدر وقت لگاتے کہ پیروں پر ورم چڑھ جاتا۔ تو آپ سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ[1] معاف نہیں فرما دیئے؟ آپ نے جواب دیا کیا پھر میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

[1] حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جب بھی گناہ ذنب وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو مطلب ان نفوس قدسیہ کی اجتہادی فروگزاشتیں ہوتی ہیں حقیقی گناہ نہیں نعمت سے مراد نبوت معجزات علوم قرآن مجید ہیں تکمیل نعمت سے مراد آپ کی امت کی کثرت آپ کی دعوت کی اشاعت اور بکثرت لوگوں کا آپ کے دست مبارک پر اسلام لانا وغیرہ ہے۔ یهدیك صراطا مستقیما یعنی آپ کو آئندہ بلا مزاحمت مکہ معظمہ کی حکومت حاصل ہوگئی۔

(بخاری مسلم) اور روایت میں ہے کہ پوچھنے والی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں (مسلم) پس مبین سے مراد کھلی صریح صاف ظاہر ہے اور فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس کی وجہ سے بڑی خیر و برکت حاصل ہوئی۔ لوگوں میں امن وامان ہوا۔ مؤمن کافر میں بول چال شروع ہوگئی۔ علم اور ایمان کے پھیلانے کا موقع ملا۔ آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی' یہ آپ کا امتیاز ہے۔ جس میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔ ہاں بعض اعمال کے ثواب میں یہ الفاظ اوروں کے لئے بھی آئے ہیں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شرافت و عظمت ہے۔ آپ اپنے تمام کاموں میں بھلائی استقامت اور فرمانبرداری خدا پر مستقیم تھے۔ ایسے کہ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ آپ تمام انسانوں میں سب سے اکمل انسان اور دنیا و آخرت میں کل اولادِ آدم کے سردار اور رہبر تھے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خدا کے فرماں بردار اور سب سے زیادہ خدا کے احکام کا لحاظ کرنے والے تھے۔ اسی لئے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا اسے ہاتھیوں کے روکنے والے نے روک لیا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' آج یہ کفار مجھ سے جو مانگیں گے' دوں گا۔ بشرطیکہ خدا کی حرمت کی ہتک نہ ہو۔ پس جب آپ نے خدا کی مان لی۔ صلح کو قبول کر لیا تو اللہ عزوجل نے فتح کی سورت اُتاری اور دنیا اور آخرت میں اپنی نعمتیں آپ پر پوری کیں اور شرع عظیم اور دین قویم کی طرف آپ کی رہبری کی اور آپ کے خشوع و خضوع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند و بالا کیا۔ آپ کی تواضع' فروتنی' عاجزی اور انکساری کے بدلے آپ کو عزو جاہ مرتبہ و منصب عطا فرمایا۔ آپ کے دشمنوں پر آپ کو غلبہ دیا۔ چنانچہ خود آپ کا فرمان ہے۔ بندہ درگزر کرنے سے عزت میں بڑھ جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری کرنے سے بلندی اور عالی رشتہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی ال تعالی عنہ کا قول ہے کہ تو نے کسی کو جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو' ایسی سزا نہیں دی کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟ۙ لِّیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۟ۙ وَّیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۟ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۟

وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی بہشت میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کو رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے۔ جو کہ اللہ کے ساتھ بڑے بڑے گمان رکھتے ہیں۔ ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوگا اور ان کو رحمت سے دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور آسمان اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ○

سکینتِ الٰہی:

سکینہ[1] کے معنی اطمینان رحمت اور وقار کے ہیں۔ فرمان ہے کہ حدیبیہ والے جن باایمان صحابہؓ نے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مان لی' اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔ اس سے حضرت[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدائی لشکروں کی کمی نہیں۔ وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا۔ ایک فرشتے کو بھیج دیتا۔ تو وہ سب کو برباد اور بے نشان کر دینے کے لئے بس تھا لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا۔ جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے۔ اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ پہلے یہ روایت گزر چکی ہے' کہ صحابہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد دی اور پوچھا کہ حضورؐ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری' کہ مؤمن مرد اور عورتیں جنتوں میں جائیں گے۔ جہاں قدم قدم پر نہریں جاری ہیں اور جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے اور اس لئے بھی کہ خدا تعالیٰ ان کے گناہ اور ان کی برائیاں دور اور رفع کر دے۔ انہیں ان کی برائیوں کی سزا نہ دے۔ بلکہ معاف فرما دے درگزر کر لے۔ بخش دے پردہ ڈال دے۔ رحم کرے اور ان کی قدر دانی کرے۔ دراصل یہی اصل کامیابی ہے۔ جیسے کہ عزوجل نے فرمایا: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ...... (سورہ آل عمران: ۱۸۵) یعنی جو جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا۔ وہ مراد کو پہنچ گیا۔ پھر ایک وجہ اور غایت بیان کی جاتی ہے کہ نفاق اور شرک کرنے والے مرد و عورت جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بدظنی کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں وہ ہیں ہی کتنے؟ آج نہیں تو کل ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ اس جنگ میں بچ گئے تو اور کسی لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل اس برائی کا دائرہ[3] انہی پر ہے۔ ان پر خدا

---

[1] سکینہ کے معنی تسلی اور اطمینان قلب کے ہیں اہل لغت کی تحقیق ہے کہ یہ لفظ نور قوت اور روح کا جامع ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ فسروھا بشیء یجمع نورا وقوتا و روح بحیث یسکن الیه و بشیء به الخرین یہ سکینت دو طرح سے ظہور پذیر ہوئی اول تو اس طرح کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین باوجودیکہ نہ جنگ کے ارادہ سے گئے تھے نہ لڑائی کا ساز و سامان تھا لیکن اس کے بعد بھی وہ جنگ کے لئے بالکل مستعد رہے اور تیار ہے دوسرے مشرکین مکہ کی ضد ہٹ دھرمی پر تمام صحابہ بجز حضرت عمرؓ کے خاموش رہے اور مطمئن رہے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اطمینان ہو گیا تھا۔

[2] امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ نفس ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی رہے آثار ایمان سو اس میں کمی و زیادتی کے وہ منکر نہیں مطلب آیت یہ ہے کہ اہل ایمان کے قلوب میں انشراح اطمینان اور سکون تمام پیدا ہو گیا۔

[3] یہ دائرہ عذاب اس طرح کفار کو اپنے اندر مبتلا کرنے والا ثابت ہوا کہ کچھ ہی دن بعد مکہ فتح ہوا اور کفار مکہ قطعاً مغلوب و مقہور ہو گئے رہ گئے ......=

کا غضب ہے۔ یہ رحمت خدا سے دور ہیں۔ ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ دوبارہ اپنی قوت قدرت اور بندوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی طاقت ظاہر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے لشکر سب خدا ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ عزیز وحکیم ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

ع

ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح شام اس کی تسبیح میں لگے رہو[1]۔ جو آپ سے بیعت کر رہے تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں[2] خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر (بعد بیعت کے) جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گاO

= منافقین تو ان کی تمام عمر مسلمانوں کی شوکت وقوت کو دیکھ دیکھ کر جلنے اور کراہنے میں گزری۔

[1] تسبیح وتقدیس کی تفسیر نماز سے بھی کی گئی یعنی مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھو جو خدا تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کے مضامین وحقائق پر حاوی اور محیط ہے اور مطلق ذکر بھی مراد ہے یعنی ذکر اللہ کرو بکرۃ واصیلا سے صبح وشام اور بعض نے دو ہی وقت مراد لیا ہے تعزروہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو توقروہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت عمل اور عقیدہ دونوں سے کرو عقیدتاً اس کو واحد معبود برحق قادر ومتصرف اور ہر عیب سے پاک جانو اور عمل میں صرف اسی کی اطاعت کرو آیت میں ضمائر خدا تعالیٰ کی وجہ راجح ہیں۔

[2] ارشاد ہے کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں وہ گویا کہ خدا تعالیٰ ہی سے بیعت کر رہے ہیں یہ اس لئے کہ اس بیعت سے مقصود خدا تعالیٰ ہی کے حکم کی اطاعت تھی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو گویا کہ واسطہ تھے ورنہ پیش نظر تعمیل وطاعت احکام الٰہی تھی دوسری بات یہ بھی یاد رکھئے کہ ید اللہ فوق ایدیھم سے مراد اور کنایہ بیعت ہی ہے گویا کہ یہ ماقبل کی تاکید ہے ویسے لغت میں ید کو نصرت وقوت کے معنی پر بھی محمول کرنے کی گنجائش ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نصرت ان لوگوں کے شامل حال ہے جنہوں نے آپ کے دست گرامی پر بیعت کی بہرحال بتانا یہ مقصود ہے کہ ید سے یہاں ہاتھ مراد نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانیات سب سے منزہ اور پاک ہیں مدارک میں ہے اللہ عن الجوارح و عن صفات الجسام و من نکث فقہا مفسرین کا ارشاد ہے کہ نقض عہد پر یہ وعید کچھ بیعت رضوان ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وہ شخص اس وعید کا مخاطب ہے جو کسی واجب الاداء عہد کو توڑے لیکن یہ بھی جب کہ قصداً و ارادۃً نقض عہد کیا ہو اگر بھول کر ایسا ہوا اور پھر اپنی حرکت پر نادم ہے تو شریعت اس صورت میں بھی مواخذہ نہیں کرتی اگرچہ وہ خاطی ضرور ہوگا۔

شاہد و مبشر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے ہم نے تمہیں اپنی مخلوق پر شاہد بنا کر مومنوں کو خوشخبریاں سنانے والا بنا کر' کافروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔ تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس کی عظمت و احترام کرو۔ بزرگی اور پاکیزگی کو تسلیم کرو اور اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صبح شام تسبیح کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی تعظیم و تکریم بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں' ارشاد ہے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ...... (سورہ نساء: ۸۰) یعنی جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی' اس نے خدا کا کہا مانا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ یعنی وہ ان کے ساتھ ہے۔ ان کی باتیں سنتا ہے۔ ان کا مکان دیکھتا ہے۔ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ پس دراصل رسول کے واسطے سے ان سے بیعت لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ...... (سورہ توبہ: ۱۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں جنت انہیں دے دی ہے۔ وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں' مرتے ہیں اور مارتے ہیں۔ خدا کا یہ سچا وعدہ تورات و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس قرآن میں بھی سمجھ لو کہ خدا سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہوگا؟ پس تمہیں اس خرید و فروخت پر خوش ہو جانا چاہئے۔ دراصل سچی کامیابی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جس نے راہ خدا میں تلوار تول لی' اس نے اللہ سے بیعت کر لی اور حدیث میں ہے' حجر اسود کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا' اس کی دو آنکھیں ہوں گی۔ جن سے دیکھے گا' اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے' اس کی گواہی دے گا۔ اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے گا اس کا وبال خود اسی پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے گا وہ بڑا ثواب پائے گا۔ یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے۔ جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی۔ اس دن بیعت کرنے والے صحابہؓ کی تعداد تیرہ سو' چودہ سو یا پندرہ سو تھی۔ ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی۔ اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ بخاری شریف میں ہے ہم اس دن چودہ سو تھے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا' پس آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کی سوتیں اُبلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے' پانی تھا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا۔ انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنوئیں میں اسے گاڑ دیا۔ فوراً پانی جوش کے ساتھ اُبلنے لگا۔ یہاں تک کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پندرہ سو تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا قول تھا۔ پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا اور چودہ سو فرمانے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے۔ لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے۔ اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے۔ ایک اور روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ۔

ہاں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے۔ ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور ان کے اوہام میں شمار ہے۔ صحیحین میں جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے۔ جیسے ابھی آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کو قریش کو کہلوائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے۔ بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خیال میں تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجیں۔ کیونکہ مکہ میں میرے خاندان سے کوئی نہیں۔ یعنی بنوعدی بن کعب کا قبیلہ نہیں' جو میری حمایت کرے۔ آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں۔ تو مجھے تو وہ زندہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا۔ آپ جا ہی رہے تھے کہ راستہ میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گئے۔ اس نے آپ کو اپنے آگے اپنی سواری پر بٹھالیا اور اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ لے گئے۔ آپ قریش کے سرداروں کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ اگر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کرلوں۔ اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا۔ ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر ڈالا گیا۔ اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹنے کے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی ایک درخت تلے۔ یہ بیعت الرضوان ہوئی لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی۔ یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ لیکن حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ موت پر نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے نہیں جتنے مسلمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس میدان میں تھے' سب نے آپ سے یہ رضامندی بیعت کی بجز جد بن قیس کے۔ جو قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص تھا۔ یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ غلط تھی۔ اس کے بعد قریش نے سہیل بن سمرو' حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکور بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا۔ یہ لوگ ابھی یہیں تھے' جو بعض مسلمانوں اور بعض مشرکین میں کچھ تیز کلامی شروع ہوگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ کھنچ گئے۔ ادھر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو روک لیا۔ ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا کردی کہ روح القدسؑ اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے۔ آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ۔ اب کیا تھا' مسلمان بے تابانہ دوڑے ہوئے حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے آپ اس وقت درخت تلے تھے۔ سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے۔ اس سے مشرکین کانپ اُٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے' سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔ بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خدایا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرے رسولؐ کے کام کو گئے ہیں۔ پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا۔ گویا حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی۔ پس حضرت عثمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہتر بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہلے کرنے والے حضرت ابوسنان اسدی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پھیلایئے' تاکہ میں بیعت کرلوں۔ آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ

کے دل میں ہو اس پر۔ آپ کے والد کا نام وہب تھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دراصل واقعہ یوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک انصار کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنا گھوڑا لے آؤ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا علم نہ تھا۔ یہ اپنے طور پر پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے۔ تو یہ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں۔ اب جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی۔ پھر جا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خبر کی۔ چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا۔ ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ یہ بیعت میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے پر تھی حضرت سلمٰی بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے مرنے پر بیعت کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا' سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو۔ چنانچہ میں نے قریب جا کر بیعت کی۔ حدیبیہ کا وہ کنواں' جس کا ذکر اوپر گزرا' صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بے سپر ہوں۔ تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی۔ پھر لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا' سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی۔ میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی۔ پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی۔ چنانچہ اس جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی۔ آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا' سلمہ ہم نے جو تمہیں ڈھال دی تھی' وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وار روکنے کو کوئی چیز نہیں۔ میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی۔ تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی ہو جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے' جو مجھے جان سے بھی عزیز ہو[1]۔ پھر اہل مکہ نے صلح کی تحریک کی۔ آمدورفت ہوئی اور صلح ہو گئی۔ میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خادم تھا۔ ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے۔ میں تو اپنا گھر بار بال بچے مال دولت سب راہ خدا میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا جب صلح ہو چکی۔ اُدھر کی اِدھر آنے لگے تو ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا۔ اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص

[1] گویا کہ باوجود شدید احتیاج کے ایک دوسرے صحابی کو تم نے خود پر ترجیح دی۔

وہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے بڑا بُرا معلوم ہوا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا۔ ان لوگوں نے اپنے ہتھیار اُتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی۔ جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصے سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو حضرت زُنیم قتل کر دیئے گئے۔ میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اسی درخت تلے گیا۔ جہاں وہ چاروں سوئے ہوئے تھے۔ جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ایک ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول لی اور ان سے کہا' سنو اس خدا کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے۔ تم میں سے جس نے بھی سر اُٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ جب وہ اسے مان چکے' میں نے کہا اُٹھو اور میرے آگے آگے چلو۔ چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو۔ برائی کی ابتدا بھی انہی کے سر ہے اور پھر برائی کو بار بار کرنے کے ذمہ دار بھی یہی رہیں۔ چنانچہ سب کو رہا کر دیا گیا۔ اسی کا بیان آیت: وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ...... (سورہ فتح:۲۴) میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے والد بھی اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی۔ ہم نہ معلوم کر سکے کہ کس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی۔ اب اگر تم کو یہ راز معلوم ہو گیا ہو تو تم جانو۔ ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب میں افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا۔ حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس جگہ کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا (بخاری مسلم) اور روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے اس درخت تلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے' سب جنت میں جائیں گے مگر سرخ اونٹ والا۔ ہم جلدی سے دوڑے' دیکھا تو ایک شخص اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کی تلاش میں تھا۔ ہم نے کہا چل بیعت کر۔ اس نے جواب دیا کہ بیعت سے زیادہ نفع تو اس میں ہے کہ اپنا گم شدہ اونٹ پالوں۔ مسند احمد میں ہے آپ نے فرمایا' کون ہے جو ثنیۃ المرار پر چڑھ جائے۔ اس سے وہ دور ہو جائے گا۔ جو بنی اسرائیل سے دور ہوا۔ پس سب سے پہلے قبیلہ بنی خزرج کے ایک صحابی اس پر چڑھ گئے۔ پھر تو اور لوگ بھی پہنچ گئے پھر آپ نے فرمایا تم سب بخشے جاؤ گے۔ مگر سرخ اونٹ والا۔ ہم اس کے پاس آئے اور اس سے کہا' تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار طلب کریں تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میں زیادہ خوش ہوں یہ سبب اس کے کہ تمہارے صاحب میرے لئے استغفار کریں۔ یہ شخص اپنا گم شدہ اونٹ ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سنا کہ اس بیعت والے دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔ تو کہا ہاں ہوں گے۔ آپ نے انہیں روک دیا تو ام المؤمنین صاحبہ نے آیت: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (سورہ مریم:۷۱) پڑھی۔ یعنی تم میں سے ہر شخص کو اس پر وارد ہونا ہے۔ اس کے بعد فرمانِ باری ہے: ثم نُنَجِّی الَّذِیْنَ...... (سورہ مریم:۷۲) یعنی پھر ہم تقویٰ والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں گرا دیں گے (مسلم)۔ حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت حاطب کی شکایت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاطب ضرور جہنم میں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا تو

جھوٹا ہے وہ جہنمی نہیں۔ وہ بدر میں اور حدیبیہ میں موجود رہا ہے ان بزرگوں کی ثنا بیان ہو رہی ہے کہ یہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اس بیعت کو توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرنے والا ہے اور اسے پورا کرنے والا بڑے اجر کا مستحق ہے۔ جیسے فرمایا: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ...... یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہو گیا۔ جبکہ انہوں نے درخت تلے تجھ سے بیعت کی۔ ان کے دلی ارادوں کو اس نے جان لیا۔ پھر ان پر دل جمعی نازل فرمائی اور قریب کی فتح سے انہیں سرفراز فرمایا۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی۔ سو ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔ بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور (ہمراہی) مؤمنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوتی تھی اور تم نے برے برے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے ○

عذر تراشیاں:

جو اعراب[1] جہاد سے جی چرا کر رسول خدا کا ساتھ چھوڑ کر موت کے ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلے تھے اور جانتے تھے کہ کفر کی زبردست طاقت ہمیں چکنا چور کر دے گی اور جو اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے گئے ہیں یہ تباہ ہو جائیں گے۔ بال بچوں سے ترس جائیں گے۔ وہیں کاٹ ڈالیں جائیں گے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باز مجاہدین کی جماعت کے ساتھ

[1] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعرابی قبیلہ غفار مزانیہ جہنہ اسلم اشجع ویل کے تھے۔

سالماً و غانماً واپس آ رہے ہیں تو اپنی دل میں منصوبے گانٹھنے لگے کہ اپنی مشیخت بنی رہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی خبردار کر دیا۔ کہ یہ بدباطن لوگ آ کر[1] اپنے ضمیر کے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں گے اور عذر پیش کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بال بچوں اور کام کاج سے نکلنا نہ ہوا۔ ورنہ ہم تو ہر طرح تابع فرمان ہیں۔ ہماری جان تک حاضر ہے اپنی مزید ایمانداری کے اظہار کے لئے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت آپ ہمارے لئے استغفار[2] کیجئے۔ تو آپ انہیں جواب دے دینا کہ تمہارا معاملہ سپرد خدا ہے۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچائے تو کون ہے جو اسے دفع کر سکے؟ اور اگر وہ تمہیں نفع دینا چاہے تو کون ہے جو اسے روک سکے۔ تصنع اور بناوٹ سے تمہاری ایمانداری اور نفاق سے وہ بخوبی واقف ہے۔ ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ دراصل تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا۔ بلکہ بطور نافرمانی کے ہی تھا۔ صاف طور پر تمہارا نفاق اس کا باعث تھا۔ تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں۔ اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں۔ تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رسول ﷺ کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ ان میں سے ایک شخص بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر نو لا کر دے۔ ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا۔ تم دراصل برباد شدنی لوگ ہو۔ کہا گیا ہے کہ بور الغتِ عمان ہے۔ جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے۔ اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنا لے۔ اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا۔ گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک و متصرف وہی ہے۔ بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے۔ لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا دروازہ کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے۔ خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں۔ جب توبہ کرے اللہ قبول فرمالیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے۔ بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم (خیبر کی) غنائم لینے چلو گے، کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ تمہارے ساتھ چلیں۔ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں ○

[1] سورہ کا نزول دوران سفر ہی میں ہوا تھا اس لئے یہ گویا کہ قرآن مجید کی ایک پیش گوئی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

[2] استغفار کی درخواست دیا اور تصنع پر محمول ہوگی۔

مہمل مطالبے:

ارشاد خداوندی ہے کہ جن بدوی لوگوں نے حدیبیہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کا کا ساتھ نہ دیا۔ وہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان صحابہ کو خیبر[1] کی فتح کے موقع پر مال غنیمت سمیٹنے میں لئے جاتے ہوئے دیکھیں گے تو آرزو کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے لو۔ مصیبت کو دیکھ کر تو پیچھے ہٹ گئے۔ راحت کو دیکھ کر شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا۔ جب یہ جنگ سے جی چرائیں تو پھر غنیمت میں حصہ کیوں لیں؟ اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے نہ کہ ان سے جو کٹھن وقت فرار اختیار کر جائیں اور آرام کے وقت مل جائیں۔ ان کی تمنا ہے کہ کلام خدا کو بدل دیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے تو صرف حدیبیہ کی حاضری والوں سے وعدہ کیا۔ تو یہ چاہتے ہیں کہ باوجود اپنی غیر حاضری کے خدا تعالیٰ کے اس وعدے میں مل جائیں۔ تا کہ وہ بھی بدلا ہوا ثابت ہو جائے۔ ابن زید کہتے ہیں مراد اس سے یہ حکم خدا ہے: فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ...... (سورہ توبہ: ۸۳) یعنی نبیؐ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کے لئے نکلنے کی اجازت مانگیں تو تم ان سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہ لڑو۔ تم وہی ہو کہ پہلی مرتبہ ہم سے پیچھے رہ جانے میں ہی خوش رہے۔ پس اب ہمیشہ بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔ لیکن یہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت سورہ براءت کی ہے جو غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور غزوۂ تبوک غزوہ حدیبیہ کے بہت بعد کا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مراد اس سے ان منافقوں کا مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر جہاد سے باز رکھنا ہے۔ فرماتا ہے کہ انہیں ان کی اس آرزو کا جواب دو کہ تم ہمارے ساتھ چلنا چاہو تو اس سے پہلے خدا یہ وعدہ اہل حدیبیہ سے کر چکا ہے۔ اس لئے تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اب وہ طعنہ دیں گے کہ اچھا ہمیں معلوم ہو گیا تم ہم سے جلتے ہو۔ نہیں چاہتے کہ غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو ملے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل یہ ان کی ناسمجھی ہے اور اسی ایک بات پر کیا موقوف ہے' یہ لوگ سراسر بے سمجھ ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى

[1] محققین کی رائے میں اس پیش گوئی کا صاف رخ روم اور ایران کی مسیحی مجوسی اقوام کی جانب ہے جو جدید آلات جنگ سے مسلح ہوں گی مفسر ابن کثیرؒ نے خود بھی لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے بنوحنیفہ بھی مراد لئے ہیں جن سے حضرت ابو بکرؓ نے جہاد کیا تھا بلکہ فقہاء مفسرین نے انہیں آیات سے حضرات شیخینؓ کی خلافت کی صحت پر دلیل بھی پیش کی ہے چنانچہ مدارک نے لکھا ہے: و فی الایه دلالة صحة خلافت الشیخین حیث وعدھم التواب علی طاعة الداعی عنه دعوته شاید اس دور میں آپ کی پیش گوئی کو باور کرنے میں تامل ہوتا جبکہ ترک کا علاقہ مسلمانوں پر پھیلا ہوا تھا لیکن آج جب کہ یہ علاقہ روسی کیمونسٹ حکومت کے زیر نگیں آ چکا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ کہیں انہی علاقوں سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن سر نہ اٹھائیں؟

الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧﴾ ع

آپ ان پیچھے رہنے والوں دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں۔ سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو نیک عوض (یعنی جنت) دے گا اور اگر تم (اس وقت بھی) روگردانی کرو گے جیسا اس سے قبل روگردانی کر چکے ہو تو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا۔ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص (حکم سے) روگردانی کرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا ○

ایک اور امتحان:

وہ سخت لڑا کا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کونسی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلۂ ہوازن ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلۂ ثقیف ہے۔ تیسرے اس سے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں[1]۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگ جو قوم مراد ہے۔ جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی[2]۔ ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد ترک لوگ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا۔ جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد و قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا۔ خدا تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی کیا جو حدیبیہ کے موقعہ پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے۔ جہاد میں شرکت نہ کی۔ احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہوگا۔ پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں، ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں۔ یعنی اندھا پن اور لنگڑا پن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے۔ جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔ پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں۔ ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں۔ پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا رسول کا فرماں بردار جنتی ہے اور

[1] یہ خدا تعالیٰ کی وہ مصلحت تھی جس کے نتیجہ میں امت کو ایک بڑی گمراہی سے بچانا مقصود تھا یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مقام میں تقدس کے غیر معمولی طور پر قائل ہو کر عقائد میں امت بھٹک جائے، لیکن افسوس کہ اسی امت نے آج اتنے صنم خانے اپنے ہاتھوں تیار کر لئے کہ بدعات میں بھی کوئی امت ان سے آگے نہ رہی۔

[2] اور چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جو جہاد سے بے رغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے۔ معاش کے پیچھے معاد کو ہی بھول جائے۔ اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت میں دکھ کی مار ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی اور (اس فتح میں) بہت سی غنائم بھی دیں۔ جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے ○

رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ بیعت کرنے والے چودہ سو کی تعداد میں تھے اور یہ درخت ببول کا تھا۔ جو حدیبیہ کے میدان میں تھا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن جب حج کو گئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن نے واپس آ کر یہ قصہ حضرت سعید بن میتب سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا میرے والد صاحب بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے۔ ان کا بیان تھا کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے۔ لیکن ہم سب کو بھلا دیا گیا۔ وہ درخت ہمیں نہ ملا۔ پھر حضرت سعید فرمانے لگے۔ تعجب ہے کہ اصحاب رسول خود بیعت کرنے والے تو اس جگہ کو نہ پا سکیں۔ انہیں معلوم نہ ہو لیکن تم لوگ جان لو۔ گویا تم اصحاب رسول سے بھی زیادہ جاننے والے[1] ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کی دلی صداقت نیت وفا اور ماننے کی عادت کو خدا نے معلوم کر لیا پس ان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا اور قریب کی فتح انعام فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے جو حدیبیہ کے میدان میں ہوئی۔ جس سے عام بھلائی حاصل ہوئی اور جس کے قریب ہی خیبر فتح ہوا۔ پھر تھوڑے ہی زمانے کے بعد مکہ بھی فتح ہو گیا۔ پھر اور قلعے اور علاقے بھی فتح ہوتے چلے گئے اور وہ عزت و نصرت فتح و ظفر، اقبال اور رفعت حاصل ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں حیران و پریشان رہ گئی۔ اسی لئے فرمایا کہ بہت سی غنائم عطا فرمائے گا۔ سچے غلبہ والا اور کامل حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حدیبیہ کے میدان میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کی کہ لوگو بیعت کے لئے آگے بڑھو۔ روح القدس آ چکے ہیں۔ ہم بھاگے دوڑے حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ آپ اس وقت ببول کے درخت تلے تھے۔ ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس کا ذکر آیت: **لقد رضی اللہ......** میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر خود ہی بیعت کر لی۔ تو ہم نے کہا عثمان رضی اللہ تعالیٰ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہم تو یہاں پڑے ہوئے ہیں اور وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ یہ سن کر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مقصود صرف امت کو تفرقے سے بچاؤ کی ہدایت کرنا تھا۔

نے فرمایا بالکل ناممکن ہے کہ عثمان مجھ سے پہلے طواف کر لے گو کئی سال تک وہاں رہے۔[1]

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٢٢﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾

اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیموں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تا کہ یہ (واقعہ) اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تا کہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں ردوبدل نہ پائیں گے اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہارے قتل سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے عین مکہ (کے قریب) روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔

ایک وعدہ:

ان بہت سے غنائم سے مراد آپ کے زمانے اور بعد کی سب غنائم ہیں۔ فوراً حاصل ہونے والی غنیمت سے مراد حدیبیہ کی صلح ہے۔ اس خدا کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ کفار کے برے ارادوں کو اس نے پورا نہ ہونے دیا۔ نہ مکے کے کافروں کے نہ ان منافقوں کے جو تمہارے پیچھے مدینے میں رہ رہے تھے۔ نہ یہ تم پر حملہ آور ہو سکے نہ وہ تمہارے بال بچوں کو کچھ ستا سکے۔ یہ اس لئے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ اصل حافظ و ناصر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت سے ہمت نہ ہاریں اور یہ بھی یقین کر لیں کہ ہر کام کے انجام کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بندوں کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اس کے فرمان پر عامل رہیں اور اسی میں اپنی خیریت سمجھیں۔ گو وہ فرمان بظاہر خلاف طبع ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تم جسے ناپسند رکھتے ہوں وہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ وہ تمہیں تمہاری

[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حکم بجا آوری اور اتباع رسول اور سچی جاں نثاری کے عوض راہِ مستقیم دکھادے گا اور غنائم اور فتح مندیاں بھی عطا فرمائے گا۔ جن کا حاصل کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن خدا خود تمہاری مدد کرے گا اور ان مشکلات کو تم پر آسان کر دے گا۔ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے بس میں ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے بندوں کو ایسی جگہ سے روزیاں پہنچاتا ہے۔ جو کسی کے خیال میں تو کیا؟ خود ان کے اپنے خیال میں بھی نہ ہوں۔ اس غنیمت سے مراد خیبر کی غنیمت ہے۔ جس کا وعدہ صلح حدیبیہ میں پنہاں تھا۔ یا مکہ کی فتح ہے یا فارس و روم کے مال ہیں۔ یا وہ تمام فتوحات جو قیامت تک مسلمانوں کو ہوں گی۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ کفار سے مرعوب و خائف نہ ہوں گے۔ کافر مقابلہ پر آئے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان بے ایمانوں کو شکست فاش دے گا۔ یہ پیٹھ دکھائیں گے اور منہ پھیر لیں گے اور کوئی والی اور مددگار بھی انہیں نہ ملے گا۔ اس لئے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے آئے ہیں اور اس کے ایماندار بندوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب کفر و ایمان کا مقابلہ ہو وہ ایمان کو کفر پر غالب کرتا ہے اور حق کو ظاہر کر کے باطل کو دبا دیتا ہے۔ جیسے کہ بدر والے بہت سے کافروں کو جو باسامان تھے۔ چند مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بے سروسامان تھے۔ شکست فاش دی۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے' میرے اس احسان کو بھی نہ بھولو' کہ میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہ پہنچنے دیئے اور تمہیں بھی مسجد حرام کے پاس لڑنے سے روک دیا اور تم میں ان میں صلح کرا دی جو دراصل تمہارے حق میں سراسر بہتر ہے۔ دنیا کے اعتبار سے بھی کیا اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ وہ حدیث یاد ہو گی' جو اسی سورت کی تفسیر میں بہ روایت حضرت سلمہ بن اکوع گزر چکی ہے کہ جب ستر کافروں کو باندھ کر صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ تو آپ نے فرمایا' انہیں جانے دو۔ ان کی طرف سے ہی ابتدا ہوا اور انہی کی طرف سے دوبارہ شروع ہو۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت اُتری۔ مسند احمد میں ہے کہ اسی کافر' ہتھیاروں سے آراستہ جبل تنعیم کی طرف سے چپ چپاتے موقعہ پا کر اُتر آئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم غافل نہ تھے۔ آپؐ نے فوراً لوگوں کو آگاہ کر دیا۔ سب گرفتار کر لئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ آپ نے از راہ مہربانی ان کی خطا معاف کر دی اور سب کو چھوڑ دیا۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جس درخت کا ذکر قرآن میں ہے' اسی کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد تھے۔ اس درخت کی شاخیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر سے لگ رہی تھیں۔ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ ہمارے اس صلح نامہ میں ہمارے دستور کے مطابق لکھوا دیئے۔ پس آپ نے فرمایا: بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ لو۔ پھر لکھا یہ وہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اس پر سہیل نے پھر آپ کا ہاتھ تھام کر رکھا کہ اگر آپ رسول اللہ ہی ہیں تو پھر ہم نے بڑا ظلم کیا۔ اس صلح نامہ میں وہی لکھوایئے جو ہم میں مشہور ہیں۔ تو آپ نے فرمایا' لکھو یہ وہ ہے۔ جس پر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل مکہ سے صلح کی۔ اتنی میں تیس نوجوان کفار ہتھیار بند آن پڑے۔ آپ نے ان کے حق میں بددعا کی۔ خدا نے انہیں بہرا بنا دیا۔ ہم اُٹھے اور ان کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں کسی نے امن دی ہے؟ یا تم کسی کی ذمہ داری پر آئے ہو؟ انہوں نے انکار کیا۔ لیکن باوجود اس کے آپ نے ان سے درگزر فرمایا اور انہیں چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت وھو الذی...... نازل ہوئی (نسائی) ابن جریر میں ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے جانور لے کر چلے اور ذوالحلیفہ تک پہنچ

گئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے نبی اللہ آپ ایک ایسی قوم کی بستی میں جا رہے ہیں جو برسر پیکار ہیں اور آپ کے پاس ہتھیار ہیں نہ اسباب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر آدمی بھیج کر مدینہ سے ہتھیار اور کل سامان منگوا لیا جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو مشرکین نے آپ کو روکا کہ آپ مکہ میں نہ آئیں۔ آپ نے سفر جاری رکھا اور منیٰ میں جا کر قیام کیا۔ آپ کے جاسوس نے آ کر آپ کو خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو کا لشکر لے کر آپ کے اوپر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے خالدؓ تیرا چچازاد بھائی لشکر لے کر آ رہا ہے۔ حضرت خالدؓ نے کہا پھر کیا ہوا؟ میں خدا کی تلوار ہوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اسی دن سے آپ کا لقب سیف اللہ ہوا۔ مجھے آپ جہاں چاہیں اور جس کے مقابلہ میں چاہیں بھیجیں۔ چنانچہ عکرمہ کے مقابلہ کے لئے آپ روانہ ہوئے۔ گھاٹی میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عکرمہ کے پاؤں نہ جمے۔ اسے مکہ کی گلیوں تک پہنچا کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے۔ لیکن پھر دوبارہ تازہ دم ہو کر مقابلہ پر آیا۔ اب کی مرتبہ بھی شکست کھا کر مکہ کی گلیوں تک پہنچ گیا۔ وہ پھر تیسری دفعہ نکلا اس مرتبہ بھی یہی حشر ہوا۔ اسی کا بیان آیت: وھو الذین کف...... میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظفرمندی کے کفار کو بھی بچا لیا تاکہ جو مسلمان ضعفا اور کمزور مکہ میں تھے۔ انہیں لشکر اسلام کے ہاتھوں کوئی گزند نہ پہنچے لیکن اس روایت میں بہت کچھ تامل ہے۔ ناممکن ہے کہ یہ حدیبیہ والے واقعہ کا ہو۔ اس لئے کہ اس وقت تک تو حضرت خالد مسلمان ہی نہ ہوئے تھے۔ بلکہ مشرکین کے ایک فوجی دستے کے یہ اس دن سردار تھے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہو۔ اس لئے کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی شرائط کے مطابق یہ طے شدہ امر تھا کہ اگلے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئیں عمرہ ادا کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھہریں۔ چنانچہ اسی قرارداد کے مطابق جب حضور صلی اللہ تشریف فرما ہوئے تو کافروں نے آپ کو روکا نہیں۔ نہ آپ سے جنگ و جدال کیا۔ اسی طرح یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہو۔ اس لئے کہ فتح مکہ والے سال آپ اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں گئے تھے۔ اس وقت تو جنگی حیثیت سے آپ گئے تھے۔ لڑنے اور جہاد کرنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے۔ پس اس روایت میں بہت کچھ خلل ہے اور اس میں ضرور قباحت ہوئی ہے۔ خوب سوچ لینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس افراد بھیجے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے اردگرد گھومتے رہیں اور موقعہ پا کر کچھ نقصان بھی پہنچائیں یا کسی کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ یہاں یہ سارے کے سارے پکڑ لئے گئے۔ لیکن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا اور سب کو چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے آپ کے لشکر پر کچھ پتھر بھی پھینکے تھے اور کچھ تیر بھی چلائے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک صحابی جنہیں ابن زنیم کہا جاتا تھا' حدیبیہ کے ایک ٹیلے پر چڑھے تھے۔ مشرکین نے تیر بازی کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار ان کے تعاقب میں بھیجے۔ وہ ان سب کو جو تعداد میں بارہ سوار تھے۔ گرفتار کر کے لے آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس میری جانب سے کوئی امان ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا کوئی عہد و پیمان ہے؟ کہا نہیں۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا اور اسی بارے میں آیت: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ...... نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ

مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ

مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾ إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۲۶﴾

وہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور (نیز) قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقعہ پر پہنچنے سے روکا اور اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔ یعنی ان کے پاس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے۔ اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین پر اپنی طرف سے تحمل عطا کیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ○

کفار کی چیرہ دستیاں:

مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے۔ ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل کفر پر یہ لوگ ہیں۔ انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے۔ حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق خانہ خدا کے تم ہی لوگ تھے۔ پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ خدا کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا۔ یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں۔ جیسے کہ عنقریب اس کا بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں راز یہ تھا کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو۔ تو یوں دفعۃً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں ہی تم مستحق گناہ اور مستحق دیت بن جاتے۔ پس ان کفار کی سزا کو خدا نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تا کہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لا چکیں ورنہ ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ دے دیتے اور ان کا بالکل خاتمہ کر دیتے۔ حضرت جنید بن سبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا۔ ہمارے ہی بارے میں یہ آیت: لَوْلَا رِجَالٌ...... نازل ہوئی ہے۔ ہم کل نو شخص تھے۔ سات مرد دو عورتیں (طبرانی) اور روایت

میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' اگر یہ مؤمن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا' یہ قتل کر دیے جاتے۔ پھر فرماتا ہے جب کہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت وحمیت جاہلیت کو جما چکے تھے۔ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھوانے پر انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مؤمنوں کے دل کھول دیئے۔ ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقویٰ کے کلمے پر انہیں جما دیا۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ پر۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں' جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا۔ اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچالیا۔ مگر بوجہ حق اسلام کے[1] اور اس کے حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (سورہ صافات: ۳۵) یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں' تو یہ تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہاں ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے۔ یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا۔ ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے۔ لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری جملے راوی کے اپنے ہیں۔ یعنی حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اخلاص ہے۔ عطاؒ فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ حضرت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' اس سے مراد خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقویٰ کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔ حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے اور مستحق شر کون ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اسی طرح ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَلَوْ حَمِيْتُمْ كَمَا حَمُوْا لَفَسَدَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی۔ اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد ہو جاتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت غصے ہوئے۔ لیکن حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا ہے آپ اس میں سے مجھ کو بھی سکھاتے تھے۔ اس پر جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں۔ آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا' وہ پڑھئے اور سکھایئے۔[2] (نسائی)

---

[1] مطلب یہ کہ کوئی زانی ہو قاتل ہو مرتد ہو ظاہر ہے کہ اس سے جان لینے کا تو خود اسلام ہی مطالبہ کرتا ہے۔

[2] یہ روایت شاذ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے اعتراض تھا امت نے قرآن مجید میں شاذ اور نادر قراءتوں پر اعتماد نہیں کیا۔

اُن حدیثوں کا بیان جن میں حدیبیہ کا قصہ اور صلح کا واقعہ ہے:

مسند احمد میں ہے حضرت مسعود بن مخرمہ اور حضرت مردان بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارتِ بیت اللہ کے ارادے سے چلے۔ آپ کا ارادہ جنگ کا نہ تھا۔ ستر اونٹ قربانی کے آپ کے ساتھ تھے۔ کل ساتھی آپ کے سات سو تھے۔ ایک ایک اونٹ دس دس آدمیوں کی طرف سے تھا۔ آپ جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو خبر دی کہ یارسول اللہ قریشیوں نے آپ کے آنے کی خبر پا کر مقابلہ کی تیاریاں کر لی ہیں۔ انہوں نے اونٹوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے ساتھ لے لئے ہیں اور چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور عہد و پیمان کر لئے ہیں کہ وہ آپ کو اس مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ خالد بن ولید کو انہوں نے چھوٹا سا لشکر دے کر کراع غمیم تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس قریشیوں کو لڑائیوں نے کھا لیا۔ کتنی اچھی بات تھی کہ وہ مجھے اور لوگوں پر چھوڑ دیتے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور لوگوں پر غالب کر دیتے تو پھر یہ لوگ دین اسلام قبول کر لیتے اور اگر اس وقت بھی وہ لوگ اس دین میں نہ آنا چاہتے تو مجھ سے لڑتے اور اس وقت ان کی طاقت بھی پوری ہوتی۔ قریشیوں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ خدا کی قسم اس دین پر میں ان سے جہاد کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا مجھے ان پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرما دے یا میری گردن کٹ جائے۔ پھر آپ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دائیں طرف حمص کے پیچھے سے اس راستے پر چلیں جو ثنیۃ المرار کو جاتا ہے اور حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہے۔ خالد والے لشکر نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ بدل دیا تو یہ دوڑے ہوئے قریشیوں کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی۔ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے اونٹنی تھک گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس کی بیٹھ جانے کی عادت ہے۔ اسے اس خدا نے روک لیا ہے۔ جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔ سنو قریش آج مجھ سے جو چیز مانگیں گے، جس میں صلہ رحمی ہو میں انہیں دوں گا۔ پھر آپ نے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ پڑاؤ کریں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پوری وادی میں پانی نہیں۔ آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور فرمایا اسے یہاں کے کسی کنوئیں میں گاڑ دو۔ اس کے گاڑتے ہی پانی جوش مارتا ہوا اُبل پڑا۔ تمام لشکر نے پانی لے لیا اور وہ برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب پڑاؤ ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے، اتنے بدیل بن ورقا اپنے ساتھ قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو لے کر آیا۔ آپ نے اس کو وہی فرمایا جو بشر بن سفیان سے فرمایا تھا چنانچہ یہ لوگ گئے اور جا کر قریش سے کہا کہ تم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی عجلت کی۔ حضور تم سے لڑنے نہیں آئے۔ آپ تو صرف بیت اللہ کی زیارت کرنے کو آئے ہیں۔ تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو۔ دراصل قبیلہ خزاعہ کے مسلم و کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرفدار تھے مکہ کی خبریں انہی لوگوں سے آپ کو پہنچا کرتی تھیں۔ قریشیوں نے انہیں جواب دیا کہ گو آپ اسی ارادے سے آئے ہو لیکن یوں اچانک تو ہم انہیں آنے نہیں دیں گے۔ ورنہ لوگوں میں تو یہی باتیں ہوں گی کہ آپ مکہ میں گئے اور کوئی آپ کو روک نہ سکا۔ انہوں نے مکرز بن حفص کو پھر بھیجا۔ یہ بنو عامر بن لوئی کے قبیلے میں سے تھا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عہد شکن شخص ہے اور اس سے بھی آپ نے وہی فرمایا، جو اس سے پہلے آنے والے دونوں اور شخصوں سے فرمایا تھا۔ یہ بھی لوٹ گیا اور جا کر قریشیوں سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ قریشیوں نے پھر حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ یہ مختلف اِدھر اُدھر کے لوگوں کا سردار تھا۔ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس قوم سے ہے جو خدائی کاموں کی عظمت کرتی ہے۔ اپنی قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ اس نے جو دیکھا کہ ہر طرف سے قربانی کے نشاندار جانور آ رہے ہیں اور بوجہ رک جانے کے ان کے بال اُڑے ہوئے ہیں۔ تو یہ وہیں سے بغیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے لوٹ گیا اور جا کر قریش سے کہا کہ خدا جانتا ہے تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں بیت اللہ سے روکو۔ خدا کے نام کے جانور قربان گاہ سے رکے کھڑے ہیں۔ یہ سخت ظلم ہے۔ اتنے دن رکے رہنے سے ان کے بال تک اُڑ گئے ہیں۔ میں اپنی آنکھوں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ قریش نے کہا' تو تو نرا اعرابی ہے خاموش ہو کر بیٹھ جا۔ اب انہوں نے مشورہ کر کے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ عروہ نے اپنے جانے سے پہلے کہا کہ اے قریشیو! جن جن کو تم نے وہاں بھیجا' وہ جب واپس آئے تو ان سے تم نے کیا سلوک کیا۔ یہ میں دیکھ رہا ہوں۔ تم نے انہیں برا کہا۔ ان کی بے عزتی کی۔ ان پر تہمت لگائی۔ ان سے بدگمانی کی۔ میری حالت تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں مثل باپ کے سمجھتا ہوں تم خوب جانتے ہو کہ جب تم نے ہائے وائے کی۔ میں نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کیا اور جس نے میری بات مانی میں نے اسے اپنی ساتھ لیا اور تمہاری مدد کے لئے اپنی جان مال اور اپنی قوم کو لے کر آ پہنچا۔ سب نے کہا بیشک آپ سچے ہیں۔ ہمیں آپ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں۔ آپ جایئے۔ اب یہ چلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا کہ آپ نے ادھر اُدھر کے کچھ لوگوں کو جمع کر لیا اور آئے ہیں اپنی قوم کی شان و شوکت کو آپ ہی توڑنے کے لئے۔ سنیے یہ قریشی آج یہ مصمم ارادہ کر چکے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کے ساتھ ہیں' جو چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں۔ وہ خدا کو بیچ میں رکھ کر عہد و پیمان کر چکے ہیں کہ ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح اچانک زبردستی مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ خدا کی قسم مجھے تو نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جو اس وقت بھیڑ لگائے آپ کے اردگرد کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ لڑائی کے وقت ڈھونڈے سے بھی نہ ملیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا۔ آپ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے اس انداز گفتگو پر متنبہ فرمایا۔ ہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں؟ عروہ نے حضور سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے۔ تو کہنے لگا' اگر مجھ پر تیرا احسان پہلے کا نہ ہوتا تو میں ضرور تجھے اس کا مزہ چکھاتا۔ بعدازاں عروہ نے پھر کچھ کہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی اس بے ادبی کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برداشت نہ کر سکے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے۔ لوہا ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہی اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا' اپنا ہاتھ دور رکھ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ یہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تبسم فرمایا۔ اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ وہ کہنے لگا تو بڑا ہی بدزبان اور ٹیڑھا آدمی ہے تو تو کل تک طہارت بھی نہ جانتا تھا۔ الغرض اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے والوں کو دیا تھا اور یقین دلا دیا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ یہ واپس چلا اور اس نے یہاں کا نقشہ دیکھا تھا کہ اصحاب رسول کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے وضو کا پانی وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ آپ کے تھوک کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے وہ ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ آپ کا کوئی بال گر پڑے تو ہر شخص لپکتا ہے کہ وہ اسے لے لے۔ جب یہ قریشیوں کے پاس پہنچا تو کہنے لگا' اے قریش کی جماعت کے لوگو! میں کسریٰ کے ہاں اس کے دربار میں اور نجاشی کے ہاں اس کے دربار میں ہو آیا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے ان بادشاہوں کی بھی وہ عظمت اور وہ احترام نہیں دیکھا جو محمد (رسول اللہ صلی اللہ وسلم) کا دیکھا ہے آپ کے اصحاب تو آپ کی وہ عزت کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے۔ اب تم سوچ لو اور اس بات کو یاد کر لو کہ اصحاب رسول ایسے نہیں کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے ہاتھوں میں دے دیں۔ اب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انہیں مکہ والوں کے پاس بھیجنا چاہا لیکن اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت خراش بن اُمیہ خزاعی کو اپنے اونٹ پر جس کا نام ثعلب تھا۔ سوار کرا کر مکے بھیجا تھا۔ قریش نے اس اونٹ کی کونچیں

کاٹ ڈالیں اور خود قاصد کو بھی قتل کر ڈالتے لیکن احابیش قوم نے انہیں بچالیا۔ (شاید اس بنا پر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں کیونکہ وہاں میرے قبیلہ بنو عدی کا کوئی شخص نہیں' جو مجھے ان قریشیوں سے بچانے کی کوشش کرے۔ اس لئے کیا اچھا نہ ہوگا کہ آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھیجیں' جو ان کی نگاہوں میں مجھ سے زیادہ ذی عزت ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر انہیں مکہ میں بھیجا کہ جا کر قریش سے کہہ دیں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف بیعت اللہ شریف کی زیارت اور اس کی عظمت بڑھانے کو آئے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا جو ابان بن سعید بن عاص انہیں مل گئے اور اپنی سواری سے اتر کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے بٹھا لیا اور خود بیٹھا اور اپنی ذمہ داری پر آپ کو لے چلا کہ پیغام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور قریش کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو آ ہی گئے ہیں اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ شریف کا طواف کر لیں۔ لیکن ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں ناممکن ہے کہ میں طواف کروں۔ قریشیوں نے جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا اور انہیں نہ جانے دیا۔ اُدھر لشکر اسلام میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

زہریؒ کی روایت میں ہے کہ پھر قریشیوں نے سہیل بن عمر کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر صلح کر لو لیکن اس سال آپ مکہ میں نہیں آسکتے۔ تاکہ عرب ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں کہ وہ آئے اور تم روک نہ سکے۔ چنانچہ سہیل یہ سفارت لے کر چلا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا' معلوم ہوتا ہے کہ قریشیوں کا ارادہ اب صلح کا ہو گیا ہے جو اسے بھیجا ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں شروع کیں اور دیر تک سوال و جواب اور بات چیت ہوتی رہی۔ شرائط صلح طے ہو گئے' صرف لکھنا باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور فرمانے لگے' کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا یہ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں' تو کہا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دینی معاملات میں اتنی کمزوری دکھائیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے رہو۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پھر بھی نہ صبر ہو سکا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسی طرح کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا' سنو میں خدا تعالیٰ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور اس کا غلام ہوں۔ میں اس کے فرمان کے خلاف نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کہنے کو تو اس وقت جوش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب کچھ کہہ گیا۔ لیکن پھر مجھے بڑی ہی ندامت ہوئی۔ میں نے اس کے بدلے بہت سے روزے رکھے۔ بہت سی نمازیں پڑھیں اور بہت سے غلام آزاد کئے۔ اس سے ڈر کر مجھے اس گستاخی کی کوئی سزا خدا کی طرف سے نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلوایا اور فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا میں اسے نہیں جانتا۔ یوں لکھئے : بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ آپ نے کہا اچھا یونہی لکھو۔ پھر فرمایا لکھو یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سہیل بن عمرو نے کیا۔ اس بات پر کہ دس سال تک ہم کوئی لڑائی نہ کریں گے۔ لوگ امن و امان سے رہیں گے۔ ایک دوسرے سے بچا ہوا رہے گا اور یہ کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے چلا جائے گا۔ آپ اسے واپس لوٹا دیں گے اور جو صحابی رسول قریشیوں کے پاس چلا جائے گا' وہ اسے نہیں لوٹائیں گے۔ ہم میں آپ میں لڑائیاں بند رہیں گی صلح قائم رہے گی۔ کوئی طوق وزنجیر قید و بند بھی نہ ہوگی۔ اسی میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اور آپ کے عہد و پیمان میں آنا چاہے وہ بھی آسکتا ہے۔ اس پر بنو خزاعہ جلدی سے بول اُٹھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عہد و پیمان میں آئے ہیں اور بنو کنانہ نے کہا کہ ہم قریشیوں کے ساتھ ان کے ذمہ میں ہیں۔ صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں مکہ میں نہ آئیں۔ اس وقت ہم بالکل باہر نکل جائیں گے اور آپ اصحاب سمیت آئیں' تین دن مکہ میں ٹھہریں۔ ہتھیار اتنے ہی ہوں' جتنے ایک سوار کے پاس ہوتے ہیں۔ تلواریں میان میں ہوں۔ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ جو سہیل کے لڑکے حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوئے گرتے پڑتے مکہ سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ سے نکلتے ہی فتح کا یقین کئے ہوئے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھ چکے تھے۔ اس لئے انہیں فتح ہونے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے اور بغیر طواف کے بغیر زیارت بیت اللہ کے یہیں سے واپس ہونا پڑے گا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر مشقت اُٹھا کر صلح کر رہے ہیں تو اس سے وہ بہت ہی پریشان خاطر تھے۔ یہ سب کچھ تو تھا ہی' مزید برآں جب حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مسلمان تھے اور جنہیں مشرکین نے قید کر رکھا تھا اور جن پر طرح طرح سے مظالم توڑ رہے تھے' یہ سن کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہوئے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح موقعہ پا کر بھاگ آتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ تو سہیل اُٹھ کر انہیں طمانچے مارنے شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے آپ کے درمیان تصفیہ ہو چکا ہے۔ یہ اس کے بعد آیا ہے۔ لہٰذا اس شرط کے مطابق میں اسے واپس لے جاؤں گا۔ آپ جواب دیتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے۔ سہیل کھڑا ہوتا ہے اور حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹتا ہے اور انہیں لے کر چلتا ہے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز سے کہتے ہیں' اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا رہے ہو؟ ہائے یہ میرا دین مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اور برافروختہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندلؓ سے فرمایا' ابوجندل صبر کر اور نیک رہ اور طلب ثواب میں رہ۔ نہ صرف تیرے لئے ہی بلکہ تجھ جیسے جتنے کمزور مسلمان ہیں' ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ نکالنے والا ہے اور تم سب کو اس درد و غم رنج و الم ظلم و ستم سے چھڑانے والا ہے۔ ہم چونکہ صلح کر چکے ہیں۔ شرطیں طے ہو چکی ہیں۔ اس بنا پر ہم نے تمہیں سر دست واپس کر دیا ہے۔ ہم عذر کرنا' شرائط کرنا' عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوجندلؓ کے ساتھ ساتھ ان کے پہلو بہ پہلو جانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ ابو جندل صبر کرو۔ ان میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہ مشرک لوگ ہیں۔ ان کا خون مثل کتے کے خون کے ہیں۔ حضرت عمرؓ ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کی موٹھ حضرت جندلؓ کی طرف کرتے جا رہے تھے کہ وہ تلوار کھینچ لیں اور ایک ہی وار میں باپ کو پرے پار کریں۔ لیکن حضرت ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ باپ پر نہ اُٹھا۔ صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھنے اور حلال جگہ میں بے بس تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُٹھو اپنی اپنی قربانیاں کر لو اور سر منڈوالو۔ لیکن ایک بھی کھڑا نہ ہوا۔ تین مرتبہ ایسا[1] ہی ہوا۔ آپ لوٹ کر ام سلمہؓ کے پاس گئے اور فرمانے لگے' لوگوں کو یہ کیا ہو گیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جس قدر صدمے میں یہ ہیں۔ آپ کو بخوبی معلوم ہے۔ آپ ان سے کچھ نہ کہئے' سیدھے اپنی قربانی کے جانور کے پاس جائیے اور اسے جہاں وہ ہو وہیں قربان کر دیجئے اور خود سر منڈوا لیجئے۔ پھر تو ممکن ہے کہ اور لوگ بھی کریں۔ آپ نے یہی کیا۔ اب کیا تھا۔ ہر ہر شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ قربانی کو قربان

[1] معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا دراصل شدت غم میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو محسوس ہی نہیں ہوا کہ آپ کیا فرما رہی ہیں جب قربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تو صحابہ متنبہ ہوئے ظاہر ہے کہ اگر صحابہ میں عدولی حکم کا جذبہ خدانخواستہ ہوتا تو پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر قربانی ہی کیوں کرتے؟

کیا اور سر منڈوایا۔ اب یہاں سے واپس چلے۔ آدھا راستہ طے کیا ہوگا' جو سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ کے سامنے ایک ہزار کئی سو صحابہ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قربانی کے اونٹوں کو نشان دار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور اپنے ایک جاسوس کو جو قبیلہ خزاعہ میں سے تھا' جاسوسی کے لئے روانہ کیا۔ غدیر اشطاط میں آ کر اس نے خبر دی کہ قریش نے پورا مجمع تیار کرلیا ہے۔ ادھر اُدھر کے مختلف لوگوں کو بھی انہوں نے جمع کرلیا ہے اور ان کا ارادہ لڑائی کا اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا' اب بتلاؤ کیا ہم ان کے اہل وعیال پر حملہ کردیں؟ اگر وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردن کاٹ دے گا۔ ورنہ ہم انہیں غمگین چھوڑ کر جائیں گے۔ اگر بیٹھ رہیں گے تو غم ورنج میں رہیں گے اور اگر انہوں نے نجات پالی تو یہ گردنیں ہوں گی۔ جو اللہ عزوجل نے کاٹ دی ہوں۔ دیکھو تو بھلا کتنا ظلم ہے کہ ہم نہ کسی سے لڑنے کو آئے نہ کسی اور ارادے سے آئے۔ صرف خدا کے گھر کی زیارت کے لئے جارہے ہیں اور وہ ہمیں روک رہے ہیں۔ بتلاؤ ان سے ہم کیوں نہ لڑیں؟ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بیت اللہ کی زیارت کو نکلے ہیں۔ آپ چلے چلئے' ہمارا ارادہ جدال وقتال کا نہیں لیکن جو ہمیں خدا کے گھر سے روکے گا' ہم اس سے ضرور لڑیں گے۔ خواہ کوئی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بس اللہ کا نام لو اور چل کھڑے ہو۔ کچھ آگے چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خالد بن ولید طلائے کا لشکر لے کر آرہا ہے۔ پس تم دائیں طرف کو ہولو۔ خالد کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے ان کے کلے پر پہنچ گئے۔ اب خالد دوڑا ہوا قریشیوں میں پہنچا اور انہیں مطلع کیا۔ اونٹنی کا نام اس روایت میں قصواء بیان ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کریں گے' میں دوں گا۔ بشرطیکہ حرمت خدا کی اہانت نہ ہو۔ پھر جو آپ نے اونٹنی کو للکارا تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ بدیل بن ورقاء خزاعی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جا کر قریشیوں کو جب جواب پہنچاتا ہے تو عروہ بن مسعود ثقفی کھڑے ہو کر اپنا تعارف کرا کر جو پہلے بیان ہو چکا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو اس شخص نے نہایت معقول اور مناسب بات کہی ہے اسے قبول کرلو اور جب یہ خود حاضر حضور ہو کر آپ کا یہی جواب آپ کے منہ سے سنتا ہے تو آپ سے کہتا ہے کہ سنئے جناب دو ہی باتیں ہیں۔ یا آپ غالب وہ مغلوب یا وہ غالب آپ مغلوب۔ اگر پہلی بات ہی ہوئی' تو بھی کیا ہوا' آپ ہی کی قوم ہے۔ آپ نے کسی کو ایسا سنا بھی ہے کہ جس نے اپنی قوم کا ستیاناس کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہوگئی تو یہ جتنے آپ کے پاس ہیں' میں تو دیکھتا ہوں کہ سارے ہی آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے وہ جواب دیا ہے' پہلے گزر چکا۔ حضرت مغیرہؓ والے بیان میں یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار بھی تھی اور سر پر خود تھا۔ ان کے مارنے پر عروہ نے کہا غدار میں نے تو تیری غداری میں تیرا ساتھ دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ پہلے یہ جاہلیت کے زمانہ میں کافروں کے ایک گروہ کے ساتھ تھے۔ موقعہ پا کر انہیں قتل کرڈالا اور ان کا مال لے کر حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہارا اسلام تو میں منظور کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ عروہ نے یہاں یہ منظر بھی بچشم خود دیکھا کہ آپ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ آپ کے ہونٹوں کو جنبش ہوتے ہی فرمانبرداری کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھتا ہے۔ جب آپ وضو کرتے ہیں تو اعضاء بدن سے گرتے ہوئے پانی پر تو قریب ہوتا ہے کہ صحابہ لڑ پڑیں۔ جب آپ ﷺ بات کرتے ہیں تو بالکل سناٹا ہو جاتا ہے۔ حد تعظیم یہ ہے کہ صحابہ آنکھ بھر کر آپ ﷺ کا چہرہ منور کی طرف تکتے ہی نہیں' بلکہ نیچی نگاہوں سے ہر وقت باادب رہتے ہیں۔ اس نے پھر واپس آ کر یہی حال قریشیوں کو سنایا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو انصاف عدل کی بات پیش کررہے ہیں' اسے مان لو۔ بنو کنانہ کے جس شخص کو

اس کے بعد قریش نے بھیجا' اسے دیکھ کر حضور اکرمؐ نے فرمایا' یہ لوگ قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو اور اس کی طرف ہانک دو۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا۔ ادھر صحابی کی زبانی لبیک کی صدائیں سنیں تو اُٹھا کر کہ ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا نہایت لغو حرکت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مکرز کو دیکھ کر آپ نے فرمایا' یہ ایک تاجر شخص ہے۔ ابھی یہ بیٹھا باتیں ہی کر رہا تھا جو سہیل آ گیا۔ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا' لو اب کام سہل ہو گیا۔ اس نے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا' واللہ میں رسول اللہ ہی ہوں' گو تم نہ مانو۔ یہ اس بنا پر کہ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ نے کہہ دیا تھا کہ یہ حرمات خداوندی کی عزت رکھتے ہوئے مجھ سے جو کہیں گے میں منظور کر لوں گا۔ آپ نے صلح نامہ لکھواتے ہوئے فرمایا' امسال ہمیں یہ بیت اللہ کی زیارت کر لینے دیں گے۔ لیکن سہیل نے کہا یہ ہمیں منظور نہیں۔ ورنہ لوگ کہیں گے کہ ہم دب گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ جب یہ شرط ہو رہی تھی کہ جو کافر ان میں سے مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے' آپ اسے واپس دے دیں گے۔ اس پر مسلمانوں نے کہا' سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ وہ مسلمان ہو کر آئے اور ہم اسے کافروں کو سونپ دیں۔ یہ باتیں ہو رہی ہی تھیں کہ حضرت ابو جندلؓ اپنی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آ گئے۔ سہیل نے کہا اسے واپس کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' ابھی تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا۔ میں اسے کیسے واپس کر دوں؟ اس نے کہا پھر تو خدا کی قسم میں کسی طرح اور کسی شرط پر صلح کرنے میں رضامند نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم خود مجھے اس بابت اجازت دے دو۔ اس نے کہا میں اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں دوں گا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا' لیکن اس نے پھر بھی انکار کر دیا۔ گو مکرز نے کہا' ہاں آپ کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اس پر حضرت ابو جندل نے مسلمانوں سے فریاد کی۔ ان بیچاروں کو مشرکین بڑی سخت سنگین سزائیں دے رہے تھے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر حضور ہوئے اور وہ کہا جو پہلے گزر چکا ہے۔ پھر پوچھا کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو میں نے کہا ہے۔ لیکن یہ تو نہیں کہ یہ اسی سال ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا بس تو تم وہاں جاؤ گے ضرور اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ضرور۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور میں نے ان سے وہی کہا جس کا بیان اوپر گزرا۔ اس میں اتنا اور ہے کہ کیا حضورؐ خدا کے رسول نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ہاں ہیں۔ پھر میں حضور کی پیش گوئی کا اس طرح ذکر کیا اور وہی جواب ملا جو ذکر ہوا۔ جو جواب خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسم نے دیا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے نحر کیا اور نائی کو بلوا کر سر منڈوالیا۔ پھر تو صحابہ ایک ساتھ کھڑے ہو گئے اور قربانیوں سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کے پاس آ ئیں۔ جن کے بارے میں آیت: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنٰتُ...... (سورہ ممتحنہ: ۱۰) نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اس کے ماتحت اپنی دو مشرکہ بیویوں کو طلاق دے دی۔ جن میں سے ایک نے معاویہ بن ابو سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے نکاح کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں سے واپس مدینہ شریف گئے۔ ابو بصیر نامی ایک قریشی جو مسلمان تھے' موقعہ پا کر مکہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ شریف پہنچے۔ ان کے پیچھے ہی دو کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عہد نامہ کی بنا پر اس شخص کو آپ واپس کیجئے۔ ہم قریشیوں کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں اور ابو بصیر کو واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھی بات ہے میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہیں سونپ دیا۔ یہ انہیں لے کر چلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور بے فکری سے وہاں کھجوریں کھانے

لگے تو حضرت ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا۔ واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تلوار نہایت ہی عمدہ ہے۔ اس نے کہا ہاں بے شک بہت ہی اچھے لوہے کی ہے۔ میں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا ہے۔ اس کی کاٹ کا کیا پوچھنا ہے؟ یوں کہتے ہیں اس نے تلوار میان سے نکال لی۔ حضرت ابوبصیرؓ نے ہاتھ بڑھا کر ذرا مجھے دکھانا۔ اس نے دے دی۔ آپ نے ہاتھ میں لیتے ہی تول کر ایک ہی ہاتھ میں اس ایک کافر کا تو کام تمام کر دیا۔ دوسرا اس رنگ کو دیکھتے ہی مٹھیاں بند کر کے ایسا بگٹٹ بھاگا کہ سیدھا مدینہ پہنچ کر دم لیا۔ اسے دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بڑی گھبراہٹ میں ہے۔ کوئی خوفناک منظر دیکھ چکا ہے۔ اتنے میں یہ قریب پہنچ گیا اور دہائیاں دینے لگا کہ یارسول اللہ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور میں بھی اب تھوڑے دم کا ہی مہمان ہوں۔ دیکھئے وہ آیا۔ اتنے میں ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر دیا۔ آپ نے اپنے وعدے کے مطابق مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اس نے مجھے ان سے رہائی دلوائی۔ آپ نے فرمایا افسوس یہ کیسا شخص ہے؟ یہ تو لڑائی کی آگ کو بھڑکانے والا ہے۔ کاش کہ کوئی اسے سمجھا دیتا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبصیرؓ چونک گئے کہ معلوم ہوتا ہے آپ شاید مجھے دوبارہ مشرکین کے حوالے کر دیں گے۔ یہ سوچتے ہی حضورؐ کے پاس سے چلے گئے۔ مدینہ کو الوداع کہا اور لمبے قدموں سمندر کے کنارے کی طرف چل دیئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ واقعہ مشہور ہو گیا۔ ادھر سے ابوجندل بن سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حدیبیہ میں اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کیا تھا۔ وہ بھی موقعہ پا کر پھر مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور براہ راست حضرت ابوبصیرؓ کے پاس چلے آئے۔ اب یہ ہوا کہ مشرکین قریش میں سے جو بھی ایمان قبول کرتا سیدھا حضرت ابوبصیرؓ کے پاس آ جاتا اور یہیں رہتا سہتا۔ یہاں تک کہ ایک خاصی معقول جماعت ایسے ہی لوگوں کی یہاں جمع ہو گئی اور انہوں نے یہ کرنا شروع کر دیا کہ قریشیوں کا جو قافلہ شام کی طرف جانے کے لئے نکلتا۔ یہ اس سے جنگ کرتے۔ جس میں قریشی کفار قتل بھی ہوئے اور ان کے مال بھی ان مہاجر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہاں تک کہ قریشی تنگ آ گئے۔ بالآخر انہوں نے پیغمبر خدا تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ حضور خدارا ہم پر رحم فرما کر ان لوگوں کو وہاں سے اپنے پاس بلوا لیجئے' ہم ان سے دستبردار ہوتے ہیں۔ ان میں جو بھی آپ کے پاس ہو وہ امن میں ہے۔ ہم آپ کو اپنی رشتہ داریاں یاد دلاتے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ انہیں اپنے پاس بلا لیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان حضرات کے پاس آدمی بھیج کر سب کو بلوا لیا اور اللہ عزوجل نے آیت: وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ...... نازل فرمائی۔ ان کفار کی حمیت جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے دی۔ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ نہ لکھنے دیا۔ آپ کو بیت اللہ شریف کی زیارت نہ کرنے دی۔ صحیح بخاری شریف میں کتاب التفسیر میں ہے۔ حبیب بن ابوثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' میں ابووائل کے پاس گیا۔ تاکہ ان سے پوچھوں' انہوں نے کہا ہم صفین میں تھے۔ ایک شخص نے کہا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ پس حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' ہاں پس سہیل بن حنیف نے کہا اپنی جانوں پر تہمت رکھو۔ ہم نے اپنے تئیں حدیبیہ والے دن دیکھا۔ یعنی اس صلح کے موقعہ پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی۔ اگر ہماری رائے لڑنے کی ہوتی تو ہم یقیناً لڑتے۔ حضرت عمرؓ نے آ کر کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ کہا پھر ہم کیوں اپنے دین میں جھک جائیں اور لوٹ جائیں۔ حالانکہ اب تک خدا تعالیٰ نے ہم میں اور ان میں کوئی فیصلہ کن کارروائی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں' وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوٹ آئے۔ لیکن بہت غصے میں تھے۔ وہاں سے

حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور یہی سوال و جواب یہاں بھی ہوئے اور سورۂ فتح نازل ہوئی۔ بعض روایات میں حضرت سہیل بن حنیف کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں نے خود ابو جندلؓ والے دن دیکھا کہ اگر مجھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے لوٹانے کی قدرت ہوتی تو میں یقیناً لوٹا دیتا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب سورہ فتح نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ سورت انہیں سنائی۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جس وقت یہ شرط طے ہوئی کہ ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائے اور ہمارا آدمی واپس نہ کریں تو حضورؐ سے کہا گیا کہ کیا ہم یہ بھی مان لیں؟ اور لکھ دیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔ اس لئے کہ ہم میں سے جو ان میں جائے' خدا تعالیٰ اسے ہم میں سے دور ہی رکھے۔ (مسلم) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب خارجی نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے علیحدگی اختیار کی تو میں نے ان سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن جب مشرکین سے صلح کی' تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے علیؓ لکھ' یہ وہ شرائط صلح ہیں' جن پر اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صلح کی تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو آپ سے ہرگز نہ لڑتے۔ تو آپ نے فرمایا' اے علیؓ اسے مٹا دو۔ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں تیرا رسول ہوں۔ علیؓ اسے کاٹ دو اور لکھو یہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ سے بہت بہتر تھے۔ پھر بھی آپ نے اس لکھے ہوئے کو کاٹ دیا۔ اس سے کچھ آپ بنوت سے نہیں نکل گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن ستر اونٹ قربان کئے۔ جن میں ایک اونٹ ابو جہل کا بھی تھا۔ جب یہ اونٹ بیت اللہ سے روک دیئے گئے تو اس طرح نالہ و بکا کرتے تھے۔ جیسے کسی سے اس کا دودھ پیتا بچہ الگ ہو گیا ہو۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے کہ تم مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہو گا اور کوئی بال کتراتا ہو گا۔ تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو گا۔ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے ○

آپ ﷺ کا ایک سچا خواب:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ رضوان اللہ علیہم

اجمعین کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس جانا پڑا۔ تو ان صحابہ پر نہایت شاق گزرا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے۔ آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا' ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا' پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔ پھر صدیق سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس بات میں ان شاء اللہ ہے۔ یہ استثنا کے لئے نہیں' بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہؓ نے دیکھ لیا اور پورے امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے عرض کیا' حضرتؐ اور کتروانے والوں پر بھی' آپ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر لوگوں نے وہی کہا' آخر تیسری یا چوتھی بار آپ نے کتروانے والوں کے لئے رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بے خوف ہو کر یعنی مکہ میں جاتے بھی امن و امان سے ہوں گے اور مکہ کا قیام بھی بے خوفی کا ہوگا۔ چنانچہ عمرۂ قضا میں یہی ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم کے مہینے تو مدینہ شریف میں قیام رہا۔ صفر میں خیبر کی طرف گئے۔ اس کا کچھ تو بذریعہ جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ صلح کے طور پر مسخر ہوا۔ یہ بہت بڑا علاقہ تھا۔ اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں۔ یہیں کے یہودیوں کو اس جگہ آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغات اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں۔ خیبر کی تقسیم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان ہی صحابہ میں کی' جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا۔ بجز ان لوگوں کے جو حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تھے۔ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی اور جنگ حدیبیہ میں جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے بجز حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں سے آپ سالم و غانم واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف بارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔ قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ لئے اور لبیک کہتے ہوئے ظہران کے قریب پہنچ کر حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ گھوڑے سواروں کے ساتھ ہتھیار بند آگے آگے روانہ کیا۔ اس سے مشرکین کے ہوش اُڑ گئے۔ انہیں خیال گزرا کہ یہ تو پوری تیاری اور کامل ساز و سامان کے ساتھ آئے ہیں۔ تو ضرور لڑائی کے ارادے سے ہی آئے ہیں۔ انہوں نے شرط توڑ دی کہ دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ چنانچہ یہ لوگ دوڑے ہوئے مکہ میں گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مرالظہران میں پہنچے' جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے۔ تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے۔ مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں رکھ لیں۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور آپ کی عادت تو عہد توڑنے کی نہیں۔ حضور نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں' ہم نے تو وہ سب یاجج بھیج دیئے ہیں۔ اس نے کہا یہی ہیں آپ کی ذات سے اُمید تھی۔ آپؐ ہمیشہ سے بھلائی نیکی اور وفاداری کرنے والے ہیں سردارانِ کفار تو بوجہ غیظ و غضب اور رنج و غم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ

گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے۔ خود آپ اپنی مشہور و معروف اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ آگے آگے آپ کے اصحاب تھے۔ جو برابر لبیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری۔ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

بِاسم الَّذِیْ لَا دِیْنَ اِلَّا دِیْنَهٗ ❁ بِسْمِ الَّذِیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُهٗ

خَلُّوا بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ ❁ اَلْیَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰی تَاوِیْلِهٖ

كَمَاضَرَبْنَاكُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ ❁ ضَرْبًا یُّزِیْلُ الْهَامَ مَنْ مَّقِیْلِهٖ

وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ مَنْ خَلِیْلِهٖ ❁ قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ

فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ ❁ بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ

یَا رَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِهٖ

یعنی اُس خدا کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے کافروں کے بچو! حضور کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے۔ جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا۔ وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔

بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ تغیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ یہ سن کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں اور ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو۔ چنانچہ جمع کیا۔ دستر خوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف میں آئے۔ سیدھے بیت اللہ گئے۔ قریش حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں۔ اب آپ نے رکن کو بوسہ دیا اور دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا۔ جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے۔ قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی سی چوکڑیاں بھر رہے ہو۔ گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین دفعہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے۔ تین پھیرے اسی طرح کئے۔ چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں بھی اسی طرح طواف میں تین پھیروں کی رمل کیا۔ یعنی دلکی چال چلے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینے کی آب و ہوا شروع میں کچھ ناموافق پڑی تھی اور بخار کی وجہ سے یہ کچھ لاغر ہو گئے تھے۔

جب آپ مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا یہ لوگ جو آ رہے ہیں۔ انہیں مدینے کے بخار نے کمزور اور سست کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس کلام کی خبر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی۔ مشرکین حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک طواف کے تین پہلے پھیروں میں دلکی کی چال چلیں اور رکن یمانی سے حجر اسود تک جہاں جانے کے بعد مشرکین کی نگاہیں نہیں پڑتی تھیں وہاں اپنی چال چلیں۔ پورے ساتوں پھیروں میں رمل کرنے کو نہ کہنا۔ یہ صرف بطور رحم کے تھا۔ مشرکوں نے جب دیکھا کہ یہ تو سب کے سب کود کر پھرتی اور چستی سے طواف کر رہے ہیں' تو آپس میں کہنے لگے کیوں جی انہیں کی نسبت اُڑا رکھا تھا کہ مدینے کے بخار نے انہیں سست و لاغر کر دیا ہی۔ یہ لوگ تو فلاں سے بھی زیادہ چست اور چالاک ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوی القعدہ کی چوتھی تاریخ کو مکہ پہنچ گئے تھے اور روایت میں ہے کہ مشرکین اس قعیقان کی طرف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صفا مروہ کی طرف سعی کرنا بھی مشرکوں کو اپنی قوت دکھانے کے لئے تھا۔ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اس دن ہم آپ کو حلقے میں لئے ہوئی تھے۔ تا کہ کوئی مشرک یا کوئی ناسمجھ آپ کو ایذا نہ پہنچا سکے۔ بخاری شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لئے نکلے لیکن کفار قریش نے راستہ روک لیا اور آپ کو بیت اللہ شریف تک جانے نہ دیا۔ آپؐ نے وہیں قربانیاں کیں اور وہیں یعنی حدیبیہ میں سر منڈایا اور ان سے صلح کر لی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ آپ اگلے سال عمرہ کریں گے۔ سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر مکہ معظمہ میں نہیں آئیں گے اور وہاں اتنی ہی مدت ٹھہریں گے' جتنی اہل مکہ چاہیں گے۔ پس اگلے سال آپ اسی طرح آئے۔ تین دن ٹھہرے پھر مشرکین نے کہا اب آپ چلے جائیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اہل مکہ حائل ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ صرف تین دن ہی مکہ میں ٹھہریں گے۔ جب صلح نامہ لکھنے لگے تو لکھا یہ وہ ہے' جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی۔ تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر آپ کو ہم رسول اللہ مان لیں تو ہرگز نہ روکتے۔ بلکہ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے۔ آپ نے کہا میں رسول اللہ ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا نہیں نہیں قسم خدا کی' میں اسے ہرگز نہ مٹاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے صلح نامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باوجود اچھی طرح لکھنا نہ جاننے کے لکھا کہ یہ وہ ہے کہ جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کر لی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یہ کہ مکہ میں ہتھیار لے کر نہ داخل ہوں گے۔ صرف تلوار ہوگی اور وہ بھی میان میں اور اہل مکہ میں سے جو آپ کے ساتھ جانا چاہے گا' اسے آپ اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور یہ کہ آپ کے ساتھیوں میں سے جو مکہ میں رہنے کے ارادہ سے ٹھہرنا چاہے گا۔ آپ روکیں گے نہیں۔ پس جب آپ آئے اور وقت مقررہ گزر چکا تو مشرکین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا' آپ حضورؐ سے کہئے کہ اب وقت گزر چکا تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ نے کوچ کر دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہہ کر آپ کے پیچھے ہولیں۔ حضرت علیؓ نے انہیں لے لیا اور انگلی تھام کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے اور اپنے چچا کی لڑکی کو اچھی طرح رکھیں۔ حضرت زہراؓ نے بڑی خوشی سے بچی کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اب حضرت علیؓ اور حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جھگڑا ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو فرماتے تھے' انہیں میں لایا ہوں اور میرے چچا کی صاحبزادی ہیں۔ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے میری چچا زاد بہن ہے اور ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے' میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھگڑے کا فیصلہ یوں فرمایا کہ لڑکی کو تو ان کی خالہ کو سونپا اور فرمایا خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں

تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر سے فرمایا تو خلق اور خُلق میں مجھ سے پوری مشابہت رکھتا ہے[1]۔ حضرت زیدؓ سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولیٰ ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ حضرت حمزہؓ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا' وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ پھر فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ جس خیر و مصلحت کو جانتا تھا اور جسے تم نہیں جانتے تھے۔ اس کی بنا پر تمہیں اس سال مکہ میں نہ جانے دیا اور اگلے سال جانے دیا اور اس جانے سے پہلے ہی جس کا وعدہ خواب کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ تمہیں فتح قریب عنایت فرمائی۔ یہ فتح وہ صلح ہے' جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو خوشخبری سناتا ہے کہ وہ اپنے رسول کو ان دشمنوں اور تمام دشمنوں پر فتح دے گا۔ اس نے آپ کو علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ بھیجا ہے۔ شریعت میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ علم اور عمل۔ پس علم شرعی صحیح علم ہے اور عمل شرعی مقبولیت والا عمل ہے۔ اس کے اخبار سچے اور اس کے احکام سراسر عدل وحق والے ہیں۔ مشیت یہ ہے کہ روئے زمین پر جتنے دین ہیں' عربوں میں' عجمیوں میں' مسلمین میں' مشرکین میں' ان سب پر اس اپنے دین کو غالب[2] اور ظاہر باہر کرے' اللہ کافی گواہ ہے۔ اس بات پر کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی آپ کا مددگار ہے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں' کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی سے اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم

[1] یعنی ظاہری شکل وصورت خلق اور عادات واخلاق میں (خُلق)۔

[2] اسلام کی تمام ادیان پر غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک دلائل کے اعتبار سے اسلام کی صداقت تمام مذاہب پر سو یہ بات ہر دور میں حاصل میں رہی یعنی اسلام ٹھوس دلائل اپنی صداقت اور سچائی کے رکھتا ہے دوسرا مادی اعتبار سے غلبہ مادی غلبہ خود مسلمانوں کے اپنے طرز عمل پر موقوف ہے مسلمانوں نے جب تک اپنا معاملہ تقویٰ اور اسلام کے احکام کے مطابق رکھا تو وہ طاقت وقوت کے اعتبار سے بھی غالب رہے ہیں اور آج بھی اگر ان بنیادی حقائق کو سنبھال لیا جائے تو یقیناً مادی اعتبار سے اسلام کا بول بالا ہوسکتا ہے۔

ہونے لگی تا کہ ان سے کافروں کو جلا دے اور اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے ○

فداہ روحی:

ان آیتوں میں پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت وثنا بیان ہوئی کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں۔ پھر آپ کے صحابہ کی صفت وثنا بیان ہو رہی ہے کہ وہ مخالفین پر سختی کرنے والے ہیں اور مسلمانوں پر نرمی کرنے والے ہیں[1]۔ جیسے اور آیت میں ہے: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ (سورہ مائدہ: ۵۴) مؤمنوں کے سامنے نرم اور کفار کے مقابلہ میں گرم ہر مؤمن کی یہی شان ہونی چاہئے کہ وہ مؤمنوں سے خوش خلق اور متواضع رہے اور کفار پر سختی کرنے والا اور کفر سے ناخوش رہے[2]۔ قرآن حکیم فرماتا ہے: يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (سورہ توبہ: ۱۲۳) ایمان والو اپنے پاس کے کافروں سے جہاد کرو وہ تم میں سختی محسوس کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' آپس کی محبت اور نرم دلی میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے کبھی بخار چڑھ آتا ہے کبھی نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں' مؤمن مؤمن کے لئے مثل دیوار کے ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے اور مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا کر بتائیں۔ پھر ان کا اور وصف بیان فرمایا کہ نیکیاں بکثرت کرتے ہیں۔ خصوصاً نماز جو تمام نیکیوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ پھر ان کی نیکیوں میں چار چاند لگانے والی چیز کا بیان کیا یعنی ان کے خلوص اور خدا طلبی کا کہ یہ خدا کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ یہ اپنے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ جو جنت اور فضل سے انہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی بھی انہیں عطا فرمائے گا۔ جو بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کی اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ فرماتے ہیں' خشوع اور تواضع ہے۔ حضرت منصورؒ حضرت مجاہدؒ سے کہتے ہیں۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ اس مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا' یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے۔ فرعون سے بھی جن کے دل سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں' نماز ان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جو رات کو بکثرت نماز پڑھے گا' اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا۔ حضرت جابر کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور ہوتا ہے۔ چہرے پر روشنی آتی ہے۔ روزی کشادہ ہوتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے حالات کی اصلاح کرے اور بھلائی پوشیدگی سے کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے۔ پس مؤمن جب اپنے کو درست کر لیتا ہے۔ اپنا باطن سنوار لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہ میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے۔ طبرانی میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] جمہور کی رائے ہے کہ یہ سب ہی صحابہ کی تعریف ہے اور حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی خاص تعریف۔

[2] لیکن بدقسمتی سے آج اس کا برعکس ہو رہا ہے یعنی مسلمان مسلمان پر غالب وزور آور اور کفار کے سامنے مرعوب الغلوب بہ طرز زندگی اور پھر اسلام کے غلبہ کی تمنائیں...... ایں خیال است محال است جنوں۔

فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اُڑھا دیتا ہے۔ اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور بری ہے تو برائی کی لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو۔ کوئی عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا۔ برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ اچھا خلق اور میانہ روی نبوت کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔ الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں۔ اعمال اچھے تھے۔ پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاک بازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جن صحابہؓ نے شام کا ملک فتح کیا۔ جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بے ساختہ پکار اُٹھتے خدا کی قسم یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے۔ اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اوّل ان کے بہتر و بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی آسمانی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی تورات میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل میں مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے۔ پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے۔ پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی۔ پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا۔ یہ اس لئے کہ کفار شرمندہ ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہؓ سے چڑتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔

علما کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی واغماض کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ خود خدا نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے اور یہ چیز ان کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور ان کا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت۔ یاد رہے کہ مِنْهُمْ میں جو مِنْ ہے وہ یہاں بیان جنس کے لئے ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو۔ ان کے قدم بقدم چلنے والے ان کی روش پر کاربند ہونے والوں پر بھی خدا کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوش یہ خدا سے راضی۔ یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پا لئے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔

سورہ حجرات

سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانِیْ عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا رُکُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کل آیات: ۱۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ③

اے ایمان والو اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ (تمہارے سب اقوال کو) سننے والا اور (تمہارے سب افعال کو) جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا اور ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے ○

آداب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُمتیوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھاتا ہے کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر واحترام عزت کرنا چاہئے[1]۔ تمام کاموں میں خدا اور رسول کے پیچھے رہنا چاہئے۔ اتباع اور تابعداری کی خو ڈالنی چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو دریافت فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔

[1] قرآن مجید کے مضامین آپس میں کس درجہ مربوط اور کتنے متعلق ہیں اس ایک سورت حجرات کے مضامین کو سورہ فتح کے مضامین سے اتنی شدید اور گہری مناسبت ہے کہ بے تکلف قرآن مجید کو ایک مسلسل اور مربوط کلام کہا جا سکتا ہے دیکھئے سورہ فتح میں تفصیل سے گزرا کہ حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ کے روبرو ہی گفتگو اچھے خاصے تلخ لب ولہجہ میں کی تھی جذبہ اگرچہ ان کا قابل قدر تھا لیکن اس کا مظاہرہ غیر اسلامی تھا سورہ حجرات میں اسی لئے آداب بارگاہ نبوت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

فرمایا اگر نہ پاؤ جواب دیا سنت رسول اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو ایسی توفیق دی جس سے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوا (ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ) یہاں اس حدیث کے ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی رائے نظر اور اجتہاد کو کتاب وسنت سے مؤخر رکھا۔ پس کتاب وسنت پر رائے کو مقدم کرنا یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ کہو۔ حضرت عوفی فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے سامنے بولنے سے منع کر دیا گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں امر دین احکام شرعی میں بجز خدا کے کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے تم کسی چیز سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کسی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ امام سے پہلے دعا نہ کرو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے اگر فلاں فلاں میں حکم اترے تو اس طرح رکھنا چاہئے اسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حکم خدا کی بجا آوری میں اللہ کا محافظ رکھو۔ اللہ تمہاری باتیں سن رہا ہے اور تمہارے ارادے جان رہا ہے۔ پھر دوسرا ادب سکھاتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں۔ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحیح بخاری شریف میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ قریب تھا کہ دو بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں کی آوازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند ہوگئیں۔ جب کہ بنو تمیم کا وفد حاضر ہوا تھا۔ ایک تو اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جو بنی مجاشع میں تھے اور دوسرے دوسرے شخص کی بابت کہتے تھے۔ اس پر حضرت صدیق نے فرمایا کہ تم تو میرا خلاف ہی کیا کرتے ہو۔ فاروق اعظم نے جواب دیا نہیں نہیں آپ یہ خیال بھی نہ فرمائیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہو۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد تو حضرت عمر اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نرم کلامی کرتے تھے کہ آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے قعقاع بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وفد کا امیر بنایئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے بلکہ حضرت اقرع بن حابس کو۔ اس اختلاف میں آوازیں کچھ بلند ہوگئیں۔ جس پر آیت يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا نازل ہوئی اور وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا...... مسند بزار میں ہے آیت لَا تَرْفَعُوْا...... کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح باتیں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نظر نہ آئے۔ اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی بابت آپ کو بتلاؤں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ثابت کے مکان پر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے جواب ملا برا حال ہے۔ میں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا[1]۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] فقہا کی نکتہ سنجی کی داد دیجئے شاید ہی امت میں فقہاء سے بڑھ کر اسلام کو سمجھنے والا کوئی پیدا ہوا ہو حیف ہے ان لوگوں پر جو امت کے اس برگزیدہ طبقہ کو محض اپنی سوء ظنی کی بنیاد پر مطعون کرتا ہے وہ اس ایک آیت سے فقہاء نے چار احکام کا استنباط کیا ہے: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو زور سے نہ کی جائے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جائے یہ نتیجہ آیت سے عبارۃ النص کے طور پر حاصل ہو رہا ہے۔ (۲) جھگڑا لڑائی سخت کلامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ممنوع ہے یہ =

پاس آئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ایک زبردست بشارت لے کر دوبارہ حضرت ثابتؓ کے ہاں گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جاؤ اور ان سے کہو تو جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ واقعہ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تھا کہ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں' نظر نہیں آتے۔ اس کے آخر میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں زندہ چلتا پھرتا دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اہل جنت ہیں۔ یمامہ کی جنگ میں جبکہ مسلمان قدرے بددل ہو گئے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت خوشبو ملے کفن پہنے ہوئے دشمن کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں اور فرما رہے ہیں' مسلمانو تم لوگ اپنے بعد والوں کے لئے برا نمونہ نہ چھوڑ جاؤ۔ یہ کہہ کر دشمنوں میں گھس گئے اور بہادرانہ لڑتے رہے' یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے جب انہیں نہ دیکھا اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جوان کے پڑوسی تھے' دریافت فرمایا کہ کیا ثابت بیمار ہیں؟ لیکن اس حدیث کی اور سندوں میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت معلل ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے۔ اس لئے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت زندہ ہی نہ تھے۔ بلکہ آپ کا انتقال بنو قریظہ کی جنگ کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہو گیا اور بنو قریظہ کی جنگ ۵ ہجری میں ہوئی تھی اور یہ آیت وفد بنی تمیم کی آمد کے وقت اُتری ہے اور وفود کا پے درپے آنے کا واقعہ ۹ ہجری کا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے۔ جب یہ آیت اُتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ یہ آیت کہیں میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو۔ میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر چلے گئے۔ ادھر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہچکی بندھ گئی۔ دھاڑیں مار مار رونے لگے۔ گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی سلول سے کہا' میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں' تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو۔ خدا کی قسم میں اس سے نہ نکلوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا۔ وہاں جب حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرے پاس بلاؤ۔ لیکن جب عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابت وہاں نہیں۔ مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں۔ یہاں آ کر کہا کہ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' بہت خوب کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو۔ پھر باہر نکال کر سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ جس کا سچا جواب حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا۔ باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور آئندہ کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ...... نازل ہوئی۔ یہ قصہ اسی طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنے سے منع فرما دیا۔ امیر

= دلالت النص ہوئی۔ (۳) زیادہ گفتگو کرنا آپ ﷺ کی بارگاہ میں ممنوع ہے یہ اشارہ النص ہے۔ (۴) آپ ﷺ کے حضور میں بے باکی سے کام لینا ادب واحترام کو ملحوظ نہ رکھنا ناجائز ہے یہ بات با قاعدہ اقتضاء النص سے سمجھ میں آئی۔

المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو شخصوں کی کچھ بلند آواز مسجد نبوی میں سن کر وہاں آ کر ان سے فرمایا، تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔ علمائے کرام کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ آپ کی حیات میں آپ کے سامنے مکروہ تھا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام و عزت تھے۔ اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر شریف میں بھی باعزت اور قابل احترام ہی ہیں۔ پھر آپ کے سامنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے جس طرح سے عام لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، باتیں کرنی منع فرمائیں۔ بلکہ آپ سے تسکین وقار عزت عزت و ادب حرمت و عظمت سے باتیں کرنی چاہئیں۔ جیسے اور جگہ ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (سورہ نور: ۶۳) اے مسلمانو، رسول کو اس طرح نہ پکارو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس بلند آوازی سے اس لئے روکا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے خدا ناراض ہو جائے اور تمہارے سارے اعمال ضبط کرے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کلمہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن خدا کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے کہ اس کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ لیکن خدا تعالیٰ اسے اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقے میں پہنچا دیتا ہے کہ جو گڑھا زمین و آسمان سے زیادہ گہرا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے سامنے آواز پست کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں، انہیں اللہ رب العزت نے تقویٰ کے لئے خالص کر لیا ہے۔ اہل تقویٰ اور محل تقویٰ یہی لوگ ہیں۔ یہ مغفرت خدا کے مستحق اور اجر عظیم کے لائق ہیں۔ امام احمد نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک تحریری استفتا لیا گیا کہ اے امیر المؤمنین ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو، وہ اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا تو ان میں افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے، پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کی دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثر کو عقل نہیں ہے اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے، یہاں تک

---

[1] خاکسار کا دل اس روایت کو قبول نہیں کرتا تجربہ شاہد ہے کہ جس کے دل میں معصیت کے خطرات برابر آتے رہتے ہیں وہ مبتلا بھی ہو جاتا ہے اور جس کا قلب گناہوں کے تصور سے بھی خالی ہے وہ ابتلاء سے بھی محفوظ رہتا ہے اس لئے کہ سیدنا عمرؓ جیسا انسان ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ مراد وہ شخص ہو جس کو بے ساختہ تصورات معصیت کے ہوں لیکن اس کے باوجود احتساب فرمایا لیکن اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے خواہ مخواہ تصورات معصیت میں غلطاں و ہیجان رہنا حماقت ہے۔

کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ ادب کی بات تھی) اور اللہ غفور رحیم ہے O

یہ بھی مناسب نہیں:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں۔ جس طرح اعرابیوں میں دستور تھا۔ تو فرمایا ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں چاہئے تھا' آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا' کہتے۔ نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔ دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ پھر گویا حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ استغفار کرنی چاہئے کیونکہ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا نام لے کر پکارا یا محمدؐ یا محمدؐ۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تو اس نے کہا سنو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا تعریف کرنا سبب ہے بڑائی کا اور میرا مذمت کرنا سبب ہے ذلت کا۔ آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہے۔ بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے۔ حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت: يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (سورہ حجرات: ۱۷) پڑھ دیتے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ سے کچھ دیر نہیں کی۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو۔ اگر وہ سچا نبی ہے' تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے۔ میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لے کر آپ کو پکارنے لگے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞

اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوئی ہیں' اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو

نفرت دے دی ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ○

ایک اور مناسب ہدایت:

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فاسق کی خبر کا اعتماد نہ کرو۔ جب تک پوری تحقیق وتفتیش سے اصل واقعہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے۔ کوئی حرکت نہ کرو۔ ممکن ہے کسی فاسق شخص نے کوئی جھوٹی بات کہہ دی ہو یا خود اس سے غلطی ہوئی ہو اور تم اس کی خبر کے مطابق کوئی کام کر گزرو۔ تو دراصل اس کی پیروی ہوگی اور مفسد لوگوں کی پیروی حرام ہے۔ اسی آیت کو دلیل بنا کر بعض محدثین کرام نے اس شخص کی روایت کو بھی غیر معتبر بتلایا ہے' جس کا حال معلوم نہ ہو۔ اس لئے کہ بہت ممکن ہے شخص فی الواقع فاسق ہو۔ گو بعض لوگوں نے ایسے مجہول الحال راویوں کی روایت لی بھی ہے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں فاسق کی خبر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کا حال معلوم نہیں' اس کا فاسق ہونا ہم پر ظاہر نہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے صحیح بخاری شریف کی شرح میں کتاب العلم میں بیان کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔ اکثر مفسرین کرامؒ نے فرمایا ہے کہ آیت ولید بن عقبہ بن ابو معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ہیں' فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ جو میں نے منظور کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی۔ میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں واپس اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں' میں اس کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں۔ اتنے اتنے دنوں کے بعد آپ میری طرف کسی آدمی کو بھیج دیجئے۔ میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آ کر یہی کیا۔ مال زکوٰۃ جمع کیا۔ جب وقت مقررہ گزر چکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی قاصد نہ آیا تو آپ نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق اپنا کوئی آدمی نہ بھیجیں مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں کسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہ ہو گئے ہوں؟ اور اس بنا پر آپ نے اپنا کوئی قاصد مال زکوٰۃ کو لے جانے کے لئے نہ بھیجا ہو۔ تو اگر آپ لوگ متفق ہوں تو ہم اس مال کو لے کر خود ہی مدینہ شریف چلیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تجویز طے ہو گئی اور یہ حضرات اپنا مال زکوٰۃ لے کر چلے کھڑے ہوئے۔ ادھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے۔ لیکن یہ حضرت راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور یہاں آ کر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارث کی تنبیہ کے لئے روانہ فرما دیئے۔ مدینے کے قریب راستے ہی میں اس مختصر لشکر نے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پا لیا۔ حضرت حارثؓ نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہ دی بلکہ انہیں قتل کرنا چاہا۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ نہ میں نے اسے دیکھا نہ وہ میرے پاس آیا۔ بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ چلو میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ یہاں جو آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے نہ میں نے انہیں دیکھا نہ وہ

میرے پاس آئے۔ بلکہ قاصد کو نہ دیکھ کر اس ڈر کے مارے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی وجہ سے قاصد کو نہ بھیجا ہو۔ میں خود ہی حاضر خدمت ہوا۔ اس پر یہ آیت حَکِیۡمٌ تک نازل ہوئی طبرانی میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد حضرت حارث کی بستی تک پہنچا تو یہ لوگ خوش ہو کر اس کے استقبال کے لئے خاص تیاری کر کے نکلے۔ ادھر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ مجھ سے لڑنے کے لئے آ رہے ہیں۔ تو یہ لوٹ کر واپس چلے آئے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے قاصد واپس چلے گئے تو وہ خود ہی چلے گئے اور ظہر کی نماز کے بعد صف بستہ کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آدمی کو بھیجا۔ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ہم بے حد خوش ہوئے لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ وہ راستے میں سے ہی لوٹ گئے تو اس خوف سے کہ کہیں خدا تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو' ہم حاضر ہوئے ہیں[1]۔ اسی طرح وہ عذر معذرت کرتے رہے۔ عصر کی اذان جب حضرت بلالؓ نے دی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور روایت میں ہے کہ حضرت ولید کی اس خبر پر ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ آدمی ان کی طرف بھیجیں۔ جو ان کا وفد آ گیا اور انہوں نے کہا کہ آپ کا قاصد آدھے راستے سے ہی لوٹ گیا تو ہم نے خیال کیا کہ آپ نے کسی ناراضگی کی بنا پر انہیں واپسی کا حکم دے دیا ہو گا۔ اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم اللہ کے غصے سے اور آپ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ان کا عذر سچا بتایا اور روایت میں ہے کہ قاصد نے یہ بھی کہا تھا کہ ان لوگوں نے تو آپ سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کر لیا ہے اور اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر امارت ایک فوجی دستے کو بھیج دیا۔ لیکن انہیں فرما دیا تھا کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کر لینا۔ جلدی سے حملہ نہ کر دینا۔ اسی کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیج دیئے۔ وہ خبر لائے کہ وہ لوگ دین اسلام پر قائم ہیں۔ مسجد میں اذانیں ہوئیں جنہیں ہم نے خود سنا اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ صبح ہوتے ہی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے۔ واپس آ کر سرکار نبوی میں ساری خبر دی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تحقیق و تلاش بردباری اور دوربینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ سلف میں ہے حضرت قتادہ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے یہی ذکر کیا ہے جیسے ابن ابی لیلیٰ' یزید بن رومان' ضحاک مقاتل بن حیان وغیرہ۔ ان سب کا بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے' کہ جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ ان کی تعظیم و توقیر کرنا' عزت و ادب کرنا' ان کے احکام کو سر آنکھوں سے بجا لانا فرض ہے۔ وہ تمہاری مصلحتوں سے بہت آگاہ ہیں۔ انہیں تم سے بہت محبت ہے۔ وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی بھلائی کے اتنے خواہاں اور اتنے واقف نہیں ہو جتنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ اور جگہ ارشاد ہے: اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ (سورہ احزاب: ۶) یعنی سزاوار تر ہیں مسلمانوں کے کاموں میں بہ نسبت ان کی اپنی جانوں کے۔ پھر بیان فرمایا کہ لوگو تمہاری عقلیں جو مصلحتوں اور بھلائیوں کو نہیں پا سکتیں' انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پا رہا ہے۔ پس اگر وہ تمہاری ہر پسندیدگی کی رائے پر عامل بنتا رہے تو اس میں تمہارا ہی حرج واقع ہو گا جیسے اور آیت میں ہے: وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَہۡوَآءَہُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡہِنَّ ؕ بَلۡ اَتَیۡنٰہُمۡ بِذِکۡرِہِمۡ فَہُمۡ عَنۡ ذِکۡرِہِمۡ

[1] اس روایت نے بات صاف کر دی گویا کہ قاصد رسول اللہ ﷺ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے انہوں نے آنحضور ﷺ کے سامنے غلط بیانی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق واقعہ بیان کر دیا۔

مُعْرِضُوْنَ (سورہ مؤمنون: ۷۱) یعنی اگر سچا رب ان کی خوشی پر چلے تو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز خراب ہو جائے۔ یہ نہیں بلکہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن یہ اپنی نصیحت پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے نفسوں میں محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کی عمدگی بٹھا دی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے۔ پھر آپ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے اور فرماتے تقویٰ یہاں ہے۔ پرہیز گاری کی جگہ یہ ہے۔ اس نے تمہارے دلوں میں کفر کی اور کبیرہ گناہوں کی تمام نافرمانیوں کی عداوت ڈال دی ہے اور اس طرح بتدریج تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ جن میں یہ پاک اوصاف ہیں' انہیں خدا نے رشد اور نیکی' ہدایت اور بھلائی دے رکھی ہے۔ مسند احمد میں ہے' اُحد کے دن جب مشرکین ٹوٹ پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درستگی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو جاؤ تو میں اپنے رب عزوجل کی ثنا بیان کر دوں۔ پس لوگ آپ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ دعا پڑھی: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہٗ اَللّٰھُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ وَلَا ھَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ ھَدَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَیْتَ وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ - اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَفَضْلِکَ وَرِزْقِکَ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یَحُوْلُ وَلَا یَزُوْلُ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَۃِ وَالْاَمْنَ یَوْمَ الْخَوْفِ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَائِذٌ بِکَ مِنْ شَرِّمَا اَعْطَیْتَنَا وَمِنْ شَرِّمَا مَنَعْتَنَا اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ - اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ - وَ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ عَلَیْھِمْ رِجْزَکَ وَعَذَابَکَ - اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْکِتَابَ اِلٰہَ الْحَقِّ (نسائی) یعنی اے اللہ تمام تر تعریف تیرے ہی لئے ہے۔ تو جسے کشادگی دے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا۔ تو جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے تو دے اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ جسے تو دور کرے' اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر لے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اے اللہ ہم پر اپنی برکتیں' رحمتیں' فضل اور رزق کشادہ کر دے۔ اے اللہ میں تجھ سے وہ ہمیشگی کی نعمتیں چاہتا ہوں جو نہ اِدھر اُدھر ہوں نہ زائل ہوں۔ خدایا فقیری اور احتیاج والے دن مجھے اپنی نعمتیں عطا فرما اور خوف والے دن مجھے امن عطا فرما۔ پروردگار جو تو نے مجھے دے رکھا ہے اور جو نہیں دیا ان سب کی برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے معبود ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اسے ہماری نظروں میں زینت دار بنا دے اور کفر بدکاری اور نافرمانی سے ہمارے دلوں میں نفرت پیدا کر دے اور ہمیں راہ یافتہ لوگوں میں کر دے۔ اے ہمارے رب ہمیں اسلام کی حالت میں فوت کر اور اسلام پر ہی زندہ رکھ اور نیک کار لوگوں سے ملا دے۔ ہم رسوا نہ ہوں۔ ہم فتنے میں نہ ڈالے جائیں۔ خدایا ان کافروں کا ستیاناس کر جو تیرے رسولوں کو جھٹلائیں اور تیری راہ سے روکیں۔ تو اپنی سزا اور عذاب ان پر نازل فرما۔ الٰہی اہل کتاب کے کافروں کو بھی تباہ کر اے سچے معبود۔ یہ حدیث امام نسائی بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لائے ہیں۔ مرفوع حدیث میں ہے جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے' وہ مؤمن ہے[1]۔ پھر فرماتا ہے یہ بخشش جو تمہیں عطا ہوئی ہے' یہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور اس کی نعمت ہے۔ اللہ

[1] گویا کہ زبان نبوت نے ایمان کا ایک ہلکا سا معیار یہ بھی بتایا ہے کہ مؤمن نیک اعمال سے خوش اور برائیوں سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

تعالیٰ مستحقین ہدایت کو اور مستحقین ضلالت کو بخوبی جانتا ہے اور وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۰

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو۔ پھر اگر ان میں ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے ○

ایک حکم:

یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں۔ تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کو دیں[1] آپس میں دو لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا۔ اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی ہو انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی[2]۔ خارجیوں کا اور ان کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے[3]۔ اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ آپ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ

[1] آہ کہ آج مسلمانوں کا طرز عمل اس حکم کے بالکل خلاف ہے مسلمانوں کے فرقوں کو آپس میں دست و گریبان رکھنا بڑے ہی لطف ولذت کی بات بن گئی۔

[2] امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ: هذا دليل على ان المومن لا يخرج عن كونه مومنا لان الباغى جعله من احدى الطائفتين سماهما مومنين۔ حنبلی فقہا نے ان آیات سے استنباط کیا ہے کہ باغیوں سے قتال بمقابلہ جہاد کفار کے افضل ہے اور سند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عمل کو پیش کیا ہے لیکن احناف کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ باغیوں سے جہاد کرنا اسی وقت میں افضل ہوگا جب کہ باغیوں کی بغاوت سے کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا ہو جائے جس کے مقابلہ میں کفار سے جہاد غیر ضروری ہو جائے۔

[3] ان کا یہ کہنا کہ وہ لڑائی سے قبل تو مومن تھے لیکن اس کا ارتکاب کر لیا تو مومن نہ رہے اور یہ کہ ان کو خطاب مومن کہہ کر ہی کیا جا سکتا تھا نہ کہ کافر کہہ کر۔ مگر اگر کافروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں اور اسی طرح ان کی دوسری دلیلیں ہیں۔

پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ وہ پھر ٹھکانے پر آ جائے۔ حق سنے اور مان لے۔ صحیح حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو تو اور مظلوم ہو تو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ظاہر ہے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھو۔ یہی اس وقت اس کی مدد ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ اچھا ہوا اگر آپ عبداللہ بن ابی کے ہاں چلے چلتے۔ چنانچہ آپ سوار ہوئے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی ہم رکابی میں ساتھ ہو لئے۔ زمین شور تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو یہ کہنے لگا مجھ سے الگ رہیے۔ خدا کی قسم آپ کی سواری کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ اس پر ایک انصاریؓ نے کہا واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خوشبو تیری بو سے بہت ہی اچھی ہے۔ اس پر ادھر سے اُدھر سے کچھ لوگ بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا۔ بلکہ کچھ ہاتھا پائی بھی ہوگئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اُتری۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔ اوس اور خزرج قبائل میں کچھ چشمک ہوگئی تھی۔ ان میں صلح کرا دینے کا اس آیت میں حکم ہوا ہے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمران نامی ایک انصاری تھے ان کی بیوی صاحبہ کا نام ام زید تھا۔ اس نے اپنے میکے جانا چاہا۔ خاوند نے روکا اور منع کر دیا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے عورت نے یہ خبر اپنے میکے میں کہلوا دی۔ وہ لوگ آئے اور اسے بالا خانے سے اتار لائے اور لے جانا چاہا۔ ان کے خاوند گھر پر تھے انہیں ان کے عزیز و اقارب نے اس کے چچازاد بھائیوں کو اطلاع دے کر انہیں بلا لیا اور نتیجۃً تلخی پیدا ہوگئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اُتری۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرف کے لوگوں کو بلا کر بیچ میں بیٹھ کر صلح کرا دی اور سب لوگ مل گئے۔ پھر حکم ہوتا ہے دونوں پارٹیوں میں عدل کرو۔ اللہ عادل کو پسند فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں جو عدل و انصاف کرے گا۔ مسلم کی حدیث میں ہے یہ لوگ ان منبروں پر خدا کی دائیں جانب ہوں گے۔ یہ اپنے حکم میں اور اپنے اہل و عیال میں اور جو کچھ ان کے قبضے میں ہے اس میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کل مؤمن دینی بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اسے اس پر ظلم و ستم نہ کرنا چاہئے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے اور صحیح حدیث میں ہے جب کوئی مسلمان اپنے غیر حاضر بھائی مسلمان کے لئے اس کے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے آمین اور تجھے بھی خدا ایسا ہی دے۔ اس بارے میں اور بھی بہت حدیثیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان سارے کے سارے اپنے محبت رحم دلی اور میل جول میں مثل ایک جسم کے ہیں۔ جب کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم تڑپ اُٹھتا ہے۔ کبھی بخار آتا ہے کبھی شب بیداری کی تکلیف ہوتی ہے ایک اور صحیح حدیث میں ہے مؤمن مؤمن کے لئے مثل دیوار ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے اور مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا۔ مسند احمد میں ہے مؤمن کا تعلق اہل ایمان سے ایسا ہے جیسے سر کا تعلق جسم سے ہے۔ مؤمن اہل ایمان کے لئے وہی دردمندی کرتا ہے جو دردمندی جسم کو سر کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دونوں لڑنے والے جماعتوں اور دونوں طرف کے اسلامی بھائیوں میں صلح کرا دو۔ اپنے تمام کاموں میں خدا کا ڈر رکھو۔ یہی اوصاف ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت تم پر نازل ہوگی۔ پرہیزگاروں کے ساتھ ہی رب کا رحم رہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کہ کیا عجب ہے کہ جن پر ہنستے ہیں وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لکھنا (ہی) برا ہے اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں ○

مناسب انتباہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو حقیر کرنے اور ذلیل کرنے اور ان کا مذاق اُڑانے سے روک رہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے تکبر نام ہے حق سے منہ موڑ لینے کا اور لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھنے کا۔ اس کی وجہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جسے تم ذلیل کر رہے ہو، جس کا تم مذاق اُڑا رہے ہو[1] ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک وہ تم سے زیادہ باوقعت ہو۔ مردوں کو منع کر کے پھر عورتوں کو بھی اس سے روکا۔ پھر عیب گیری اور نکتہ چینی کرنے سے روکا اور اس ملعون خصلت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (سورہ ہمزہ: ۱) یعنی ہر طعنہ یا عیب جو کے لئے خرابی ہے۔ ہمز فعل سے ہوتا ہے اور لمز قول ہے اور آیت میں ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ (سورہ قلم: ۱۱) یعنی وہ جو لوگوں کو حقیر گنتا ہو۔ ان پر چڑھا چلا جا رہا ہو اور لگانے بجھانے والا ہو۔ غرض ان تمام کاموں کو ہماری شریعت نے حرام قرار دیا۔ یہاں لفظ تو یہ ہیں کہ خود پر عیب نہ لگاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ جیسے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (سورہ نساء: ۲۹) یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قتادہ، مقاتل بن حیان فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کو طعنے نہ دو۔ پھر فرمایا کسی کو کوئی چڑ نہ نکالو۔ جس لقب سے وہ ناراض ہوتا ہوا سے لقب سے اسے نہ پکارو نہ نامزد کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب حضور مدینہ میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اُتری (ابوداؤد)۔ پھر فرمان ہے کہ ایمان کی حالت میں فسا قانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے۔ اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے

[1] مراد وہ ہنسی ہے جس سے دوسری دل شکنی ہوتی ہو لیکن اگر دوسرا اس سے محظوظ ہو اور بجائے رنجیدہ ہونے کے مسرور ہو تو وہ ممنوع نہیں خوش طبعی ہوگی اور مزاح بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے۔

کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ اللہ سے ڈرو بے شک بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ○

کیسے حکیمانہ احکام:

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو بدگمانیوں سے تہمت دھرنے سے اور اپنے اور غیروں کو خوفزدہ کرنے سے اور خواہ مخواہ کی دہشت دل میں رکھنے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بسا اوقات اکثر اس قسم کے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں۔ پس تمہیں اس میں پوری احتیاط چاہئے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر۔ ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے؟ تو کس قدر عظمت والا ہے؟ اور کیسی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مؤمن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' بدگمانی سے بچو۔ گمان سب سے بڑی چھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی نعمتیں حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو۔ حسد' بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھلانے سے بچو۔ سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو۔ ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کرلیا کرو۔ ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو۔ بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گزارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال چھوڑ دے۔ طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری اُمت میں رہ جائیں گی۔ فال لینا۔ حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کر تو استغفار کر لے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شگون لے' خواہ نیک نکلے خواہ بد۔ اپنے کام سے نہ رک اسے پورا[1] کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا کہ ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر پکڑ سکتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب کے پاس حضرت ابوالہیثم گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرادوں۔ آپ نے فرمایا' افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو۔ سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا' جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے۔ اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو بچایا۔ ابوداؤد میں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کی پوشیدگیاں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا۔ تو تو انہیں بگاڑ دے گا۔ یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کردے۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا

[1] افسوس کہ جوتش' نجوم' جفر' رمل' فال وغیرہ مذہبی حیثیت سے ان چیزوں سے اسلام نے روکا تھا کتنا افسوس کا مقام ہے کہ دوسرے فرقہ کے لوگ جن کے یہاں مذہبی اعتبار سے ان چیزوں کی جانب سے بے اعتباری ضروری نہیں وہ ان ظنی چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن مسلمان جس کو مذہبی حیثیت سے اس بات کا مکلف قرار دیا گیا تھا کہ وہ ان پر اعتماد نہ کریں وہی ان خرافات میں مبتلا ہے۔ اتنا شاید غیر مسلموں کو بھی نہیں۔

کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترنا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تاک جھانک نہ کرو۔ اسی سے جاسوس ماخوذ ہے۔ تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تحسس کا اطلاق بھلائی کے ڈھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں۔ فَتَحَسَّسُوْا...... بچوتم جاؤ اور یوسف اور برادر یوسف کو ڈھونڈو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں نہ تجسس کرو۔ نہ حسد و بغض کرو۔ نہ منہ موڑو۔ بلکہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں' تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو' جو کسی کو اپنی بات سنانا چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منع فرماتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا رسول اللہ غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو۔ تو کہا گیا' اگر وہ بات اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں' یہی تو غیبت ہے۔ ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابوداؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ صفیہ تو ایسی ایسی ہیں۔ مسدد راوی کہتے ہیں' یعنی کم قامت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا۔ گو مجھے کوئی بڑا نفع بھی مل جائے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک بیوی صاحبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں آئیں۔ جب وہ جانے گئیں تو صدیقہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی۔ الغرض غیبت حرام ہے اور اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں۔ جیسے جرح و تعدیل۔ نصیحت و خیر خواہی۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا معاویہ مفلس شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پیٹنے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا کہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے نکاح کا ارادہ کیا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں تو ان کی اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو۔ اس سے بہت زیادہ نفرت غیبت سے تمہیں کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ ابوداؤد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے۔ انسان کو اتنی ہی برائی

---

[1] بشرطیکہ اس پردہ داری سے کسی دوسرے مسلمان کا حق ضائع نہ ہوتا ہو ایک شخص کسی لڑکی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے یا کسی کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم ہیں ظاہر ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل سے یا لڑکی کے باپ کو نقصان پہنچاتا ہے یا بیوی کے شوہر کو ایسی حالت میں پردہ داری مناسب نہیں ہوگی دوسری بات یہ بھی ہے کہ برائیوں سے معاشرہ کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو تو پردہ داری کریں گے لیکن اگر کسی شخص کی پردہ داری سے معاشرہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو پھر ستر عیوب ضروری نہ ہوگا تیسری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر مصالح کا تقاضا ہے کہ کسی کے عیب کو کھولا جائے تو صرف انہیں حدود تک کہ جن حدود میں اس کی اصلاح متوقع ہو عیوب کو طشت از بام کرنا اور بلاوجہ کسی کو رسوا کرنا یہ تو کسی حال میں بھی جائز نہیں اور چوتھی بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس شخص کے عیوب کو چھپایا جائے اس کی انفرادی اصلاح کی کوششوں سے غافل نہ ہونا چاہئے یعنی اپنے طور پر اس کی اصلاح کی کوشش بہر حال کرتے رہنا چاہئے۔

فی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے[1] اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو! جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل
اندار نہیں ہوئے۔ تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید کرنی چھوڑ دو۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے
للہ تعالیٰ تمہاری پوشیدگیوں کو ظاہر کر دے گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔ مسند ابویعلی میں ہے کہ
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ سنایا۔ جس میں آپ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آوازیں پہنچائیں اور
خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت اور
ت کا کیا کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی خدا کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے' جس نے کسی
لمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا' اسے جہنم کی اتنی ہی غذائیں کھلائی جائیں گی۔ اسی طرح جس نے مسلمان کی برائی کرنے پر
اک حاصل کی۔ اسے اسی جیسی پوشاک جہنم میں پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ
الی قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام پر کھڑا کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ معراج والی رات میں نے
ھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں' جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟
ں کیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے
ب میں آپ نے فرمایا' معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد عورت دونوں تھے کہ فرشتے ان کی کروٹوں
، گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چبا رہے ہیں۔ میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ لوگ وہ
جو طعنہ زن' غیب گو' چغل خور تھے۔ انہیں جبراً آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے۔ (ابن ابی حاتم) یہ حدیث بہت طویل ہے اور
نے پوری حدیث سورہ سبحان کی تفسیر میں بھی بیان کر دی ہے۔ فالحمدللہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے۔ شام کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے۔
ب انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے۔ اتنے میں ایک صاحب آئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا۔
پ ہی کے متعلقین میں سے ہیں۔ انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ
ں کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں۔ کیا وہ بھی روزہ دار ہو سکتا ہے' جو انسانی گوشت کھاتا رہے۔ جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ
ے سے ہیں تو قے کریں۔ چنانچہ انہوں نے قے کی۔ جس میں خون بستہ کے لوتھڑے نکلے[2]۔ اس نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ردی۔ آپؐ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں[3] مر جاتیں تو آگ کا لقمہ بنتیں۔ اس کی سند غریب ہے اور متن بھی غریب ہے۔ دوسری
یت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں عورتوں کی روزے سے بری حالت ہے۔ مارے پیاس کے مر
ہیں اور یہ دوپہر کا وقت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو مر گئی ہوں گی۔ یا
ی دیر میں مر جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جاؤ انہیں بلا لاؤ۔ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا بٹا (برتن) ایک کے سامنے رکھ کر

---

[1] یہ بہت بڑی برائی اور ایک گناہ ہے۔

[2] گویا کہ روزے کی حالت میں انہوں نے کسی کی غیبت کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ زبان نبوت محض اشاروں سے بات سمجھانے کی عادی نہیں بلکہ وہ حقائق
ان کو آپ بیان فرماتے ہیں۔

[3] ربعد میں زندگی کے جو اوقات ملے تو ان میں اپنے حسن اعمال سے گناہوں کے کفارہ کا موقع بہر حال مل جاتا ہے۔

فرمایا اس میں قے کر۔ اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جادو غیرہ نکلا۔ جس سے آدھا بٹنا بھر گیا۔ پھر دوسری سے قے کروائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور بٹنا برتن بھر گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال سے تو روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں۔ دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد) مسند حافظ ابو یعلی میں ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے آپ نے منہ پھیر لیا[1]۔ یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے۔ پھر پانچویں مرتبہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔ فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپ نے فرمایا اب تیرا کیا مقصد ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گناہ سے پاک کریں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اس طرح دخول کیا تھا۔ جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور لکڑی کنوئیں میں[2]؟ کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ رجم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی۔ لیکن اس نے خود کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے۔ فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھائیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی تھی۔ وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ تو اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو نہایت سڑی ہوئی مرداری بو والی ہوا چلی۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ بو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے۔ یہ بدبودار ہوا وہ ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے۔ جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا۔ پڑاؤ پر پہنچ کر ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں آئے۔ تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمانؓ تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ پکی پکائی کھالے اور تیار خیمے میں آرام کرلے۔ تھوڑی دیر میں حضرت سلمانؓ پہنچے۔ ان دونوں کے پاس سالن نہ تھا تو کہا جاؤ تم رسول اللہ ﷺ سے ہمارے لئے سالن لے آؤ۔ یہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ آپ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا وہ سالن کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پا لیا حضرت سلمانؓ واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی۔ وہ اُٹھے اور خود حاضر ہوئے اور کہا حضورؐ ہمارے پاس نہیں نہ آپ نے بھیجا۔ آپ نے فرمایا تم نے سلمانؓ کے گوشت

---

[1] امیر المومنین کو چاہئے کہ اگر کوئی زنا کا اقرار کرے تو ایسا ہی طرز عمل اختیار کرے کیونکہ کسی کی ضیاع جان نہایت اہم مرحلہ ہے ذرا سی بھول چوک سے ایک انسان کی جان سے کھیلنا مذاق نہیں ان مسائل کی فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

[2] یہ سب کچھ آپ نے اس لئے دریافت فرمایا کہ بالکل متعین ہو جائے کہ انہوں نے زنا ہی کیا ہے اور وہ زنا کی حقیقت پر مطلع ہیں کیونکہ زنا کے لغوی معنی تو صرف پہاڑ پر چڑھنے کے آتے ہیں اب بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص پہاڑ پر چڑھا ہو اور وہ اس کو زنا سے تعبیر کر رہا ہو اور لفظ زنا کو اصطلاحی معنی پر محمول کرتے ہوئے رجم کر دیں اور اس طرح ایک قیمتی انسانی جان ہماری معمولی غفلت سے ضائع ہو جائے۔

کا سالن کھالیا۔ جب کہ تم نے انہیں یوں کہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی 'مَیْتًا' اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابوضیا میں تقریباً ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ اس میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا' صرف اتنا کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا ہی سونے والا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسی سے کہو وہ تمہارے لئے استغفار کرے۔ ابو یعلی میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو۔ اس کے احکام بجالاؤ۔ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو جو اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے' پہلے جو کر چکا ہے۔ اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں[1] اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کرے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں۔ اس لئے ممکن ہے اسے خبر نہ ہو اور معافی مانگنے کو جائے گا' تو اسے اور رنج ہوگا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی' ان میں اس کی بھلائی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کر دے۔ تو اولاً بدلہ ہو جائے گا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مؤمن کی حمایت کرے۔ جب کہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نار جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مؤمن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا' یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے گا۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بےعزتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا۔ جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا۔

(سنن ابوداؤد)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے ○

[1] فقہا کا خیال ہے کہ انسان جب صحیح طور پر توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یقیناً اس کے دل میں اپنی سابقہ بری حرکتوں پر ندامت کا جذبہ موجود ہوتا ہے اس لئے توبہ میں ندامت بھی شرط قرار دینا کچھ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تقویٰ اور اُس کی مقبولیت:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ ان ہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا تھا اور پھر ان دونوں سے نسلِ انسانی پھیلی۔ شعوب قبائل سے عام ہے۔ مثال کے طور پر عرب تو شعوب میں داخل ہے۔ پھر قریش غیر قریش پھر ان کی تقسیم یہ سب قبائل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شعوب سے مراد عجمی لوگ ہیں اور قبائل سے مراد عرب جماعتیں۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کو اسباط کہا گیا ہے۔ میں نے ان تمام باتوں کو ایک علیحدہ مقدمہ میں لکھ دیا ہے۔ جسے میں نے ابو عمر بن عبداللہ کی کتاب اشباہ اور کتاب القصد والامم فی معرفتہ انساب العرب والعجم سے جمع کیا گیا ہے۔ مقصد اس آیہ مبارکہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی طرف نسبت میں تو کل جہاں کے آدمی ہم مرتبہ ہیں۔ اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہوگی وہ امر دینی اطاعتِ خداوندی اور اتباع نبوی کی وجہ سے ہوگی۔ یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد ذکر کیا کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔ کنبے قبیلے برادریاں اور جماعتیں صرف پہچان کے لئے ہیں۔ تاکہ جتھہ بندی اور ہمدردی قائم رہے۔ فلاں بن فلاں فلاں قبیلے والا کہا جا سکے اور اس طرح ایک دوسرے کی پہچان آسان ہو جائے۔ ورنہ بشریت کے اعتبار سے سب قومیں یکساں ہیں۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ قبیلہ حمیر اپنے حلیفوں کی طرف منسوب ہوتا تھا اور حجازی عرب اپنے قبیلوں کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو[1]۔ تاکہ صلہ رحمی کر سکو۔ صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں خدا برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ پھر فرمایا حسب نسب خدا کے ہاں نہیں چلتا۔ وہاں تو فضیلت تقویٰ اور پرہیز گاری سے ملتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر سب سے زیادہ معزز حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبیؑ تھے۔ نبیؑ زادے تھے دادا بھی نبیؑ تھا پردادا تو خلیل اللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو۔ سنو ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں۔ جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں[2]۔ صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ ہاں تقویٰ میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگو اپنے باپ، دادا کے نام پر فخر کرنے سے باز آؤ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو اپنی چھتری سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں

---

[1] یقیناً انسان کو جب اپنے عزیز و اقارب کا علم ہوتا ہے اور وہ ان کو پہچانتا ہے تو وہ ان کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتا ہے اور ان کے حقوق بھی ادا کرتا ہے لیکن اگر کسی کو اپنے عزیز و اقارب کا ہی علم نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ کیا حسن معاملت کر سکے گا۔

[2] گویا کہ آپ نے ان کو سمجھایا کہ نسلی شرافت اور خاندانی تفوق بھی اسی وقت معتبر ہے جبکہ آدمی مسلمان ہو ورنہ اسلام میں خالی نجابت و خاندانی فوقیت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام خاندانی اعزاز کا منکر نہیں۔

نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اُتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لے کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا' جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد وثنا بیان کر کے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کی باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم سب دور کر دی ہے۔ پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیکوکار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے یہ نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو' کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ ہاں فضیلت دین وتقویٰ سے ہے۔ انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو' بخیل اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا۔ تم میں سب سے معزز بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام منبر پر تھے۔ جو ایک شخص نے سوال کیا کہ سب سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا' بجز تقویٰ والے کے۔ اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ ہدایت کے جو لائق ہیں۔ انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بے راہ ہو رہے ہیں۔ رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ فضیلت اس کے ہاتھ ہے۔ جسے چاہے عطا کرے۔ یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں۔ اس آیہ کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں' جو کتب فقہ میں مذکور ہیں[1] اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں۔ فالحمد للہ۔ طبرانی میں ہے حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت اور لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں۔ پس فرمایا تیرے سوا میں بہت زیادہ قریب ہوں ان سب سے بہ نسبت تیرے اور تجھے آپ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا

[1] امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ نکاح میں حسب نسب کی شرط ہے امام کا خیال ہے کہ ان اکرمکم کا تعلق آخرت سے ہے یعنی آخرت میں سب برابر ہوں گے خاندانی وجاہت کے اعتبار سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ ہوگی بجز تقویٰ کے کوئی کسی پر فائق نہ ہوگا امام کے مسلک کی تائید مشاہدات وتجربات سے بھی ہوتی ہے عموماً دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اگر نسبی مساوات ملحوظ نہ رہے تو یقیناً معاملات میں تلخیاں رونما ہوتی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو توڑنے کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی اپنے غلام ہی سے کر دی تھی لیکن دنیا جانتی ہے کہ یہ نکاح راس نہیں آیا حالانکہ وہ عہد وہ تھا جس میں ہر طرح کی برکات عام تھیں۔

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم (مخالفت چھوڑ کر) مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کی رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے مؤمن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنے مال و جان سے خدا کے رستہ میں محنت اُٹھائی یہ لوگ ہیں سچے آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو حالانکہ اللہ کو تو تمام آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو بے شک اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے ○

دیہقانیوں کو ایک تعلیم:

جو اعرابی لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ دراصل ان کے دل میں اب تک ایمان کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں ان کو اللہ تعالیٰ اس دعوے سے روکتا ہے۔ یہ کہتے تھے ہم ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہہ دو چونکہ اب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تم یوں نہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے یعنی اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ نبی کی اطاعت میں آئے۔ اس آیت نے یہ فائدہ دیا کہ ایمان اسلام سے مخصوص چیز ہے۔ جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے[1]۔ جبریل علیہ السلام والی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں پھر احسان کے بارے میں، گویا کہ عام سے خاص کی طرف آئے اور پھر خاص سے اخص کی طرف آئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کو عطیہ اور انعام دیا اور ایک شخص کو کچھ بھی نہ دیا۔ اس پر حضرت سعد نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فلاں فلاں کو دیا اور فلاں فلاں کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ مؤمن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'یا مسلمان؟' تین مرتبہ یکے بعد دیگرے حضرت سعدؓ نے یہی کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر فرمایا اے سعد، میں لوگوں کو دیتا ہوں اور جو ان سے مجھے بہت زیادہ محبوب ہوتا ہے اُسے نہیں

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں اس آیت میں اسلم سے مراد اسلام لغوی ہے شرعی نہیں یعنی ماتحت رعایا بننے کے ہیں مسلمان بننے کے نہیں لہٰذا اس آیت سے ایمان و اسلام کے تغایر پر استدلال کرنا غیر صحیح ہے۔

دیتا ہوں۔ دیتا ہوں اسے ڈر سے کہ کہیں وہ اوندھے منہ آگ میں نہ گر پڑیں[1]۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ پس اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن و مسلم میں فرق کیا اور معلوم ہو گیا کہ ایمان زیادہ خاص ہے بہ نسبت اسلام کے۔ ہم نے اسے مع دلائل صحیح بخاری کی ''کتاب الایمان'' کی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ فالحمد للہ اور اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ یہ شخص مسلمان تھے منافق نہ تھے۔ اس لئے آپ نے انہیں کوئی عطیہ عطا نہیں فرمایا اور اسے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اعراب جن کا ذکر اس آیت میں ہے منافق نہ تھے۔ تھے تو مسلمان لیکن اب تک ان کی دلوں میں ایمان صحیح طور پر مستحکم نہیں ہوا تھا اور انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی ہو جانے کا بھی دعویٰ کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابراہیم نخعیؒ اور قتادہؒ کے قول کا اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا ہے۔ ہمیں یہ سب یوں کہنا پڑا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منافق تھے جو ایمان ظاہر کرتے تھے لیکن مومن نہ تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مجاہد ابن زید فرماتے ہیں یہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بلکہ تم اَسْلَمْنَا کہو اس سے مراد یہ ہے کہ ہم قتل سے قید و بند سے بچنے کے لئے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو اپنے ایمان لانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بار احسان رکھتے تھے لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ اب تک وہاں پہنچے نہ تھے۔ پس انہیں ادب سکھایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ اب تک ایمان تک نہیں پہنچے۔ اگر یہ منافق ہوتے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور ان کی رسوائی کی جاتی۔ جیسے کہ سورہ برأت میں منافقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں تو انہیں صرف ادب سکھایا گیا۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مانتے رہو گے تو تمہارے کسی عمل کا اجر ضائع نہ ہو گا۔ جیسے فرمایا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ (سورہ طور: ۲۱) ہم نے ان کے اعمال میں سے کچھ بھی نہیں گھٹایا۔ پھر فرمایا جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ برائی سے لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمانے والا اور اس کی طرف رحم بھری نگاہوں سے دیکھنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر دل سے یقین رکھتے ہیں۔ پھر نہ شک کرتے ہیں نہ کبھی ان کے دل میں کوئی برا خیال پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اسی خالص تصدیق پر اور کامل یقین پر جم جاتے ہیں اور جمے ہی رہتے ہیں اور اپنے نفس اور دل پسند مالوں کو بلکہ اپنی جانوں کو بھی راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ سچے لوگ ہیں۔ یعنی یہ ہیں جو کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو صرف زبان سے ہی ایمان کا دعویٰ کر کے رہ جاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی رسول پر ایمان لایا۔ شک شبہ نہ کیا اور اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پایا نہ یہ کسی کا مال ہڑپ کریں نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ تم اپنے دل کا یقین و دین خدا تعالیٰ کو دکھاتے ہو؟ وہ تو ایسا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پھر فرمایا جو اعراب اپنے اسلام لانے کا بار احسان آپ پر رکھتے ہیں۔ ان سے کہہ دو مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ۔ تم جو اسلام قبول کرو گے جو میری ماتحتی کرو گے میری مدد کرو گے اس کا نفع تمہیں ملے گا۔ بلکہ دراصل ایمان کی

[1] مطلب یہ ہے کہ غرباء جو اپنے افلاس اور غربت کی وجہ سے اسلام پر راسخ نہیں رہ سکتے اور معاذ اللہ کفر اختیار کر کے جہنم حاصل کرتے ہیں اسلام کو چھوڑنے والوں میں وہی ہوتے ہیں جن کو غربت اور افلاس نے ستا رکھا ہے۔

ہدایت تمہیں دینا یہ خدا کا تم پر احسان ہے[1]۔ اگر تم، پس اللہ تعالیٰ کا کسی کو ایمان کا دکھانا اس پر احسان کرنا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین والے دن انصارؓ سے فرمایا تھا۔ کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی۔ تم میں تفریق تھی، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالدار کر دیا۔ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرماتے وہ کہتے بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے بھی زیادہ احسانوں والے ہیں۔ بزار میں ہے کہ بنو اسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم مسلمان ہوئے۔ عرب آپ سے لڑتے رہے۔ لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے۔ حضورؐ نے فرمایا، ان میں سمجھ بہت کم ہے۔ شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت یَمُنُّوْنَ...... نازل ہوئی۔ پھر دوبارہ اللہ رب العزت نے اپنے وسیع علم اور اپنی سچی باخبری اور مخلوق کے اعمال سے آگاہی کو بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کے غیب اس پر ظاہر ہیں اور وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

سورہ ق

جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے۔ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورہ حجرات سے شروع ہو جاتی ہیں۔ عوام میں جو مشہور ہے کہ مفصل کی سورتیں عَمَّ سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ بالکل بے اصل بات ہے۔ علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ مفصل کی سورتوں کی پہلی سورت یہی ہے۔ اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے۔ بَاب تَحْزِیْب الْقُرْاٰنِ میں ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ وفد ثقیف میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ احلاف تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاں ٹھہرے اور بنو مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبے میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں، ہر رات عشاء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آتے اور کھڑے کھڑے ہمیں اپنی باتیں سناتے۔ یہاں تک کہ آپ کو دیر لگ جانے کی وجہ سے قدموں کو بدلنے کی ضرورت پڑتی۔ کبھی اس قدم کھڑے ہوتے کبھی اس قدم پر۔ عموماً آپ ہم سے وہ واقعات بیان کرتے جو آپ کو اپنی قوم قریش سے سہنے پڑے تھے۔ پھر فرماتے کوئی حرج نہیں ہم مکہ میں کمزور تھے، بے وقعت تھے۔ پھر ہم مدینے میں آ گئے۔ اب ہم میں ان میں لڑائی مثل ڈولوں کے ہے۔ کبھی ہم ان پر غالب کبھی وہ۔ غرض ہر رات یہ لطفِ صحبت رہا کرتا تھا۔ ایک رات کو وقت ہو چکا اور آپ نہ آئے۔ بہت دیر کے بعد تشریف لائے۔ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج تو آپ کو بہت دیر لگ گئی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں قرآن شریف کا جو حصہ میں روزانہ پڑھا کرتا تھا آج اس وقت اسے پڑھا اور ادھورا چھوڑ کر آنے کو جی نہ چاہا[2]۔ حضرت اوسؓ فرماتے ہیں، میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل۔ پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل۔ پھر نو سورتوں کی ایک منزل۔ پھر تیرہ سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں۔ پھر ان کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل۔ تو انچاسویں سورت یہی سورۂ قاف پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنئے، پہلی منزل کی تین سورتیں سورہ بقرہ۔ سورہ آل عمران اور سورہ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور براءت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل ہوئیں۔

[1] منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازاو کہ بخدمت بداشتت۔

[2] خدا جانے ابن کثیر اس حدیث سے یہ کیسے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سورہ ''ق'' مفصلات میں سے ہے اس پوری حدیث میں تو سورہ ''ق'' کا کہیں ذکر تک نہیں۔

چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان' کہف' مریم' طٰہٰ' انبیاء' حج' مومنون' نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء' نمل' قصص' عنکبوت' روم' لقمان' الم سجدہ' احزاب' سبا' فاطر اور یٰسین ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں ساتویں منزل۔ جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور وہ سورہ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا۔ فالحمد للہ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورہ ق اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ مسلم میں ہے۔ حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی تنور رہا۔ میں نے سورہ ق و القران المجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن سن کر یاد کرلیا۔ اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کے لئے منبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے جمعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتدائے خلق کا' مرنے کے بعد جینے کا خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا' حساب کتاب کا' جنت دوزخ کا' ثواب عذاب کا اور ترتیب و ترہیب کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۴۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

ق۔ قسم ہے قرآن مجید کی بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی (کی جنس) میں سے (کہ بشر ہیں) ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آ گیا سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ (ایک) عجیب بات ہے۔ جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو دوبارہ زندہ ہونا (امکان سے) بہت ہی بعید کی بات ہے۔ ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھاتی اور) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس (وہ) کتاب (یعنی لوح) محفوظ (موجود) ہے بلکہ سچی بات کو جب کہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں ○

قسم ہے قرآن مجید کی:

ق۔ حروف ہجا سے ہے جو سورتوں کے اوّل میں آتے ہیں جیسے ص' ن' الم' حٰم' طٰہٰ' وغیرہ۔ ہم نے ان کی پوری تشریح سورہ

بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کردی ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ قاف ایک پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ یہ بنی اسرائیل کی خرافات میں سے ہے۔ جنہیں بعض لوگوں نے لے لیا۔ یہ سمجھ کر کہ ان سے روایت لینی مباح ہے۔ گو تصدیق تکذیب نہیں کر سکتے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اور اس جیسی اور روایتیں تو بنی اسرائیل کے بددینوں نے گھڑی ہوں گی۔ تاکہ لوگوں پر دین کو خلط ملط کر دیں۔ آپ خیال کیجئے کہ اس امت میں باوجودیکہ علماء کرام اور حفاظان عظام کی بہت بڑی دیندار مخلص جماعت ہر زمانے میں موجود رہی۔ تاہم بددینوں نے بہت تھوڑی مدت میں موضوع احادیث تک گھڑ لیں۔ پس بنی اسرائیل جن پر مدتیں گزر چکیں جو حفظ سے عاری تھے۔ جن میں نقادانِ فن موجود نہ تھے۔ جو کلام خدا کو اصلیت سے ہٹا دیا کرتے تھے۔ جو شرابوں میں مخمور رہا کرتے تھے۔ جو آیات کو بدل ڈالا کرتے تھے۔ ان کا کیا ٹھیک ہے؟ پس حدیث نے جن روایات کو ان سے یعنی مباح رکھی ہے یہ وہ ہیں جو کم از کم عقل وفہم میں تو آ نہ سکیں۔ نہ وہ جو صریح خلاف عقل ہوں' سنتے ہی ان کے باطل ہونے اور غلط ہونے کا فیصلہ عقل کر دیتی ہو اور ان کا جھوٹ ہونا اتنا واضح ہو کہ اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہ پڑے۔ پس مندرجہ بالا روایت بھی ایسی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ افسوس کہ بہت سے سلف وخلف نے اہل کتاب سے اس قسم کی حکایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں ذکر کر دی ہیں۔ دراصل قرآن کریم ایسی خرافات کا کچھ محتاج نہیں۔ یہاں تک کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں عجیب وغریب اثر بہ روایت حضرت ابن عباسؓ ذکر کر دیا ہے۔ جو از روئے سند کے ثابت نہیں۔ اس میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک سمندر پیدا کیا ہے۔ جو اس ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سمندر کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا نام قاف ہے۔ آسمان دنیا اسی پر اُٹھا ہوا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کے پیچھے ایک زمین بنائی ہے۔ جو اس زمین سے سات گنی بڑی ہے۔ پھر اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے' پھر اس کے پیچھے پہاڑ ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اسے بھی قاف کہتے ہیں۔ دوسرا آسمان اسی پر بلند کیا ہوا ہے۔ اسی طرح سات زمینیں سات سمندر سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے پھر یہ آیت پڑھی: وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (سورہ لقمان: ۲۷) اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔ علی بن ابو طلحہ جو روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کرتے ہیں' اس میں ہے کہ ق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں ق بھی مثل ص ' ن ' طٰس' الم وغیرہ کے حروف تہجی میں سے ہے۔ پس ان روایات سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وہ بات ارشاد فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قسم ہے اللہ کی' اور ق کہہ کر باقی جملہ چھوڑ دیا گیا کہ یہ دلیل ہے محذوف پر۔ جیسے شاعر کہتا ہے۔

قُلْتُ لَهَا قِفِي فَقَالَتْ ق

لیکن یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ محذوف پر دلالت کرنے والا کلام صاف ہونا چاہئے اور یہاں کونسا کلام ہے جس سے اتنے بڑے جملے کے محذوف ہونے کا پتہ چلے۔ پھر اس کرم اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی[1]۔ جس کے آگے سے یا پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا۔ جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس قسم کا جواب کیا ہے؟ اس میں بھی کئی قول ہیں۔ امام ابن جریر نے تو بعض نحویوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا جواب قَدْ عَلِمْنَا پوری آیت تک ہے۔ لیکن یہ بھی غور طلب ہے۔ بلکہ جواب قسم کے بعد کا مضمون کلام ہے۔ یعنی نبوت اور دوبارہ جی اُٹھنے کا ثبوت اور تحقیق۔ گو قسم لفظوں سے اس کو جواب نہ بتلاتی ہو۔ ایسا قرآن کی قسموں کے

---

[1] قرآن مجید کی اس موقعہ پر قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اپنے مضامین حقائق اور واقعات وقصص عبرت وموعظت جامعیت اور معنویت کے اعتبار سے اپنی صداقت پر خود ہی گواہ ہے۔

جواب میں اکثر ہے۔ جیسے کہ سورہ ص کی تفسیر کے شروع میں گزر چکا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ انہیں میں سے ایک انسان رسول بن گیا؟ جیسے اور آیت میں ہے: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ...... (سورہ یونس:۲) یعنی کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف اپنی وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ یعنی دراصل یہ کوئی تعجب کی چیز نہ تھی۔ اللہ جسے چاہے فرشتوں میں سے اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے اور جسے چاہے انسانوں میں سے چن لیتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد جینے کو بھی تعجب کی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم کے اجزا جدا جدا ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اسی ہیئت و ترکیب میں ہمارا دوبارہ جینا بالکل محال ہے۔ ان کے جواب میں فرمان صادر ہوا کہ زمین ان کے جسموں کو جو کھاتی ہے اس سے بھی ہم غافل نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں کہاں ہیں؟ ہمارے پاس کتاب ہے جو اس کی محافظ ہے۔ ہمارا علم ہے جو اس کو شامل ہے اور ساتھ ہی کتاب میں محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ یعنی ان کے گوشت چمڑے ہڈیاں اور بال جو کچھ زمین کھاتی ہے ہمارے علم میں ہے۔ پھر پروردگار عالم ان کے اسے محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں۔ ان سے قدرتی طور پر سمجھ چھن جاتی ہے مریج کے معنی ہیں مختلف مضطرب منکر متزلزل اور خلط ملط کے۔ جیسے فرمان ہے: اِنَّكُمْ لَفِىْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (سورہ ذاریات:۸۹) یعنی یقیناً تم ایک جھگڑے کی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن کی پیروی سے وہی رکتا ہے جو بھلائی سے پھیر دیا گیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ⑥ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑦ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت (یعنی نفع) والا پانی برسایا۔ پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بندوں کے رزق دینے کے لئے اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ (بس) اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا ○

ذرا غور تو کرو:

یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے سامنے رکھ رہا ہے۔ فرماتا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو۔ اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ ایک چھید ایک شگاف ایک دراڑ نہیں۔ چنانچہ سورہ تبارک میں فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ...... (سورہ ملک:۳) اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے۔ تو خدا تعالیٰ کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار غور کر کے دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تا کہ ہل نہ سکے۔ کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی میں گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اُگا دیں۔ جیسے اور جگہ ہے۔ ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو۔ بَهِيْجٍ کے معنی خوش منظر خوشنما بارونق پھر فرمایا آسمان وزمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان کئے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اُگا دیئے جو خوب میوے لاتے ہیں اور لدے رہتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہوگئی اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو گئے۔ یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی۔ یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں؟ کہ خدا مردوں کو جلانے پر قادر ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (سورہ غافر:۵۷) یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ احقاف:۳۳) یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھا تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ...... (سورہ فصلت:۳۹) یعنی تو دیکھتا ہے کہ زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے۔ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اُگانے لگتی ہے۔ کیا میری قدرت کی یہ نشانی یہ نہیں بتلاتی کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر بلاشک وشبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اس سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس وثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں یعنی سب نے

پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید (ان پر) محقق ہو گئی۔ کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (محض بے دلیل) شبہ میں ہیں ○

قوم نوح:

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آ چکے ہیں۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی قوم، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورۂ فرقان کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا۔ یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفران کی سرکشی اور مخالفت حق کا نتیجہ۔ اصحاب ایکہ سے مراد قوم شعیب ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں سورۂ دخان میں ان کا واقعہ بھی گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ان تمام امتوں نے اپنے رسولؐ کی تکذیب کی تھی اور عذاب خدا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ یہی عادت اللہ جاری ہے۔ یہ یاد رہے کہ ایک رسولؐ کا جھٹلانے والا تمام رسولوںؑ کا منکر ہے۔ جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (سورہ شعراء: ۱۰۵) قوم نوح نے رسولوں کا انکار کیا۔ حالانکہ ان کے بارے میں صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی آئے تھے۔ پس دراصل یہ تھے ایسے کہ اگر ان کے پاس تمام رسول آ جاتے تو یہ سب کو جھٹلاتے۔ ایک کو بھی نہ مانتے۔ سب کی تکذیب کرتے ایک کی بھی تصدیق نہ کرتے۔ ان سب پر خدا کے عذاب کا وعدہ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ثابت ہو گیا اور صادق آ گیا۔ پس اہل مکہ اور دیگر مخالب لوگوں کو بھی اس بدخصلت سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب کا کوڑا ان پر بھی برس پڑے۔ کیا جب یہ کچھ نہ تھے ان کا رچا دینا ہم پر بھاری پڑا جو یہ اب دوبارہ پیدا کرنے کے منکر ہو رہے ہیں۔ ابتدا سے تو اعادہ بہت ہی آسان ہوا کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ط (سورہ روم: ۲۷) یعنی ابتداء اسی نے پیدا کیا اور دوبارہ بھی وہی اعادہ کرے گا اور یہ اس سے بہت آسان ہے۔

سورۂ یٰسین میں فرمان خداوندی جل جلالہ گزر چکا کہ: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا...... (سورہ یٰسین: ۷۸) یعنی اپنی پیدائش کو بھول کر ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا۔ ان بوسیدہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا تو جواب دے کہ وہ جس نے انہیں اول بار پیدا کیا اور جو تمام خلق کو جانتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے بنی آدم ایذا دیتا ہے[1]۔ کہتا ہے خدا مجھے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے کچھ آسان نہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ

[1] ایذا کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ کو معاذ اللہ کوئی اس طرح تکلیف پہنچاتا رہے جیسا کہ آدمی دوسرے آدمی کو کہ یہ طریقہ تکلیف تو جناب باری عز اسمہ کے بات میں قطعاً خالی ہے پس مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کرتا ہے جو اس کے لائق نہیں۔

تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے اور موت کی سختی (قریب) آ پہنچی یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا اور (قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا۔ یہی دن ہوگا وعید کا اور ہر شخص اس طرح (میدان قیامت میں) آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا تو اس دن سے بے خبر تھا۔ سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ (غفلت کا) ہٹا دیا سو آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے ○

شہ رگ سے بھی زیادہ قریب:

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بھلے برے خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں بھی وہ جانتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری امت کے دل میں خیال آئیں[1] ان سے درگزر فرمالیا ہے۔ جب تک کہ وہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ کریں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں۔ یعنی ہمارے فرشتے اور بعضوں نے کہا ہے ہمارا علم ہے۔ ان کی غرض یہ ہے کہ کہیں طول اور اتحاد لازم نہ آ جائے جو بالاجماع اس رب کی مقدس ذات سے بعید ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے۔ لیکن لفظ کا اقتضا یہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ دانا نہیں کہا بلکہ ونحن کہا ہے یعنی میں نے نہیں کہا بلکہ ہم نے کہا ہے۔ یہی لفظ اس شخص کے بارے میں کہے گئے ہیں۔ جن کی موت قریب آ گئی ہو اور وہ نزع کے عالم میں ہو۔ فرمان ہے: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ...... (سورہ واقعہ: ۸۵) یعنی ہم تم سب سے زیادہ اس سے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ یہاں بھی مراد فرشتوں کا اس قدر قریب ہونا ہے۔ جیسے فرمان ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ حجر: ۹) یعنی ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ فرشتے ہی ذکر قران کریم لے کر نازل ہوئے ہیں اور یہاں بھی مراد فرشتوں کی اتنی نزدیکی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قدرت بخش رکھی ہے۔ پس انسان پر ایک چوکا فرشتے کا ہوتا ہے ایک شیطان کا۔ اسی طرح شیطان بھی جسم میں اس طرح پھرتا ہے جس طرح خون جیسے کہ سب سے بڑے سچے یعنی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ دو فرشتے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں۔ ابن آدم کے منہ سے جو کلمہ نکلتا ہے اسے محفوظ رکھنے والے اور اسے نہ چھوڑنے والے اور فوراً لکھ لینے والے فرشتے مقرر ہیں۔ جیسے فرمان ہے: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ...... (سورہ انفطار: ۱۰) تم پر محافظ ہیں بزرگ فرشتے جو فعل سے باخبر ہیں اور لکھنے والے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] یعنی برے خیالات پر گرفت مواخذہ نہیں کہ دل میں برے خیال کا فطور ہی نہ ہو یہ ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں چیزوں پر مواخذہ اور محاسبہ فرماتے ہیں جو انسان کے بس میں ہو۔

اور حضرت قتادہ تو فرماتے ہیں یہ فرشتے ہر نیک و بد عمل لکھ لیا کرتے ہیں[1]۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو اقوال ہیں' ایک تو یہی ہے' دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ثواب و عذاب آپ کا لکھ لیا کرتے ہیں لیکن آیت کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ فرمان ہے جو لفظ نکلتا ہے اس کے پاس محافظ تیار ہے۔ مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کہہ گزرتا ہے' جسے وہ کوئی بہت بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضامندی اس کے لئے قیامت تک لکھ دیتا ہے اور کوئی کلمہ برائی کا ناراضگی خدا کا اسی طرح بے پروائی سے کہہ گزرتا ہے۔ جس کی وجہ سے خدا اپنی ناراضی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک لکھ لیتا ہے۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے بچالیا۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں' دائیں طرف والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا پر امین ہے۔ جب بندے سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو یہ کہتا ہے ٹھہر جا۔ اگر اس نے اسی وقت توبہ کر لی تو اسے لکھنے نہیں دیتا اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ لکھ لیتا ہے (ابن ابی حاتم)۔ امام حسن بصریؒ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے' اے ابن آدم تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو معزز فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ اب تو جو چاہے عمل کر کمی کر زیادتی کر۔ جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اُٹھے گا تو تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُلَّ اِنسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا...... (سورہ بنی اسرائیل:۱۳) ہر انسان کی شامت اعمال ہم نے اس کے گلے میں ڈال دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب ڈال دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے پھر حضرت حسن نے فرمایا خدا کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا۔ جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا میں نے پیا۔ میں آیا میں نے دیکھا[2]۔ پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال و افعال پیش کئے جاتے ہیں۔ خیر و شر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ ہٹا دیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں فرمان باری تعالیٰ شانہٗ کے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (سورہ رعد:۳۹) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت منقول ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ انہوں نے اپنی موت کے وقت اُف بھی نہ کی[3]۔ پھر فرماتا ہے اے انسان موت کی بے ہوشی یقیناً آئے گی اس وقت وہ شک دور ہو جائے گا جس میں آج کل تو مبتلا ہے۔ اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اب وہ آ گئی تو کسی طرح اس سے نجات نہیں پا سکتا نہ بچ سکتا ہے نہ اسے روک سکتا ہے نہ

[1] طبعی حاجات مثلاً پیشاب' پاخانہ مجامعت وغیرہ وہ افعال جن سے فرشتے عموماً کراہت و نفرت کرتے ہیں اور انسان سے جدا ہوتے ہیں اس عدم موجودگی میں انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے نقش خاص قسم کے انسان کے جسم پر پڑ جاتے ہیں جن کو دیکھ کر فرشتے سب کچھ سمجھ جاتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں۔

[2] یہ مقام صبر و رضا ہے خاصان خدا کو حاصل ہے۔

[3] اس موقع پر خدا نے ظلام استعمال کیا ہے جو ظالم کا مبالغہ ہے مطلب معاذ اللہ اس کا یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ بہت بڑا ظالم ہے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ مراد یہ ہے کہ قطعاً ظالم نہیں عربی اسلوب کے اعتبار سے مبالغہ کا صیغہ کبھی بھی مطلق معنی کی بھی نفی کرتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔

اسے دفع کر سکتا ہے نہ ٹال سکتا ہے نہ مقابلہ کر سکتا ہے۔ نہ کسی کی مدد و سفارش کام آ سکتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہاں خطاب مطلق انسان سے ہے۔ گو بعضوں نے کہا ہے کافر سے ہے اور بعضوں نے کچھ اور بھی کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' میں اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھی۔

مَنْ لَّا یَزَالُ وَمْعُهٗ مُقْنِعًا ☆ فَاِنَّهٗ لا بُدَّ مَرَّةً مَدْفُوْق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے تو آپ نے اپنا سر اُٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمایا: وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ...... اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں۔ جنہیں میں نے سیرۃ الصدیقؓ میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپ اپنے چہرہ مبارک سے پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے' سبحان اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ اس آیت کے پچھلے جملے کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ مَا موصولہ ہے۔ یعنی یہ وہی ہے جسے تو بعید جانتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مَا نافیہ ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ یہ وہ چیز ہے جس کے جدا کرنے کی جس سے بچنے کی تجھے قدرت نہیں تو اس سے ہٹ نہیں سکتا۔ معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی۔ بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چور چور ہو گئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی۔ زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی۔ اس نے لومڑی سے کہا لا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی۔ سانس پھولا ہوا تھا۔ حال برا ہو رہا تھا۔ آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مر گئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں۔ اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ اس کے بعد صور پھونکے جانے کا ذکر ہے جس کی پوری تفسیر والی حدیث گزر چکی ہے اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں۔ حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا کہو: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (سورہ آل عمران: ۱۷۳) پھر فرماتا ہے ہر شخص کے ساتھ ایک تو میدانِ محشر کی طرف لانے والا ہو گا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دینے والا ہو گا۔ ظاہر آیت یہی ہے اور امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تلاوت منبر پر کی اور فرمایا ایک چلانے والا جس کے ہمراہ یہ میدان محشر میں آئے گا اور ایک گواہ ہو گا جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سائق سے مراد فرشتے ہے اور شہید سے مراد عمل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے سائق فرشتوں میں سے ہوں گے اور شہید سے مراد خود انسان ہے۔ جو اپنے اوپر آپ گواہی دے گا۔ پھر اس کی بعد کی آیت میں جو خطاب ہے' اس کی نسبت تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ خطاب کافر سے ہو گا۔ دوسرا یہ کہ اسے مراد عام انسان ہیں نیک بد سب۔ تیسرا یہ کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے قول کی توجیہہ یہ ہے کہ آخرت اور دنیا میں وہی نسبت ہے جو بیداری اور خواب میں ہے اور تیسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ تو اس قرآن کی وحی سے پہلے غفلت میں تھا۔ ہم نے یہ قرآن نازل فرما کر تیری آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا اور تیری نظر قوی ہو گئی۔ لیکن الفاظ قرآنی سے تو ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد عام ہے یعنی ہر شخص سے کہا جائے گا کہ تو اس دن سے غافل تھا۔ اس لئے قیامت کے دن ہر شخص کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی۔ یہاں تک کہ کافر بھی استقامت پر

ہو جائے گا۔ لیکن یہ استقامت اسے نفع نہ دے گی۔ جیسے فرمان باری ہے: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ لا يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (سورہ مریم: ۳۸) یعنی جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے۔ خوب دیکھتے سنتے ہوں گے اور آیت میں ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ...... (سورہ سجدہ: ۱۲) یعنی کاش کہ تو دیکھتا جب گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں پڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے خدایا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے اور کامل یقین رکھیں گے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ اِلَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع

اور (اس کے بعد) فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا' عرض کرے گا کہ یہ وہ روناچہ ہے جو میرے پاس تیار ہے ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد عبودیت سے باہر جانے والا ہو (اور دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو۔ جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو سوایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو (جبراً) گمراہ نہیں کیا تھا لیکن یہ خود دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو (کہ بے سود ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں (وہ) بات (وعید مذکور کی) نہیں بدلی جائے گی اور میں (اس تجویز میں) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں ○

فرشتوں کا بیان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تیار حاضر بلا کم و کاست' حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہوگا جسے سائق کہا گیا ہے جو اسے محشر میں لے آیا تھا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ یہ شامل ہے اس فرشتے کو بھی اور گواہی دینے والے فرشتے کو بھی۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل و انصاف سے کرے گا۔ اَلْقِیَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو تثنیہ کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلاد سے کہتا تھا اِضْرِبَا عُنُقَهٗ تم دونوں اس کی گردن مارو۔ حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا۔ ابن جریر نے اس کی شہادت میں ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے۔ اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا۔ لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دی۔ تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو۔ جو بدترین جگہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گزر جانے والے خواہ وہ مال کے

خرچ میں صرف کرتا ہو۔ خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں خدائی حکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر خدا کے ساتھ شریک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذاب میں ڈال دو۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور آواز بلند پکار کر کہے گی' جسے تمام محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں۔ ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے۔ ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے۔ پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی۔ مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتلائے جاتے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں۔ پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا۔ یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی براءت کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا۔ بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا۔ باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا۔ حق کا اپنے آپ مخالف تھا۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں۔ میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنی ملامت کرو۔ نہ میں تمہیں کام دے سکوں نہ تم میرے کام آ سکو۔ تم جو مجھے شریک بنا رہے ہو' میں تو پہلے ہی سے اس کا منکر تھا۔ ظالموں کے لئے المناک عذاب ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھگڑو۔ کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ خدایا اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آ چکی' گمراہ کر دیا اور شیطان کہے گا خدایا میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تو اللہ انہیں اس تُو تُو' میں میں سے روک دے گا اور فرمائے گا' میں تو اپنی حجت ختم کر چکا۔ رسولوں کی زبانی یہ سب میں تمہیں سنا چکا تھا۔ کتابیں بھیج دی تھیں اور ہر ہر طریقہ سے اور ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجھا دیا تھا۔ سنو جو فیصلہ کرنا تھا وہ میں کر چکا۔ میری باتیں بدلتی نہیں۔ میں ظالم نہیں' جو دوسرے کے گناہ پر کسی کو پکڑ لوں ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾

جس دن کے ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی۔ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو۔ جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا اس جنت میں سلامتی کے ساتھ (داخل ہو جا) یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا۔ ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو چاہیں گے اور ہمارے پاس بھی زیادہ محنت ہے ○

جہنم سے خطاب:

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جہنم سے وعدہ ہے کہ وہ اسے پر کر دے گا۔ اس لئے قیامت کے دن جو جنات اور انسان اس کے قابل ہوں گے انہیں اس میں ڈالا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ اب تو تُو پُر ہو گئی؟ اور یہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گنہگار باقی

ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دو۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ برابر طلب کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا[1] پس وہ کہے گی بس بس۔ مسند احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی تیری عزت وکرم کی قسم بس بس اور جنت میں جگہ بچ جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک نئی مخلوق کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس جگہ کو آباد کرے گا۔ صحیح بخاری میں ہے جنت اور دوزخ میں ایک مرتبہ گفتگو ہوئی۔ جہنم نے کہا کہ میں ہر متکبر اور ہر متجبر کے لئے مقرر کی گئی ہوں اور جنت نے کہا میرا یہ حال ہے کہ مجھ میں کمزور لوگ اور وہ لوگ جو دنیا میں ذی عزت نہ سمجھے جاتے تھے۔ وہ داخل ہوں گے۔ اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا اس رحمت کے ساتھ نوازوں گا اور جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ساتھ جسے چاہوں گا عذاب کروں گا۔ ہاں تم دونوں بالکل بھر جاؤ گی۔ تو جہنم تو نہ بھرے گی۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا۔ اب وہ کہے گی بس بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کے سب جوڑ آپس میں سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت میں جو جگہ بچ رہے گی۔ اس کے بھرنے کے لئے اللہ عزوجل اور مخلوق پیدا کرے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں جہنم کا قول یہ ہے کہ مجھ میں جبر کرنے والے تکبر کرنے والے بادشاہ اور شریف لوگ داخل ہوں گے۔ مسند ابو یعلی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ذات کو قیامت کے دن پہچنوائے گا[2] میں سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا۔ پھر میں خدا تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ اس سے وہ خوش ہو جائے گا۔ پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ پھر میری امت جہنم کے اوپر پل سے گزرنے لگے گی۔ بعض تو نگاہ کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائیں گے۔ بعض تیر کی طرح پار ہو جائیں گے۔ بعض تیز گھوڑوں سے زیادہ تیزی سے پار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص گھٹنوں کی بل چلتا ہوا نکل جائے گا اور یہ مطابق اعمال کے ہوگا اور جہنم زیادتی طلب کر رہی ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا۔ پس یہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس اور میں حوض پر ہوں گا۔ لوگوں نے کہا حوض کیا؟ فرمایا خدا کی قسم اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر برتن آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ جسے اس کا پانی مل گیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور جو اس سے محروم رہ گیا اسے کہیں پانی نہیں ملے گا جو سیراب ہو سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں کوئی مکان ہے کہ مجھ میں زیادتی کی جائے؟ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ کہے گی کیا مجھ میں ایک کے بھی آنے کی جگہ ہے؟ میں بھر گئی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس میں جہنمی ڈالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ کہے گی میں بھر گئی اور کہے گی کیا مجھ سے زیادتی کی گنجائش ہے؟ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ پہلے قول کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس دوسرے قول کا مطلب یہ ہے کہ گویا ان بزرگوں کے نزدیک یہ سوال اس کے بعد ہوگا کہ خدا تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے۔ اب جو اس سے پوچھے گا کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب دے گی کہ کیا مجھ میں کہیں بھی کوئی جگہ باقی رہی ہے جس میں کوئی آ سکے؟ یعنی باقی نہیں رہی پُر ہو گئی۔ حضرت عوفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب اس میں سوئی کے ناکے کے برابر بھی جگہ باقی نہ رہے گی۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے جنت قریب کی جائے گی۔ یعنی قیامت کے دن جو دور نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس کا آنا یقینی ہے وہ دور نہیں سمجھا جاتا۔ اواب کے معنی رجوع کرنے والا توبہ کرنے والا۔ گناہوں

---

[1] حدیث کے ایمان پر مضمون مطلوب ہے حقیقت حال خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

[2] یعنی تمام تفصیلات وحقائق کے ادراک کے ساتھ ورنہ خدا کی ذات کا اجمالی علم تو آپ کو یقینا تھا۔

سے اٹک جانے والا۔ حَفِیظُ کے معنی وعدہ کا پابند۔ حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں' اَوَّاب وحفیظ وہ ہے جو کسی مجلس میں بیٹھ کر نہ اُٹھے جب تک کہ استغفار نہ کرے۔ جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا ہے یعنی تنہائی میں بھی خوف خدار کھے' حدیث میں ہے وہ بھی قیامت کے دن عرش خدا کا سایہ پائے گا۔ جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہ نکلیں اور قیامت کے دن اللہ کے پاس دل سلامت لے کر جائے۔ جو اس کی جانب جھکنے والا ہو۔ اس میں یعنی جنت میں چلے جاؤ۔ خدا کے تمام عذابوں سے تمہیں سلامتی مل گئی اور یہ بھی مطلب ہے کہ فرشتے ان پر سلام کریں گے۔ یہ خُلُود کا دن ہے۔ یعنی جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو۔ جہاں کبھی موت نہ ہوگی۔ جہاں سے کبھی نکال دیئے جانے کا خطرہ نہیں۔ جہاں سے تبدیلی اور ہیر پھیر نہیں۔ پھر فرمایا یہ وہاں جو چاہیں گے پائیں گے۔ بلکہ اور زیادہ بھی۔ کثیر بن مرہؒ فرماتے ہیں' مَزِید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گزرے گا۔ جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں۔ پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔ حضرت کثیر فرماتے ہیں' میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے وہ اسی وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے تو ایک ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذیؒ نے اسے غریب حسن بتلایا ہے اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا' ہو جائے گا اور آیت میں ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (سورہ یونس: ۲۶) صہیب بن سنان رومیؒ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا۔ یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبریل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جس کے وسط میں ایک نکتہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں' یہود بھی اور نصاریٰ بھی تمہارے لئے اس میں خیر و برکت ہے۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کا نام یوم المزید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ میدان بنایا ہے۔ جس میں مشکی ٹیلے ہیں۔ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے۔ اس کے اردگرد نوری منبر ہوتے ہیں۔ جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں۔ شہدا اور صدیق ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا۔ میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا۔ اب مجھ سے جو چاہو مانگو' پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے۔ اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا۔ میں تم سے راضی ہو گیا۔ اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہش مند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں۔ یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک بہت بڑا اثر نقل کیا ہے۔ جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا۔ پھر ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا۔ پھر ایک

[1] اور کیا مضائقہ ہے اس تمنا میں عورت کی جانب تو مرد کو فطرتاً التفات ہے ہاں بس اتنا ضرور ہے کہ یہ خواہش جائز حدود میں ہو اس سلسلہ میں حدود شکنی نہ ہونی چاہئے۔

حور آئے گی۔ جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کی رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں۔ وہ زیور پہنے ہوئے ہوگی۔ ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے۔ وہ سلام کرے گی۔ یہ جواب دے کر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں وہ ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے۔ تاہم اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کی وجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ اس کی سر پر جڑاؤ تاج ہوگا۔ جس کا ادنیٰ موتی مشرق مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

اور ہم ان (اہل مکہ) سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو ان کو) کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ اس میں ایک شخص کے لئے بڑی عبرت ہے۔ جس کے پاس فہیم دل ہو۔ یا وہ کم از کم (دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کی درمیان میں ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں۔ سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تحمید و تسبیح کرتے رہئے (اس میں نماز بھی داخل ہے) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ (اس میں مغرب اور عشا آ گئی) اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی ○

اقوام و امم کی ہلاکت:

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو کیا چیز؟ ان سے بہت سے زیادہ قوت و طاقت اور اسباب و تعداد کے لوگوں کو اسی جرم میں ہم تہ و بالا کر چکے ہیں۔ جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ زمین میں خوب فساد کیا تھا۔ لمبے لمبے سفر کرتے تھے۔ ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ مگر یہ کوشش بالکل بے سود تھی۔ خدا کی قضا و قدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یاد رکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور حواس باختہ ہو جاؤ گے۔ ہر عقل مند کی لئے اس میں کافی عبرت ہے۔ اگر کوئی ایسا ہو جو سمجھداری کے ساتھ کان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے۔ یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کیا اور وہ تھکا نہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد کی

زندگی پر خدا کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کو جلانا کیا بھاری ہے۔ حضرت قتادہ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں دن آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا دن تھا۔ اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی' آرام کیسا؟ جیسے اور آیت میں: وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ...... (سورہ احقاف: ۳۳) یعنی کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا۔ وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں کیوں نہیں۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور آیت میں: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ...... (سورہ مؤمن: ۵۷) البتہ آسمان و زمین کی پیدائش لوگوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا...... (سورہ نازعات: ۲۷) کیا تمہاری پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ اسے خدا نے بنایا ہے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو سناتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو۔ ان کو چھوڑ دو اور سورج سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح کی اور عصر کی نماز فرض تھی اور رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی اُمت پر ایک سال تک واجب رہی۔ اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے مراد فجر اور عصر کی نماز ہے۔ مسند احمد میں ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اس طرح اسے دیکھو گے' جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں[1]۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازیں مغلوب نہ ہو جایا کرو۔ پھر آپ نے آیت: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ پڑھی۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ رات کو بھی اس کی تسبیح بیان کر یعنی نماز پڑھ جیسے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹) یعنی رات کو تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ زیادتی خاص تیرے لئے ہی ہے۔ تجھے تیرا رب مقام محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ سجدوں کے پیچھے سے' مراد بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز کے بعد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ صحیحین میں ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مفلس مہاجر آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشگی والی نعمتیں حاصل کر چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیسے؟ جواب دیا کہ ہماری طرح نماز روزہ تو وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو سب سے آگے نکل جاؤ اور تم سے افضل کوئی نہ نکلے لیکن جو اس عمل کو کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ وہ پھر آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی آپ ﷺ کی اس حدیث کو سنا اور وہ بھی اس عمل کو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت حسن بن علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی فرمان ہے اور یہی قول ہے حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت شعبی' حضرت نخعی' حضرت قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ مسند احمد میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے بجز فجر اور عصر کی نماز کے۔ عبد الرحمٰن فرماتے ہیں ہر نماز کے پیچھے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

[1] یعنی ساری دنیا دیکھتی ہے اور ایک دوسرے کے دیکھنے میں مزاحم نہیں ہوتا۔

کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گزاری۔ آپ نے فجر کے فرضوں سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں۔ پھر گھر سے نماز کے لئے نکلے اور فرمایا اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فجر کے پہلے کی دو رکعتیں اَدْبَارَ النُّجُوْمِ (سورہ طور: ۵۲) ہیں۔ مغرب کے بعد کی دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے جس رات حضرت عبداللہ نے تہجد کی نماز کی تیرہ رکعتیں آپ کی اقتدا میں ادا کی تھیں اور اس رات ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔ لیکن اوپر جو بیان ہوا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ ہاں اصل حدیث تہجد کی تو بخاری مسلم میں ہے ممکن ہے کہ آخری کلام حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

اور سن رکھو کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا جس روز اس چیخنے کو بالیقین سب سن لیں گے یہ دن ہوگا (قبروں سے) نکلنے کا۔ ہم ہی (اب بھی) زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین ان (مردوں) پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ایک آسان (جمع کر لینا) ہے تو جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر (منجانب اللہ) جبر کرنے والے (کر کے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں تو آپ قرآن کی ذریعے سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میرے وعید سے ڈرتا ہے ○

یوم الخروج:

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑے ہو کر آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاؤ تمہیں اللہ جمع ہونے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پس مراد اس سے صور ہے۔ یہ حق اس شک وشبہ کو مٹا دے گا' جو اس سے پہلے تھا۔ یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔ ابتدأ پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا' یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے۔ تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص پالے گا۔ زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا' جس سے مخلوقات کے بدن اُگنے لگیں گے۔ جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اُگ آتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشوونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی۔ ان کے صور پھونکنے سے روحیں آسمان وزمین کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میرے عزت وجلال کی قسم ہے۔ ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد کر رکھا۔ پس ہر روح اپنے اپنے اصلی جسم میں ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے

کے رگ وریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے جسم کے رگ وریشہ میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی۔ یہ وقت ہوگا جو کافروں کے لئے بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے: یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۵۲) جس دن وہ تمہیں پکارے گا' تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ صحیح مسلم میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی۔ فرماتا ہے کہ یہ دوبارہ کھڑا کرنا ہم پر بہت ہی آسان ہے۔ جس طرح اللہ جل جلالہ نے فرمایا: وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (سورہ قمر: ۵۰) یعنی ہمارا حکم اس طرح یکبارگی ہو جائے گا۔ جیسے آنکھ کا جھپکنا اور آیت میں ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورہ لقمان: ۲۸) یعنی تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مارنے کے بعد زندہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کا۔ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ پھر جناب باری کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں۔ تو اسے اہمیت نہ دے۔ ہم خود نبٹ لیں گے۔ جیسے اور جگہ ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ...... (سورہ حجر: ۹۷) واقعی ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی پاکی اور تعریف کرتے رہئے اور نمازیوں میں رہئے اور موت آ جانے تک اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے۔ پھر فرماتا ہے تو انہیں ہدایت پر جبراً نہیں لا سکتا نہ ہم نے تجھے اس بات کی تکلیف دی ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ ان پر جبر نہ کرو لیکن پہلا قول بہتر ہے کیونکہ الفاظ میں یہ نہیں کہ تم ان پر جبر نہ کرو۔ بلکہ یہ ہے کہ تم ان پر جبار نہیں ہو۔ یعنی آپ مبلغ ہیں تبلیغ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیے۔ جبر بمعنی اخبر کے بھی آتا ہے۔ آپ نصیحت کرتے رہئے۔ جس کے دل میں خوف خدا ہے۔ جو اس کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمتوں کا امیدوار ہے وہ ضرور اس تبلیغ سے نفع اٹھائے گا اور راہ راست پر آ جائے گا۔ جیسے فرمان ہے: فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ (سورہ رعد: ۴۰) یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب تو ہمارے ذمے ہے اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت نہیں بلکہ خدا جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جگہ ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ...... (سورہ قصص: ۵۶) یعنی تم جسے چاہو ہدایت نہیں کر سکتے۔ بلکہ خدا جسے چاہے راہ راست پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی طرح اس مضمون کو یہاں بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَّخَافُ وَعِیْدَكَ وَیَرْجُوْ مَوْعِدَكَ یَابَآرُّ یَا رَحِیْمُ یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری رحمتوں کی امید لگائے ہوئے ہیں۔ اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور اے بہت زیادہ رحم کرنے والے۔

تفسیر سورہ ذاریات

سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَكِّیَّةٌ وَّهِیَ سِتُّوْنَ اٰیَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۳ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ کل آیات: ۶۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا

تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہوں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش) کو اُٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق اہل ارض میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ جس قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور (اعمال کی) جزا (وسزا) ضرور ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) راستے ہیں کہ تم (یعنی سب لوگ (قیامت کے بارے میں) مختلف گفتگو میں ہو اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔ غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے۔ جو جہالت میں بھولے ہیں پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا جس دن وہ لوگ آگ پر رکھے جائیں گے (اور کہا جائے گا کہ) اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ۝

قسم ہے ان تمام چیزوں کی:

خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کے منبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تم سوال کرنا چاہتے ہو کر لو۔ اس پر ابن الکرار نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا۔ پوچھا حاملات سے؟ فرمایا ابر۔ کہا جاریات سے؟ فرمایا کشتیاں۔ کہا مقسمات سے؟ فرمایا فرشتے۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا اور اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مقسمات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے۔ پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں۔ یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔ پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا۔ جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے لگوائے اور سوار کرا کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ کر بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے۔ کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو گئی ہے۔ اب میرے دل میں وہ بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان جاری ہوا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں کہ اس کے دو راویوں میں کلام ہے۔ پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں۔ امیر المؤمنین نے اسے جو پٹوایا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا فساد عقیدہ آپ پر ظاہر ہو

چکا تھا اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے۔ واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ نے ذکر کیا ہے۔ یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم' حضرت مجاہد' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن حضرت قتادہ' حضرت سدی رحمہم اللہ وغیرہ سے منقول ہے۔ امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے ان آیتوں کی تفسیر میں اور کوئی قول ذکر ہی نہیں۔ حاملات سے مراد ابر ہونے کا محاورہ اس شعر سے بھی پایا جاتا ہے

وَاَسْلَمْتُ نَفْسِیْ لِمَنْ اَسْلَمَتْ ☆ لَهُ الْمُزْنُ تَحْمِلُ عَذْبًا زُلَالًا

یعنی میں اپنے تئیں اس خدا کا تابع فرمان کرتا ہوں' جس کے تابع فرمان وہ بادل ہیں جو صاف شفاف میٹھے اور ہلکے پانی کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ جاریات سے مراد بعض نے ستارے لئے ہیں جو آسمان پر چلتے رہتے ہیں۔ یہ معنی لینے سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوگی۔ اولاً ہوا' پھر بادل' پھر ستارے' پھر فرشتے' جو کبھی اللہ کا حکم لے کر اُترتے ہیں۔ کبھی کوئی سپرد کردہ کام بجالانے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب قسمیں اس بات پر ہیں کہ قیامت ضرور آنی ہے اور لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس لئے ان کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے اور حساب کتاب جزا سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھائی' جو خوبصورتی رونق' حسن اور برابری والا ہے۔ بہت سے سلف نے یہی معنی حبک کے بیان کئے ہیں۔ حضرت ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں اور ریت کے ذرے اور کھیتیوں کے پتے ہوا کی زور سے جب لہراتے ہیں اور پُرشکن لہریے دار ہو جاتے ہیں اور گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں۔ اسی کو حبک کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے۔ اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف حبک حبک ہیں۔ یعنی گھونگھر والے ہیں۔ ابو صالح فرماتے ہیں۔ حبک سے مراد شدت والا خصیف کہتے ہیں۔ مراد خوش منظر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس سے ساتواں آسمان مراد ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علمائے ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں میں ہیں۔ جو ساتوں کے اوپر ہے۔ واللہ اعلم۔ ان تمام اقوال کا ماحصل ایک ہی ہے یعنی حسن و رونق والا آسمان۔ اس کی بلندی' اس کی صفائی' اس کی پاکیزگی' اس کی بناوٹ کی عمدگی' اس کی مضبوطی' اس کی چوڑائی اور کشادگی۔ اس کا ستاروں سے جگمگانا' جن میں سے بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کا سورج اور چاند جیسے سیاروں سے مزین ہونا یہ سب اس کی خوبصورتی اور عمدگی کی چیزیں ہیں۔ پھر فرماتا ہے' اے مشرکو تم اپنے اقوال میں مختلف اور مضطرب ہو۔ تم کسی صحیح نتیجے پر اب تک خود اپنے طور پر کبھی نہیں پہنچے ہو۔ کسی رائے پر تمہارا اجتماع نہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو قرآن کو سچا جانتے ہیں بعض اس کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ حالت اسی کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو۔ وہ اپنے ایسے باطل اقوال کی وجہ سے بہک اور بھٹک جاتا ہے۔ صحیح سمجھ اور سچا علم تو یک سر اس سے فوت ہو جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ (سورہ صافات: ۱۶۳) یعنی تم لوگ مع اپنے معبودان باطل بجز جہنمی لوگوں کے اور کو بہکا نہیں سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سدی فرماتے ہیں' اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں' اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں میں دور ڈال دیا گیا ہو۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں قرآن سے وہی ہٹتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لے۔ پھر فرماتا ہے کہ بے سند باتیں کہنے والے ہلاک ہوں یعنی جھوٹی باتیں بنانے والے جنہیں یقین نہ تھا۔ جو کہتے تھے کہ ہم اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے

ہیں کہ یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے خطبے میں یہی فرماتے تھے۔ یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ اپنے کفر و شرک میں غافل اور بے پروا ہیں۔ یہ لوگ از روئے انکار پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس دن تو یہ آگ سے تپائے جائیں گے جس طرح سونا تپایا جاتا ہے۔ یہ اس میں جلیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھو اپنے کرتوت کے بدلے برداشت کرو۔ پھر ان کی اور زیادہ حقارت کے لئے ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے کہ کب آئے گا۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾

ع ۱۸

بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے (اور) ان کے رب نے ان کو (جو ثواب) عطا کیا ہو گا وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے (کیوں نہ ہو) وہ لوگ اس کے قبل دنیا میں نیکوکار تھے۔ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا اور تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت کے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے (ان) سب (کا معین وقت) آسمان میں ہے تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے جیسا کہ تم باتیں کر رہے ہو ○

اور متقین:

پرہیزگار خدا ترس لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن جنتوں میں اور نہروں میں ہوں گے' بخلاف ان بدکرداروں کے جو عذاب و سزا میں طوق و زنجیر میں سختی اور مار پیٹ میں ہوں گے۔ جو فرائض خدا ان کے پاس آئے تھے' یہ ان کے عامل تھے اور ان سے پہلے بھی وہ اخلاص کے کام کرنے والے تھے لیکن اس تفسیر میں ذرا تامل ہے دو وجہ سے۔ اول تو یہ کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کہی جاتی ہے لیکن سند صحیح سے ان تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی یہ سند بالکل ضعیف ہے۔ دوسرے یہ کہ اٰخِذِيْنَ کا لفظ حال ہے۔ اگلے جملے سے تو یہ مطلب ہوا کہ متقی لوگ جنت میں خدا کی دی ہوئی نعمتیں حاصل کر رہے ہوں گے۔ اس سے پہلے وہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے۔ یعنی دنیا میں جیسے اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی دنیا میں تم نے جو نیکیاں کی تھیں' ان کے بدلے اب تم یہاں شوق سے خوشگوار کھانے کھاتے پیتے رہو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عمل کے اخلاص یعنی ان کے احسان کی تفصیل بیان کر رہا ہے کہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں۔ یہاں مانافیہ

ہے تو بقول حضرت ابن عباس وغیرہ یہ مطلب ہوگا کہ ان پر کوئی ایسی رات نہ گزرتی تھی' جس کا کچھ حصہ یادِ خدا میں نہ گزارتے ہوں۔ خواہ اول میں کچھ نوافل پڑھ لیں خواہ درمیان میں' یعنی کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی وقت نماز عموماً ہر رات پڑھ ہی لیا کرتے تھے۔ ساری رات سوتے سوتے نہیں گزارتے تھے۔ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ مغرب عشا کے درمیان کچھ نوافل پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام ابو جعفر باقر فرماتے ہیں' مراد یہ ہے کہ عشا کی نماز پڑھنے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ مَا یہاں پر موصولہ ہے۔ یعنی ان کی نیند رات کی کم تھی۔ کچھ سوتے تھے کچھ جاگتے تھے اور اگر دل لگ گیا تو صبح ہو جاتی تھی اور پھر پچھلی رات کو جناب باری میں گڑگڑا کر توبہ استغفار کرتے تھے۔ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کر کے پھر فرماتے تھے' افسوس مجھ میں یہ بات نہیں۔ آپ کے شاگرد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے جنتیوں کے جو اعمال اور جو صفات بیان ہوئے ہیں' میں جب کبھی اپنے اعمال وصفات کو ان کے مقابلے میں رکھتا ہوں تو بہت کچھ فاصلہ پاتا ہوں۔ لیکن الحمد للہ دوزخیوں کے عقائد کے بالمقابل جب میں اپنے عقائد کو لاتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ لوگ تو بالکل ہی خیر سے خالی تھے۔ وہ کتاب اللہ کے منکر' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر' وہ موت کے بعد زندگی کے منکر۔ پس ہماری حالت وہی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کی جتلائی ہے۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا (سورہ توبہ: ۱۰۲) یعنی نیکیاں بدیاں ملی جلی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابوسلمہ یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں۔ ہم تو بہت کم وقت عبادتِ خدا میں گزارتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جب شروع شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ میں اس مجمع میں تھا۔ واللہ آپ کے مبارک چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی تھی' یہ کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' نماز ادا کرو۔ تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہیں' جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کن کے لئے ہے؟ فرمایا اُن کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب تک لوگ سوئے ہوئے ہوں یہ نماز پڑھتے رہیں۔ حضرت زہریؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد میں گزارتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کَانُوْا قَلِیْلًا کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور مِنَ الَّیْلِ سے ابتدا بتلاتے ہیں۔ لیکن اس قول میں بہت تکلف ہے۔ پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمان باری ہے وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (سورہ آل عمران: ۱۷) یعنی سحر کے وقت یہ لوگ استغفار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ استغفار نماز ہی میں ہو تو بھی بہت اچھا ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت کی کئی روایتوں سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف اُترتا ہے اور فرماتا ہے کوئی گنہگار ہے

توبہ کرے اور میں اس کی توبہ قبول کروں کوئی استغفار کرنے والا ہے جو استغفار کرے اور میں اسے بخشوں۔ کوئی مانگنے والا ہے جو مانگے اور میں اسے دوں فجر کے طلوع ہونے تک یہی فرماتا ہے۔ اکثر مفسرینؒ نے فرمایا ہے کہ نبی اللہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنے لڑکوں سے فرمایا تھا کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ (سورہ یوسف: ۹۸) میں اب عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں مارتے۔ زکوٰتیں دیتے ہیں۔ سلوک احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے بچتے ہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑے سوار ہو۔ محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو۔ خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو۔ صنعت و حرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن اتنا مال تباہ ہو گیا۔ چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں۔ محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں، جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے۔ نہ اپنا حال وقال ایسے رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت وافلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری مسلم) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو۔ خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔ یعنی حاصل ہی نہ کر سکا ہو۔ کھانے کمانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال نہ رہا ہو۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر کافروں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں غلبہ دیا اور مال غنیمت بھی ملا۔ پھر کچھ لوگ آپ کے پاس وہ بھی آ گئے جو غنیمت حاصل ہونے کے وقت موجود نہ تھے۔ تو یہ آیت اُتری۔ اس روایت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہو لیکن دراصل ایسا نہیں بلکہ یہ آیت مکی ہے۔ پھر فرماتا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی بہت سے نشانات قدرت موجود ہیں۔ جو خالق کی عظمت وعزت ہیبت وجلالت پر دلالت کرتے ہیں۔ دیکھو کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور کس طرح پہاڑوں اور میدانوں، سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو ان کے رنگ و روپ کے اختلاف کو ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل و فہم کے اختلاف کو ان کی حرکات و سکنات کو ان کی نیکی و بدی کو دیکھو ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ ہے۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا۔ خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں، جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا۔ اپنے جسم کی ترکیب پر نظر ڈالے گا۔ یقین کرے گا کہ بے شک اسے خدا نے ہی پیدا کیا ہے اور اپنی عبادت کے لئے ہی بنایا ہے۔ پھر فرماتا ہے آسمان میں تمہاری روزی ہے یعنی بارش اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یعنی جنت، حضرت واصل احدب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا، افسوس میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ یہ کہہ کر بستی چھوڑ اُجاڑ جنگل

میں چلے گئے۔ تین دن تو انہیں کچھ نہ ملا۔ لیکن تیسرے دن دیکھتے ہیں کہ تر کھجوروں کا ایک خوشہ ان کے پاس رکھا ہوا ہے۔ ان کے بھائی جوان سے بھی زیادہ مخلص و نیک نیت تھے۔ یہ بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ دونوں بھائی آخری دم تک اسی طرح جنگلوں میں ہی رہے[1]۔ پھر اللہ کریم خود اپنی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ میرے جو وعدے ہیں مثلاً قیامت کا۔ دوبارہ زندہ کرنے کا۔ جزا سزا دینے کا' یہ یقیناً سچے ہیں اور واقعی ہو کر رہنے والے ہیں۔ جیسے تمہیں تمہاری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میں شک نہیں ہوتا' اسی طرح تمہیں ان میں بھی کوئی شک ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی بات کہتے تو فرماتے خدا انہیں برباد کرے جو خدا کی قسم کو بھی نہ مانیں۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ یعنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' صحابہ کا نام نہیں لیتے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے (اور یہ قصہ اس وقت میں) تھا جب کہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے بھی (جواب میں) کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) انجان لوگ (معلوم ہوتے) ہیں۔ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا) لائے اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے لاکر) رکھا۔ کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں۔ تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں ان کی بی بی بولتی پکارتی آئیں پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اوّل تو) بڑھیا (پھر) بانجھ فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے ○

مہمانانِ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام:

یہ واقعہ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ مہمان فرشتے تھے جو بشکل انسان آئے تھے۔ جنہیں خدا نے عزت و شرافت دے رکھی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ حدیث میں بھی آیا ہے اور قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ انہوں نے سلام کیا۔ جس کا جواب خلیل خدا علیہ السلام نے بڑھا کر دیا اس کا ثبوت دوسرے سلام پر دو پیش کا ہونا ہے اور یہی فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فرماتا ہے: وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا

[1] یہ طریقہ کوئی مسنون نہیں ہاں اپنے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اہل حقوق کے حقوق پورے ہوتے رہیں ورنہ تو یہ زندگی گناہ اور غضب خداوندی کا باعث بنے گی۔

اَوْ رُدُّوْهَا (سورہ نساء: ۸۶) یعنی جب کبھی کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس سے بہتر جواب دو۔ یا کم از کم اتنا ہی۔ پس خلیل اللہ علیہ السلام نے افضل صورت کو اختیار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس سے ناواقف تھے کہ دراصل فرشتے ہیں۔ اس لئے کہا کہ یہ لوگ اجنبی سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے حضرت جبریل حضرت اسرافیل اور میکائیل علیہ السلام تھے۔ جو خوبصورت نوجوان انسان کی شکل میں آئے تھے۔ ان کے چہروں پر ہیبت وجلال تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور ان کے سامنے ان کے قریب رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان کے شروع سے احساس رکھنے کے پہلے ہی آپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بعجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی' اسے تیار کر کے لے آئے اور ان کے سامنے تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی' بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا رکھا۔ پھر انہیں یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے۔ بلکہ نہایت تواضع سے فرماتے ہیں' آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر فضل وکرم' احسان وسلوک کرنا چاہیں تو کیجئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں اللہ سے خوفزدہ ہو گئے۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے: فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً...... (سورہ ہود: ۷۰) یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے۔ اس پر مہمانوں نے کہا ڈرو مت' ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں' جو قوم لوط کی ہلاکت کے آگے آئے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھی' وہ یہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس' اب میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہوگئی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں۔ یہ سخت تعجب کی چیز ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسے پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی عظمت اور شان والا ہے۔ یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی اور اس سے پہلے کی آیت میں ہے کہ بشارت آپ کی بیوی صاحبہ کو دی' تو مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بشارت دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی۔ اب میاں بیوی دونوں پورے بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچا دیں۔ وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزو کرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر میں بچہ ہوگا۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔

پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ

عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ ۙ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿۳۷﴾

ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے (کہ) اچھا تو (یہ بتلاؤ کہ) تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے فرشتو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قوم لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر کنکر کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے ہاں (یعنی عالم غیب میں) خاص نشانیاں بھی ہیں حد سے گزرنے والوں کے لئے اور ہم نے جتنے ایماندار تھے وہاں سے نکال کر ان کو علیحدہ کر دیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا اور ہم نے اس واقعہ میں ہمیشہ کے واسطے ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ○

عذابِ آسمانی:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب ان نو وارد مہمانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دہشت جاتی رہی۔ بلکہ ان کی زبانی ایک بہت بڑی خوشخبری بھی سن چکے اور اپنی بردباری خدا ترسی اور دردمندی کی وجہ سے خدا کی جناب میں قوم لوط کی سفارش بھی کر چکے اور خدا تعالیٰ کے آخری فیصلے کا اعلان بھی سن چکے۔ اس کے بعد جو ہوا' اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس مقصد سے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قوم لوطؑ کے گنہگاروں کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے۔ ہم ان پر سنگ باری اور پتھراؤ کریں گے۔ ان پتھروں کو ان پر برسائیں گے' جن پر خدا کے حکم سے پہلے ہی ان کے نام لکھے جا چکے ہیں اور ہر ہر گنہگار کے لئے الگ الگ پتھر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ سورہ عنکبوت میں گزر چکا ہے کہ یہ سن کر حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے فرمایا کہ وہاں تو حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر وہ بستی کیسے غارت کر دی جائے گی؟ فرشتوں نے کہا' اس کا علم ہمیں بھی ہے' ہمیں حکم مل چکا ہے کہ ہم انہیں اور مومنین نیز ان کے گھرانے کے تمام ایمانداروں کو بچا لیں۔ ہاں ان کی بیوی نہیں بچ سکتی۔ وہ بھی مجرموں کے ساتھ اپنے جرم کے بدلے ہلاک کر دی جائے گی۔ اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس بستی میں جتنے بھی مومن تھے سب کو بچا لیا گیا۔ اس سے بھی مراد حضرت لوطؑ اور ان کے گھرانے کے لوگ ہیں۔ سوائے ان کی بیوی کے' جو ایمان نہیں لائی تھیں۔ چنانچہ فرمادیا گیا کہ وہاں سوائے ایک گھر کے اور گھر مسلمان تھا ہی نہیں۔ یہ دونوں آیتیں دلیل ہیں ان لوگوں کی' جو کہتے ہیں کہ ایمان و اسلام کا مسمیٰ ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ یہاں ان ہی لوگوں کو مومن کہا گیا ہے اور پھر ان ہی کو مسلمان بھی کہا گیا ہے۔ معتزلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایک ہی چیز ہے جسے ایمان بھی کہا جاتا ہے اور اسلام بھی لیکن یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ مومن تھے اور یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مومن مسلم کہا گیا ہے۔ اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا' کہ ہر مسلم مومن ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کا مذہب ہے کہ جب اسلامی حقیقی اور سچا اسلام ہو تو اسلام ایمان ہے اور اس صورت میں ایمان اسلام ایک ہی چیز ہے۔ ہاں جب اسلام حقیقی طور پر یہ ہو تو بے شک اسلام ایمان میں فرق ہے۔ صحیح بخاری شریف کتاب الایمان ملاحظہ ہو (مترجم) پھر فرماتا ہے کہ ان کی آبادو

شاد بستیوں کو عذاب سے برباد کر کے انہیں سڑے ہوئے بدبودار کھنڈر بنا دینے میں مؤمنوں کے لئے عبرت کے پورے سامان ہیں' جو عذاب خدا کا ڈر رکھتے ہیں۔ وہ اس نمونہ کو دیکھ کر اور اس زبردست نشان کو ملاحظہ کر کے پوری عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٦﴾

ع ۲

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر بھیجا۔ سو اس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا یہ ساحر ہے یا مجنون۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا[1] اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی۔ جس چیز پر گزرتی تھی یعنی ان اشیاء میں سے کہ جن کے (ہلاک کا حکم تھا) اس کو بگاڑ دیتی[2] جیسے کوئی چیز گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ان سے کہا گیا اور تھوڑے دنوں چین کر لو۔ سو (اس ڈرانے پر بھی) ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو عذاب نے آ لیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے۔ سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے اور نہ (ہم سے) بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہی حال ہو چکا تھا (یعنی اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے ○

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مہمان سے دریافت کئے بغیر کھانے کا اہتمام اسی وقت ہونا چاہئے جبکہ مہمان کھانے کے وقت میں آئے اور اگر غیر وقت آیا تو اس سے معلوم کرنا ہی بہتر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کھا چکا ہو اور آپ بلاوجہ اہتمام کریں نیز مہمان سے کھانے کے متعلق یہ بھی دریافت کر لینا چاہئے کہ وہ پرہیزی کھانا تو نہیں کھاتا یا مرچ وغیرہ کا تناسب کھانے میں کیا اسے مرغوب ہے اور کھانے کی کون سی چیز اسے پسندیدہ ہے اصل مقصود مہمان کو راحت پہنچانا ہے اور ظاہر ہے کہ راحت طبیعت کے موافق ہونے پر موقوف ہے غریب عوام ان اصول سے ناواقفیت کی بنا پر خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور اپنے مہمان کو بھی کبیدہ کرتے ہیں۔

[2] لفظ ملیم حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بھی ارشاد ہوا اور فرعون کے لئے بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عین حالت مایوسی میں بھی مومن کی توبہ کے امکانات روشن اور واضح ہوتے ہیں بخلاف کافر کہ حالت یاس میں اس کا ایمان تک مقبول نہیں امام رازیؒ کی اس نکتہ پر نظر ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ فذنب المومن وقت ظهر الیاس مغفور و ایمان الکافر غیت مقبول۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون:

ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے۔ ہم نے ان کی طرف اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلیلیں اور واضح برہان دے کر بھیجا۔ لیکن ان کے سردار فرعون نے جو تکبر کا مجسمہ تھا' حق کے ماننے سے انکار کر دیا اور ہمارے حکم کو لاپروائی سے ٹال دیا۔ اس دشمنِ خدا نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر اپنے لشکر کے بل بوتے پر رب کے فرمان کی عزت نہ کی اور فرعونیوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی پر اُتر آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ پس اس کافر فاجر معاند متکبر شخص کو ہم نے اس کے لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا۔ اسی طرح عادیوں کے سراسر عبرتناک واقعات بھی تمہارے گوش گزار ہو چکے ہیں۔ جن کی سیاہ کاریوں کے وبال میں ان پر بے برکت ہوائیں بھیجی گئیں۔ جن ہواؤں نے سب کے حلیے بگاڑ دیئے۔ ایک لپٹ جس چیز کی لگ گئی وہ گلی سڑی ہڈی کی طرح ہو گئی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ تو ہوا کے داروغہ کو حکم دیا کہ ان کی تباہی کے لئے ہوائیں چلا دو۔ فرشتے نے کہا کیا ہواؤں کے خزانے میں اتنا روزن کر دوں جتنا بیل کا نتھنا ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا نہیں' اگر اتنا روزن کر دیا تو زمین کو اور اس کی کل کائنات کو الٹ دے گی بلکہ اتنا روزن کرو جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ تھیں وہ ہوائیں کہ جہاں جہاں سے گزر گئیں تمام چیزوں کو تہ وبالا کرتی گئیں اس حدیث کا فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو منکر ہے' سمجھ سے زیادہ قریب بات یہی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یرموک کی لڑائی میں انہیں دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے۔ ممکن ہے ان ہی میں سے بات آپ نے بیان فرمائی ہو۔ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مدد پروا ہواؤں سے کی گئی ہے اور عادی پچھوا ہواؤں سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ثمودیوں کے حالات پر اور ان کے انجام پر غور کرو کہ ان سے کہہ دیا گیا کہ ایک وقت مقررہ تک تو تم فائدہ اُٹھاؤ۔ جیسے اور جگہ فرمایا۔ ثمودیوں کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا۔ جس کے باعث سیاہ کاری کا بدلہ تھا۔ ان پر ان کے دیکھتے ہوئے عذاب الٰہی آ گیا۔ تین دن تک تو یہ انتظار میں رہے۔ عذاب کے آثار دیکھتے رہے۔ آخر چوتھے دن صبح ہی صبح رب کا عذاب دفعتہً آ پڑا۔ حواس باختہ ہو گئے۔ کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اتنی بھی مہلت نہ ملی۔ کہ کھڑے ہو کر بھاگنے کی کوشش تو کرتے۔ یا کسی اور طرح اپنے بچاؤ کی کچھ تو فکر کر سکتے۔ اسی طرح ان سے پہلے قوم نوح بھی ہمارے عذاب چکھ چکی ہے۔ اپنی بدکاری اور کھلی نافرمانی کا خمیازہ وہ بھی بھگت چکی ہے۔ یہ تمام مفصل واقعات فرعونیوں کے عادیوں کے ثمودیوں کے اس سے پہلے کئی کئی سورتوں کی تفسیر میں کئی بار بیان ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

اور ہم نے آسمانوں کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں اور ہم نے زمین کو فرش (کے طور پر) بنایا سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا تا کہ تم (ان مصنوعات سے توحید کو) سمجھو۔ تو تم اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو۔ میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف کھلا ڈرانے والا ہوں ○

یہ پوری کائنات:

زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر فرما رہا ہے[1] کہ ہم نے آسمان کو اپنی قوت سے پیدا کیا ہے۔ اسے محفوظ اور بلند چھت بنا دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مجاہد، قتادہ، ثوری اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو اپنی قوت سے بنایا ہے اور ہم کشادگی والے ہیں۔ اس کے کنارے ہم نے کشادہ کئے ہیں اور بے ستون اسے کھڑا کر دیا ہے اور قائم رکھا ہے۔ زمین کو ہم نے اپنی مخلوقات کے لئے بچھونا بنا دیا ہے اور بہت ہی اچھا بچھونا ہے۔ تمام مخلوق کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ جیسے آسمان و زمین، دن رات، سورج، چاند، خشکی، تری، اجالا، اندھیرا، ایمان، کفر، موت حیات، نیکی بدی، جنت دوزخ، یہاں تک کہ حیوانات اور نباتات کے بھی جوڑے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تمہیں نصیحت حاصل ہو۔ تم جان لو کہ ان کا سب کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ بے شریک اور یکتا ہی ہے۔ پس تم اس کی طرف دوڑو۔ اپنی توجہ کا مرکز صرف اسی کو بناؤ۔ اپنے تمام تر کاموں میں اسی کی ذات پر اعتماد کرو۔ میں تو تم سب کو صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔ خبردار خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میرے کھلم کھلا خوف دلانے کا لحاظ رکھنا۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اسی طرح جو کافر لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس ایسا کوئی پیغمبر نہیں آیا جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو۔ کیا

[1] گویا کہ پوری کائنات ہماری بنائی ہوئی ہے کسی اور کی نہیں ذکر آسمان اور زمین کا خاص طور پر اس لئے آیا کہ زمین اور آسمان کے بارے میں دنیا بہت الجھن میں رہی ہے کوئی کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پھیل گیا کسی کا کہنا ہے کہ غیر مخلوق ہیں کوئی ان کو مستقل دیوتا ہی مانتا ہے جیسا کہ آکاش دیوتا اور دھرتی ماتا قرآن مجید نے ان سب کی تردید نہایت مختصر اور جامع انداز میں کر دی زمین کا صرف وہ فائدہ زیر بحث آیا جس سے عام انسان فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی اس کا مسطح ہونا دوسری شکل میں ہے نہ اس سے کوئی فائدہ اور نہ ذکر کی کوئی حاجت۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴿۲۷﴾

اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ (وجہ اس اجماع کی یہ ہوئی کہ) یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان لانے والوں کو (بھی) نفع دے گا اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔ تو ان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (علم الٰہی میں) مقرر ہے۔ جیسے ان کے (گزشتہ) ہم مشربوں کی باری (مقرر) تھی۔ سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں۔ غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ○

تخلیق جن وانس کا مقصد:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے کے کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے۔ کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے جاتے ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں۔ اس لئے جو بات پہلوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں۔ پس آپ چشم پوشی کیجئے۔ یہ مجنون کہیں جادوگر کہیں[1] آپ صبر وتحمل سے سن لیں۔ ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیئے۔ خدا کی باتیں پہنچاتے چلے جایئے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک دن راہ پر لگ جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں۔ وہ طوعاً وکرہاً میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں۔ مجھے پہچانیں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں' بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں دیتیں[2]۔ قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم

[1] مجنون تو اس لئے کہتے ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کا انہماک اپنے ذہنی وتبلیغی مشاغل میں اس طرح ہوتا ہے کہ وہ پوری دنیا سے غافل نظر آتے ہیں دنیا ہی کو سب سمجھنے والے یعنی دنیا پرست اگر اس مبارک ومسعود حالت کو اپنی کورنجتی کی وجہ سے جنون سے تعبیر نہ کرتے تو اور کیا کرتے اور جب حضرات انبیاء علیہم السلام کا کلام عالی اثر انداز ہوتا اور کل کے مخالفین آج کے پکے گہرے دوست ہوتے تو ساحر کے لقب سے یاد کرتے گویا کہ عمل واخلاص کی تاثیر ان کی نظر میں سحر تھی اور پیکر عمل واخلاص وجدوجہد مسلسل مجنون تھے۔ والعیاذ باللہ۔

[2] ظاہر ہے کہ عبادت سے اس موقع پر مراد صرف پانچ وقت کی نماز ایک ماہ کے روزے سالانہ زکوٰۃ اور بشرط استطاعت حج نہیں اگرچہ یہ بھی عبادات ہیں اور نہایت اہم دنیاوی عبادات ہیں بلکہ مطلوب پوری زندگی کو عبادت بنا دینا ہے چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سونا جاگنا بیوی بچوں کے تعلقات ماں باپ سے تعلق عزیز واقارب سے مراسم پڑوسیوں سے روابط مسلمانوں سے معاملات تجارت کاروبار لین دین لباس معاشرت اور بول چال سب ہی کچھ عبادت بن کر رہ جائے اور یہ کوئی بڑا اہم کام یا دشوار گزار مرحلہ نہیں بہت معمولی کام ہے بشرطیکہ کرنے کا ارادہ کیا جائے آپ کھاتے ہیں شکم سیری یقیناً ہوتی ہے اگر اس کو مسنون طریقہ سے کھا لیجئے یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لیجئے کلی کر لیجئے بسم اللہ سے شروع کیجئے فراغت پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ہاتھ دھو کر کلی ایک مرتبہ اور کر لیجئے یعنی بس یہی عبادت ہوگئی اگر آپ نظافت پسند تھے تو یہی سب کچھ صفائی ونظافت کے خیال سے کرتے اب ان ہی چیزوں کو شریعت کا حکم سمجھ کر لیا تو یہی عبادت ہے پانی لیجئے بسم اللہ کر کے پیچھے بیٹھ کر پیجئے تین گھونٹ کیجئے یہی پانی کا استعمال عبادت ہو جائے گا اور پھر ارحم الراحمین کی رحمت وکرم کہ اس طرح پانی کو استعمال بھی اعتبار سے بھی ہمارے لئے مقید لیکن اس پر بھی ہم کو اجر ایسے جو آدمی وہاب عطا کنندہ کہاں ملتے ہیں بیوی بچوں کو کون نہیں کھلاتا پلاتا لیکن ان کے ساتھ تمام معاملات شرعی حدود میں رہ کر عبادت ہی عبادت ہے گویا کہ ہم خرما وہم ثواب ماں باپ سے کس شہ نٔ اولاد کو اطاعت کا تعلق نہیں ..... =

ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ تو گو یہ بھی عبادت ہے۔ مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی۔ غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو اور حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں' اس سے مراد مسلمان انسان اور مؤمن جنات ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں پڑھایا ہے: اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ جو بجالائے گا' کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا' تو وہ مؤمن ہے اور اگر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا۔ تو وہ بدترین سزا ئیں بھگتے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے سروپا اور سراسر فقیر ہے۔ خالق رازق صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا۔ میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پُر کردوں گا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھردوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔

امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں لڑکے حضرت حبہؓ اور حضرت سواۃؓ فرماتے ہیں۔ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا غالباً کوئی دیوار تعمیر فرما رہے تھے یا کسی چیز کو درست فرما رہے تھے۔ ہم بھی اسی کام میں لگ گئے۔ جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا' سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا۔ دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے۔ بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا۔ پھر خدا تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدمؑ میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس تو اس سے غفلت نہ کر۔ تیرے رزق کا میں ضامن ہوں' تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر۔ مجھے ڈھونڈ' تاکہ مجھے پالے۔ جب تو نے مجھے پالیا تو یقین جان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا۔ سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہئے۔ پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذاب کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے۔ جیسے ان سے پہلے کافروں کو پہنچے۔ قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی۔

تفسیر سورہ طُور مکیہ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورہ والطور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ آپ سے زیادہ خوش آواز اور آپ سے زیادہ اچھی قراءت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا (موطا مالک) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' زمانہ حج میں بیمار تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ نے فرمایا تم سواری پر ہو کر لوگوں کے

= ...... ہوتا لیکن اس اقتضا طبعی کو تقاضائے شرعی سمجھ کر کرنا عبادت ہے اس دنیا کی زندگی میں لباس کس کی سب سے بڑی ضرورت نہیں لیکن لباس مطابق شریعت کر لینا ہی آپ کی عبادت ہے آپ کو ہر مرحلہ پر لین دین کے مراحل کہاں پیش نہ آتے ہوں گے؟ یقیناً دو چار ہونا پڑتا ہوگا انہیں احکام شریعت کے مطابق طے کرنا ہی عبادت ہے بس انہی اغراض میں شریعت کے احکام کو امام بنانا عبادت ہے گویا کہ چھوٹی سی چھوٹی ضرورت اور بڑی سے بڑی احتیاج میں احکام شریعت ہی پر نظر رکھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہی عبادت ہے اب آپ سمجھے ہوں گے کہ عبادت کا کیا مفہوم ہے اور انسان کی تخلیق سے خدائے کائنات عز اسمہ کا کیا مقصد ہے۔

پیچھے پیچھے طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری)

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۴۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

قسم ہے طور پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی ہے اور (قسم ہے) بیت المعمور کی اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (مراد آسمان ہے) اور (قسم ہے) دریائے شور کی جو (پانی سے) پُر ہے کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور) یہ اس روز واقع ہوگا جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور یہ پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جائیں گے۔ تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (تکذیب کے) مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں ان کی اس روز کم بختی آئے گی جس روز کہ ان کو آتش دوزخ کی طرف دھکے دے کے لادیں گے یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ بھی سحر ہے (دیکھ کر بتلاؤ) یا یہ کہ تم کو (اب بھی) نظر نہیں آتا۔ اس میں داخل ہو پھر خواہ (اس کی) سہار کرنا یا سہار نہ کرنا تمہارے حق میں برابر ہیں۔ جیسا تم کرتے ہو ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جائے گا ○

بے شک وہ دن آنے والا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ان چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں' فرماتا ہے کہ اس کا عذاب ہو کر ہی رہے گا۔ جب وہ آئے گا' کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اسے ہٹا سکے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں۔ جیسے وہ پہاڑ جس پر اللہ

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا[1] تھا اور جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا اور جو خشک پہاڑ ہو اُسے جبل کہا جاتا ہے۔ طور نہیں کہا جاتا: كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا خدا کی لکھی ہوئی اتاری ہوئی کتابیں ہیں۔ جو انسانوں کے لئے نازل کی جاتی ہیں۔ اسی لئے ساتھ ہی فرمادیا' کھلے ہوئے اوراق میں بیت المعمور کی بابت معراج والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' ساتویں آسمان سے آگے بڑھنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھایا گیا۔ جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت خدا کے لئے جاتے ہیں۔ دوسرے دن اتنے ہی اور لیکن جو آج گئے' ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آتی۔ جس طرح زمین پر کعبۃ اللہ کا طواف ہوتا ہے' اسی طرح آسمانیوں کے طواف اور عبادت کی جگہ وہ ہے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ (اس میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ چونکہ خلیل خدا بانی بیت اللہ تھے' جن کے ہاتھوں زمین میں کعبہ خدا بنا تھا تو انہیں وہاں بھی اس کعبے سے لگے ہوئے آپ نے دیکھا۔ تو گویا اس عمل کی جزا اسی جیسی پروردگار نے اپنے خلیل کو دی) یہ بیت المعمور ٹھیک خانہ کعبہ کے اوپر ہے اور ہے ساتویں آسمان پر۔ یوں تو ہر آسمان پر ایک ایسا گھر ہے' جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ پہلے آسمان پر جو ایسی جگہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان میں ایک گھر ہے۔ جسے معمور کہتے ہیں۔ جو کعبہ کی سمت میں ہے۔ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے' جس کا نام نہر حیوان ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور نکل کر بدن جھاڑتے ہیں۔ جن سے ستر ہزار قطرے جھڑتے ہیں۔ ایک ایک قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے' نہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں اور نماز ادا کریں۔ پھر وہ وہاں سے نکل آتے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ان کا ایک سردار ہوتا ہے' جسے حکم ہوتا ہے کہ انہیں لے کر کسی اور جگہ کھڑا ہو جائے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے بیان میں لگ جاتے ہیں۔ قیامت تک ان کا یہی شغل رہتا ہے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی روح بن صباح اس میں منفرد ہیں۔ حافظوں کی ایک جماعت نے ان پر اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ جیسے جوزجانی عقیلی حاکم وغیرہ امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری اسے بالکل بے اصل[2] بتلاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہے اسے صراح کہا جاتا ہے۔ کعبہ کے ٹھیک اوپر ہے۔ جس طرح زمین کا کعبہ عزت کی جگہ ہے۔ اسی طرح وہ آسمانوں میں معزز ہے۔ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو آج گئے تھے' ان کی باری قیامت تک پھر نہیں آتی کیونکہ فرشتوں کی تعداد ہی اس قدر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پوچھنے والے ابن کواءؒ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ یہ عرش کے محاذ میں ہے۔ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت المعمور کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔ فرمایا وہ آسمانی کعبہ ہے اور زمینی کعبے کے بالکل اوپر ہے۔ ایسا کہ اگر وہ گرے تو اسی پر گرے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں۔ جن کی باری قیامت تک پھر نہیں آتی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں۔ یہ فرشتے ابلیس کے قبیلے کے جنات میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اونچی چھت سے

---

[1] بعض مفسرین نے اس موقع پر طور سے صرف مطہر پہاڑ مراد لیا ہے جس پر خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا تھا اگرچہ عام مفسرین کی رائے میں عام پہاڑ مراد ہیں ان تمام چیزوں کا ذکر فرمانے سے بتانا یہ مقصود ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ بزبان حال قیامت کی اطلاع محاسبہ اعمال کی خبر اور جزائے اعمال کی پیش گوئی کر رہے ہیں۔

[2] اور یہی صحیح ہے کہ یہ حدیث قطعا روایت کے خلاف اور روایت کے اعتبار سے پست و سطحی ہے۔

مراد آسمان ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (سورہ انبیاء: ۳۲) ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں' مراد اس سے عرش۔ اس لئے کہ وہ تمام مخلوق کی چھت ہے۔ اس قول کی توجیہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ مراد عام ہو نہ بحر مسجور سے مراد وہ پانی ہے جو عرش تلے ہے جو بارش کی طرح برسے گا۔ جس سے قیامت کے دن مردے اپنی اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے۔ جمہور کہتے ہیں یہی عام دریا مراد ہیں۔ انہیں جو مسجور کہا گیا ہے یہ اس لئے کہ قیامت کے دن ان میں آگ لگا دی جائے گی۔ جیسے اور جگہ ہے: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (سورہ طور: ٦) جبکہ دریا بھڑکا دیئے جائیں گے اور جو ان میں آگ لگ جائے گی۔ جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیر لے گی۔ حضرت علی ابن بدر کہتے ہیں کہ بھڑکتے ہوئے دریا اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا پانی پینے کے کام آئے اور نہ کھیتی کو دیا جائے۔ یہی حال قیامت کے دن دریاؤں کا ہوگا۔ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ دریا بہتا ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دریا پُر شدہ۔ اِدھر اُدھر جاری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مسجور سے مراد فارغ یعنی خالی ہے کوئی لونڈی پانی لینے کو جائے پھر لوٹ کر کہے کہ حوض مسجور ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ خالی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ اسے زمین سے رُوک دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ڈبو نہ دے۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر رات تین مرتبہ دریا اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو تمام لوگوں کو ڈبو دوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے[1]۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک بزرگ مجاہد جو سمندر کی سرحد کے لشکریوں میں سے تھے۔ وہ جہاد کی تیاری میں وہیں رہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں چوکیداری کے لئے نکلا اس رات کوئی اور پہرے پر نہ تھا میں گشت کرتا ہوا میدان میں پہنچا اور وہاں سے سمندر پر نظریں ڈالیں گویا سمندر پہاڑ کی چوٹیوں سے ٹکرا رہا ہے۔ بار بار یہی نظارہ میں نے دیکھا۔ میں نے حضرت ابو صالح سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوپر کی حدیث مجھے سنائی۔ لیکن اس سند میں ایک راوی مبہم ہے۔ جس کا نام نہیں لیا گیا۔ ان قسموں کے بعد اب جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان کا بیان ہو رہا ہے کہ کافروں کو جو عذاب خدا ہونے والا ہے وہ یقینی طور پر آنے والا ہے۔ جب وہ آئے گا' کسی کے بس میں اس کا روکنا نہ ہوگا۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی۔ وہ سورہ والطور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ یہ کعبہ کی قسم سچی ہے۔ پھر اپنے گدھے سے اُتر پڑے اور دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔ دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے۔ لیکن خدا کے کلام کی اس پر اثر آیت سے رقت وگریہ کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے کہ لوگ بیمار پرسی کے لئے آتے تھے۔ گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی۔ اسی وقت ہچکی بندھ گئی اور اس قدر قلب پر اثر پڑا کہ بیمار ہو گئے۔ چنانچہ بیس دن تک عیادت کی جاتی رہی۔ اس دن آسمان تھرتھرائے گا' پھٹ جائے گا۔ چکر کھانے لگے گا پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ ہٹ جائیں گے۔ ادھر کے اُدھر ہو جائیں گے۔ کانپ کانپ کر ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ادھر اُدھر اُڑ جائیں گے اور بے نام ونشان ہو جائیں گے۔ اس دن ان لوگوں پر جو اس دن کو نہ مانتے تھے۔ ویل وحسرت خرابی وہلاکت ہوگی۔ خدا کا عذاب فرشتوں کی مار' جہنم کی آگ ان کے لئے ہوگی۔ جو دنیا میں مشغول تھے

[1] اس طرح کی احادیث سے انسان کو یہ سمجھنا کہ کائنات پر انسان کا یہ قیام محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ورنہ کہاں سمندر کی یہ ہلاکت خیز موجیں اور کہاں ایک کمزور مخلوق انسان کی حفاظت پس صرف خدا ہی کا فضل ہے اور کچھ نہیں۔

اور دین کو ایک کھیل تماشا مقرر کر رکھا تھا۔ اس دن انہیں دھکے دے دے کر نار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا اور داروغہ جہنم ان سے کہیں گے کہ وہ جہنم ہے جسے تم نہیں مانتے تھے۔ پھر مزید ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہیں گے اب بولو کیا یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اس میں ڈوب جاؤ۔ یہ تمہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ اب اس کے عذاب کی تمہیں طاقت ہو یا نہ ہو۔ ہائے وائے کرو خواہ خاموش رہو۔ اسی میں پڑے جھلستے رہو گے۔ کوئی ترکیب فائدہ نہ دے گی۔ کسی طرح چھوٹ نہ سکو گے۔ یہ خدا کا ظلم نہیں۔ بلکہ صرف تمہارے اعمال بد کا بدلہ ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَٰكِهِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَىٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾

متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں میں اور سامان عیش میں ہوں گے (اور) ان کو جو چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلہ میں تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں اور ہم ان کا گوری گوری بڑی آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کر دیں گے ○

جنت و نعیم:

اللہ تعالیٰ نیک بختوں کے انجام بیان فرما رہا ہے کہ عذاب و سزا سے محفوظ کر کے جنتیوں میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور ہر طرح خوش حال خوش دل ہیں۔ قسم قسم کے ماکولات' مشروبات' بہترین لباس' عمدہ عمدہ سواریاں بلند و بالا مکانات اور ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہیں۔ کسی قسم کا ڈر خوف نہیں۔ خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ تمہیں میرے عذاب سے نجات مل گئی۔ غرض دکھ سے دور سکھ سے مسرور' راحت ولذت میں مخمور ہیں۔ جو چیز سامنے آتی ہے' وہ ایسی ہے' جسے نہ کسی کان نے سنا ہو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو۔ نہ کسی دل پر خیال گزرا ہو۔ پھر خدا کی طرف سے بار بار مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو۔ خوش گوار خوش ذائقہ' بے تکلف مزیدار مرغوب چیزیں تمہارے لئے مہیا ہیں۔ پھر ان کا دل خوش کرنے حوصلہ بڑھانے اور طبیعت میں امنگ پیدا کرنے کے لئے ساتھ ہی اعلان ہوتا ہے کہ یہ تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم اس جہان میں کر آئے ہو۔ مرصع اور جڑاؤ شاہانہ تخت پر بڑی بے فکری اور فارغ البالی سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ستر ستر سال گزر جائیں گے۔ انہیں ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں یا ہلیں جلیں' بے شمار سلیقہ شعار ادب دان خدام ہر طرح کی خدمت کے لئے کمربستہ۔ جس چیز کو جی چاہے آن کی آن میں موجود۔ آنکھوں کا نور دل کا سرور وافراد موفور سامنے بے انتہا خوبصورت' خوب سیرت گورے گورے پنڈے والی اور بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی بہت سی حوریں' پاک دل عفت مآب عصمت کوش' دل بہلانے اور خواہش پوری کرنے کے لئے سامنے کھڑی۔ ہر ہر نعمت و رحمت ہر طرف بکھری ہوئی۔ پھر بھلا انہیں کس چیز کی کمی؟ ستر سال کے بعد جب دوسری جانب مائل ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اور ہی منظر ہے۔ ہر چیز نئی ہے۔ ہر نعمت پر جوبن ہے۔ اس طرف کی حوروں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کے نور کی چکا چوند حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ ان کی پیاری پیاری بھولی بھالی شکلیں اچھوتے پنڈے اور کنوار پتے کی شرمیلی نظریں اور جوانی کا بانکپن دل پر مقناطیسی اثر ڈالتا ہے۔ جنتی کچھ کہے' اس سے پہلے ہی

وہ اپنی شیریں کلامی سے عجیب انداز سے کہتی ہیں، شکر ہے کہ آپ کا التفات ہماری طرف بھی ہوا۔ غرض اسی طرح من مانی نعمتوں میں مست ہو رہے ہیں۔

پھر ان جنتیوں کے تخت باوجود قطار وار ہونے کے اس طرح نہ ہوں گے کہ کسی کو کسی کی پیٹھ ہو۔ بلکہ آمنے سامنے ہوں گے جیسے اور جگہ ہے: وَعَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ تختوں پر ہوں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے ان کے نکاح میں حوریں دے رکھی ہیں، جو کبھی دل میلا نہ کریں۔ جب آنکھ پڑے جی خوش ہو جائے اور ظاہری خوبصورتی کی تو کسی سے تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان کے اوصاف کے بیان کی حدیثیں وغیرہ کئی مقامات پر گزر بھی چکی ہیں۔ اس لئے انہیں یہاں وارد کرنا کچھ چنداں ضروری نہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ﴿۲۸﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا۔ ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال کو (کفریہ) میں محبوس (فی النار) رہے گا اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کا مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے (اور) وہاں آپس میں (بطور خوش طبعی کے) جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے۔ اس میں نہ بک بک لگے گی (کیونکہ نشہ نہ ہوگا) اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی اور ان کے پاس ایسے لڑکے آئیں جائیں گے۔ جو خالص ان ہی کے لئے ہوں گے۔ گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی) ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر یعنی دنیا میں انجام کار سے بہت ڈرا کرتے۔ سو خدا نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا۔ ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعا مانگا کرتے تھے۔ واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے ○

برکاتِ ایمان:

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مؤمنوں کی اولاد بھی ایمان میں

اپنے باپ دادوں کی راہ لگ جائیں۔ لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہوں' پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا' تا کہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں۔ ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی[1] ۔ بلکہ محسن ومہربان خدا انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں' ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی موجود ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے۔ یہ کہے گا' باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور ان کے لئے نیک اعمال کئے تھے۔ چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔ یہ بھی روایت کہ جنتیوں کی جس اولاد نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دی جائے گی لیکن ان کے جو چھوٹے بچے انتقال کر گئے تھے۔ وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما' شعبی' سعید بن جبیر' ابراہیم' قتادہ' ابو صالح' ربیع بن انس' ضحاک بن زید بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا' جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے۔ تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں۔ پھر جب ام المؤمنین کو غمگین دیکھا۔ تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں' تو تمہارے دل میں ان کا بغض ہو جاتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے۔ مؤمن مع اپنی اولاد کے جنت میں ہیں اور کافر اپنی اولاد سمیت جہنم میں ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالح کی وجہ سے اولاد کی رعایت۔ اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی ملاحظہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا درجہ جنت میں دفعتاً بڑھاتا ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ خدایا میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا۔ اس بنا پر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا۔ اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہے۔ گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اس طرح موجود ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم دین جن سے نفع پہنچتا رہے (۳) نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مؤمنوں کی اولاد کے درجے بلا عمل بڑھا دیئے جاتے ہیں۔ تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا۔ بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہوگا۔ باپ دادا کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا بوجھ باپ پر نہ ہوگا۔ جیسے اور جگہ ہے: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ...... (سورہ مدثر: ۳۸) ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے۔ مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے

---

[1] یہ اس وجہ سے تصریح فرمائی گئی کہ شاید بعض قاری یہ سمجھیں کہ اولاد کو اسلاف صالحین کے اعمال کے اجر سے کچھ دے دیا جائے اور اس طرح ان صالحین کے اجر میں کم آ جائے خدا تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اولاد کو اجر محض ہم اپنے فضل وکرم سے دیں گے جو ان کے آباء کے حسن عمل کی برکت ہوگی کسی کے اجر سے کاٹ کر دینا ہماری شان رحیمی کے قطعاً خلاف ہے نیز ذریت کے لفظ سے صرف اولاد بھی مراد نہیں بلکہ تمام ہی اعزہ واقارب ہیں جیسا کہ ایک حدیث صحیح سے ثابت ہے ہاں ان تمام کا مومن ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس قید کو اہتمام سے ذکر کیا ہے عمل میں بے شک یہ اپنے اسلاف سے پیچھے ہوں گے گویا کہ مؤمنین کو بشارت ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ وہ جنت میں چلے جائیں اور ان کی اولاد جہنم میں ہو اور اس طرح ان کا لفظ کر کرا ہو جائے۔

ہیں' وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں۔ جس چیز کو جی چاہے' جس پر دل آئے وہ یک دم موجود ہو جاتی ہے۔ شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہیں۔ جس کے پینے سے سرور اور کیف اور بہار حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بدزبانی بیہودہ گوئی نہیں ہوتی۔ ہذیان نہیں بکتے بے ہوش نہیں ہوتے۔ سچا سرور اور پوری خوشی حاصل۔ بک جھک سے دور۔ گناہ سے غافل' باطل و کذب سے دور۔ غیبت و گناہ سے نفور۔ دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہو گی کہ ان کے سر میں چکر' پیٹ میں درد۔ عقل غائب' بکواس بہت' بو بری' چہرے بے رونق' اسی طرح شراب کہ بدذائقہ اور بدبو۔ یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں دور ہے۔ یہ رنگ میں سفید' پینے میں خوش ذائقہ۔ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں۔ نہ بک جھک ہو۔ نہ بہکیں نہ بھٹکیں' نہ سر درد ہو نہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے۔ ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پی پلا رہے ہوں گے۔ ان کے غلام کمسن نو عمر بچے جو حسن و خوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بند رکھے گئے ہوں۔ کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں۔ ان کی آبداری' صفائی چمک دمک روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی ماند کر دیتے ہیں اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے: يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ...... (سورہ واقعہ: ۱۷) یعنی ہمیشہ نو عمر اور کم سن رہنے والے چھوٹے بچے آب خورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام جن کے پینے سے نہ درد سر ہو اور نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں' ان کے پاس بار بار لانے کے لئے ہر طرف کمربستہ پھر رہے ہیں۔ اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ دنیا کے احوال یاد آئیں گے۔ کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے اعزہ و اقارب میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذاب سے سخت لرزاں و ترساں تھے۔ الحمد اللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا۔ ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے ہیں۔ اس نے ہماری دعا قبول فرمائی اور ہمارا سوال پورا کر دیا۔ یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا۔ تو اُدھر اس دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہو گی۔ اس کا تخت اُڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے۔ اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے۔ دنیا کے ذکر چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی: اَللّٰهُمَّ مُنَّ عَلَيْنَا وَقِنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ اِنَّكَ اَنْتَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نماز کے اندر مانگی تھی؟ جواب دیا کہ ہاں۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾

تو آپ سمجھاتے رہیے کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں (جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں) ہاں کیا یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم منتظر رہو سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ کیا ان کی عقلیں ان کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ شریر لوگ ہیں۔ ہاں کیا یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر (اس دعویٰ میں) یہ سچے ہیں۔ ○

تبلیغ اور مسلسل جدوجہد:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہیں۔ ساتھ ہی بدکاروں نے جو بہتان آپ پر باندھ رکھے تھے ان سے آپ کی صفائی کرتا ہے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس کبھی کبھی کوئی خبر جن پہنچا دیتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ دین خدا کی تبلیغ کیجئے۔ الحمدللہ آپ نہ تو جنات والے ہیں۔ نہ جنون والے۔ پھر کافروں کا قول نقل فرماتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ایک شاعر ہیں انہیں کہنے دو جو کہہ رہے ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی سی کون کہے گا؟ ان کا یہ دین ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا۔ پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا جواب دینے کو فرماتا ہے کہ اچھا اُدھر تم انتظار کرتے ہو اِدھر میں بھی منتظر ہوں۔ دنیا دیکھ لے گی کہ انجام کار غلبہ اور لازوال کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے۔ دارالندوہ میں قریش کا مشورہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مثل اور شاعروں کے ایک شعر گو ہیں۔ انہیں قید کر لو۔ وہیں یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ جس طرح زہیر اور نابغہ شاعروں کا حشر ہوا۔ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ پھر فرماتا ہے کیا ان کی دانائی انہیں یہی سمجھاتی ہے؟ کہ وہ باوجود جاننے کے پھر بھی تیری نسبت غلط افواہیں اڑائیں اور بہتان بازی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش گمراہ اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں۔ دشمنی میں آ کر واقعات سے چشم پوشی کر کے آپ کو بلاوجہ برا بھلا کہتے ہیں۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود آپ بنا لیا ہے؟ فی الواقع ایسا تو نہیں۔ لیکن ان کا کفران کے منہ سے یہ غلط اور جھوٹ بات نکلوا رہا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو پھر یہ خود بھی مل جل کر ہی ایک ایسی بات بنا کر دکھا دیں۔ یہ کفار قریش تو کیا اگر ان کے ساتھ روئے زمین کے جنات و انسان مل جائیں جب بھی اس قرآن کی نظیر سے سب عاجز رہیں گے اور قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی قیامت تک نہیں بنا لا سکتے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ

كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝۴۲ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۳

کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ اس محکمہ (نبوت کے حاکم ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر وہ چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں تو ان میں جو (وہاں کی) باتیں سن آتا ہے وہ (اس پر) کوئی صاف دلیل پیش کرے کہ خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے (تجویز ہوں) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ تبلیغ احکام کا مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سو یہ کافر خود ہی (اس) برائی میں گرفتار ہوں گے۔ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے ○

سلطان مُبین:

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے کیا یہ بغیر موجد کے مَوجود[1] ہو گئے؟ یا یہ خود اپنے موجد آپ ہیں؟ دراصل دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ کچھ نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ والطور کی تلاوت کر رہے تھے میں کان لگائے سن رہا تھا۔ جب آپ مُصَيْطِرُوْنَ تک پہنچے تو میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میرا دل اُڑا جا رہا ہے (بخاری)۔ بدری قیدیوں میں یہ جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آئے تھے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ کافر تھے۔ قرآن پاک کا سننا ان کے اسلام کا ذریعہ بن گیا پھر فرماتا ہے کیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے یہ ہیں؟ یہ بھی نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ خود ان کا اور کل مخلوقات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر بھی یہ اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے۔ پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں تصرف ان کا ہے؟ ہر چیز کے خزانوں کے مالک کیا یہ ہیں؟ یا کیا مخلوق کے محاسب یہ ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ مالک و متصرف صرف اللہ عز و جل ہی ہے۔ وہ قادر ہے جو چاہے کر گزرے۔ پھر فرماتا ہے کیا اونچے آسمان تک چڑھ جانے کا کوئی زینہ ان کے پاس ہے؟ اگر یوں ہے تو ان میں سے جو وہاں پہنچ کر کلام سن آتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی آسمانی دلیل پیش کرے۔ لیکن نہ وہ پیش کر سکتا ہے نہ وہ کسی حقانیت کے پابند ہیں۔ یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ کیا حماقت ہے کہ اپنے لئے تو لڑکیاں ناپسند کریں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کریں۔ انہیں اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو غم

[1] ان مبارک الفاظ سے دہریت پر پوری ضرب لگا دی گئی یہی تو کہتے ہیں کہ ہم اور یہ عالم خود ہی پیدا ہو گیا حالانکہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز ممکن ہے یعنی نہ اس کا ہونا اور نہ ہی نہ ہونا ضروری اور ایسی چیزوں کو وجود میں لانے کے لئے کوئی طاقت ہونی چاہئے جو ان کے عدم پر ان کے وجود کو ترجیح دے تھوڑی دیر کے لئے سوچئے کہ ایک معمولی میز یا کرسی معدوم ہے تاوقتیکہ نجار و بڑھئی ان کے عدم پر ان کے وجود کو ترجیح نہ دے وہ وجود میں کیسے آ سکتے ہیں مگر حیرت کی بات ہے کہ ہر جگہ عقل ہی کو امام بنانے والے ان مسائل میں یہ بے تکی اور بے عقلی کی باتیں کیسے کرتے ہیں ایک جماعت فلاسفہ کی ایسی بھی گزری ہے کہ جس کا خیال ہے کہ واقعی عالم اپنی تخلیق میں کسی کا محتاج تھا لیکن وہ عالم خود اپنا خالق ہے کوئی دوسرا اس کا خلاق نہیں بھلا ان احمقوں سے کوئی دریافت کرے علت اور معلول ایک ہی حیثیت سے کس طرح جمع ہوں گے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ۲۷

کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس کی لڑکیاں بتلائیں۔ اتنا ہی نہیں' بلکہ پھر ان کی پرستش کریں۔ پس نہایت ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرماتا ہے کیا خدا کی لڑکیاں ہیں اور تمہارے لڑکے ہیں؟ پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اُجرت نہیں مانگتے۔ پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب دان ہیں؟ نہیں زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی غیب کی باتیں نہیں جانتا۔ کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بکواس کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو' مؤمنوں کو اور عام لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور وبال اُخروی سمیٹیں گے۔ پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ عزوجل تو شرکت سے مبرا اور شریک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے تو ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو جس میں ان کے ہوش اُڑ جائیں گے۔ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گی اور نہ (کہیں سے) ان کو مدد ملے گی اور ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے (جیسے قتل بدر) لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں اور آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور اُٹھتے وقت (مجلس سے یا سونے سے) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشا) اور ستاروں کے پیچھے ○

تہ بہ تہ بادل:

مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی اور ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ خدا کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی۔ یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا خدا کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گزر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق و یقین نہ ہوگا۔ بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ غلیظ ابر ہے۔ جو پانی برسانے کو آ رہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ...... (سورہ حجر:۱۴) اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہاں چڑھ جائیں' تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں' اگر ان کی خواہش کے مطابق

ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے' جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں چھوڑ دیجئے۔ قیامت کے دن خود انہیں معلوم ہو جائے گا۔ اس دن ان کی ساری فریب کاریاں رکھی کی رکھی رہ جائیں گی۔ کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی۔ آج جن کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں' اس دن سب کے منہ تکیں گے اور کوئی نہ ہوگا جو ان کی ذرا سی بھی مدد کر سکے۔ بلکہ ان کی طرف سے کچھ عذر بھی پیش کر سکے۔ یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہو اور یہاں اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی گزار لیں۔ بلکہ ان ناانصافوں کے لئے اس سے پہلے دنیا میں بھی عذاب تیار ہے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے: وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ سجدہ: ۲۱) یعنی ہم انہیں آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ تاکہ یہ رجوع کریں۔ لیکن ان میں کے اکثر بے علم ہیں۔ نہیں جانتے کہ یہ دنیوی مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوں گے اور خدا کی نافرمانیاں رنگ لائیں گی۔ یہی بے علمی ہے جو انہیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ گناہ پر گناہ ظلم پر ظلم کرتے جائیں پکڑے جاتے ہیں۔ عبرت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن پکڑ ہٹی' یہ پھر ویسے کے ویسے سخت دل بدکار بن گئے۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ منافق کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ جس طرح اونٹ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں کھولا؟ اسی طرح منافق بھی نہیں جانتا کہ کیوں بیمار ڈالا گیا؟ اور کیوں تندرست کر دیا گیا؟ اثر الٰہی میں ہے کہ میں کتنی ایک تیری نافرمانیاں کروں گا اور تو مجھے سزا نہ دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندے کتنی مرتبہ میں نے تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ ہوا۔ پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر کیجئے۔ ان کی ایذا ہی سے تنگ دل نہ ہو جایئے۔ ان کی طرف سے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ لایئے۔ سنیئے آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ آپ کی نگہبانی کے ذمہ دار ہم ہیں۔ تمام دشمنوں سے آپ کا بچانا ہمارے سپرد ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ آپ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تعریف بیان کیجئے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں۔ دوسرا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جب رات کو جاگیں۔ دونوں مطلب درست ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نماز کو شروع کرتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ (صحیح مسلم) یعنی اے اللہ تو پاک ہے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ تیرا نام برکتوں والا ہے۔ تیری بزرگی بہت بلند و بالا ہے' تیرے سوا معبود برحق اور کوئی نہیں۔ مسند احمد اور سنن میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محفوظ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص رات کو جاگے اور کہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پھر خواہ اپنے لئے بخشش کی دعا کرے خواہ جو چاہے طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر اس نے پختہ ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز بھی ادا کی تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری شریف اور سنن میں بھی ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' خدا تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کے بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے کھڑے ہونے کے وقت ہے۔ حضرت ابوالاحوص کا قول بھی یہی ہے کہ جب کسی مجلس سے اٹھنا چاہے تو یہ پڑھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ حضرت عطا بن ابورباحؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ان کا فرمانا ہے کہ اگر اس مجلس میں نیکی ہوئی ہے تو وہ اور بڑھ جاتی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جامع عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی کہ جب کبھی کسی مجلس سے کھڑے ہوں تو: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ پڑھو۔ اس کے راوی حضرت معمر فرماتے ہیں' میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے لیکن مسند

حدیثیں بھی اس بارے میں بہت سی ہیں۔ جن کی سندیں ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے وہاں کچھ بک جھک ہو اور کھڑا ہونے سے پہلے ان کلمات کو کہہ لے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے۔ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے (ترمذی) اس حدیث کو امام ترمذیؒ حسن صحیح کہتے ہیں۔ امام حاکم اسے مستدرک میں روایت کر کے فرماتے ہیں' اس کی سند شرط مسلم پر ہے۔ ہاں امام بخاریؒ نے اس میں علت نکالی ہے میں کہتا ہوں امام احمد' امام مسلم' امام ابو حاتم' امام ابو زرعہ' امام دارقطنی وغیرہ نے بھی اسے معلول کہا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج کی طرف کی ہے۔ مگر یہ روایت ابوداؤد میں جس سند سے منقول ہے اس میں ابن جریج ہیں ہی نہیں اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری عمر میں جس مجلس سے کھڑے ہوتے' ان کلمات کو کہتے۔ بلکہ ایک شخص نے پوچھا بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سے پہلے تو اسے نہیں کہتے تھے؟ آپؐ نے فرمایا' مجلس میں جو کچھ ہوا ہو' یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ یہ مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہؒ سے منقول ہے۔ نسائی۔ واللہ اعلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ یہ کلمات ایسے ہیں کہ جو انہیں کسی مجلس سے اُٹھتے وقت تین مرتبہ کہہ لے اس کے لئے یہ کفارہ ہو جاتے ہیں۔ مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں پڑھنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔ الحمد للہ میں نے ایک علیحدہ جزو میں ان تمام حدیثوں کو ان کے الفاظ کو ان کی سندوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کی علتیں بھی بیان کر دی ہیں اور اس کے متعلق جو کچھ لکھنا تھا' لکھ دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ رات کے وقت اس کی یاد اور اس کی عبادت تلاوت اور نماز کے ساتھ کرتے رہو۔ جیسے فرمان ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹) رات کے وقت تہجد پڑھا کرو۔ یہ تیرے لئے نفل ہے۔ ممکن ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر اُٹھائے۔ ستاروں کے ڈوبتے وقت سے مراد صبح کی نماز ہے' پہلے کی دو رکعتیں ہیں کہ وہ دونوں ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ ان سنتوں کو نہ چھوڑو' گو تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں۔ اسی حدیث کی اہمیت کی وجہ سے امام احمد کے بعض تلامذہ نے تو انہیں واجب کہا لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ سننے والے نے کہا ''کیا مجھ پر اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟'' آپؐ نے فرمایا نہیں' مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے۔ بخاری اور مسلم میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں سے کسی نفل کی بہ نسبت صبح کی دو سنتوں کے زیادہ پابندی اور نگرانی نہ کرتے تھے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صبح کے فرضوں سے پہلے کی یہ دو سنتیں ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے' اس سے بہتر ہے۔

تفسیر سورۃ النجم

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے سورت جس میں سجدہ تھا' سورہ والنجم اُتری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے جتنے اصحاب تھے۔ سب نے سجدہ کیا۔ لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹھی لے کر اسی پر سجدہ کر لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ اس کے بعد کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ یہ شخص اُمیہ بن خلف تھا۔ لیکن اس میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ دوسری روایت میں ہے کہ یہ شخص عتبہ بن ربیعہ تھا۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَسِتُّونَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۶۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

قسم ہے (مطلق) ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے۔ یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے نہ راہ (حق) سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہو لئے اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے ۝

قسم ہے ستارہ کی:

حضرت شعبی فرماتے ہیں' خالق اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھالے۔لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے کسی اور کسی قسم نہیں کھاسکتی (ابن ابی حاتم) ستارے کے جھکنے سے مراد فجر کے وقت ثریا ستارے کا غائب ہونا ہے۔بعض کہتے ہیں اس سے مراد زہرہ نامی ستارہ ہے۔حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔مراد اس کا جھڑ کر شیطان کی طرف لپکنا ہے اس قول کی اچھی توجیہہ ہوسکتی ہے۔مجاہد فرماتے ہیں اس جملہ کی تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے قرآن کی جب وہ اُترے۔اس آیت ہی کے مثل یہ آیت: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ...... (سورہ واقعہ: ۷۵) بھی ہے۔پھر جس بات پر قسم کھائی ہے اس کا بیان[۱] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیکی اور اور رشد والے ہدایت والے اور تابع حق ہیں۔وہ بے علمی کے ساتھ کسی غلط راہ پر لگے ہوئے یا باوجود علم کے ٹیڑھا راستہ اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں۔گمراہی والے نصرانیوں اور جان بوجھ کر خلاف حق کرنے والے یہودیوں کی طرح آپ نہیں۔آپ کا علم کامل' آپ کا عمل مطابق علم' آپ کا راستہ سیدھا' آپ عظیم الشان شریعت کے شارع آپ ﷺ اعتدال والی راہ حق پر قائم ہیں اور آپ کا کوئی قول کوئی فرمان اپنے نفس کی خواہش اور ذاتی غرض سے نہیں ہوتا۔بلکہ جس چیز کی تبلیغ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا حکم ہوتا ہے۔آپ ﷺ اسے ہی زبان سے نکالتے ہیں۔ جو وہاں سے کہا جائے وہ آپ کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔کمی بیشی زیادتی نقصان سے آپ کا کلام پاک ہوتا ہے۔مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں ہیں' مثل دو قبیلوں کے یا دو میں سے ایک قبیلے کی گنتی کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر۔اس پر ایک شخص نے کہا' کیا ربیعہ مضر میں سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ سے کہلوایا جاتا ہے۔مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' حضور صلی اللہ

[۱] خدا تعالیٰ قسموں میں جن چیزوں کو اختیار فرماتے ہیں ان میں اور واقعہ جو بیان کرنا چاہتے ہیں بڑی مناسبت اور ربط ہوتا ہے چنانچہ یہاں ستارہ کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ جس طرح ستارے اپنی چال اور سفر متعینہ راہوں پر ہی چلتے ہیں نہ ادھر ہوتے ہیں نہ ادھر اسی طرح پر نبی بھی جادہ اعتدال سے ادھر ادھر نہیں ہوتے ضلال کا مطلب یہ ہے کہ اپنے راستہ کو بالکل بھول جائے اور غوایت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راستہ تو بالکل نہ بھولے تاہم دوسرے راستہ کو جو اس کی منزل مقصود پر نہیں جاتا اپنی راہ سمجھ لے گویا کہ آنحضور ﷺ نہ ضلال میں مبتلا ہیں اور نہ غوایت میں صاحب کے لفظ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ ۲۴ گھنٹے کے تمہارے رفیق اور تمہارے درمیان میں موجود ہیں خود ان کو خوب دیکھ لو کہ ان کے فعل وعمل قول وکردار کسی میں عدم مطابقت پائی جاتی ہو۔

علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا[1]۔ پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ ایک انسان ہیں۔ کبھی کبھی غصے اور غضب میں کچھ فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو' خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میری زبان سے سوائے حق کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا' میں بجز حق کے اور کچھ نہیں کہتا۔ اس پر بعض صحابہؓ نے کہا' حضورؐ کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے۔ پیدائشی طاقتور ہے پھر وہ فرشتہ (اپنی) اصلی صورت پر (آپ کے روبرو) نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ فرشتہ آپ کے نزدیک آیا پھر اور نزدیک آیا۔ سو دو کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی تھی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو اور انہوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس فرشتے کو ایک اور دفعہ (صورت اصلیہ میں) دیکھا ہے سدرۃ المنتہٰی کے پاس اس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب اس سدرۃ المنتہٰی کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائب دیکھے ○

ایک معزز فرشتہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ...... (سورہ تکویر: ۱۹) یہ قرآن ایک معزز زور آور فرشتے کا قول ہے۔ جو مالک عرش کے ہاں باعزت سب کا مانا ہوا وہاں معتبر ہے۔ یہاں بھی فرمایا وہ قوت والا ہے۔ ذُوْ مِرَّةٍ کی ایک تفسیر تو یہی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ وہ خوش شکل ہے۔ حدیث میں بھی "مِرَّةٍ" کا لفظ آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ لینا' مال دار قوت والے تندرست پر حرام ہے۔ پھر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ یعنی

[1] گویا کہ تدوین اور کتابت حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی شروع ہو چکی تھی خدا تعالیٰ لعنت بھیجے منکرین حدیث پر کہ تمام احادیث کو بھی سازش قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث کی کتابت آپ کے ایک صدی بعد ہوئی اس لئے ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟

حضرت جبریل علیہ السلام بلند آسمان کے کناروں پر تھے جہاں سے صبح چڑھتی ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی صورت اصلی پر صرف دو دفعہ دیکھا ہے۔ ایک دفعہ آپ کی خواہش پر امین خدا اپنی صورت میں آپ کو دکھائی دیئے۔ آسمانوں کے تمام کنارے ان کے جسم سے ڈھک گئے تھے۔ دوبارہ اس وقت جب کہ آپ کو لے کر حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے تھے۔ یہ مطلب ہے: وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى کا۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے اس تفسیر میں ایک ایسا قول بیان کیا ہے جو کسی نے نہیں کہا۔ ان کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں بلند آسمانوں کے کناروں پر سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور یہ واقعہ معراج کی رات کا ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ کی اس رائے کی تائید کسی نے نہیں کی۔ گو امام صاحب نے عربیت کی حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے اور عربی قواعد سے یہ ہو بھی سکتا ہے۔ لیکن ہے یہ واقعہ کے خلاف۔ اس لئے کہ یہ دیکھنا معراج سے پہلے کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تھے۔ آپ کی طرف جبریل علیہ السلام اُترے تھے اور قریب ہو گئے تھے اور اپنی اصلی صورت پر تھے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ سدرۃ المنتہٰی کے پاس معراج والی رات میں دیکھا تھا۔ تو یہ دوبارہ کا دیکھنا تھا۔ لیکن پہلی بار کا دیکھنا تو شروع رسالت کے زمانہ کا ذکر ہے۔ پہلی وحی: اِقْرَاْ بِاسْمِ...... کی چند آیتیں آپ پر نازل ہو چکی تھیں۔ پھر وحی بند ہو گئی تھی۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا خیال بلکہ بڑا ملال تھا۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہاڑ سے گر پڑوں۔ لیکن ہر وقت آسمان کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام کی یہ ندا سنائی دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ خدا کے سچے رسول ہیں اور میں جبریل علیہ السلام ہوں آپ کا غم غلط ہو جاتا ہے۔ دل پُرسکون اور طبیعت میں قرار ہو جاتا۔ واپس چلے آتے۔ لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد شوق دامن گیر ہوتا اور وحی الٰہی کی لذت یاد آتی۔ تو نکل کھڑے ہوتے اور پہاڑ پر سے خود کو گرا دینا چاہتے اور اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام تسکین و تسلی کر دیا کرتے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابطح میں حضرت جبریل علیہ السلام اپنی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ چھ سو پر تھے۔ جسامت نے آسمان کے تمام کنارے ڈھک لئے تھے۔ اب آپ سے قریب آ گئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو سنائی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرشے کی عظمت و جلالت معلوم ہوئی اور جان گئے کہ خدا کے نزدیک یہ کس قدر بلند مرتبہ ہے۔ مسند بزار کی ایک روایت امام ابن جریر کے قول کی تائید میں پیش ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے راوی صرف حارث بن عبید ہیں' جو بصرہ کے رہنے والے مشہور شخص ہیں۔ ابو قدامہ ایازی ان کی کنیت ہے۔ مسلم میں ان سے روایتیں آئی ہیں۔ لیکن امام ابن معینؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں' یہ کوئی چیز نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں۔ امام ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ ان کی حدیثیں لکھ لی جاتی ہیں۔ لیکن ان سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ بڑے وہمی تھے۔ ان سے احتجاج درست نہیں پس یہ حدیث صرف ان ہی کی روایت سے ہے' تو علاوہ غریب ہونے کے منکر ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ کسی خواب کا ہو۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میں بیٹھا ہوا تھا' جو حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ میرے دونوں کاندھوں کے درمیان زور سے ہاتھ رکھا اور مجھے کھڑا کیا' میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے' جس میں پرندوں کے آشیانوں کی طرح بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ ایک میں تو حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ درخت بلند ہونے لگا۔ یہاں تک کہ میں آسمان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ میں دائیں بائیں کروٹیں بدلتا تھا اور اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر آسمان کو چھو لیتا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس وقت ہیبت خدا سے مثل بوریے کے بچھے جا رہے ہیں۔ اس وقت میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت و قدر کے علم میں

انہیں مجھ پر فضیلت ہے۔ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مجھ پر کھل گیا۔ میں نے بہت بڑا عظیم الشان نور دیکھا اور پردے کے پاس دریا قوت کو ہلتے اور حرکت کرتے دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی فرمانی چاہی وہ فرمائی۔ مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ہر ایک ایسا جس نے آسمان کے کنارے پر کر دیئے تھے ان سے زمرد اور موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے خواہش کی کہ میں آپ کو آپ کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو کوئی چیز اونچی اٹھتی ہوئی پھیلتی ہوئی نظر آئی جسے دیکھ کر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام فوراً آئے اور آپ کو ہوش میں لائے اور آپ کی باچھوں سے تھوک دور کیا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں۔ چنانچہ یہ آیا اور کہا ''اے محمد! پھر قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا۔ میں تو اس کا منکر ہوں۔'' چونکہ یہ نانہجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے۔ یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں۔ تو اس نے کہا بیٹا اب مجھے تیری جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اس کی دعا رد نہ جائے گی۔ اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا۔ شام کی سرزمین میں ایک راہب کے عبادت خانے کے پاس پڑاؤ کیا۔ راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں کے ریوڑ۔ تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابولہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو مخاطب کر کے کہا' دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں۔ اب تم سے آج میں عرض کرتا ہوں کہ تم سب اسے قبول کرو گے۔ بات یہ ہے کہ مدعیٔ نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے۔ تم سب اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرا دو۔ لوگوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ یہ اپنے سب جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا۔ تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس کا بھی منہ سونگھا اور گویا وہی اس کا مطلوب تھا۔ پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس وقت ابولہب کہنے لگا' اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے بعد یہ بچ نہیں سکتا۔ پھر فرماتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوئے اور زمین کی طرف اترے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان صرف دو کمانوں[1] کے برابر فاصلہ رہ گیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیکی ہو گئی۔ یہاں لفظ اَوْ جس کی خبر دی جاتی ہے' اس کے ثابت کرنے کے لئے آیا ہے اور اس پر جو زیادتی ہو' اس کی نفی کے لئے جیسے اور جگہ ہے' پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پس وہ مثل پتھروں کے ہیں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ یعنی پتھر سے کم کسی صورت میں نہیں۔ بلکہ اس سے بھی سختی میں بڑھے ہوئے ہیں اور فرمان ہے وہ لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے اَوْ اَشَدُّ خَشْيَةً بلکہ اس سے بھی زیادہ اور جگہ ہے' ہم نے ایک لاکھ کی طرف بھیجا

[1] عرب میں قاعدہ تھا کہ جب دو شخص کسی بات پر معاہدہ کرتے تو دونوں قریب ہو کر اپنی کمانوں کو باہم ملاتے یہاں تک کہ دونوں چلے مل جاتے اور کھینچ کر پھر ایک ساتھ دونوں سے تیر چلاتے اب قاب قوسین قرب اور اتصال کے لئے بطور محاورہ کے استعمال ہونے لگا ہے۔

بلکہ زیادہ کی طرف یعنی وہ ایک لاکھ سے کم تو تھے ہی نہیں بلکہ وہ حقیقتاً ایک لاکھ تھے یا اس سے ہی زیادہ۔ بس اپنی خبر کی تحقیق ہے۔ شک و تردد کے لئے نہیں۔ خبر میں خدا کی طرف سے شک کے ساتھ بیان نہیں ہوسکتا یہ قریب آنے والے حضرت جبریل علیہ السلام تھے جیسے اُم المومنین عائشہ ابن مسعود ابوذر ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فرمان ہے اور اس سلسلہ کی احادیث بھی عنقریب ہم ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ جن میں سے ایک دفعہ کا بیان اس آیت ثُمَّ دَنَا میں ہے اور دوسری بار کا ذکر حضرت انس والی معراج کی حدیث میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ رب العزت قریب ہوا اور نیچے آیا اور اسی لئے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور کئی ایک غرابتیں ثابت کی ہیں اور اگر ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح ہے تو بھی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جاسکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تھے نہ کہ معراج والی رات کا۔

کیونکہ اس کے بیان کے بعد ہی فرمایا ہے ہمارے نبی نے اسے ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے۔ پس یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس کا دیکھنا تو واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پہلی مرتبہ کا دیکھنا یہ زمین پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء نبوت کے وقت آپ نے خواب میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر آپ اپنی ضروری حاجت سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو سنا کہ کوئی آپ کا نام لے کر آپ کو پکار رہا ہے۔ ہر چند دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار آپ نے اوپر کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنے دونوں پاؤں میں سے ایک کو دوسرے سمیت موڑے ہوئے آسمان کے کناروں کو روکے ہوئے ہیں قریب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دہشت زدہ ہو جائیں کہ فرشتے نے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں ڈرو نہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبط نہ ہوسکا۔ بھاگ کر لوگوں میں چلے آئے۔ اب جو نظریں ڈالیں تو کچھ دکھائی نہ دیا۔ پھر وہاں سے نکل کر باہر گئے اور آسمان کی طرف نظر ڈالی تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام اسی طرح نظر آئے۔ آپ پھر خوف زدہ ہو کر لوگوں کے مجمع میں آ گئے۔ تو یہاں کچھ بھی نہیں۔ باہر نکل کر پھر جو دیکھا تو وہی سماں نظر آیا۔ پس اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تھا اور روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت جبریل پر دو ریشمی حلے تھے پھر فرمایا اس نے وحی کی۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف وحی کی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جبریل علیہ السلام کی معرفت وحی نازل فرمائی۔ دونوں معنیٰ صحیح ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی وحی: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا (سورہ ضحیٰ: ۶) اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (سورہ الشراح) تھی اور حضرات سے مروی ہے کہ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی تھی کہ نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ آپ اس میں نہ جائیں اور امتوں پر جنت حرام ہے جب تک کہ پہلے آپ کی امت داخل نہ ہو جائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں آپ نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھنے کو مطلق رکھا ہے۔ یعنی خواہ دل کا دیکھنا ہو خواہ ظاہری آنکھوں کا۔ یہ ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں۔ یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ انہوں نے ایک غریب قول نقل کیا ہے۔ اس لئے کہ صحابہؓ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ منقول نہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جیسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت

حسن اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کے اس قول میں تامل ہے' واللہ اعلم۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں' میں نے یہ سن کر کہا' پھر یہ آیت کہاں جائے گی۔ جس میں فرمان ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (سورہ انعام: ۱۰۳) اسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پالیتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے۔ ورنہ آپ نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ملاقات حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور انہیں پہچان لیا اور ان سے ایک سوال کیا جو ان پر بہت گراں گزرا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہمیں بنو ہاشم نے یہ خبر دی تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ باتیں کہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ اپنا دیدار کرایا۔ ایک مرتبہ حضرت مسروق حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا' تو نے تو ایسی بات کہہ دی' جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا ام المومنین' قرآن کریم فرماتا ہے آپ نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو' سنو اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام کا دیکھنا ہے۔ جو تم سے کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے کسی فرمان کو چھپا لیا یا آپ ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات جانتے تھے یعنی قیامت کب قائم ہو گی؟ بارش کب اور کتنی برسے گی؟ مادہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ؟ کون کل کیا کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ اس نے بڑی غلط بات کہی اور خدا پر بہتان باندھا۔ بات یہ ہے کہ آپ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ دو مرتبہ خدا کے اس امین کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ ایک تو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ جیاد میں۔ ان کے چھ سو پر تھے اور آسمان کے کل کنارے آپ نے بھر رکھے تھے۔ نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھی' اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''وہ سراسر نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے' میں نے نور دیکھا۔'' ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ کے اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا ''میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔'' پھر آپ نے آیت: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ پڑھی اور روایت میں ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ہاں دل سے دو دفعہ دیکھا ہے۔ پھر آپ نے آیت: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى پڑھی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' ہاں آپ نے دیکھا اور پھر دیکھا۔ سائل نے پھر حضرت حسن سے بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا' اس کے جلال و عظمت اور چادر کبریائی کو دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ یہ جواب دینا بھی منقول ہے کہ میں نے نہر دیکھی اور نہر کے پیچھے پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا۔ اس کے سوا میں نے کچھ نہیں دیکھا[1]۔ یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ اس کی اسناد شرط صحیح پر ہے۔ لیکن یہ حدیث خواب کا مختصر ٹکڑا ہے۔ چنانچہ طویل حدیث میں ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آج کی رات (راوی کہتا ہے میرے خیال میں) خواب میں آیا اور فرمایا ''اے محمدؐ! جانتے ہو بلند مقام والے

[1] تفصیلات اس سلسلہ کی سورہ اسراء کے حواشی میں گزر چکیں۔

فرشتے کس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا "نہیں"۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو بازوؤں کے درمیان رکھا۔ جس کی ٹھنڈک مجھے میرے سینے میں محسوس ہوئی۔ پس زمین و آسمان کی ہر چیز مجھے معلوم ہوگئی۔ پھر مجھ سے وہی سوال کیا۔ میں نے کہا اب مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ وہ ان نیکیوں کے بارے میں' جو گناہوں کے بارے میں کفارہ بن جاتی ہیں اور جو درجے بڑھاتی ہیں' آپس میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ مجھ سے حق جل شانہٗ نے پوچھا' اچھا پھر تم بھی بتلاؤ' کفارے کی نیکیاں کیا کیا ہیں۔ میں نے کہا نمازوں کے بعد مسجدوں میں رکے رہنا۔ جماعت کے لئے چل کر آنا۔ جب وضو ناگوار گزرتا ہو تو اچھی طرح مل مل کر وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا' وہ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور خیر کے ساتھ انتقال ہوگا اور گناہوں سے اس طرح الگ ہو جائے گا۔ جیسے آج دنیا میں آیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھو' یہ کہو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنَ وَاِذَآ اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً اَنْ تَقْبِضَنِیْ اِلَیْكَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ یعنی یا اللہ میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے برائیوں کے چھوڑنے' مسکینوں سے محبت رکھنے کی توفیق طلب کرتا ہوں۔ تو جب اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی اپنی طرف اٹھا لینا۔ فرمایا اور درجے بڑھانے والے اعمال یہ ہیں۔ کھانا کھلانا' اسلام پھیلانا' لوگوں کی نیند کے وقت رات کو تہجد پڑھنا۔ اسی کی مثل روایت سورہ ص کی تفسیر کے خاتمہ پر گزر چکی ہے۔ ابن جریر میں یہ روایت دوسری سند سے ہے۔ جس میں غربت والی زیادتی اور بھی بہت سی ہے۔ اس میں کفارہ کے بیان میں ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے پیدل چلنے کے قدم۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار۔ میں نے کہا یا اللہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور یہ یہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تیرا بوجھ ہٹا نہیں دیا اور فلاں فلاں احسان تیرے اوپر نہیں کیا اور دوسرے بھی ایسے احسان بتلائے کہ تمہارے سامنے ان کے بیان کی مجھے اجازت نہیں۔ اسی کا ذکر ان آیتوں: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی...... میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور میرے دل میں پیدا کر دیا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں اوپر عتبہ بن ابولہب کا یہ کہنا کہ میں اس قریب آنے والے اور نزدیک ہونے والے کو نہیں مانتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے بددعا کرنا اور شیر کا اسے پھاڑ کر کھانا بیان ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ ذرقہ میں یا سراۃ میں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرما دی تھی کہ یہ اس طرح ہلاک ہوگا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبارہ دیکھنا بیان ہو رہا ہے۔ جو معراج والی رات کا واقعہ ہے۔ معراج کی حدیثیں نہایت تفصیل کے ساتھ سورہ بنی اسرائیل کے شروع آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ جن کے دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بیان بھی گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما معراج والی رات دیدار الٰہی کے ہونے کے قائل ہیں۔ ایک جماعت خلف و سلف کا قول بھی یہی ہے اور صحابہ کی بہت سی جماعتیں اس کے خلاف ہیں۔ اسی طرح تابعین اور دوسرے بھی اس کے خلاف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کو ان کے پروں سمیت دیکھنا وغیرہ۔ اس قسم کی روایتیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پوچھنا اور آپ کا جواب بھی ابھی بیان ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہؓ نے اپنے اس جواب کے بعد: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ...... (سورہ انعام: ۱۰۳) تک کی تلاوت کی اور مَا كَانَ لِبَشَرٍ...... (سورہ شوریٰ: ۵۱) کی بھی تلاوت فرمائی۔ یعنی کوئی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی اور وہ سب

ل رکا رہنا یا دوسری نماز کے لئے یا فجر کے لئے اور مغرب کے بعد اوابین وغیرہ کے لئے لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہر نماز کے بعد بہ شرط فرصت و اطمینان و خاطر دوسری نماز کے انتظار میں رکنا کیونکہ حدیث میں ذکر عام نمازوں کا ہے کسی خاص نماز کا نہیں۔

نگاہوں کو پالیتا ہے۔ کسی انسان سے خدا کا کلام کرنا ممکن نہیں۔ ہاں وحی کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے سے ہو تو اور بات ہے۔ پھر فرمایا جو تم سے کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کی بات کا علم تھا' اس نے غلط اور جھوٹ کہا۔ پھر آیت: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (سورہ زخرف: ۸۵) آخر تک پڑھی اور فرمایا جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی کسی بات کو چھپالیا' اس نے بھی جھوٹ کہا اور تہمت باندھی۔ پھر آیت: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (سورہ مائدہ: ۶۷) پڑھی۔ یعنی اے رسول جو تمہاری جانب تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو۔ ہاں آپ نے حضرت جبریل کو ان کی اصلی صورت دو مرتبہ دیکھا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے سورہ نجم کی آیت: بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ اور نَزْلَةً اُخْرٰى والی آیت پڑھی۔ تو اس کے جواب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ اس امت میں سب سے پہلے ان آیتوں کے متعلق خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سوال کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس سے مراد میرا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا ہے۔ آپ نے صرف دو دفعہ اس امینِ خدا تعالیٰ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر آتے ہوئے۔ اس وقت تمام خلا ان کے جسم سے پر تھا۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ مسند احمد میں بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو ایک بات ضرور پوچھتا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا' کیا پوچھتے۔ کہا یہ کہ آپ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ سوال تو خود میں نے جناب رسالت مآب سے کیا تھا۔ آپ نے مجھے جواب دیا کہ میں نے اس کا نور دیکھا۔ وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث دو سندوں سے ہے۔ دونوں کے الفاظ میں کچھ معمولی فرق ہے۔ حضرت امام احمد فرماتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس حدیث کی کیا توجیہہ کروں۔ دل اس پر مطمئن نہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے تو دیدار کیا ہے آنکھوں سے نہیں۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں' عبداللہ بن شقیق اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان انقطاع ہی اور امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ممکن ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ سوال معراج کے واقعہ سے پہلے کا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ جواب دیا ہو۔ اگر یہ سوال معراج کے بعد آپ سے کیا جاتا تو ضرور آپ اس کے جواب میں ہاں فرماتے انکار نہ کرتے۔ لیکن یہ قول سراپا ضعیف ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ کا سوال تو قطعاً معراج کے بعد کا تھا۔ مگر آپ کا جواب اس وقت بھی انکار میں ہی رہا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق کیا گیا۔ یا یہ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ چنانچہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں یہی لکھا ہے تو دراصل یہ محض خطا ہے اور بالکل غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا ہے۔ لیکن آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ہاں حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر' اس وقت فرشتے بکثرت تھے اور نور خدا اس پر جگمگا رہا تھا اور قسم قسم کے رنگ' جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' معراج والی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ جو ساتویں آسمان پر ہے[1]۔

[1] چھٹے یا ساتویں آسمان پر یا چھٹے سے لے کر ساتویں اسمان تک پھیلا ہوا ہے تو ایک بیری کا درخت لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان یہ مرکز اتصال ہے یعنی عالم بالا سے جتنے احکام صادر ہوتے ہیں وہ پہلے اسی سدرہ پر پہنچتے ہیں اور وہاں سے دنیا میں اور ایسے ہی دنیا سے جو اعمال جاتے ہیں وہ پہلے سدرہ پر اور وہاں سے پھر عالم بالا کو آ[illegible] کے درخت کا انکار قطعاً غلط ہوگا اگر آج لوگ سائنس کی تحقیقات کے ذریعے چاند میں پہاڑ اور صحرا وغیرہ کی خبریں دے رہے ہیں تو پھر آسمان پر ایسی چیزوں کے ہونے میں کیا استبعاد ہے۔

زمین سے جو چیزیں چڑھتی ہیں وہ یہیں تک چڑھتی ہیں۔ پھر اُٹھالی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو چیزیں خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہیں' یہیں تک پہنچتی ہیں۔ پھر یہاں سے پہنچائی جاتی ہیں۔ اس وقت اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں لدی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچوں وقت کی نمازیں' (۲) سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور (۳) آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو' اس کے گناہوں کی بخشش (مسلم)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یا کسی اور صحابی سے روایت ہے کہ جس طرح کوے کسی درخت کو گھیر لیتے ہیں۔ اسی طرح اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر فرشتے چھا رہے تھے۔ وہاں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ جو مانگنا ہو مانگو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں' اس درخت کی شاخیں مروارید یاقوت اور زبرجد کی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور اپنے دل کی آنکھوں سے خدا کی زیارت بھی کی۔ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ آپ نے سدرہ پر کیا دیکھا؟ آپ نے فرمایا اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھانکے ہوئے تھیں اور ہر ہر پتے پر ایک ایک فرشتہ کھڑا ہوا خدا کی تسبیح کر رہا تھا۔ آپ کی نگاہیں دائیں بائیں نہیں ہوئیں۔ جس چیز کے دیکھنے کا حکم تھا وہیں لگی رہیں۔ ثابت قدمی اور کامل اطاعت کی یہ پوری دلیل ہے کہ جو حکم تھا وہی بجالائے۔ جو آپ کو دیا گیا' وہی لے کر خوش ہوئے۔ اسی کو ایک ناظم نے تعریفاً کہا ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ جیسے اور جگہ ہے: لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيَاتِنَا الْكُبْرٰى (سورہ طٰہٰ: ۲۳) اس لئے کہ ہم نے تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ جو ہماری کامل قدرت اور زبردست عظمت پر دلیل بن جائیں ان دونوں کو دلیل بنا کر اہل سنت کا مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو خدا کا دیدار اپنی آنکھوں سے نہیں کیا۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے کہ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اگر خود خدا کا دیدار کیا ہوتا تو اسی دیدار کا ذکر ہوتا اور لوگوں پر اسے ظاہر کیا جاتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خواہش پر' دوسری مرتبہ آسمان پر چڑھتے وقت' حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ نے ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پس جب حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو خبر دی' پھر اپنی اصلی صورت میں ہو گئے اور سجدہ ادا کیا۔ پس سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھنے سے مراد انہی کا دیکھنا ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں ہے اور غریب ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ

اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَرۡضٰی ۝۲۶

بھلا تم نے لات وعزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں اس حالت تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی یہ (معبودات مذکورہ) نرے نام ہی نام ہیں۔ جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل بھیجی نہیں (بلکہ) یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسولؐ) ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے۔ سو خدا کے ہی اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (کی بھی) اور بہت سے فرشتے آسمان میں موجود ہیں ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی۔ مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیں اور اس کے لئے شفاعت کرنے سے راضی ہوں ○

لات وعزیٰ:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ڈانٹ رہا ہے کہ وہ بتوں اور خدا کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خدا خانہ کعبہ بنایا ہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے معبودان باطل کے پرستش کدے بنا رہے ہیں۔ لات ایک سفید منقش پتھر تھا۔ جس پر قبہ بنا رکھا تھا۔ غلاف چڑھائے جاتے تھے۔ مجاور اور محافظ اور جاروب کش مقرر تھے۔ اس کے آس پاس کی جگہ کو مثل حرم کے حرمت و بزرگی والی جانتے تھے۔ اہل طائف کا یہ بتکدہ تھا۔ قبیلہ ثقیف اس کا پجاری اور اس کا متولی تھا۔ قریش کے سوا اور باقی سب لوگوں پر یہ فخر جتایا کرتے تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان لوگوں نے لفظ اللہ سے لفظ ''لات'' بنایا تھا گویا اس کا مؤنث بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام شریکوں سے پاک ہے۔ ایک قراءت میں لفظ ''لات'' تے کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی گھولنے والا۔ اس کو لات اس لئے کہتے تھے کہ یہ ایک نیک شخص تھا۔ موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی اور رفتہ رفتہ اس کی عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح لفظ ''عزیٰ'' لفظ عزیز سے لیا گیا ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں یہ ایک درخت تھا۔ اس پر قبہ بنا ہوا تھا۔ چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ قریش اس کی عظمت کرتے تھے۔ ابوسفیان نے احد والے دن بھی کہا تھا۔ ''ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا نہیں''۔ جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوایا تھا 'اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا کوئی بھی تو والی نہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھا بیٹھے' اسے چاہئے کہ فوراً لا الٰہ الّا اللہ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آ و جوا کھیلیں سے صدقہ کرنا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی۔ تو اب اسلام کے بعد بھی اگر کسی کی زبان سے عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہئے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اسی طرح لات وعزیٰ کی قسم کھا بیٹھے۔ جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپؐ نے فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھ لو اور تین مرتبہ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا کہ اور مدینے کے درمیان قدید کے پاس مشلل میں مناۃ تھا۔ قبیلہ خزاع اور اوس اور خزرج جاہلیت میں اس کی بہت عظمت کرتے تھے۔ یہیں سے احرام باندھ کر وہ حج کعبہ کے لئے جاتے تھے۔ اسی طرح علاوہ ان تین کے اور بھی بہت سے بت اور تھان تھے۔ جن کی عرب لوگ پرستش کرتے تھے اور بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے لیکن چونکہ ان تین کی شہرت بہت زیادہ تھی۔ اس لئے یہاں صرف ان تین کا بیان فرمایا۔ ان مقامات کے یہ لوگ طواف بھی

کرتے تھے۔ قربانیوں کے جانور وہاں لے جاتے تھے۔ ان کے نام پر جانور چڑھاتے تھے۔ باوجود اس کے کہ یہ سب لوگ کعبہ کی حرمت وعظمت کے قائل تھی۔ اسے مسجد ابراہیم مانتے تھے اور اس کی خاطر خواہ توقیر کرتے تھے۔ سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ قریش اور بنو کنانہ عزیٰ کے پجاری تھے جو نخلہ میں تھا۔ اس کا نگہبان اور متولی قبیلہ بنو شیبان تھا۔ جو قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنو ہاشم کے ساتھ ان کا بھائی چارہ تھا۔ اس بت کے توڑنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہتے جاتے تھے:

يَا عُزّٰى كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ ☆ اِنِّي رَاَيْتُ اللّٰهَ قَدْ اَهَانَكِ

"یعنی اے عزیٰ میں تیرا منکر ہوں تیری پاکی بیان کرنے والا نہیں ہوں۔ میرا ایمان ہے تیری عزت کو خدا نے خاک میں ملا دیا۔"

یہ ببول کے تین درختوں پر تھا۔ وہ درخت کاٹ ڈالے اور قبہ ڈھا دیا اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر دوبارہ واپس جاؤ۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوبارہ تشریف لے جانے پر وہاں کے محافظ اور خدام نے بڑے بڑے مکروفریب کئے اور خوب غل مچا مچا کر یا عزیٰ یا عزیٰ کے نعرے لگائے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دیکھا کہ ایک ننگی عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے۔ آپ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا عزیٰ یہی تھی۔ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا۔ جو طائف میں تھا۔ اس کی تولیت اور مجاورت بنو معتب میں تھی۔ یہاں اس کے ڈھانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صخر بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے اسے معدوم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی۔ مناۃ اوس وخزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا۔ یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور آپ اس کے ریزے ریزے کر گئے۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں یہ کفرستان فنا ہوا۔ ذوالخلصہ نامی بت خانہ اوس اور خثعم اور جیلہ کا تھا اور جو لوگ ان کے ہم وطن تھے۔ یہ تبالہ میں تھا اور اسے یہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور مکہ کے کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فنا ہوا۔ قلس نامی بت خانہ قبیلہ طے اور ان کے آس پاس کے عربوں کا تھا۔ یہ جبل طے میں سلمیٰ اور اجا کے درمیان تھا۔ اس کے توڑنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ آپ نے اسے توڑ دیا اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے تھے۔ ایک اسوب اور دوسری محرم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں انہی کو دے دیں۔ قبیلہ حمیر اور اہل یمن نے اپنا بت خانہ صنعا میں ایام نامی بنا رکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا اور وہ دو حمیری جو تبع کے ساتھ نکلے تھے۔ انہوں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس بت خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ضا نامی بت کدہ بنو ربیعہ سعد کا تھا۔ اس کو مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے اسلام میں ڈھایا۔ ابن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو تیس سال کی ہوئی تھی۔ جس کا بیان انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ذوالکعات نامی صنم خانہ بکر اور تغلب ربا دقبیلہ کا سنداد میں تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تمہارے لئے تو لڑکے ہوں اور خدا کی لڑکیاں ہوں؟ کیونکہ یہ مشرکین فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں سمجھتے تھے۔ تو اللہ فرماتا ہے اگر تم آپس میں تقسیم کرو اور کسی کو صرف لڑکیاں اور کسی کو صرف لڑکے دو تو بھی وہ راضی نہ ہو گا اور یہ تقسیم ناانصافی سمجھی جائے گی چہ جائیکہ تم خدا کے لئے لڑکیاں ثابت کرو اور خود تم اپنے لئے لڑکے پسند کرو۔ پھر فرماتا ہے ان کو تم نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے معبود ٹھہرا کر جو چاہا نام گھڑ لیا۔ ورنہ دراصل نہ وہ معبود ہیں نہ کسی ایسے نام کے مستحق ہیں۔ خود یہ لوگ بھی ان کی پوجا

پاٹ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔صرف اپنے بڑوں کی تقلید میں جوانہوں نے کیا تھا یہ بھی کر رہے ہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ باوجود دلیل آ جانے کے خدا کی باتیں واضح ہو جانے کے پھر بھی باپ دادا کی غلط راہ کو نہیں چھوڑتے۔ پھر فرماتا ہے کیا ہر انسان کی تمنا خواہ مخواہ پوری ہوتی ہے؟ جو کہے میں حق پر ہوں تو کیا وہ حق پر ہی ہو گا؟ تم گو دعوے لمبے چوڑے ہی کرو۔لیکن دعووں سے مراد اور مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی چیز کی خواہش کرتے وقت سوچ لیا کرو کہ کیا خواہش کر رہے ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ اس خواہش پر تمہارے لئے لکھا جائے گا۔ تمام اُمور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ دنیا اور آخرت میں تصرف اسی کا ہے۔ جو اس نے چاہا۔ ہو رہا ہے اور جو چاہے گا ہو گا۔ پھر فرماتا ہے کہ بغیر اجازت خدا تعالیٰ کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی کسی کے لئے سفارش کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا۔ جیسے فرمایا: مَنْ ذَالَّذِیْ...... (سورہ بقرہ: ۲۵۵) کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ اس کے فرمان کے بغیر کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے سکتی۔ پس جب کہ بڑے بڑے قریبی فرشتوں کا یہ حال ہے تو پھر اے ناواقفو! تمہارے یہ بت اور تھان کیا نفع پہنچا دیں گے؟ ان کی پرستش سے خدا روک رہا ہے تمام رسول اور کل آسمانی کتابیں خدا کے سوا اوروں کی عبادت سے روکنا اپنا عظیم الشان مقصد بتاتی ہیں۔ پھر بھی تم ان کو اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو۔ کس قدر غلط راہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۳۰﴾

اور (اس کے لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق (کے اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔ تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کو کوئی (اخروی مطالبہ) مقصود نہ ہو۔ ان لوگوں کی فہم کی رسائی کی حد بس (یہی دنیوی زندگی) ہے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے ○

بے حقیقت نام:

اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ...... (سورہ زخرف: ۱۹) یعنی خدا کے مقبول بندوں فرشتوں کو انہوں نے لڑکیاں ٹھہرا دیا ہے۔ کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟ ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پرستش کی جائے گی۔ یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے زنانہ نام رکھتے ہیں۔ جو ان کی بے علمی کا نتیجہ ہے۔ محض جھوٹ کھلا بہتان بلکہ صریح شرک ہے۔ یہ صرف ان کے خیالات ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ظنیات حق کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ حدیث شریف میں ہے' گمان سے بچو' گمان بدترین جھوٹ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ حق سے

اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کرلیں۔ ان کا منتہائے نظر صرف زندگانی دنیا ہے[1] اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا۔ ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جو (آخرت میں) کنگال ہو۔ اسے جمع کرنے کی دھن میں وہ رہتا ہے۔ جو عقل سے خالی ہو۔ ایک منقول دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا پروردگار تو ہماری اہم تر کوشش اور تمہارے نظر اور مقصدِ معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر۔ پھر فرماتا ہے کہ جمیع مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے صحیح طور پر وہی واقف ہے۔ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ضلالت دے۔ سب کچھ اس کی قدرت اور علم اور حکمت سے ہو رہا ہے۔ وہ عادل ہے اپنی شریعت میں اور اندازہ مقرر کرنے میں ظلم اور بے انصافی نہیں کرتا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

اور جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام کار یہ ہے کہ برا کام کرنے والوں کو ان کے (برے) کام کے عوض میں (خاص طور کی) جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض میں جزا دے گا۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی باتوں سے (بالخصوص زیادہ) وہ بچتے ہیں۔ مگر ہلکے ہلکے گناہ۔ بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے وہ تم کو (اور تمہارے احوال کو اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (بس) تقویٰ والوں کو وہ ہی خوب جانتا ہے ○

یہ زمین و آسمان:

مالک زمین و آسمان بے پروائے مطلق شہنشاہِ حقیقی عادل و خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے ہر کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا۔ نیکی پر نیک جزا اور بدی پر بری سزا وہی دے گا۔ اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں۔ جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے گناہوں اور بدکاریوں و نالائقیوں سے الگ رہیں۔ ان سے بمقتضائے بشریت اگر کبھی کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو جائے تو پروردگار پردہ پوشی کرتا ہے

[1] اور یہی دلیل ہے ان کے احمق اور سفیہ ہونے کی بھلا جو لوگ اس عالم دنیا ہی کو اپنا مقصد بنالیں ظاہر ہے کہ ان کی نظر کس قدر سطحی اور ان کی طلب و جستجو کتنی محدود ہوگی اس کو تو ایسا سمجھئے کہ کسی شخص کو ایک لاکھ کی خطیر رقم بھی ملنے والی ہو اور چند کوڑیاں بھی اور وہ لاکھوں کی رقم کو چھوڑ کر کوڑیوں کو اپنا منتہائے نظر بنالے آپ کیا کہیں گے ایسے شخص کے بارے میں یہی نا کہ احمق ہے پس اصل کوشش تو ہونی چاہئے عالم آخرت کے لئے جو اس دنیا کے بعد شروع ہوگا اور جو لازوال و غیر فانی ہے اور انہوں نے طلب شروع کردی اس فانی دنیا کی جو ہر وقت اور ہر لمحہ زوال پذیر ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴿۲۷﴾

اور معاف فرما دیتا ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ...... (سورہ نساء: ۳۱) اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے پاک دامن رہے جن سے تمہیں روک دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیوں کو معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہاں بھی فرمایا مگر چھوٹی چھوٹی لغزشیں اور انسانیت کی کمزوریاں معاف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''لمم'' کی تفسیر میرے خیال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث سے زیادہ اچھی کوئی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے۔ جسے وہ یقیناً پا کر ہی رہے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا بولنا ہے۔ دل اُمنگ اور آرزو کرتا ہے۔ اب شرمگاہ خواہ اسے سچا کر دکھائے یا جھوٹا (صحیحین) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنکھوں کا زنا نظر کرنا ہے اور ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا اور ہاتھوں کا زنا پکڑنا اور پیروں کا زنا چلنا ہے اور شرمگاہ اسے سچا کرتی ہے یا جھوٹا کرتی ہے۔ یعنی اگر شرمگاہ کو نہ روک سکا اور بدکاری کر بیٹھا ہے تو سب اعضاء کا زنا ثابت اور اگر اپنی اس عضو کو روک لیا تو وہ ''لمم'' میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''لمم'' ''بوسہ لینا' چھیڑنا اور مَس کرنا ہے اور جب شرمگاہیں مل گئیں تو غسل واجب ہو گیا اور زنا کا گناہ ثابت ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملہ کی تفسیر یہی منقول ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں' گناہ سے آلودگی ہو تو ''لمم'' میں داخل ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا ۞ وَاَیُّ عَبْدٍ لَّكَ مَا اَلَمَّا

اے اللہ جب تو معاف فرماتا ہے تو سب ہی کچھ معاف فرما دے۔ ورنہ یوں آلودۂ عصیان تو ہر انسان ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں' اہل جاہلیت اپنے طواف میں عموماً اس شعر کو پڑھا کرتے تھے۔ ابن جریر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شعر کو پڑھنا منقول ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہمیں اس کی پسند معلوم نہیں۔ صرف اسی سند سے مرفوعاً منقول ہے۔ ابن ابی حاتم اور بغوی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ بغوی نے اسے سورہ تنزیل میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مراد یہ ہے کہ زنا سے نزدیکی ہونے کے بعد توبہ کرے اور پھر نہ لوٹے۔ چوری کے قریب ہو جانے کے بعد چوری نہ کی اور توبہ کر کے لوٹ آیا۔ اسی طرح شراب پینے کے قریب ہو کر شراب نہ پی اور توبہ کر کے لوٹ آیا۔ یہ سب الماِم ہیں۔ جو ایک مؤمن کو معاف ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت میں صحابہؓ سے عموماً اس کا مروی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' مراد اس سے شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' دو حدوں کے درمیان ہو' حد زنا اور عذاب آخرت۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جو دو حدوں کے درمیان ہو حد دنیا اور حد آخرت' نماز میں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ ہر واجب کر دینے والی سے کم ہے حد دنیا تو وہ ہے جو کسی گناہ پر خدا تعالیٰ نے دنیوی سزا مقرر کر دی ہے اور حد آخرت وہ ہے کہ جس چیز پر خدا نے جہنم واجب کر دی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مقرر نہیں کی۔ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے۔ ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے۔ جیسے فرمان ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا...... (سورہ زمر: ۵۳) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہارے حال کا علم رکھنے والا ہر کلام کو سننے والا اور تمہارے تمام تر اعمال سے واقف ہے۔ جب کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا اور ان کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو نکالا۔ جو چیونٹیوں کی طرح پھیل گئی۔ پھر ان کی تقسیم کر کے دو گروہ بنا

دیئے۔ ایک جنت کے لئے اور ایک جہنم کے لئے اور جب کہ تم اپنی ماں کے پیٹ میں بچے تھے۔ اس کے مقرر کردہ فرشتے نے روزی نیکی بدی لکھ لی بہت سے بچے پیٹ ہی سے گر جاتے ہیں۔ بہت سے دودھ پینے کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں۔ بہت سے دودھ چھٹنے کے بعد بلوغت سے پہلے ہی چل بستے ہیں۔ بہت سے عین جوانی میں دار دنیا خالی کر جاتے ہیں۔ اب جبکہ ہم ان تمام منازل کو طے کر چکے اور بڑھاپے میں آ گئے۔ جس جس کے بعد کوئی منزل موت کے سوا نہیں۔ اب بھی اگر ہم نہ سنبھلیں تو ہم سے بڑھ کر غافل کون ہے؟ خبردار تم اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ اپنے نیک اعمال کی تعریفیں نہ کرنے بیٹھ جاؤ۔ خود کی تعریف کرنے نہ لگو۔ جس کے دل میں رب کا ڈر ہے اس کو رب ہی خوب جانتا ہے اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (سورہ نساء: ۴۹) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا' جو اپنے نفس کے پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ خدا کے ہاتھ ہے جسے وہ چاہے برتر اعلیٰ اور پاک صاف کر دے۔ کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ محمد بن عمرو بن عطا فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی لڑکی کا نام برہ رکھا تو مجھ سے حضرت زینب بنت ابوسلمہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام سے منع فرمایا ہے۔ خود میرا نام بھی برہ تھا۔ جس پر آپ نے فرمایا "تم خود اپنی برتری اور پاکی آپ بیان نہ کرو۔ تم میں سے نیکی والوں کا علم پورے طور پر خدا ہی کو ہے۔" لوگوں نے کہا پھر ہم اس کا نام کیا رکھیں؟ فرمایا زینب نام رکھو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے ایک شخص کی بہت تعریفیں بیان کیں آپ نے فرمایا افسوس تو نے اس کی گردن ماری۔ کئی مرتبہ یہی فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو یوں کہو میرا گمان فلاں شخص کے بارے میں ایسا ہے۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ پھر اپنی معلومات بیان کرو۔ خود کسی کی پاکیزگیاں بیان کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ ابوداؤد مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان کی تعریفیں بیان کرنا شروع کیں۔ اس پر حضرات مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے منہ میں مٹی بھرنے لگے اور فرمایا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ہم تعریفیں کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دیں۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کر دیا کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی (اور وہ مضمون) یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا اور یہ کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا○

ذرا اِن کو بھی دیکھئے:

اللہ تعالیٰ ان کو لوگوں کی مذمت کر رہا ہے۔ جو خدا کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیں۔ سچائی نہ کریں۔ نہ نمازیں ادا کریں۔ بلکہ جھٹلائیں اعراض کریں۔ راہِ خدا میں بہت ہم کم دیں۔ دل کو نصیحت قبول کرنے والا نہ بنائیں۔ کبھی کچھ کہنا مان لیا۔ پھر رسیاں کاٹ کر الگ ہو گئے۔ عرب ''اکدیٰ'' اس وقت کہتے ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ کنواں کھود رہے ہوں۔ درمیان میں کوئی سخت چٹان آ جائے اور وہ کھودنا چھوڑ دیں۔ فرماتا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے۔ جس سے اس نے جان لیا کہ اگر میں راہِ خدا میں اپنا زور مال دوں گا تو خالی ہاتھ رہ جاؤں گا؟ یعنی دراصل یوں نہیں بلکہ یہ صدقہ سے نیکی سے اور بھلائی سے ازروئے بخل اور حمع اور خودغرضی اور نامرادی اور بےدلی رک رہا ہے۔ حدیث میں ہے ''اے بلال خرچ کر اور عرش والے سے فقیر بنا دینے کا ڈر نہ رکھ۔'' خود قرآن کریم میں ہے: وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ (سورہ سبا: ۳۹) تم جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ دے گا اور وہی بہترین رزاق ہے ''وفی'' کے معنی ایک تو یہ کئے گئے ہیں کہ انہیں حکم کیا گیا تھا' وہ سب انہوں نے پہنچا دیا۔ دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے کہ جو حکم ملا اسے بجا لائے۔ ٹھیک یہ ہے کہ یہ دونوں ہی معنی ہیں۔ جیسے کہ دوسرے آیت میں ہے: وَاِذِ ابۡتَلٰۤی...... (سورہ بقرہ: ۱۲۴) ابراہیم علیہ السلام کو جب کبھی جس کسی آزمائش کے ساتھ اس کے رب نے آزمایا۔ آپ نے کامیابی کے ساتھ اس کو پورا کیا۔ یعنی ہر حکم بجا لائے ہر ممنوع سے رکے رہے۔ رب کی رسالت پوری طرح پہنچا دی۔ پس خدا نے انہیں امام بنا کر دوسروں کو اس کا تابعدار بنا دیا۔ جیسے ارشاد ہوا ہے: ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ (سورہ نحل: ۱۲۳) ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر۔ جو مشرک نہ تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر روز وہ دن نکلتے ہی چار رکعت ادا کیا کرتے تھے۔ یہی ان کی وفاداری تھی۔ ترمذی میں ایک حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم اول دن میں تو میرے لئے چار رکعت نماز ادا کر لے۔ میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے لفظ ''وفی'' اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ ہر صبح و شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ (سورہ روم: ۱۷) یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ختم کی۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ صحف ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام میں کیا تھا؟ ان میں یہ تھا کہ جس کسی نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ مثلاً شرک و کفر کیا یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کیا تو اس کا وبال خود اس پر ہے۔ اس کا یہ بوجھ کوئی اور نہ اُٹھائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ...... (سورہ فاطر: ۱۸) اگر کوئی بوجھل اپنے بوجھ کی طرف کسی کو بلائے گا۔ تو اس میں سے کچھ نہ اُٹھایا جائے گا۔ اگرچہ وہ قرابت دار ہو۔ ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ انسان کے لئے صرف وہی ہے جو اس نے حاصل کیا۔ یعنی جس طرح اس پر دوسرے کا بوجھ نہیں لادا جائے گا۔ دوسرے کی بداعمالیوں میں اسے نہیں پکڑا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے کی نیکی بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچایا جائے تو نہیں پہنچتا[1]۔ اس لئے کہ نہ تو یہ

[1] مفسر ابن کثیرؒ نے جیسا کہ لکھا ہے یہ مذہب کہ ایصال ثواب مردہ کے حق میں مفید نہیں صرف صیدنا الشافعی الامامؒ واسعۃ کا ہے بخلاف سید الائمہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام احمدؒ اور جمہور امت کی رائے یہ ہے کہ ایصال ثواب اموات کے حق میں یقیناً مفید ہے گویا کہ امام شافعیؒ اپنے خیال میں بالکل منفرد اور تنہا ہیں جیسا کہ امام المفسرین قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی لکھا ہے: قال الشافعی لا یثاب احد بعمل غیرہ و قال ابو حنیفہؒ و مالك و احمد و جمهور الخلف والسلف بخلاف ذلك جمہور امت کی جانب سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بہت سے دلائل پیش کئے گئے ہیں سب سے پہلے تو یہ کہ یہ آیت یعنی =

ان کا عمل ہے نہ کسب۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس کا جواز بیان کیا نہ اپنی امت کو اس پر رغبت دلائی نہ انہیں اس

......= لیس للانسان الا ما سعٰی کہ کوئی دوسرے کی کوشش سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور جو امام شافعیؒ کے مسلک کی سب سے بڑی دلیل ہے آیت:
الذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم کہ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان لانے میں ان کی شریک رہے انجام و آخرت میں ہم اس مومن اولاد کو ان کے مومن آباء کے ساتھ کردیں گے سے منسوخ ہے اور ان کی اولاد بھی ایمان لانے میں ان کی شریک رہے انجام و آخرت میں ہم اس مومن اولاد کو ان کے مومن آباء کے ساتھ کردیں سے سے منسوخ ہے کیونکہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے آباء کے حسن اعمال اخلاف و اولاد کے لئے مفید ہیں یہ خیال اور رائے صحابی رسول مفسر القرآن سیدنا ابن عباسؓ کا ہے اور ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد عکرمہ کی رائے میں آیت: لیس للانسان الا ما سعٰی قوم ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ مخصوص ہے یعنی ان کی قوم میں ایسا تھا کہ کسی کا حسن عمل دوسرے کے لئے مفید نہیں تھا اور نہ امت محمدیہ علی صاحب الصلوۃ والسلام کے لئے یہ حکم نہیں اس امت میں ایک کا حسن عمل دوسرے کے لئے مفید ہے تفسیر مظہری میں ہے کہ: قال عکرمہ انھا خاصۃ بقوم ابراھیم و موسی فاما ھذہ الامتہ فلھا ما سعت و ما سعی لھا بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ الانسان سے صرف کافر مراد ہے یعنی کفار دوسرے کے اعمال سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بہرحال یہ تو دلائل ہیں امام شافعی کے جواب میں اور رہے وہ دلائل جو ایصال ثواب کے لئے مفید ہونے کے سلسلہ میں معتبر ہیں ان کی تفصیل یہ ہے محدث ابونعیم نے ایک حدیث حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی مومن مرجاتا ہے تو اس پر متعین فرشتے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے بار الٰہی آپ نے ہم کو اپنے بندہ پر متعین فرما رکھا تھا ہم اس کے اعمال لکھتے تھے اب آپ نے اس کی روح قبض کرلی ہے سو ہم کو پھر زمین پر بھیج دیجئے اللہ تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ میری زمین تو ایسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے جو کہ میری تسبیح کرتے ہیں سو تمہاری ضرورت نہیں لیکن تم میرے اسی مردہ بندہ کی قبر پر قیام کرو اور میری تسبیح تہلیل وتکبیر کرتے رہو اور اپنے اس عمل کو مردہ کے اعمال میں درج کرتے رہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کا عمل مفید ہے دیکھئے فرشتے عمل کریں گے اور شمار ہوگا وہ بندہ مومن کا حسن عمل اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حدیث ابوہریرہؓ موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے ہاں تین چیزیں باقی رہ جاتی ہیں ایک صدقہ جاریہ مثلاً کنواں تیار کرانا' مسافر خانہ بنوانا' سبیل لگانا' مدرسہ جاری کرنا وغیرہ دوسرے اس کا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے مثلاً تصانیف اور تلامیذ کا سلسلہ یا اولاد صالح جو اپنے والدین کے لئے دعا مغفرت کرتی رہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایصال ثواب قطعاً مفید ہے کیونکہ حدیث میں اولاد صالح ثواب کو مقبول اور کارآمد والدین کے بتایا گیا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت جمہور امت کے نظریہ کی صحت کا ہوسکتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے بندہ مومن مردہ کا اچانک مقام فردوس بریں میں بلند کردیا جاتا ہے تو وہ حیرت سے پوچھتا ہے کہ یا اللہ یہ اچانک کیا معاملہ پیش آیا؟ اس پر خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد کی دعائے مغفرت کی وجہ سے یہ ترقی مرتبہ و درجہ ہوئی اس سے زیادہ صاف حدیث اور کیا ملے گی نیز حضرت ابن عباسؓ نے روایت فرمائی ہے کہ مردہ کا حال قبر میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ڈوبتے والا جو تنکے کے سہارے کا بھی متلاشی ہوتا ہے وہ ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا منتظر رہتا ہے والدین کی طرف سے یا اپنی اولاد کی طرف سے یا اپنے دوست کی جانب سے اور جب یہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو مردہ کے لئے یہ دعا دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ کارآمد اور محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ دعائے مغفرت کو قبروں میں بڑھا کر پہاڑوں کی طرح داخل فرماتے ہیں اور یاد رکھو کہ سب سے بڑا ہدیہ مردہ کے لئے دعائے مغفرت ہے حدیث میں قطعاً تصریح ہے کہ عمل دوسرے کا مفید ہے ایک اور حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ میری امت امت مرحومہ ہے یہ قبروں میں گناہ لے کر جائیں گے اور پھر مومنین کی دعاؤں کے نتیجہ میں قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسا کہ گناہ کیا ہی نہیں تھا۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ کی ایک حدیث جو کہ بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ ایک صاحب نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری والدہ نے خودکشی کرلی اور کوئی وصیت انہوں نے نہیں کی اگر ان کو موقع ملتا تو ضرور کرتیں اب اگر میں ان کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو ان کو فائدہ یا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک ان کو اجر پہنچے گا حدیث میں صاف آگیا کہ دوسرے کے ایصال ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچے گا سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری والدہ کا انتقال ہوگیا کون سا صدقہ بہتر ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ پانی......=

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴿۲۷﴾

پر آمادہ کیا نہ تو کسی صریح فرمان کے ذریعے سے نہ کسی اشارے کنائے سے۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں میں سے بھی کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قرآن پڑھ کر اس کے ثواب کا ہدیہ میت کے لئے بھیجا ہو۔ اگر یہ نیکی ہوتی اور مطابق شرع عمل ہوتا تو ہم سے بہت زیادہ سبقت نیکیوں کی طرف کرنے والے صحابہ کرام تھے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نیکیوں کے کام قرآن و حدیث کے صاف فرمان سے ثابت ہوتے ہیں۔ کسی قسم کی رائے قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس پر اجماع ہے اور شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ثابت ہے' جو حدیث صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے مرنے پر اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں: (۱) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے یا (۲) وہ صدقہ جو اس کے انتقال کے بعد بھی جاری رہے یا (۳) وہ علم جس سے نفع اُٹھایا جاتا رہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ در حقیقت یہ تینوں چیزیں بھی خود میت کی سعی اور اس کی کوشش اور اسی کا عمل ہیں۔ یعنی اور کسی کے عمل کا اجر اسے نہیں پہنچ رہا۔ سنیئے حدیث میں ہے۔ سب سے بہتر انسان کا کھانا وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں حاصل کیا ہو اور انسان کی اولاد بھی اسی کی کمائی اور اسی کی حاصل کردہ چیز ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نیک اولاد جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے' وہ دراصل اسی کا عمل ہے۔ اسی طرح صدقہ جاریہ مثلاً وقف وغیرہ' کہ وہ بھی اسی کے عمل کا اثر ہے اور اسی کا کیا ہوا وقف ہے۔ خود قرآن فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ...... (سورہ یٰسین: ۱۲) یعنی ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جو بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے نشاناتِ نیک کا ثواب انہیں پہنچتا رہتا ہے۔ رہا وہ علم جسے اس نے لوگوں میں پھیلایا اور اس کے انتقال کے بعد بھی لوگ اس پر عامل اور کاربند رہے۔ وہ بھی دراصل اسی کی سعی اور اسی کا عمل ہے جو اس کے بعد باقی رہا اور اسے اس کا ثواب پہنچتا رہا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اور جتنے لوگ اس کی تابعداری کریں' ان سب کے اجر کے مثل اسے اجر ملتا ہے۔ دراں حالانکہ ان کے اجر گھٹتے نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس کی کوشش قیامت کے دن جانچی جائے گی۔ اس دن کا عمل دیکھا جائے گا۔ جیسے فرمایا: وَقُلِ

......= کا انتظام سو حضرت سعد نے اپنی والدہ کی طرف سے کنواں تیار کرایا طبرانی سے اوسط میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب کسی مردہ کے نئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نور کی صورت میں طبق میں لے کر مردہ کی قبر پر حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے صاحب قبر یہ ہدیہ تمہارے عزیز واقارب کی جانب سے ہے اس کو قبول کرو مردہ اس کو لیتا ہے اور بہت ہی خوش ہوتا ہے اور دوسرے مردے جو اس کے قریب میں دفن ہیں وہ رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کو انکے اعزہ کی جانب سے کوئی ایسی چیز نہیں پہنچی۔

ایسے ہی ابن عمرؓ کی حدیث صحیح ہے کہ آپ نے فرمایا جو اپنے والدین کی فوات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے خدا تعالیٰ والدین کو بھی ثواب پہنچاتا ہے اور کرانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے ایک حدیث میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جو شخص قبرستان میں پہنچے اور دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر ثواب پہنچائے تو خدا تعالیٰ تمام قبرستان کے مردوں کو برابر برابر اس کا اجر عنایت فرماتا ہے بہر حال ایک دو نہیں بہت سی احادیث صحیح اس سلسلہ کی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایصال ثواب مردہ کے لئے مفید اور کارآمد ہے انہی احادیث کی کثرت اور صحت کے پیش نظر امت کی رائے یہی ہے کہ ایک عمل دوسرے کے لئے اور خصوصاً ایصال ثواب مفید ہے لیکن ایصال ثواب قطعاً شرعی حدود میں ہونا چاہئے شرعی حدود سے باہر ہو کر کوئی کام نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ مضر اور بدعت ہے ایصال ثواب کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ قبرستان میں جائے' مسنون سلام کرے' بعد میں اول وآخر درود شریف ایک ایک مرتبہ پڑھے' سورہ فاتحہ ایک مرتبہ' معوذتین اور سورہ اخلاص تین بار پڑھ کر بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے خدا تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ میں نے جو پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں فلاں مردہ کو پہنچ جائے اور ایسے ہی کھانے پینے کی چیزوں کا ثواب۔

اعملوا...... (سورہ توبہ: ۱۰۵) یعنی کہہ دے کہ تم عمل کئے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم چھپے کھلے کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے خبردار کرے گا۔ یعنی ہر نیکی کی جزا اور ہر بدی کی سزا دے گا یہاں بھی فرمایا پھر اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا لْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر و مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا (حسب وعدہ) اس کے ذمہ ہے اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی اور یہ کہ اس نے قدیم قوم عاد کو بھی (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو (ہلاک کیا) بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا سو تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت میں شک (و انکار) کرتا رہے گا O

معاد:

ارشاد ہوتا ہے کہ لوٹنا آخر خدا ہی کی طرف ہے۔ قیامت کے دن سب کو لوٹ کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ بنو اود میں خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا ''اے بنی اود! میں خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر تمہاری طرف آیا ہوں تم یقین کرو کہ تم سب کا لوٹنا خدا کی طرف ہے۔ پھر یا تو جنت میں پہنچائے جاؤ یا جہنم میں دھکیلے جاؤ۔'' بغوی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں۔'' جیسے دوسرے حدیث میں ہے۔ مخلوق پر غور بھری نظریں ڈالو۔ لیکن ذات باری خالق میں گہرے نہ اترو۔ اسے عقل و ادراک فکر و ذہن نہیں پا سکتا۔ گو ان لفظوں سے یہ حدیث محفوظ نہیں ہے مگر صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔ اس میں ہے کہ ''شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اور اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ پڑھ لے اور اس خیال

کو دل سے دور کر دے[1]۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے۔ مخلوقاتِ خدا میں غور و فکر کرو۔ لیکن ذاتِ خدا میں غور و فکر نہ کرو۔ سنو! اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے۔ جس کے کان کی لو سے لے کر مونڈھے تک تین سو سال کا راستہ ہے۔ اَوْ كَمَا قَالَ۔ پھر فرماتا ہے کہ بندوں میں ہنسنے رونے کا مادہ اور ان کے اسباب بھی اسی نے پیدا کئے ہیں جو بالکل مختلف ہیں۔ وہی موت اور حیات کا خالق ہے۔ جیسے فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (سورہ ملک:۲) اس نے موت و حیات کو پیدا کیا۔ اسی نے نطفہ سے ہر جاندار کا جوڑا بنایا۔ جیسے دوسری جگہ فرمان ہے: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی...... (سورہ قیام:۳۶) کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا۔ جو (رحم میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر کیا وہ بستہ خون نہ تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور درست کیا اور اسے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔ کیا ایسی قدرتوں والا خدا اس بات پر قادر نہیں؟ کہ مردہ کو زندہ کر دے؟ پھر فرماتا ہے کہ وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ جیسے اس نے ابتداءً پیدا کیا ہے۔ اسی طرح مار ڈالنے کے بعد دوبارہ کی پیدائش اسی کے ذمہ ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو غنی بنا دیا ہے اور مال ان کے قبضہ میں دے دیا ہے۔ جو ان کے پاس ہی بطور پونجی کے رہتا ہے۔ اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے۔ گو بعض سے منقول ہے کہ اس نے مال دیا اور غلام دیئے۔ اس نے دیا اور خوش ہوا اسے غنی کر کے اور مخلوق کو اس کا دست نگر بنا دیا جسے چاہا غنی کیا اور جسے چاہا فقیر لیکن یہ پچھلے دونوں قول الفاظ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ''شعریٰ'' اس روشن ستارے کا نام ہے جسے مرزم الجوزا بھی کہتے ہیں۔ بعض عرب اس کی پرستش کرتے تھے[2]۔ عادِ اولیٰ یعنی قوم ہود کو' جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے۔ اسی نے ان کو طغیان کی بنا پر تباہ کر دیا۔ جیسے فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ...... (سورہ فجر:۶) یعنی تو نے کیا نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یعنی ارم کے ساتھ جو بڑے قد آور تھے' جن کا مثل شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ یہ قوم بڑی قوی اور بڑی زور آور تھی۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی بڑی نافرمان اور رسولؑ سے بڑی سرتاب تھی۔ ان پر ہوا کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن برابر رہا۔ اسی طرح ثمودیوں کو بھی اس نے ہلاک کیا۔ جن میں سے ایک بھی باقی نہ بچا اور ان سے پہلے قوم نوح تباہ ہو چکی ہے۔ جو بڑے ناانصاف اور شریر تھے اور لوط کی بستیاں' جنہیں خدائے قہار نے زیر و زبر کر دیا اور آسمانی پتھروں سے سب بدکاروں کو ہلاک کر دیا۔ انہیں ایک چیز نے ڈھانک لیا۔ یعنی پتھروں نے۔ جن کا مینہ ان پر برسا اور برے حالوں تباہ ہوئے۔ ان بستیوں میں چار لاکھ آدمی آباد تھے۔ آبادی کی کل سرزمین آگ اور گندھک اور تیل بن کر ان پر بھڑک اٹھی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ جو بہت غریب سند ہے۔ ابن ابی حاتم میں موجود ہے۔ پھر فرمایا تو اے انسان اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ بعض کہتے ہیں یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لیکن خطاب کو عام رکھنا بہت بہتر ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی عام رکھنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

---

[1] دراصل ملعون ابلیس اس کوشش میں رہتا ہے کہ انسان کو کسی طرح اغوا کر کے اور غلط راہ پر ڈال دے چنانچہ اس کے لئے وہ ہر وہ راستہ اختیار کرتا ہے جس سے انسان کو گمراہ کرنا ممکن ہو بعض اوقات عمل کی گمراہی کے ساتھ فکر و عقیدہ کی گمراہی میں مبتلا کرتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ جس کی کوئی نظیر اور مثل نہیں کہ خود ہی ارشاد ہے: لیس کمثلہ شئی ان کے بارے میں طرح طرح کے وساوس قلب میں ڈالتا ہے کبھی ان کی حقیقت کی دریافت کا وسوسہ ڈالتا ہے اور گاہے پیمانہ اور حالانکہ انہوں نے کبھی بھی اس کا مکلف نہیں کیا کہ ان کی غایت و حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی جائے آخر آپ مانتے ہیں یا نہیں کہ سعودی عرب کا ایک بادشاہ ہے حالانکہ کتنوں نے آپ میں سے ان کو دیکھا ہے؟ اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ان مسائل میں الجھنا قطعاً شیطانی وسوسہ ہے جن سے آپ کے عقیدہ و عمل اور نجات کو کوئی تعلق نہیں۔

[2] شعریٰ کے متعلق سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ سب سے زیادہ روشن ستارہ ہے اس کی پرستش نہ صرف عرب میں بلکہ رومی اور یونانی میں بھی ہوتی رہی خدا تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ شعریٰ کا ذکر فرما کر ستارہ پرستی کے تمام ہی بے ہودہ مشاغل پر بھرپور تنقید و تردید فرما دی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴿۲۷﴾

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ السجدة

یہ (پیغمبر) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (ان کو مان لو کیونکہ) وہ جلدی آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے کوئی غیر اللہ اس کا ہٹانے والا نہیں۔ سو کیا (ایسے خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو سو اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کی بلاشرکت) عبادت کرو ○

قیامت:

یہ ڈر خوف سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی رسالت بھی ایسی ہے۔ جیسی آپ سے پہلے رسالت تھی۔ جیسے اور آیت میں ہے: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی نیا رسول تو نہیں ہوں۔ رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بہت سے رسول اللہ آ چکے ہیں۔ قریب آنے والی کا وقت آ لگا۔ یعنی قیامت قریب آ گئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے۔ نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کا علم ہے نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں' مثلاً ایک جماعت ہے جس میں ایک شخص نے ڈراونی کوئی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔ یعنی ڈر اور خوف کی خبر سنانے والا۔ جیسے اور آیت میں ہے: نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سورہ احقاف: ۹) میں تمہیں سخت عذاب سے طلع کرنے والا ہوں۔ حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو۔ اسی میں بھاگا دوڑا آ جائے اور قوم کو دفعتہً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے۔ فوراً تدارک کر لو۔ اسی قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں۔ جیسے کہ ان کے بعد کی سورت میں ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورہ سبا: ۴۶) قیامت قریب آ چکی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو۔ سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اُترا۔ سب اِدھر اُدھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے۔ تو گو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں۔ لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے۔ جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ ہلاک ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے۔ پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اُٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا۔ میری اور آخرت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو طلایہ پر بھیجا۔ اس نے دشمن کا لشکر بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا۔ یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلی ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں۔ تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں سے کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبردار ہو جاؤ' دشمن سر پر موجود ہے۔ پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی تائید میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پروائی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کی ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں۔ چاہئے یہ تھا کہ ایمانداروں کی طرح اسے سن کر روتے۔ عبرت حاصل کرتے۔ جیسے مؤمنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے دھوتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سَمَد گانے کو کہتے ہیں۔ یہ یمنی لغت آپ سے سامدون کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی منقول ہیں۔ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔ پھر اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ توحید واخلاص کے پابند رہو۔ خضوع خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے مسلمانوں نے اور مشرکوں نے اور جن وانس نے سورۃ النجم کے سجدے کے موقعہ پر سجدہ کیا مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی۔ پس آپ نے سجدہ کیا اور ان لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے۔ راوی حدیث مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں' میں نے اپنا سر اُٹھایا اور سجدہ نہ کیا۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورہ مبارکہ کی تلاوت سنتے' سجدہ کرتے۔ یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔

تفسیر سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (قمر)

ابوواقد کی روایت اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں سورہ ق اور سورہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح بڑی بڑی محفلوں میں بھی آپ ان دونوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں وعدے وعید کا ابتدائے آفرینش اور دوبارہ زندگی کا ساتھ ہی توحید اور اثبات رسالت وغیرہ اہم مقاصد اسلامیہ کا ذکر ہے۔

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَثَلٰثُ رُكُوعَاتٍ

کُل رکوع: ۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۵۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۞١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۞٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۞٣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۞٤ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۞٥

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے اور ان لوگوں کے پاس (تو امم ماضیہ

کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں (کافی) عبرت ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہو سکتی ہے سو ان کی کیفیت یہ ہے کہ) خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتیں ○

شقِ قمر:

اللہ تعالیٰ قیامت کے قرب کی اور دنیا کے خاتمہ کی اطلاع دیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (سورہ نحل:۱) اللہ تعالیٰ کا امر آ چکا اب تو اس کی طلب کی جلدی چھوڑ دو اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ (سورہ انبیاء:۱) لوگوں کے حساب کا وقت آ پہنچا اور اب تک وہ غفلت میں ہیں۔ اس مضمون کی حدیثیں بھی بہت سی ہیں۔ بزار میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سورج کے ڈوبنے کے وقت جب کہ وہ تھوڑا سا ہی باقی رہ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ دنیا کے گزرے ہوئے حصے میں اور باقی ماندہ حصے میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گزرے ہوئے اور باقی بچے ہوئے حصے میں ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں حضرت خلف بن موسیٰ کو ابن حبان ثقہ راویوں میں گنتے تو ہیں۔ لیکن فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے جو اس کی تقویت بلکہ تفسیر بھی کرتی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ عصر کے بعد جب کہ سورج بالکل غروب ہو چکا تھا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمہاری عمریں گزشتہ لوگوں کی عمروں کے مقابلہ میں اتنی ہی ہیں جتنا یہ باقی دن گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ کی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ قریب تھا کہ وہ مجھ سے پہلے آ جائے۔ ولید بن عبدالملک کے پاس جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے میں حدیث کا سوال کیا جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضور سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو۔ اس کی شہادت اس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو۔ حضرت بہز کی روایت ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا۔ یہ پیٹھ پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ لگا لپٹا رہ جائے۔ اسی طرح دنیا کی عمر کا کل حصہ مکمل ہو چکا صرف برائے نام باقی ہے۔ تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں۔ پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنی ساتھ لے کر جاؤ۔ سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا۔ جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن تلے تک نہ پہنچے گا۔ خدا کی قسم جہنم کا یہ گہرا گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے۔ تم اس پر تعجب نہ کرو۔ ہم نے یہ سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پر ہو گی کہ بھری نظر آئے گی۔ (مسلم) ابو عبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ بدائن گیا اور بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے جمعہ کے لئے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطیب تھے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ لوگو سنو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ بے شک قیامت قریب آ چکی ہے۔ بے شک چاند پھٹ گیا ہے۔ آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہو گا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کل کیا دوڑ ہو گی۔ جس میں آگے نکلنا ہو گا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو' یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر

سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی فرماتے ہوئے سنا۔ اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دوٹکڑے ہو جانا' یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جیسے کہ متواتر حدیثوں میں صحت کے ساتھ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں چیزیں روم' دھواں' لزام' بطشہ اور چاند کا پھٹنا یہ سب گزر چکا ہے۔ اس بارے میں حدیثیں سنیے[1]۔ مسند احمد میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔ جس پر دومرتبہ چاند شق ہو گیا۔ جس کا ذکر ان دونوں آیتوں میں ہے۔ بخاری میں ہے کہ انہیں چاند کے دوٹکڑے دکھا دیئے۔ ایک حرا کے اس طرف ایک اُس طرف۔ مسند میں ہے ایک پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر۔ اسے دیکھ کر بھی جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا' بول پڑے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ لیکن سمجھداروں نے کہا اگر مان لیا جائے کہ ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام دنیا کے لوگوں پر تو نہیں کر سکتا اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور روایتیں بھی بہت سی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند گرہن ہوا ہے کافر کہنے لگے چاند پر جادو ہوا ہے۔ اس پر یہ آیتیں مُسْتَمِرٌّ تک اُتریں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' جب چاند پھٹا اور اس کے دوٹکڑے ہوئے ایک پہاڑ کے پیچھے اور ایک آگے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے اللہ تو گواہ رہ۔ مسلم اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' سب لوگوں نے اسے بخوبی دیکھا اور آپ نے فرمایا دیکھو یاد رکھنا اور گواہ رہنا۔ آپ فرماتے ہیں اس وقت ہم سب منیٰ میں تھے اور روایت میں ہے کہ مکہ میں تھے۔ ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ کفار نے یہ دیکھ کر کہا یہ ابن ابی کبشہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ہے۔ لیکن سمجھداروں نے کہا مان لو ہم پر جادو کیا ہے۔ لیکن ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا۔ اب جو لوگ سفر سے آئیں' ان سے دریافت کرنا کہ کیا انہوں نے بھی اس رات کو چاند دوٹکڑوں میں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ آئے' ان سے پوچھا۔ انہوں نے بھی اس کی

---

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات نہایت مشہور ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور معجزہ قرآن مجید کے بعد شق قمر کا ہے جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کا قیام ابھی مکہ میں ہی تھا ایک مرتبہ آپ غالباً حج کے ارادہ سے منیٰ میں مقیم تھے کہ کفار کے مطالبہ پر یہ معجزہ پیش آیا ان آیات میں اسی عظیم معجزہ کا ذکر ہے خدا تعالیٰ کی غیر محدود اور وسیع طاقتوں پر یقین رکھنے والے تو ظاہر ہے کہ بالتامل اس معجزہ کو تسلیم کر ہی لیں گے لیکن انکار کرنے والے ذرا سوچیں کہ کل تک کیا اس کو کوئی تسلیم کر سکتا تھا کہ چاند پر آدمی پہنچ جائے گا یا فلاں سیارے پر اور اپنی کے کافی ذخیرے موجود ہیں ابھی تک نہ چاند سے پرے آدمی پہنچا اور نہ برف اور پانی کا ذکایرہ کا پتہ چل سکا تاہم چند سائنسدانوں کے کہنے پر دنیا یقین کر رہی ہے لیکن افسوس کہ خدا تعالیٰ کی باتوں پر اور خبروں پر یقین نہیں کیا جا سکتا ظاہر ہے کہ کسی بھی واقعہ کا ثبوت جو پہلے گزر چکا تاریخ سے مل سکتا ہے آپ تاریخی روایات پر ایک نظر ڈال لیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ معجزہ شق القمر کا انکار کس حد تک صحیح ہے روح المعانی میں ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا اور شق کے سلسلہ کی صحیح احادیث بکثرت موجود ہیں شرح موافقت میں تو اس واقعہ کی خبر کو متواتر کہا گیا ہے ابن السبکی کی بھی یہی رائے ہے ابن السبکی کہتے ہیں کہ قرآن کی تصریح اور احادیث کی کثرت کے پیش نظر اب اس کو متواتر کہنے میں کوئی تامل نہیں جصاص نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ تواتر سے نقل ہوا اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

اس بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فیض الباری شرح بخاری میں تحریر فرمایا ہے کہ آج اجرام سماویہ میں چڑھنا پھٹنا ٹوٹنا گرنا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا سب کچھ ثابت ہو چکا ہے اب اس معجزہ کا انکار کیسے صحیح ہوگا اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورج گرہن باوجودیکہ دن ہی میں پیش آتا ہے تاہم کئی مقامات پر گرہن کا پتہ بھی نہیں چلتا اور یہ کیفیت گرہن کی ہو کر ختم بھی ہو جاتی ہے تو معجزہ شق القمر جبکہ رات کو پیش آیا اور بالعموم رات کے واقعات عالم مطالعہ سے چھوٹ جاتے ہیں تو اگر فرض کرو یہ واقعہ کسی سے بھی نقل نہ ہوتا اور اس کا ذکر صرف قرآن و حدیث ہی میں ہوتا تو بھی اس کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے علاوہ ازیں تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ ہندوستان میں راجہ وجیال نے بھی شق القمر دیکھا تھا یہی وہ راجہ ہے جس کے نام پر بھوپال کی ریاست آباد ہوئی۔

تصدیق کی کہ ہاں فلاں شب کو ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ کفار کے مجمع نے یہ طے کیا تھا کہ اگر باہر کے لوگ آ کر یہ کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اب جو باہر سے آیا جب بھی آیا۔ جس طرف سے آیا۔ ہر ایک نے اس کی شہادت دی کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' پہاڑ چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دکھائی دیتا تھا اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوبکر تم گواہ رہنا اور مشرکین نے اس زبردست معجزے کو بھی جادو کہہ کر ٹال دیا۔ اسی کا ذکر ہے کہ یہ جب دلیل حجت اور برہان دیکھتے ہیں' سہل انگاری سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ جادو ہے اور مانتے نہیں۔ بلکہ حق کو جھٹلا کر احکام نبوی کے خلاف اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اپنی جہالت اور کم عقلی سے باز نہیں آتے۔ ہر امر مستقر ہے۔ یعنی خیر خیر والوں کے ساتھ شر شر والوں کے ساتھ اور یہ بھی معنی ہیں کہ قیامت کے دن ہر امر واقع ہونے والا ہے' اگلی لوگوں کے وہ واقعات جو دل کو ہلا دینے والے اور اپنے اندر کامل عبرت رکھنے والے ہیں' ان کے پاس آ چکے ہیں۔ ان کی تکذیب کے سلسلہ میں ان پر جو بلائیں اتریں اور ان کے جو قصے ان تک پہنچے وہ سراسر عبرت و نصیحت کے خزانے ہیں اور وعظ و نصیحت سے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں ہدایت کریں اور جسے چاہیں گمراہ کرے۔ اس میں بھی اس کی حکمت بالغہ موجود ہے۔ ان پر شقاوت لکھی جا چکی ہے' جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ انہیں کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ جیسے فرمایا: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ...... (سورہ انعام: ۱۴۹) اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہر طرح کامل ہیں۔ اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر لا کھڑا کرتا۔

اور جگہ ہے:

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (سورہ یونس: ۱۰۱)

بے ایمانوں کو کسی معجزے نے اور کسی ڈرنے اور ڈرسانے والے نے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے جس روز ایک بلانے والا فرشتہ ان کو ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔ ان کی آنکھیں (مارے ذلت کے) جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے۔ جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے اور پھر نکل کر بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ○

سخت دن:

ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی تم ان کافروں کو جن کے لئے معجزہ وغیرہ بھی مفید نہیں' چھوڑ دو' ان سے منہ پھیر دو اور انہیں قیامت کے انتظار میں رہنے دو۔ اس دن انہیں حساب کی جگہ ٹھہرنے کے لئے ایک پکارنے والا پکارے گا۔ جو ہولناک جگہ ہوگی۔ جہاں بلائیں اور

ہوئی ہوں گی۔ان کے چہروں پر ذلت اور کمینگی برس رہی ہوگی۔ندامت کی وجہ سے آنکھیں نیچے کو جھکی ہوئی ہوں گی اور قبروں سے نکلیں گے۔پھر جس طرح ٹڈی دل چلتا ہے۔اسی طرح یہ بھی انتظار و سرعت کے ساتھ میدان حساب کی طرف بھاگیں گے[1]۔پکارنے والے کی پکار پر کان ہوں گے اور تیز تیز چل رہے ہوں گے۔نہ مخالفت کی تاب ہے نہ دیر لگانے کی طاقت۔اس سخت ہولناکی کے سخت دن کو دیکھ کر کافر چیخ اٹھیں گے کہ یہ تو بڑا بھاری اور بے حد سخت دن ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَّفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندے (خاص نوحؑ) کی اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور نوحؑ کو دھمکی دی گئی تو نوحؑ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو آپ (ان سے) انتقام لے لیجئے۔پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان اور زمین کا) پانی اس کام کے (پورا ہونے کے) لئے مل گیا جو (حکم الٰہی میں) تھا تجویز ہو چکا تھا اور ہم نے نوحؑ کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی (مع مؤمنین کے) سوار کیا۔یہ سب اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا کیا کوئی نصیحت کرنے والا ہے پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ○

طوفانِ نوح:

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اس امت سے پہلے امت نوح نے بھی اپنے نبیؐ کی جو ہمارے بندے حضرت نوحؑ تھے تکذیب کی۔اسے مجنون کہا اور ہر طرح ڈانٹا ڈپٹا اور دھمکایا۔صاف کہہ دیا تھا کہ اے نوحؑ اگر تم باز نہ رہے تو ہم تجھے پتھروں سے مار ڈالیں

[1] خداتعالیٰ کسی بھی حقیقت کو سمجھانے کے لئے ایسی ہی تعبیرات اختیار فرماتے ہیں جن سے حقائق ہمارے لئے کسی درجہ میں قریب الفہم ہو جائیں وہ ہماری جانی پہچانی کیفیات سامنے لا کر ہم کو حقائق سمجھانے کے خوگر ہیں چنانچہ میدان حشر میں پوری کائنات جس طرح میدان حشر میں آگے کی طرف بڑھ رہی ہوگی اس کی کثرت اور ہجوم کو سمجھانے کے لئے ٹڈی دل کے چھا جانے کا منظر ہمارے سامنے پیش کیا جو منٹ کے منٹ فضا سے آسمان پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ فضا تھوڑی دیر کے لئے تیرہ و تاریک ہو جاتی ہے یہاں تک کہ دن کی روشنی بھی باقی نہیں رہتی امریکہ میں ایک مرتبہ ٹڈی دل نے حملہ کیا تھا جو تین میل چوڑا اور ساٹھ میل لمبا دل تھا۔

گے۔ ہمارے بندے اور رسول حضرت نوحؑ نے ہمیں پکارا کہ پروردگار میں ان کے مقابلہ میں محض ناتوان اور ضعیف ہوں۔ میں طرح نہ اپنی ہستی کو سنبھال سکتا ہوں نہ تیرے دین کی حفاظت کرسکتا ہوں۔ تو ہی میری مدد فرما اور مجھے غلبہ دے۔ ان کی یہ دعا قبول اور اس کافر قوم پر مشہور طوفان نوح بھیجا گیا۔ موسلا دھار بارش کے دروازے آسمان سے ابلتے ہوئے پانی کے چشمے زمین سے کھ دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جو پانی کی جگہ نہ تھی مثلاً تنور وغیرہ وہاں سے زمین پانی اگل رہی تھی۔ ہر طرف پانی بھر گیا تھا۔ نہ آ سے برسنا موقوف ہوا نہ زمین سے اُبلنا اور اس طرح ایک طے شدہ فیصلہ ہو کر رہا۔ ہمیشہ پانی ابر سے برستا ہے۔ لیکن اس وقت آ سے پانی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے اور عذاب خدا پانی کی شکل میں برس رہا تھا۔ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا پانی برسا نہ اس کے کبھی ایسا برسے۔ ادھر سے آسمان کی یہ رنگت اُدھر سے زمین کو حکم کہ پانی اگل دے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آس کے دہانے کھول دیئے گئے اور ان میں سے براہ راست پانی برسا۔ اس طوفان سے ہم نے اپنے بندے کو بچا لیا۔ انہیں کشتی پر سوار کی تختوں میں کیلیں لگا کر بنائی گئی تھی۔ دُسُر کے معنی کشتی کے پائیں کا حصہ اور ابتدائی حصہ۔ جس پر موج تھپیڑے مارتی ہے اور اس اصل اور اس کے جوڑ کے بھی کئے گئے ہیں۔ وہ ہمارے حکم سے ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری حفاظت میں چل رہی تھی اور صحیح و س جا رہی تھی۔ حضرت نوحؑ کی مدد میں کفار سے یہ انتقام تھا۔ ہم نے اس واقعہ کو بطور عبرت نشانی کی طرح چھوڑ دیا۔ یعنی اس کشتی کو ل عبرت کے باقی رکھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں' اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا۔ لیکن ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس کشتی نمونے پر اور کشتیاں ہم نے بطور نشان کے دنیا میں قائم رکھیں جیسے اور آیت میں ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُ الْمَشْحُوْنِ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (سورہ یٰسین:۴۱) یعنی ان کی نشانی ہے کہ ہم نے نسل آدم کو بھری ہوئی کشتی میں س کر دیا اور کشتی کے مانند اور بھی ایسی سواریاں دیں جن پر وہ سوار ہوں اور جگہ ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَآءُ...... (سورہ حاقہ:۱۱) جب پانی نے طغیانی کی' ہم نے تمہیں کشتی میں لے لیا تا کہ تمہارے لئے نصیحت و عبرت ہو اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھ سکیں پس کوئی ہے جو ذکر و وعظ حاصل کرے؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُدَّکِ پڑھایا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس لفظ کی قراءت اسی طرح منقول ہے۔ حضرت اسود رحمتہ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے یہ لفظ دال سے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے عبداللہ سے یہ لفظ دال سے سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دال کے ساتھ سنا ہے۔ پھر فرماتا ہے میرا عذاب میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھوٹا کہنے اور میری نصیحت سے عبرت حاصل کرنے والوں پر کیسا ہوا؟ میں نے کس طرح اپنی رسولوں کے دشمنوں سے بدلہ لیا؟ اور کس طرح ان دشمنانِ دینِ حق کو تہس نہ کر دیا۔ ہم نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی کو ہر اس شخص کے لئے آسان کر دیا ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے جیسے فرمایا: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ...... (سورہ ص:۲۹) ہم نے تیری طرف یہ مبارک کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ لوگ اس آیتوں میں تدبر کریں اور اس لئے کہ عقل مند لوگ یاد رکھ لیں اور جگہ ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ...... (سورہ مریم:۹۷) یعنی نے اسے تیری زبان اس لئے آسان کیا ہے کہ تو پرہیزگار لوگوں کو خوشی سنا دے اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرا دے۔ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ عل فرماتے ہیں اس کی تلاوت اور قراءت اللہ تعالیٰ نے آسان کر دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ اگر اللہ تع اس میں آسانی نہ رکھ دیتا' تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں ایک آسانی ہے جو پہلے حدیث میں گزر چکی ہے کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق و الفاظ ہم نے پہلے جمع

دیئے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی آسان کر دیا۔ اب سے کوئی طالب علم جو اس خدائی علم کو حاصل کرے جو بالکل آسان ہے[1]۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ ع۲

عاد نے (بھی اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی سو (اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا ہم نے ان پر ایک تیز ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو دیکھو میرا ڈرانا اور میرا عذاب کیسا (ہولناک) ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ○

برفانی ہواؤں کے جھکڑ:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ قوم ہود نے بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھوٹا کہا اور بالکل قوم نوح کی طرح سرکشی پر اتر آئے تو ان پر سخت ٹھنڈی[2] مہلک ہوا بھیجی گئی۔ وہ دن ان کے لئے سراسر منحوس تھا۔ برابر ان پر ہوائیں چلتی رہیں اور انہیں تہ و بالا کرتی رہیں۔ دنیوی و اُخروی عذاب میں گرفتار کر لئے گئے۔ ہوا کا جھونکا آتا۔ ان میں سے کسی کو اُٹھا کر لے جاتا۔ یہاں تک کہ زمین والوں کی حد نظر سے وہ بالا ہو جاتا۔ پھر اسے زمین پر اوندھے منہ پھینک دیتا۔ سر کچل دیتا۔ بھیجا نکل پڑتا۔ سر الگ دھڑ الگ۔ ایسا معلوم ہوتا گویا کھجور کے درخت کے بن سرے ٹنڈ ہیں۔ دیکھو میرا عذاب کیسا ہوا؟ میں نے تو اس قرآن کو آسان کر دیا۔ جو چاہے نصیحت و عبرت حاصل کرے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ

[1] صاف اشارہ ہے آج کے دن کے بحری دخانی آدم بردار سامان بردار اور سینکڑوں قسم کے جہازوں کی جانب جو پانی پر چل رہے ہیں اور جن کی نئی نئی شکلیں قیامت تک ہمارے سامنے آتی رہیں گی۔

[2] یعنی قرآنی مضامین سے عبرت موعظت نصیحت اور تذکیر حاصل کرنا بالکل آسان و سہل ہے لیکن اس کے مطابق حقائق پر اطلاع مسائل پر استنباط نکات پر واقفیت مضامین کے عمق میں غور و فکر نہایت دقیق اور اہم ترین فن ہے جس کے لئے مخصوص علوم طویل مطالعہ نیک نیتی تقویٰ و اخلاص جیسی شرائط ہیں اب اسی آیت کو دیکھ کر جدید تعلیم یافتہ دو چار عربی لفظ سیکھ کر کہتا ہے کہ قرآن ہم بھی سمجھ سکتے ہیں قرآن فہمی کوئی علما کی مخصوص براپرٹی نہیں اور استدلال میں استعمال کرتے ہیں ایسی ہی آیات کو اور نہیں سمجھتے کہ قرآن کے آسان ہونے کا مطلب کیا ہے۔

الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

ثمود نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنون میں پڑ جائیں۔ کیا ہم سب میں (منتخب ہو کر) اسی پر وحی نازل ہوئی ہے (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ان کو عنقریب (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا۔ ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں۔ ان کی آزمائش کے لئے سو ان کو دیکھتے بھالتے رہنا اور ان لوگوں کو یہ بتلا دینا کہ پانی (کنوئیں کا) ان میں بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا۔ سو انہوں نے اپنے رفیق (قدار) کو بلایا سو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور مار ڈالا سو دیکھو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ (فرشتہ کا) مسلط کیا سو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے (کی باڑ) کا چورا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ○

ایٹمی دھماکے:

ثمودیوں نے رسول خدا حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور تعجب کے طور پر محال سمجھ کر کہنے لگے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ ہم اپنے میں سے ایک شخص کے تابعدار بن جائیں؟ آخر اس کی اتنی بڑی فضیلت کی کیا وجہ؟ پھر اس سے آگے بڑھے اور کہنے لگے ہم نہیں مان سکتے کہ ہم سب میں سے کسی ایک پر ہی صرف خدا کی باتیں نازل ہوں۔ پھر اس سے بھی قدم بڑھایا اور نبی اللہ کو کھلے لفظوں میں جھوٹا اور شیخی باز کہا بطور ڈانٹ کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اب تو جو چاہو کہہ لو لیکن کل کھل جائے گا کہ دراصل جھوٹا اور جھوٹ میں حد سے بڑھ جانے والا کون تھا؟ (ہم نے نبی کو مطلع کیا کہ) ان کی آزمائش کے لئے فتنہ بنا کر ہم ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی طلب کے موافق پتھر کی ایک سخت چٹان میں سے ایک چکلے جوڑے اعضاء والی گیا بھن اونٹنی نکلی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ تم اب دیکھتے ہو کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اور ان کی مصیبت پر صبر کرو۔ دنیا اور آخرت میں انجام کار غلبہ آپ ہی کا رہے گا۔ اب ان سے کہہ دیجئے کہ پانی پر ایک دن تو ان کا ہوگا اور ایک دن اس اونٹنی کا۔ جیسے اور آیت میں ہے: لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ (سورہ شعراء: ۱۵۵) ہر باری موجود کی گئی ہے۔ یعنی جب اونٹنی نہ ہو تو پانی موجود ہے اور جب اونٹنی ہو تو اس کا دودھ حاضر ہے۔ انہوں نے مل جل کر اپنے رفیق قدار بن سالف کو آواز دی اور یہ بڑا ہی بدبخت تھا۔ جیسے اور آیت میں ہے: إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا (سورہ شمس: ۱۲) ان کا بدترین آدمی تھا۔ اس نے آ کر پکڑا اور زخمی کیا۔ پھر تو ان کے کفر و تکذیب کا میں نے بھی پورا بدلہ لیا اور جس طرح کھیتی کے کٹے ہوئے سوکھے پتے اُڑ اُڑ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ انہیں بھی ہم نے بے نام و نشان کر دیا۔ خشک چارہ جس طرح جنگل میں اُڑتا پھرتا ہے اسی طرح انہیں بھی برباد

کر دیا[1]۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرب میں دستور تھا کہ اونٹوں کو خشک کانٹے دار باڑے میں رکھ لیا جاتا تھا۔ جب اس باڑ کو روند[2] دیا جائے اس وقت اس کی جیسی حالت ہو جاتی ہے وہی حالت ان کی ہو گئی کہ ایک بھی نہ بچا۔ جیسے مٹی دیوار سے جھڑ جاتی ہے اسی طرح ان کے بھی پر پُرزے اکھڑ گئے۔ یہ سب اقوال مفسرین کے اس جملہ کی تفسیر میں ہیں۔ لیکن اوّل اقوی ہے۔ واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

قوم لوط نے (بھی) پیغمبروں کی تکذیب کی، ہم نے ان پتھروں کا مینہ برسایا بجز متعلقین لوط کے (یعنی بجز مومنین کے) کہ ان کو اخیر شب میں بچالیا۔ اپنی جانب سے فضل کر کے جو شکر کرتا ہے ہم اسے ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اور (قبل عذاب آنے کے) لوط علیہ السلام نے ان کے ہمارے دار و گیر سے ڈرایا تھا انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے اور ان لوگوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو بارادہ بد لینا چاہا سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو (یہ تو اس وقت واقعہ ہوا) اور (پھر) صبح سویرے ان پر دائمی عذاب آ پہنچا (اور ارشاد ہوا) کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ○

مخصوص قسم کے بم:

لوطیوں کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کر کے کس مکروہ کام کو کیا۔ جسے ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا۔ یعنی اغلام بازی۔ اسی لئے ان کی ہلاکت کی صورت بھی ایسی ہی نئی اختیار کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اُٹھا کر آسمان کے قریب پہنچا کر اوندھی مار دیں اور ان پر آسمان سے ان کے نام کے پتھر برسائے۔ مگر لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کو سحر کے وقت یعنی رات کی آخری گھڑی میں بچالیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ تم اس بستی سے چلے جاؤ۔ حضرت لوط

[1] آج بھی سردی کے زمانہ میں جبکہ کڑاکے کا جاڑا پالا اور ساتھ ہی برفانی ہوائیں چل پڑیں تو کہتے ہی سڑکوں پر تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہیں اور پرندے چند سردی کی شدت سے ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

[2] عرب میں دستور تھا کہ جنگلات کے ارد گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے لیکن کچھ مدت بعد یہ کانٹے سوکھ جاتے اور ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے اور گر کر جمع ہو جاتے اور پھر جب ہوائیں چلتیں تو یہ ذرات اڑ کر ادھر ادھر منتشر ہو جاتے اسی منظر کو سامنے لا کر عرب والوں سمجھانے کی کوشش کی جو قرآن مجید کے اول مخاطب ہیں۔

علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔ یہاں تک کہ خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی کافرہ ہی رہی۔ قوم میں سے بھی ایک شخص کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ پس عذاب الٰہی سے کوئی بھی نہ بچا۔ آپ کی بیوی بھی قوم کے ساتھ ہی ساتھ ہلاک ہوئی۔ صرف آپ اور آپ کی لڑکیاں اس نحوست سے بچا لئے گئے۔ شاگردوں کے خدا اسی طرح برے اور آڑے وقت میں کام آتا ہے اور انہیں ان کی شکرگزاری کا پھل دیتا ہے۔ عذاب کے آنے سے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام انہیں آگاہ کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے توجہ تک نہ کی بلکہ شک وشبہ اور جھگڑا کیا اور ان کے مہمانوں سے انہیں پکمہ دینا چاہا۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت میکائیل علیہ السلام حضرت اسرافیل علیہ السلام وغیرہ فرشتے انسانی صورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر آئے تھے۔ نہایت خوبصورت چہرے، پیاری پیاری شکلیں اور عنفوانِ شباب کی عمر۔ ادھر یہ رات کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کے گھر اُترے، ان کی بیوی نے جو کافرہ[1] تھی قوم کو اطلاع دی کہ آج لوطؑ کے مہمان آئے ہیں۔ ان لوگوں کو اغلام کی بدعادت تو تھی۔ دوڑ بھاگ کر حضرت لوط علیہ السلام کے مکان کو گھیر لیا۔ حضرت لوطؑ نے دروازے بند کر لئے۔ انہوں نے ترکیبیں شروع کیں کہ کسی طرح مہمان ہاتھ لگیں۔ جس وقت یہ سب کچھ ہو رہا تھا، شام کا وقت تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھا رہے تھے۔ ان سے کہہ رہے تھے کہ یہ میری بیٹیاں، یعنی تمہاری جوروئیں موجود ہیں۔ تم اس بدفعلی کو چھوڑو اور حلال چیز سے فائدہ اُٹھاؤ۔ لیکن ان سرکشوں کا جواب تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں عورتوں کی خواہش نہیں۔ جو ہمارا ارادہ ہے، وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ تم ہمیں اپنے مہمان سونپ دو۔ جب اسی بحث ومباحثہ میں بہت وقت گزر گیا تو وہ لوگ مقابلہ پر تل گئے اور حضرت لوط علیہ السلام بے حد تنگ ہو گئے۔ تب حضرت جبریل علیہ السلام باہر نکلے اور اپنا پر ان کی آنکھوں پر پھیرا۔ جس سے سب اندھے ہو گئے۔ آنکھیں بالکل جاتی رہیں۔ اب تو حضرت لوط علیہ السلام کو برا کہتے ہوئے اور دیواریں ٹٹولتے ہوئے صبح کا وعدہ دے کر پچھلے پاؤں واپس ہوئے لیکن صبح کے وقت ہی ان پر عذاب خدا آ گیا۔ جس سے نہ بھاگ سکیں نہ اس سے پیچھا چھڑا سکیں۔ انذار کے نتیجہ اور عذاب کی آمد کی طرف دھیان نہ کرنے کا وبال انہوں نے چکھ لیا۔ یہ قرآن تو بہت ہی آسان ہے جو چاہے نصیحت حاصل کر سکتا ہے کوئی ہے جو اس سے پند و وعظ حاصل کر لے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے والوں کی بہت سی چیزیں پہنچیں۔ ان لوگوں نے ہماری (ان) تمام نشانیوں کو

[1] محققین نے کہا ہے کہ نبی کے گھر میں کافرہ آسکتی ہے لیکن ایک بدکار زانیہ نبی کے نکاح میں نہیں آسکتی کیونکہ قرآن اصول ہے کہ: الطیبات للطیبین والخبیثات للخبیثین۔ یہ عورت بوجہ کفر کے اس طرح کے اقدام کرتی تھی لیکن شناعت کار نہ تھی۔

جھٹلایا۔ سو ہم نے ان کو زبردست قدرت کا بگڑنا پکڑا کیا تم میں جو کافر ہیں ان میں ان (مذکور) لوگوں سے کچھ فضیلت ہے یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی ہے۔ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے عنقریب۔ (ان کی) یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کا (اصل) وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت ناگوار چیز ہے ○

قوم فرعون:

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام بشارت اور انذار لے کر آتے ہیں۔ بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں خدا کی طرف سے انہیں دی جاتی ہیں۔ جو ان کی نبوت کی حقانیت پر پوری پوری دلیلیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ فرعونی ان سب کو جھٹلاتے ہیں۔ جس کی نحوست میں ان پر عذاب خدا نازل ہوتے ہیں اور بالکل ہی بھس اڑا دیا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے اے مشرکین قریش اب بتلاؤ تم ان سے کچھ بہتر ہو؟ جب وہ تم سے بڑی جماعت والے ہو کر ہمارے عذاب سے نہ بچ سکے۔ تو بھلا تم کیا چیز ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں کوئی چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ کہ ان کے کفر پر انہیں تو عذاب کیا جائے لیکن تم کفر کئے جاؤ اور تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے؟ پھر فرماتا ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے اور ہمیں کوئی برائی ہماری کثرت اور جماعت کی وجہ سے نہیں پہنچے گی؟ اگر یہ خیال ہو تو انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ان کی یہ یک جہتی توڑ دی جائے گی۔ ان کی جماعت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے گا۔ انہیں ہزیمت دی جائے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنے ڈیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرما رہے تھے۔ اے اللہ میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ اگر تیری تقدیر یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد تیری عبادت وحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے۔ بس اتنا کہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے۔ آپ نے بہت الحاح کر لی۔ اب آپ اپنے خیمے سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں سَيُهْزَمُ جاری تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اس آیت کے اُترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس وقت مراد کونسی جماعت ہو گی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ اس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ میری چھوٹی سی عمر تھی۔ اپنی ہجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی۔ اس وقت یہ آیت: بَلِ السَّاعَةُ...... اُتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقعہ پر طویل موجود ہے۔ مسلم میں یہ حدیث نہیں۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَٰحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَ

كُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ جس روز یہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ (کی) آگ کے لگنے کا مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جائے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمالناموں میں (بھی مندرج) ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ پرہیز گار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ○

مالک وقادر:

بدکار لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ راہ حق سے بھٹک چکے ہیں اور شکوک واضطراب میں ہیں۔ یہ بدکار لوگ خواہ کفار ہوں خواہ اور فرقوں کے گنہگار ہوں۔ ان کا یہ فعل انہیں اوندھے منہ جہنم میں گھسیٹے گا اور جس طرح یہاں غافل ہیں وہ تو اس وقت بھی بے خبر ہوں گے کہ نہ معلوم کس طرف لئے جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ اب آتشِ دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے' ہر چیز کو ہم نے پیدا کیا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا اور جگہ فرمایا اپنے رب کی جو بلند و بالا ہے پاکی بیان کر' جس نے پیدا کیا اور درست کیا اور انداز کیا اور راہ دکھائی یعنی تقدیر مقرر کی۔ پھر اس کی طرف رہنمائی کی۔ ائمہ اہل سنت نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا مقدر ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقرر کر دیا ہے اور ہر چیز اپنی ظہور سے پہلے اللہ کے ہاں لکھی جا چکی ہے۔ فرقہ قدریہ اس کا منکر ہے۔ یہ لوگ صحابہ کے آخر زمانہ میں ہی نکل پڑے تھے۔ اہل سنت ان کے مسلک کے خلاف اس قسم کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں اور اس مضمون کی احادیث کو بھی۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث ہم صحیح بخاری کتاب الایمان کی شرح میں لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف وہ حدیثیں لکھتے ہیں۔ جو مضمون آیت سے متعلق ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مشرکین قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں بحث کرنے لگے۔ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ (مسند احمد مسلم وغیرہ) بروایت حضرت عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ یہ آیتیں منکرین تقدیر کی تردید میں ہی اُتری ہیں (بزار)۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے حق میں اُتری ہے' جو آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے۔ حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ اس وقت چاہ زم زم پانی نکال رہے تھے۔ آپ کے کپڑوں کے دامن پانی سے بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے کہا تقدیر کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ لوگ اس مسئلہ میں موافق ومخالف ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا' کیا لوگوں نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں ایسا ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ آیتیں ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں: ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ یاد رکھو۔ یہ لوگ اس امت کے بدترین لوگ ہیں۔ ان کے بیماروں کی تیمارداری نہ کرو۔ ان کے مردوں کے جنازے نہ پڑھو۔ ان میں کا اگر کوئی مجھے مل جائے تو میں اپنی انگلیوں سے ان کی آنکھیں نکال دوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے۔ فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے؟ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرا بس چلے تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنو فہر کی عورتیں خزرج کے ارد گرد طواف کرتی پھرتی ہیں۔ ان کے جسم حرکت کرتے ہیں۔ وہ مشرک عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ان کی کج فہمی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے۔ جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دوست شامی تھا' جس سے آپ کی خط و کتابت تھی۔ حضرت عبداللہ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں موشگافیاں کرتا ہے۔ آپ نے فوراً اسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے' تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط کتابت کی اُمید[1] نہ رکھنا۔ آج سے بند سمجھنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں۔ میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عبادت نہ کی جائے اور وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھو[2] (مسند احمد) اس امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل جائیں۔ یاد رکھو یہ ان میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں اور زندیقیت کریں۔ (ترمذی وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہر چیز خدا کے مقرر کردہ اندازے سے یہاں تک کہ نادانی اور عقل مندی بھی (مسلم)۔ صحیح حدیث میں ہے' اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر اور عاجز اور بے وقوف نہ بن۔ پھر اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا تھا اور جو خدا نے چاہا کیا۔ پھر یوں نہ کہہ کہ اگر یوں کرتا تو یوں نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اس طرح ''اگر'' کہنے سے شیطانی وساوس کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ جان رکھ اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے وہ نفع پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا' تو نہیں پہنچا سکتی اور اگر سب اتفاق کر کے تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اور تیری تقدیر میں وہ نہ ہو تو نہیں پہنچا سکتے۔ قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ کر تہہ کر دیئے گئے۔ حضرت ولید بن عبادہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے باپ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری میں جب کہ ان کی حالت بالکل غیر تھی' عرض کیا کہ ابا جی ہمیں کچھ وصیت کر جایئے۔ آپ نے فرمایا' اچھا مجھے بٹھا دو۔ جب لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بچے ایمان کا لطف تجھے حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جو علم تجھے حاصل ہے' اس کی تہہ تک تو نہیں پہنچ سکتا' جب تک تیرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر نہ ہو۔ میں نے پوچھا ابا جی میں کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر خیر و شر ہے؟ فرمایا اس طرح کہ تجھے یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا تھا ہی نہیں اور جو نقصان تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا۔ میرے بچے سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا لکھو۔ پس وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت کے دن تک جو ہونے والا تھا' سب لکھ ڈالا۔ اے بیٹے اگر انتقال کے وقت تک اس عقیدے پر نہ رہے تو تو جہنم میں داخل ہوگا۔ ترمذی میں یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

---

[1] افسوس کہ آج ہم منکرین خدا کمیونسٹوں سے منکرین حدیث سے قادیانوں سے کفار سے اور سینکڑوں زائفین اور باطل پرستوں سے خوب تعلق رکھتے سمجھتے ہیں کہ یہ رواداری اور توسع ہے حالانکہ خدا اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ کیسی رواداری اور کہاں کا توسع؟

[2] فقیر کا خیال ہے کہ تمام فرقوں خصوصاً کمیونسٹوں' قادیانیوں کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیے۔

حسن صحیح غریب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ چار باتوں پر اس کا ایمان نہ ہو۔ شہادت دے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جسے اس نے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور مرنے کے بعد جینے پر ایمان رکھے اور تقدیر کی بھلائی برائی منجانب اللہ ہونے کو مانے (ترمذی وغیرہ)۔ صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی' جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ پھر پروردگار عالم اپنی تقدیر احکام کے بے روک ٹوک جاری اور پورا ہونے کو بیان فرماتا ہے کہ جس طرح جو کچھ میں نے مقدر کیا ہے' وہ وہی ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کام کا میں ارادہ کروں' صرف ایک دفعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے۔ دوبارہ تاکیداً حکم دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پلک جھپکنے کے برابر میں وہ کام میرے منشا کے مطابق ہو جاتا ہے۔ عرب شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے

اِذَا مَآ اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا ☆ يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

یعنی اللہ تعالیٰ جب کبھی جس کام کا ارادہ کرتا ہے' صرف فرما دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔

ہم نے تم جیسوں کو تم سے پہلے ان کی سرکشی کے باعث فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ پھر تم کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟ ان کے عذاب اور ان کی رسوائی کے واقعات میں کیا تمہارے لئے نصیحت و تذکیر نہیں؟ جیسے اور آیت میں فرمایا: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ (سورہ سبا: ۵۴) یعنی ان کے اور ان کی تمناؤں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا۔ جیسے کہ ان سے اگلوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامۂ اعمال میں مکتوب ہے۔ جو خدا کے امین فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا عمل جمع شدہ ہے اور لکھا ہوا ہے۔ ایک بھی تو ایسا نہیں رہا جو لکھنے سے رہ گیا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صغیرہ گناہوں کو بھی ہلکا نہ جانو' خدا کی طرف سے اس کا بھی حساب ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ) حضرت سلیمان بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا' جسے میں نے حقیر جانا۔ رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْرًا ۞ اِنَّ الصَّغِيْرَ غَدًا يَعُوْدُ كَبِيْرًا

اِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهٗ ۞ عِنْدَ اللّٰهِ مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرًا

فَازْجُرْ هَوَاكَ عَنِ الْبَطَالَةِ لَا تَكُنْ ۞ صَعْبَ الْقِيَادِ وَشَمِّرَنْ تَشْمِيْرًا

اِنَّ الْمُحِبَّ اِذَآ اَحَبَّ اِلٰهَهٗ ۞ طَارَا الْفُؤَادُ وَاُلْهِمَ التَّفْكِيْرًا

فَاسْئَالْ هِدَ اَيْتَكَ الْاِلٰهَ فَتَتَّئِدِ ۞ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے[1]۔ گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کئے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا نہ ہو جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے۔ بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک۔

جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے خدا کی جانب سے غور و فکر کی عادت

[1] جس وقت کہ چھوٹے گناہوں پر اصرار ہو تو وہ کبائر بن جاتے ہیں جیسا کہ کبائر توبہ واستغفار سے قطعاً معاف ہو سکتے ہیں۔

الہام کی جاتی ہے۔ اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان بدکاروں کے خلاف نیک کار لوگوں کی حالت ہوگی۔ وہ تو ضلالت و تکلیف میں تھے اور اوندھے منہ جہنم کی طرف گھسیٹے گئے اور سخت ڈانٹ ڈپٹ ہوئی لیکن یہ نیکو کار جنتوں میں ہوں گے۔ بہتے ہوئے خوش گوار صاف شفاف چشموں کے مالک ہوں گے اور عزت و کرامت رضوان و فضیلت جود و احسان فضل و امتنان نعمت و رحمت آسائش و راحت کے مکان میں خوش خوش رہیں گے۔ باری تعالیٰ مالک و قادر کا قرب انہیں نصیب ہوگا۔ جو تمام چیزوں کا خالق ہے۔ سب کی اندر مقرر کرنے والا ہے۔ ہر چیز پر قدرت رکھتا۔ وہ ان پرہیز گار خداترس لوگوں کی ایک ایک خواہش پوری کرے گا۔ ایک ایک تمنا پوری فرمائے گا۔ مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عدل و انصاف کرنے والے نیک کردار لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر رحمان کی دائیں جانب ہوں گے۔ خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ عادل لوگ وہ ہیں جو اپنے احکام میں اپنے اہل و عیال میں اور جو چیز ان کے قبضے میں ہو اس میں خدائی فرمان کا خلاف نہیں کرتے۔ بلکہ عدل و انصاف سے ہی کام لیتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔

تفسیر سورۃ الرحمٰن

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا قرآن میں جو لفظ: مِنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ہے یہ اٰسِنٍ لفظ ہے یا اسِنٍ تو آپ نے فرمایا گویا تو نے باقی سارا قرآن سمجھ لیا ہے؟ اس نے کہا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر تو جیسے شعر جلدی جلدی پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تو قرآن بھی جلدی جلدی پڑھتا ہوگا۔ افسوس مجھے خوب محفوظ رہے کہ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو دو برابر والی سورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملایا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی سورہ رحمٰن ہے (مسند احمد)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے مجمع میں ایک روز تشریف لائے اور سورہ الرحمٰن کی اول سے آخر تک تلاوت فرمائی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خاموشی سے سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا تم سے تو جنات ہی جواب دینے میں اچھے رہے۔ میں نے جب ان کے سامنے اس سورت کی تلاوت کی تو میں جب بھی: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو وہ کہتے: لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ یعنی اے ہمارے پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں سزاوار ہیں (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے اور یہی رویت ابن جریر میں بھی موجود ہے۔ اس میں ہے کہ یا تو آپ نے یہ سورت پڑھی یا آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی۔ اس وقت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خاموشی پر آپ نے فرمایا اور جواب کے الفاظ یہ ہیں: لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات ۷۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور بے تنے کے درخت اور تنے دار درخت (اللہ کے) مطیع ہیں اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اسی نے (دنیا میں) ترازو رکھ دی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے اور (اس میں) غلہ ہے جن میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں) غذا کی چیز (بھی) ہے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ۝

تعلیم قرآن:

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس کا حفظ کرنا بالکل آسان کر دیا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں' بیان سے مراد خیر وشر ہے۔ لیکن بولنا ہی مراد لینا یہاں مناسب ہے۔ حضرت حسن کا قول بھی یہی ہے اور ساتھ ہی تعلیم قرآن کا ذکر ہے۔ جس سے مراد تلاوت قرآن ہے اور تلاوت موقوف ہے بولنے کی آسانی پر۔ ہر حرف اپنے مخرج سے بے تکلف زبان ادا کرتی رہتی ہے۔ خواہ حلق سے نکلتا ہو' خواہ دونوں ہونٹوں کے ملانے سے مختلف مخرج اور مختلف قسم کے حروف کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھا دی۔ سورج اور چاند ایک دوسرے کے پیچھے اپنے اپنے مقررہ حساب کے مطابق گردش میں ہیں۔ نہ ان میں اختلاف ہو نہ اضطراب' نہ یہ آگے بڑھے نہ وہ اس پر غالب آئے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ تیرتا پھرتا ہے اور جگہ فرمایا ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ...... (سورہ انعام:۹۶) خدا تعالیٰ صبح کا نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو تمہارے لئے آرام کا وقت بنایا ہے اور سورج چاند کا ایک اندازہ رکھا ہے۔ یہ مقررہ اندازہ ہے غالب اور دانا خدا کا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں تمام انسانوں کی جنات کی' چوپایوں کی' پرندوں کی' آنکھوں کی بصارت ایک شخص ہی کی آنکھوں میں کر دی جائے۔ پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں' ان میں سے ایک پردہ ہٹا دیا جائے تو ناممکن ہے کہ یہ شخص بھی اس کی طرف دیکھ سکے۔ باوجودیکہ سورج کا نور کرسی کے نور کا سترھواں حصہ ہے۔ پس خیال کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جنتی بندوں کی آنکھوں میں کس قدر نور دے رکھا ہوگا کہ وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے چہرے کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے بے روک دیکھیں (ابن ابی حاتم) اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جو تنے والا ہو۔ لیکن نجم کے معنی کئی ایک ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نجم سے مراد بیلیں ہیں۔ جن کا تنہ نہیں ہوتا اور زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد اس سے ستارے ہیں جو آسمان میں ہیں۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ گو اول قول امام ابن جریر کا اختیار

کردہ ہے۔ واللہ اعلم۔ قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس دوسرے قول کی تائید کرتی ہے۔ فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ...... کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے لئے آسمان وزمین کی تمام مخلوقات اور سورج چاند ستارے پہاڑ درخت چوپائے جانور اور اکثر لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے اور اسی نے میزان رکھی ہے۔ یعنی عدل۔ جیسے اور آیت میں ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورہ حدید: ۲۵) یعنی یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ اور ترازو کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔ یہاں بھی اس کے ساتھ ہی فرمایا' تا کہ تم ترازو میں حد سے نہ گزر جاؤ۔ یعنی اس خدا نے آسمان وزمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا۔ تا کہ تمام چیزیں حق وعدل کے ساتھ ہو جائیں۔ پس فرماتا ہے' جب وزن کرو تو سیدھی ترازو سے عدل وحق کے ساتھ وزن کرو۔ کمی زیادتی نہ کرو کہ لیتے وقت زیادہ تول لیا اور دیتے وقت کم دے دیا اور جگہ ارشاد ہے: وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (سورہ شعراء: ۱۸۲) درستگی کے ساتھ تول لیا کرو۔ آسمان کو تو اس نے بلند و بالا کیا اور زمین کو اس نے نیچی اور پست کر کے بچھادی اور اس میں مضبوط پہاڑ مثل میخ کے گاڑ دیئے۔ تا کہ وہ ہلے جلے نہیں اور اس پر جو مخلوق بستی ہے وہ آرام رہے۔ پھر زمین کی مخلوق کو دیکھو ان کی مختلف قسموں مختلف شکلوں' مختلف رنگوں' مختلف زبانوں' مختلف عادات واطوار پر نظر ڈال کر خدا کی قدرتِ کاملہ کا اندازہ کرو۔ ساتھ ہی زمین کی پیداوار کو دیکھو کہ رنگ برنگ کے کھٹے میٹھے سلونے طرح طرح کی خوشبوؤں والے میوے پھل فروٹ اور خصوصاً کھجور کے درخت جو نفع دینے والا اور لگنے کے وقت سے خشک ہو جانے تک اور اس کے بعد بھی کھانے کے کام میں آنے والا عام میوہ ہے۔ اس پر خوشے ہوتے ہیں جنہیں چیر کر پھل آتا ہے۔ پھر گدر ہو جاتا ہے پھر تر ہو جاتا ہے۔ پھر پک کر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بہت نافع ہے۔ ساتھ ہی اس کا درخت بالکل سیدھا اور بے ضرر ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قیصر نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میرے قاصد جو آپ کے پاس سے واپس آئے کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایک درخت ہوتا ہے' جس کی خوبیاں اور منافع کسی اور میں نہیں۔ وہ جانور کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے۔ پھر کھل کر موتی کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سبز ہو کر زمرد کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سرخ ہو کر یاقوت جیسا بن جاتا ہے۔ پھر پکتا ہے اور تیار ہو کر بہترین فالودے کے مزے کا ہو جاتا ہے۔ پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے بچاؤ کی اور مسافروں کے توشے بھتے کی چیزیں بن جاتا ہے۔ پس میرے قاصد کی یہ روایت اگر صحیح ہے تو میرے خیال میں تو یہ درخت جنت کا درخت ہے۔ اس کے جواب میں شاہ اسلام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ یہ خط ہے خدا کے غلام مسلمان بادشاہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے شاہ روم قیصر کے نام۔ آپ کے قاصدوں نے جو خبر آپ کو دی ہے وہ سچ ہے۔ اس قسم کے درخت ملکِ عرب میں بکثرت ہیں۔ یہی وہ درخت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اُگایا تھا۔ جب کہ ان کے لڑکے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اے بادشاہ اللہ سے ڈر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نہ سمجھ۔ اللہ ایک ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر فرمایا' ہو جا' پس وہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے سچی اور برحق بات یہی ہے' تجھے چاہئے کہ شک وشبہ کرنے والوں میں

---

۲ آیات میں جابجا اپنے احسانات کا تذکرہ فرمایا سب سے پہلے قرآن مجید کا کہ وہ کائنات انسان کی تمام فلاں اور بہبودی تعلیمات واحکام پر پھیلا ہوا ہے پھر خود انسان کی پیدائش کہ وہ انسان کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے پھر قوت بیان کہ انسان صرف اسی ایک قوت کی وجہ سے تمام حیوانات سے ممتاز ہے پھر اجرام فلکی کا جو انسان کے بہترین خادم ہیں اس کے بعد ترازو کا ہرگز مت سمجھئے کہ ترازو کا تذکرہ یوں ہی آ گیا ذرا سوچئے کہ تالونے اور ناپنے کے یہ تمام پیچیدہ آلات اگر آج ایجاد نہ ہوتے تو طبعیات (فزکس) کی حیرت انگیز ترقی کیسے ممکن ہوتی؟

نہ رہے۔ اَکْمَامُ کے معنی لیف کے بھی کئے جاتے ہیں۔ جو درخت کھجور کی گردن پر پوست کی طرح ہوتا ہے اور اس نے زمین میں بھوسی اور اناج پیدا کیا۔ عصف کے معنی کھیتی کے وہ سبز پتے' جو اوپر سے کاٹ دیئے گئے ہوں۔ پھر سکھا لئے ہوں۔ ریحان سے مراد پتے یہی ریحان جو اسی نام سے مشہور ہے یا کھیتی کے سبز پتے۔ مطلب یہ ہے کہ گیہوں جو وغیرہ کے وہ دانے جو بال پر بھوسی سمیت ہوتے ہیں اور جو پتے ان کے درختوں پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے ہی اگے ہوئے پتوں کو عصف کہتے ہیں اور دانے نکل آئیں بالیں پیدا ہو جائیں تو انہیں ریحان کہتے ہیں۔ جیسے کہ زید بن عمرو ابن نفیل کے مشہور قصیدے میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اے جنو اور انسانو' تم اپنی رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے[1]؟ یعنی تم اس کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہو اور مالا مال ہو رہے ہو۔ ناممکن ہے کہ حقیقی طور پر تم کسی نعمت کا انکار کر سکو اور اسے جھوٹا بتا سکو۔ ایک دو نعمتیں ہوں تو خیر۔ یہاں تو سرتاپا اس کی نعمتوں سے تم پُر ہو رہے ہو۔ اسی لئے مومن جنوں نے اسے سن کر جواب دیا: اَللّٰهُمَّ وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے: لَا فَاَیِّهَا یَارَبِّ یعنی خدایا ہم ان میں کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع رسالت کے زمانہ میں کہ ابھی امر اسلام کا پوری طرح اعلان نہ ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں رکن کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے اور مشرکین بھی سن رہے تھے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

اس نے انسان (کی اصل اول یعنی آدمؑ) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی' پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک ہے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی نے دو دریاؤں کو (صورۃً) ملایا کہ (ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے۔ سوائے جن وانس تم اپنی رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ

[1] اور نعمتوں کی سب سے بڑی تکذیب یہ ہے کہ ان کو غلط استعمال کیا جائے اور منعم حقیقی کے تمام احکام پر پابندی سے عمل نہ کیا جائے اس سورت میں یہ آیات اکتیس بار آئی ہے اور جیسا کہ دستور قرآنی ہے ہر مرتبہ ایک نئے معنی کی حامل ہو کرتا ہم اگر کوئی مصر ہو کہ آیت میں تکرار ہے اور کوئی نئے معنی پیدا نہیں ہوتے تو کوئی مضائقہ ہے اس لئے کہ عرب میں اس طرح کی تکرار بلاغت وفصاحت کا ایک اہم عنصر ہے اس کو خلاف بلاغت وفصاحت نہیں سمجھا جاتا۔

گے۔ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔سوائے جن وانس تم اپنی رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔اس کے (اختیار اور ملک میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے نظر آتے ہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ○

تخلیق انسانی:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ انسان کی پیدائش بجنے والی ٹھیکری جیسی مٹی سے ہوئی ہے اور جنات کی پیدائشی آگ کے شعلے سے ہوئی ہے' جو خالص اور احسن تھا۔مسند کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔فرشتے نور سے جنات نار سے اور انسان اس مٹی سے جس کا ذکر تمہارے سامنے ہو چکا ہے' پیدا کئے گئے ہیں۔پھر اپنی کسی نعمت کو نہ جھٹلانے کی ہدایت کر کے فرماتا ہے جاڑے اور گرمی کے دو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی دو مختلف جگہیں ہیں کہ وہاں سے چڑھتا اُترتا ہے اور موسم کے لحاظ سے یہ بدلتی رہتی ہیں۔ہر دن اُلٹ پھیر ہوتی رہتی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے۔مشرق و مغرب کا رب وہی ہے۔تو اسی کو اپنا وکیل سمجھ۔تو یہاں مراد جنس مشرق و مغرب ہے اور دو مشرق مغرب سے مراد طلوع و غروب کی دو جگہیں ہیں اور چونکہ طلوع و غروب کی جگہ کے جدا جدا ہونے میں انسانی منفعت اور اس کی مصلحت بنی تھی۔اس لئے پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تم اپنے رب کی نعمتوں کے منکر ہی رہو گے؟ اس کی قدرت کا نظارہ دیکھو کہ دو سمندر برابر چل رہے ہیں' ایک کھاری پانی کا ہی دوسرے میٹھے پانی کا لیکن نہ اس کا پانی اس میں مل کر اسے کھاری کرتا ہے نہ اس کا میٹھا پانی اس میں مل کر اس میٹھا کر سکتا ہے۔بلکہ دونوں اپنی رفتار سے چل رہے۔دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔نہ وہ اس میں مل سکے نہ وہ اس میں جا سکے۔یہ اپنی حد میں ہے وہ اپنی حد میں ہے اور قدرتی فاصلہ انہیں الگ الگ کئے ہوئے ہے۔حالانکہ دونوں پانی ملے ہوئے ہیں۔سورۂ فرقان کی آیت: وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ (سورہ فرقان:۵۳) کی تفسیر میں اس کی پوری تشریح گزر چکی ہے۔امام ابن جریر تو فرماتے ہیں' اس سے مراد آسمان کا دریا اور زمین کا دریا ہے۔امام ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ آسمان میں جو پانی کا قطرہ ہے اور صدف جو زمین کے دریا میں ہے۔ان دونوں سے مل کر لولو پیدا ہوتا ہے۔واقعہ تو ٹھیک یہ ہے لیکن اس آیت کی تفسیر اس طرح کرنی کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ آیت میں ان دونوں کے درمیان برزخ یعنی آڑ کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔جو اس کو اُس سے اور اُس کو اس سے روکے ہوئے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زمین میں ہی ہیں۔بلکہ ایک دوسرے سے مل کر چلتے ہیں۔مگر قدرت انہیں جدا رکھتی ہے۔آسمان و زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ برزخ اور حجر نہیں کہا جاتا۔اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ یہ زمین کے دو دریاؤں کا ذکر ہے۔نہ کہ آسمان اور زمین کے دریا کا۔ان دونوں میں سے نہیں' دونوں میں سے ایک میں سے جیسے اور جگہ جن و انس کو خطاب کر کے سوال ہوا ہے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ ظاہر ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہی ہوئے ہیں۔جنات میں کوئی جن نہیں آیا۔تو جیسے یہاں اطلاع صحیح ہے حالانکہ وقوع ایک میں ہے۔اسی طرح اس آیت میں بھی اطلاق دونوں دریا پر ہے اور وقوع ایک میں ہی ہے۔لولو یعنی موتی تو ایک مشہور و معروف چیز ہے۔مرجان کی نسبت کہا گیا ہے کہ چھوٹے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہت بڑے موتی کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ بہترین اور عمدہ موتی کو مرجان کہتے ہیں۔بعض کہتے ہیں' سرخ رنگ جواہر کو کہتے ہیں۔بعض کہتے ہیں سرخ رنگ مہرے کا نام ہے اور آیت میں ہے: وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا (سورہ فاطر:۱۲) یعنی تم ہر ایک میں سے نکلا ہوا گوشت کھاتے ہو جو تازہ ہوتا ہے اور پہننے کے زیور نکالتے ہو۔تو خیر مچھلی تو کھاری اور میٹھے پانی سے دونوں سے نکلتی ہے اور موتی مونگے صرف کھاری پانی میں سے نکلتے ہیں۔میٹھے میں سے نہیں نکلتے حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آسمان کا جو قطرہ سمندر کی سیپ کے منہ میں سیدھا جاتا ہے وہ لولو بن جاتا ہے اور جو صدف میں نہیں جاتا تو اس سے عنبر پیدا ہوتا ہے۔ مینہ برسنے کے وقت سیپ اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ پس اس نعمت کو بیان فرما کر پھر دریافت فرماتا ہے کہ ایسی ہی بے شمار نعمتیں جس رب کی ہیں' بھلا کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے بادبانوں والے جہاز جو دور سے نظر پڑتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ جو ہزاروں من مال اور سینکڑوں انسانوں کو ادھر ادھر لے جاتے ہیں' لے آتے ہیں۔ یہ بھی تو اس خدا کی ملکیت میں ہیں۔ اس عالیشان نعمت کو یاد دلا کر پھر پوچھتا ہے کہ اب بتلاؤ انکار کئے کیسے بن آئے گی؟ حضرت عمیرہ بن سوید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دریائے فرات کے کنارے پر تھا' ایک بلند و بالا بڑا جہاز آ رہا تھا[1]۔ اسے دیکھ کر آپ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا اس خدا کی قسم جس نے پہاڑوں جیسی ان کشتیوں کو مواج سمندر میں جاری کیا ہے۔ نہ میں نے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا نہ اس کے قتل کا ارادہ کیا نہ قاتلوں کے ساتھ شریک ہوا نہ ان سے خوش نہ ان پر نرم۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

جتنے (جن وانس) روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت والی اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔ سواے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ سواے جن وانس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے خالی ہو جاتے ہیں۔ سواے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ○

انجام دھر ہے کل من علیہا فان:

فرماتا ہے کہ زمین کی کل مخلوق فنا ہونے والی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ اس پر کچھ نہ ہوگا۔ کل جاندار مخلوق کو موت آ جائے گی۔ اسی طرح کل آسمان والے بھی موت کا مزہ چکھیں گے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ صرف ذات خدا باقی رہ جائے گی۔ جو ہمیشہ ہے اور ہمیشہ گی۔ جو موت وفات سے پاک ہے۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اولاً تو پیدائش کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کی فنا کا ذکر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک منقول دعا میں بھی ہے: قَيُّوْمُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنَآ اِلٰٓى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّلَآ اِلٰٓى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ ۔ یعنی اے ہمیشہ جینے والے اور ابد

[1] قابل غور ہے یہ حقیقت کہ قرآن مجید بحری منافع کا کس اہمیت کے ساتھ اور بار بار تذکرہ کرتا ہے اعلام کی تصریح نے صاف کر دیا کہ قرآن مجید کے پیش نظر چھوٹی چھوٹی معمولی کشتیاں نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے جہاز ہیں جن کی سینکڑوں اقسام بحری وجود میں قیامت تک آتی رہیں گی۔

لاَ بادتک قائم رہنے والے خدا' اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے رب' اے جلال اور بزرگی والے رب تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ہم تیری رحمت ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہمارے تمام کام بنا دے اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو ہمیں ہماری طرف نہ سونپ دے اور نہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی طرف۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پڑھا جائے تو ٹھہرنا نہیں چاہئے بلکہ ساتھ ہی: وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ پڑھ لیا جائے۔اس آیت کا مضمون دوسری آیت میں اس طرح ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (سورہ قصص:۸۸) سوائے ذاتِ باری کے ہر چیز ناپید ہونے والی ہے۔ پھر اپنے چہرے کی تعریف میں فرماتا ہے' وہ ذوالجلال ہے۔ یعنی اس قابل ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔اس کا جاہ وجلال مانا جائے اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے فرمان کی خلاف ورزی سے رکا جائے۔ جیسے اور جگہ ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ (سورہ کہف:۲۸) جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی ذات کے مرید ہیں۔تو ان کے ساتھ اپنے نفس کو روکے رکھ اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نیک لوگ صدقہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم محض اللہ تعالیٰ کے منہ کی وجہ سے کھلاتے پلاتے ہیں۔ وہ کبریائی بڑائی عظمت اور جلال والا ہے۔ پس اس بات کو بیان فرما کر کہ تمام اہل زمین فوت ہونے میں اور قیامت کے دن خدا کے سامنے پیش ہونے میں برابر ہیں اور اس دن وہ بزرگی والا خدا ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ حکم فرمائے گا۔ ساتھ ہی فرمایا۔ اب تم اے جن وانس رب کی کون سی نعمت کا انکار کرتے ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور کل مخلوق اس کی یکسر محتاج ہے۔ سب کے سب سائل ہیں اور وہ غنی ہے۔ سب فقیر ہیں اور وہ سب کے سوال پورے کرنے والا ہے۔ ہر مخلوق اپنے حال و قال سے اپنی حاجتیں اس کی سرکار میں لے جاتی ہے اور ان کے پورا کرنے کا سوال کرتی ہے۔ وہ ہر دن نئی شان میں ہے[1]۔اس کی شان ہے کہ ہر پکارنے والے کو جواب دے۔ مانگنے والے کو عطا فرمائے۔ تنگ حالوں کو کشادگی دے۔ مصیبت وآفات والوں کو رہائی بخشے۔ بیماروں کو تندرستی عنایت فرمائے[2]۔غم وہم دور کرے۔ بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا قبول فرما کر اسے قرار اور آرام عنایت فرمائے۔ گنہگاروں کے واویلا پر متوجہ ہو کر خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ گنہگاروں کو بخشے' زندگی وہ دے۔ موت وہ لائے۔ تمام روئے زمین والے۔ کل آسمان والے اس کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ چھوٹوں کو بڑا وہ کرتا ہے۔ قیدیوں کو رہائی وہ دیتا ہے۔ نیک لوگوں کی حاجتوں کا منتہیٰ ان کی پکار کا مدعا ان کے شکوے شکایت کا مرجع وہی ہے۔ غلاموں کو آزادی رغبت والوں کو عطیہ وہی عطا فرماتا ہے۔ یہی اس کی شان ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ شان کیا ہے؟ فرمایا گناہوں کا بخشنا' دکھ کو دور کرنا' لوگوں کو ترقی اور تنزل پر لانا' ابن ابی حاتم میں اور ابن عساکر میں بھی کچھ اسی قسم کے ہم معنی ایک حدیث ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت معلقاً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ

---

[1] آیت مبارکہ میں رد آ گیا ان تمام گمراہ افکار اور عقائد کا جو خدا تعالیٰ کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کائنات کے پیدا کرنے کے بعد اب بالکل فارغ و معطل ہے اور اب اس عالم کا انتظام دوسری طاقتیں چلا رہی ہیں ساتھ ہی رد آ گیا دور حاضر کے سب سے بڑے کافر ملحد اعظم بانی انقلاب روس لینن کا جس نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ سائنٹفک سوشلزم نے خدا کو بے کار کر دیا ہے والعیاذ باللہ عقل کا کوارا کیسے سمجھتا کہ انسان کے راکٹ بھی آسمان پر محض خدا تعالیٰ ہی مشیت سے اڑ رہے ہیں اور یہی وہ اس کی شان ہے جو ہر لحظہ ہر چیز میں کار فرما اور متصرف ہے۔

[2] یہ راقم السطور ایک عرصے سے طویل اور پریشان کن بیماری میں مبتلا ہے تدابیر و معالجہ کے باوجود اب تک صحت کاملہ حاصل نہ ہو سکی اے پروردگار شافع مطلق مجیب الدعوات سمیع الدعا آپ کا ہر وعدہ سچا ہے آپ اصدق القائلین ہیں اپنے وعدے پورے کرتے ہیں بطفیل سید سرور کائنات ﷺ اس عاصی و جملہ مومنین کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ دائمہ حیات طویلہ طیبہ مبارکہ مسعودہ عنایت فرمائیے آمین. بجاہ سید المرسلین تمام ناظرین سے اسی دعا کی مخلصانہ گزارش ہے۔

تعالیٰ عنہ کے قول سے موجود ہے۔ بزار میں بھی کچھ الفاظ کی کمی کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا۔ اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم نوری ہے۔ اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے۔ ہر نگاہ پر جلاتا اور مارتا اور عزت و ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے گروہ جن وانس کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان کی حدود سے اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر (قیامت کے روز) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا۔ پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔ سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ۞

حساب و کتاب:

فارغ ہو جانے کے یہ معنی نہیں کہ اب وہ کسی مشغولیت میں ہے۔ بلکہ یہ بطور ڈانٹ کے فرمایا گیا ہے کہ صرف تمہاری طرف پوری توجہ فرمانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اب کھرے کھرے فیصلے ہو جائیں گے۔ اسے کوئی اور چیز مشغول نہ کرے گی۔ بلکہ صرف تمہارے حساب ہی لے گا۔ محاورہ عرب کے مطابق یہ کلام کیا گیا ہے جیسے غصہ کے وقت کوئی کسی سے کہتا ہے۔ اچھا فرصت کے وقت تجھ سے نمٹ لوں گا۔ تو یہ معنی نہیں کہ اس وقت مشغول ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایک خاص وقت تجھ سے نمٹنے کا نکالوں گا اور تیری غفلت میں تجھے پکڑ لوں گا۔ ثقلین سے مراد انسان اور جن ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں ہے' اسے سوائے ثقلین کے ہر چیز سنتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے سوائے انسانوں اور جنوں کے اور حدیث صور میں صاف ہے کہ ثقلین یعنی جن وانس پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اے جنو اور انسانو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے۔ بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ہر ہر حکم تم پر بے روک جاری ہے۔ جہاں جاؤ' اسی کی سلطنت ہے' حقیقتاً یہ واقع ہوگا۔ میدان حشر میں کہ مخلوقات کو ہر طرف سے فرشتے احاطہ کئے ہوئے ہوں گے۔ چاروں جانب ان کی سات سات صفیں ہوں گی۔ کوئی شخص بغیر دلیل کے اِدھر اُدھر نہ ہو سکے گا اور دلیل سوائے امر الٰہی حکم خدا کے اور کچھ نہیں۔ انسان اس دن کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کدھر ہے؟ لیکن جواب ملے گا کہ آج تو رب کے سامنے ہی کھڑا ہونے کی جگہ ہے اور آیت میں ہے: وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ...... (سورہ یونس: ۲۷) یعنی بدیاں کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مانند سزا ملے گی۔ ان پر ذلت سوار ہو گی اور اللہ کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہ ہو گا۔ ان کے منہ مثل اندھیری رات کے ٹکڑوں کے ہوں گے۔ یہ جہنمی گروہ ہے۔ جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ شُوَاظٌ کے معنی آگ کے شعلے جو دھواں ملے ہوئے سبز رنگ کے

جھلسا دینے والے ہوں۔ بعض کہتے ہیں بے دھوئیں کا آگ کے اوپر کا شعلہ جو اس طرح لپکتا ہے کہ گویا کہ پانی کی موج ہے۔ نُحاس کہتے ہیں دھوئیں کو۔ یہ لفظ نون کے زبر سے بھی آتا ہے۔ لیکن یہاں قراءت نون کے پیش سے ہی ہے۔ نابغہ کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔ ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل ہے کہ شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو اور آپ نے اس سند میں امیہ بن ابوصلت کا شعر پڑھ کر سنایا اور نحاس کے معنی آپ نے کئے ہیں محض دھواں جس میں شعلہ نہ ہو اور اس کی شہادت میں بھی ایک عربی شعر نابغہ کا پڑھ کر سنایا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں نحاس سے مراد پیتل ہے۔ جو پگھلایا جائے گا اور ان کے سروں پر بہایا جائے گا۔ بہر صورت مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن میدانِ محشر سے بھاگنا چاہو تو فرشتے اور جہنم کے داروغے تم پر آگ برسا کر دھواں چھوڑ کر تمہارے سر پر گھلا ہوا پیتل بہا کر تمہیں واپس لوٹا لائیں گے۔ تم نہ ان سے مقابلہ کر سکتے ہو نہ انہیں دفع کر سکتے ہو۔ نہ ان سے انتقام لے سکتے ہو۔ پس تمہیں رب کی کسی نعمت سے انکار نہ کرنا چاہئے۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ إِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٥﴾

ع ۲ ۱۲

غرض جب (قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ نری (یعنی چمڑا) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز (اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کے لئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جائے گا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے (کہ سیاہی چہرہ و نیلگوں چشم ہے) پہچانے جائیں گے۔ سو (ان کے) سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ لوگ دوزخ کے اردگرد کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ○

قیامت کی ہولناکیاں:

آسمان کا پھٹ جانا اور آیتوں میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (سورہ حاقہ: ۱۶) اور جگہ ہے: وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ...... (سورہ فرقان: ۲۸) اور فرمان ہے: إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ...... (سورہ انشقاق: ۱) وغیرہ۔ جس طرح چاندی وغیرہ پگھلائی جاتی ہے۔ یہی حالت آسمان کی ہو جائے گی۔ رنگ پر رنگ بدلے گا کیونکہ قیامت کی ہولناکی اس کی شدت و دہشت ہے ہی ایسی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگ قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر ہلکی بارش کی طرح

برستا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سرخ چمڑے کی طرح ہو جائے گا اور روایت میں ہے۔ گلابی رنگ گھوڑے کے رنگ جیسا آسمان کا رنگ ہو جائے گا۔ ابوصالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ پہلے گلابی رنگ ہوگا پھر سرخ ہو جائے گا۔ گلابی رنگ گھوڑے کا رنگ موسم بہار میں تو زردی مائل نظر آتا ہے اور جاڑے میں بدل کر سرخ معلوم ہوتا ہے۔ جوں جوں سردی بڑھتی ہے اس کا رنگ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح آسمان پر بھی رنگ پر رنگ بدلے گا۔ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ جیسے روغن گلاب کا رنگ ہوتا ہے۔ اس رنگ کا آسمان ہو جائے گا۔ آج وہ سبز رنگ ہے۔ لیکن اس دن اس کا رنگ سرخی لئے ہوئے ہوگا۔ زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا۔ جیسے اور آیت میں ہے: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ...... (سورہ مرسلات: ۳۸) یہ وہ دن ہے کہ بات نہ کریں گے۔ نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر معذرت کریں۔ ہاں اور آیات میں ان کا بولنا عذر کرنا ان سے حساب لیا جانا وغیرہ بھی بیان ہوا ہے۔ فرمان ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (سورہ حجر: ۹۲) تیرے رب کی قسم ہم سب سے سوال کریں گے اور ان کے کل کاموں کی پرسش کریں گے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایک موقعہ پر یہ ہے۔ دوسرے موقعہ پر یہ ہے پرسش ہوئی' حساب کتاب ہوا' عذر معذرت ختم کر دی گئی۔ اب منہ پر مہر لگ گئی۔ ہاتھ پاؤں اور اعضاء جسم نے گواہی دی۔ پھر پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی۔ عذر معذرت توڑ دی گئی اور یہ تطبیق بھی ہے کہ کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ فلاں عمل کیا؟ یا نہیں کیا؟ کیوں کہ خدا کو خوب معلوم ہے۔ ہاں جو سوال ہوگا' وہ یہ کہ ایسا کیوں کیا؟ تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتے پوچھیں گے نہیں۔ وہ تو چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور جہنمی زنجیروں سے باندھ کر اوندھے گھسیٹ کر جہنم واصل کر دیں گے۔ جیسے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ گنہگار اپنے چہروں اور اپنی خاص علامتوں سے ہی پہچان لئے جائیں گے چہرے سیاہ ہوں گے آنکھیں کیری ہوں گی۔ ٹھیک اسی طرح مومنوں کے چہرے بھی الگ ممتاز ہوں گے۔ ان کے اعضائے وضو چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جس طرح بڑی لکڑی کو دو طرف سے پکڑ کر تنور میں جھونک دیا جاتا ہے۔ پیٹھ کی طرف سے زنجیر لا کر گردن اور پاؤں ایک کر کے باندھ دیئے جائیں گے۔ کمر توڑ دی جائے گی اور قدم اور پیشانی ملا دی جائے گی اور جکڑ دیا جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص سیدھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا۔ پردے کے پیچھے بیٹھا اور ام المومنین سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ کسی وقت آپ کو کسی شخص کی شفاعت کا اختیار نہ ہوگا۔ ام المومنینؓ نے جواب دیا' ہاں ایک مرتبہ ایک ہی کپڑے میں ہم دونوں تھے۔ جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہاں جب کہ پل صراط رکھا جائے گا۔ اس وقت مجھے کسی کی شفاعت سفارش کا اختیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ میں جان لوں گا کہ خود مجھے کہاں لے جاتے ہیں؟ اور جس وقت کہ چہرے سیاہ سفید ہونے شروع ہوں گے۔ یہاں تک کہ میں دیکھ لوں گا کہ مجھ پر کیا وحی بھیجی جاتی ہے؟ اور جب جہنم پر پل رکھا جائے اور تیز اور گرم کیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ اس کی تیزی اور گرمی کی کیا حد ہے؟ فرمایا تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا اور آگ کے انگارے جیسا گرم ہوگا۔ مومن تو بے ضرر گزر جائے گا اور منافق لٹک جائے گا۔ جب بیچ میں پہنچے گا۔ اس کے قدم پھنس جائیں گے۔ یہ اپنے ہاتھ اپنے پیروں کی طرف جھکائے گا۔ جس طرح کوئی ننگے پاؤں چل رہا ہو اور اسے کانٹا لگ جائے اور اس زور کا لگے' گویا اس نے اس کے پاؤں کو چھید دیا' تو کس طرح بے صبری اور جلدی سے وہ سر اور ہاتھ جھکا کر اس کی طرف جھک پڑتا ہے' اسی طرح یہ جھکے گا۔ ادھر یہ جھکا اُدھر داروغہ جہنم اس کی پیشانی اور قدم جہنم کی زنجیروں سے جکڑ لیں گے اور جہنم کی آگ میں گرا دیں گے۔ جس میں تقریباً پچاس سال تک وہ گہرا اُترتا جائے گا۔ میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جہنمی کس قدر بوجھل ہوگا۔ آپ نے فرمایا مثل دس گیابھن اونٹنیوں کے۔ پھر

آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض فقروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے منکر ہونا ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ہے جس کا نام بھی نیچے کے راوی نے نہیں لیا۔ ایسے دلائل صحت کے قابل نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔ ان گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ لو جس جہنم کا تم انکار کرتے تھے' اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ یہ انہیں بطور رسوا اور ذلیل کرنے شرمندہ اور نادم کرنے ان کی خفت بڑھانے کے لئے کہا جائے گا۔ پھر ان کی یہ حالت ہوگی کہ کبھی آگ کا عذاب ہو رہا ہے۔ کبھی پانی کا۔ کبھی جحیم میں جلائے جا رہے ہیں اور کبھی حمیم پلائے جاتے ہیں۔ جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح محض آگ ہے جو آنتوں کو کاٹ دیتی ہے اور جگہ ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ...... (سورہ غافر:۷۱) جب کہ ان گردنوں میں طوق ہوں گے اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں۔ وہ حمیم سے جحیم میں گھسیٹے جائیں گے اور بار بار جلائے جائیں گے۔ یہ گرم پانی حد درجہ گرم ہوگا۔ یعنی یوں کہنا ٹھیک ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ ہی ہے۔ جو پانی کی صورت میں ہے۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے آج تک وہ گرم کیا جا رہا ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں' بدکار شخص کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اس گرم پانی میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ تمام گوشت گھل جائے گا اور ہڈیوں کو چھوڑ دے گا۔ بس وہ آنکھوں اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔ اسی کو فرمایا: فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ (سورہ غافر:۷۲) کے معنی حاضر کئے بھی گئے ہیں اور آیت میں ہے: تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ (سورہ غاشیہ:۵) سخت گرم موجود پانی کی نہر سے انہیں پانی پلایا جائے گا۔ جو ہرگز نہ پی سکیں گے۔ کیونکہ وہ بے انتہا گرم بلکہ مثل آگ کے ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے: غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ (سورہ احزاب:۵۳) وہاں مراد تیاری اور پک جانا ہے۔ چونکہ بدکاروں کی سزا اور نیک کاروں کی جزا بھی اس کا فضل و رحمت عدل ولطف ہے۔ اپنے ان عذابوں کا پہلے سے بیان کر دینا تا کہ شرک و معاصی کے کرنے والے ہوشیار ہو جائیں۔ یہ بھی اس کی نعمت ہے۔ اس لئے فرمایا پھر تم اے جن وانس اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے (جنت میں دو باغ ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے کثیر شاخوں والے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جائیں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو قسمیں ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنی رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ○

خشیت الٰہی:

ابن شوذب اور عطا خراسانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت: وَلِمَنْ خَافَ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے

میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عطیہ بن قیس رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جس نے کہا تھا مجھے آگ میں جلادینا تاکہ میں اللہ تعالیٰ کو نہ ملوں۔ اس کلمے کے کہنے کے بعد ایک رات ایک دن توبہ کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اسے جنت میں لے گیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا قول یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے اور خود کو نفس کی خواہشوں سے بچاتا ہے اور سرکشی نہیں کرتا۔ زندگانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غفلت نہیں کرتا۔ بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے اور اسے بہتر اور پائیدار سمجھتا ہے۔ فرائض بجالاتا ہے۔ محرمات سے رکتا ہے۔ قیامت کے دن اسے ایک چھوڑ دو جنتیں ملیں گی۔ صحیح بخاری میں ہے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی ہی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی۔ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا۔ ان جنتیوں میں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی' سوائے اس کبریائی کے پردے کے' جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔ یہ جنت عدن میں ہوں گے۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے بجز ابوداؤد کے۔ عماد فرماتے ہیں' میرے خیال میں تو یہ حدیث مرفوع ہے۔ تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلِمَنْ خَافَ اور وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ کی۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت کی' تو میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو۔ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ میں نے پھر یہی کہا۔ آپ نے پھر یہی آیت پڑھی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ نسائی۔ بعض سند سے یہ روایت موقوف بھی ہے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جس دل میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف ہوگا' ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا چوری ہو۔ یہ آیت عام ہے انسانوں اور جنات دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے بھی جو ایمان لائیں اور تقویٰ کریں۔ وہ جنت میں جائیں گے۔ اسی لئے جن وانس کو اس کے بعد خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے؟ پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ یہ نہایت ہی سرسبز شاداب ہیں۔ بہترین اعلیٰ خوش ذائقہ عمدہ اور تیار پھل ہر قسم کے ان میں موجود ہیں۔ تمہیں نہ چاہئے کہ تم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کا انکار کرو۔ افنان' شاخوں اور ڈالیوں کو کہتے ہیں۔ یہ اپنی کثرت سے ایک دوسری سے ملی جلی ہوئی ہوں گی۔ یہ سایہ دار ہوں گی۔ جن کا سایہ دیواروں پر بھی چڑھا ہوا ہوگا۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ یہی معنی بیان کرتے ہیں اور عربی کے شعر کو اس پر دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ یہ شاخیں سیدھی اور پھیلی ہوئی ہوں گی۔ رنگ برنگ کی ہوں گی۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں طرح طرح کے میوے ہوں گے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہٰی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا' اس کی شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس میں چلا جاتا رہے گا اور فرمایا سو سوار اس کے تلے سایہ حاصل کرلیں۔ سونے کی ٹڈیاں اس پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں جیسے اور بہت بڑے گول تھے (ترمذی)۔ پھر ان میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ ایک ستھرے پانی کی' دوسری لذت والے بے نشے کے شراب کی۔ ان میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بھی موجود ہیں اور پھل بھی وہ جن سے تم صورت شناس ہو لیکن لذت شناس نہیں ہو کیونکہ وہاں کی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں نہ کسی دماغ میں آسکتی ہیں۔ تمہیں رب کی نعمتوں کی ناشکری سے رک جانا چاہئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں' دنیا میں جتنے بھی کڑوے میٹھے پھل ہیں' وہ سب جنت میں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حنظل یعنی اندرائن بھی ہاں دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی ان چیزوں

کے نام تو ملتے جلتے ہیں۔ حقیقت اور لذت بالکل جداگانہ ہے۔ یہاں تو صرف نام ہیں۔ اصلیت تو جنت میں ہے۔ اس فضیلت کا فرق وہاں جانے کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی کہ ان جنتی لوگوں سے پہلے ان پر نہ کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز عنایت کے اور بھی کچھ ہوسکتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے ○

فردوس بریں اور اس کی نعمتیں:

جنتی لوگ بےفکری سے تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ خواہ لیٹے ہوئے ہوں خواہ آرام بیٹھے ہوئے تکیہ سے لگے ہوئے ہوں۔ ان کے بچھونے بھی اتنے بڑھیا ہوں گے کہ ان کے اندر کا استر بھی دبیز اور خالص زریں ریشم کا ہوگا۔ پھر ذرا سوچو کہ اوپر کا ابر کیسا کچھ ہو گا۔ مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ استر کا حال یہ ہے اور ابرا تو محض نورانی ہوگا۔ جو سراسر اظہار رحمت ونور ہوگا۔ پھر اس پر بہترین گلکاریاں ہیں۔ جنہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان جنتوں کے پھل جنتیوں سے بالکل قریب ہیں۔ جب چاہیں جس حال میں چاہیں وہیں سے لے لیں۔ لیٹے ہوں تو بیٹھا ہونے کی اور بیٹھے ہوں تو کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں۔ خود بخود شاخیں جھوم جھوم کر جھکتی رہتی ہیں جیسے فرمایا: قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ (سورہ حاقہ: ۲۳) اور وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا...... (سورہ دھر: ۱۴) یعنی بےحد قریب میوے ہیں۔ لینے والے کو کوئی تکلیف یا تکلفکی ضرورت نہیں۔ خود شاخیں جھک جھک کر انہیں میوے دے رہی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے انکار سے باز رہو۔ چونکہ فروش کا بیان ہوا تھا۔ تو ساتھ ہی فرمایا کہ ان فروش پر ان کے ساتھ ان کی بیویاں ہوں گی۔ جو عفیفہ پاک دامن شرمیلی نیچی نگاہ والی ہوں گی کہ اپنے خاوند کے سوا کسی پر نظریں نہ ڈالیں گی اور ان کے خاوند بھی ان پر سو جان سے مائل ہوں گے۔ یہ بھی جنت کی کسی چیز کو اپنے مومن خاوندوں سے بہتر نہ پائیں گی۔ یہ بھی نقل ہے کہ یہ حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی خدا کی قسم ساری جنت میں میرے لئے تم سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میرے دل میں جنت کی کسی چیز کی خواہش ومحبت اتنی نہیں۔ جتنی آپ کی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو میرے حصے میں کر دیا اور مجھے آپ کی خدمت کا شرف بخشا۔ یہ حوریں کنواری دوشیزائیں ہوں گی۔ ان جنتیوں سے پہلے ان کی کسی انس وجن کا ہاتھ بھی نہیں لگا۔ یہ آیت بھی مومن جنوں

کے جنت میں جانے کی دلیل ہے۔ حضرت ضمرہ بن جیب سے سوال ہوتا ہے کہ کیا مومن جن بھی جنت میں جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں اور جنیہ عورتوں سے ان کے نکاح ہوں گے۔ جیسے انسانوں کے کے انسان عورتوں سے۔ پھر یہی آیتیں تلاوت کیں۔ پھر ان حوروں کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی صفائی اور خوبی اور حسن میں ایسی یاقوت و مرجان۔ یاقوت سے صفائی میں تشبیہ دی اور مرجان سے بیاض میں۔ اس لئے مرجان سے مراد یہاں لولوء ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اہل جنت کی بیویوں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ستر ستر حلوں کے پہننے کے بعد بھی نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ اندر کا گودا بھی۔ پھر آپ نے آیت: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ پڑھی اور فرمایا دیکھو یاقوت ایک پتھر ہے لیکن قدرت نے اس کی صفائی اور جوت ایسی رکھی ہے کہ اس کے بیچ میں تاگہ پرو دو تو باہر سے نظر آتا ہے (ابن ابی حاتم)۔ یہ روایت ترمذی میں بھی موقوفاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موجود ہے اور امام ترمذی اسے صحیح بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے' پیغمبر مدنی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر اہل جنت کی دو بیویاں اس صفت کی ہوں گی کہ ستر ستر جلے پہن لینے کے بعد بھی ان کی پنڈلیوں کی جھلک نمودار رہے گی۔ بلکہ اندر کا گودا بھی بوجہ صفائی کے دکھائی دے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' کیا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی' وہ چاند جیسی صورتوں والی ہوگی۔ ان کے پیچھے جو جماعت جائے گی وہ آسمان کے بہترین چمکیلے تاروں جیسے چہروں والی ہوگی۔ ان میں سے ہر شخص کی دو دو بیویاں ہوں گی۔ ایسی جن کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی بے بیوی کے نہ ہوگا۔ اس حدیث کی اصل بخاری میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' خدا کی راہ کی صبح اور اس کی راہ کی شام ساری دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ جنت میں جو جگہ تمہیں ملے گی' ان میں سے ایک کمان یا ایک کوڑے کے برابر کی جگہ ساری دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے افضل ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو زمین و آسمان کو جگمگا دے اور خوشبو سے تمام عالم مہک اُٹھے۔ ان کی ہلکی سی چھوٹی دوپٹیا بھی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے گراں ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث بھی ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ دنیا میں جس نے نیکی کی اس کا بدلہ آخرت میں سلوک و احسان کے سوا اور کچھ نہیں۔ جیسے ارشاد ہے: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ نیکی کرنے والے کے لئے نیکی اور زیادتی۔ یعنی جنت اور دیدار باری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کر کے اپنے اصحابؓ سے پوچھا' جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پورا علم ہے۔ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں جس پر اپنی توحید کا انعام دنیا میں کروں' اس کا بدلہ آخرت میں جنت ہے اور چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس احسان اور فضل و کرم ہے۔ اس کے بعد ہی فرمایا' اب تم میری کس کس نعمت سے لاپروائی برتو گے؟ رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی ذہن میں رہے کہ جو ڈرے گا وہ رات کے وقت ہی کوچ کرے گا اور جو اندھیری رات میں چل پڑا وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ' خدا کا سودا بہت گراں ہے۔ یاد رکھو وہ سودا جنت ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے آیت: وَلِمَنْ خَافَ پڑھی تو میں نے کہا اگر چہ چوری کی ہو؟ باقی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع ۳ ۱۳

اوران دونوں باغوں سے کم درجہ دو باغ اور ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنی رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ دونوں باغ گہرے سرسبز ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہوں گی (یعنی حوریں) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہوں گی (اور خیموں میں محفوظ ہوں گی) سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (اور) ان جنتی لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنی رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ سبز شجر اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا برکت والا نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے حدیث

دو دو سری جنتیں:

یہ دونوں جنتیں جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے' ان جنتوں سے کم مرتبہ ہیں۔ جن کا ذکر پہلے گزرا اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی' جس میں ہے دو جنتیں سونے کی اور دو جنتیں چاندی کی ہوں گی۔ پہلی دو تو مقربین خاص کی جگہ ہیں اور دوسری دو اصحاب یمین کی۔ الغرض درجے اور فضیلت میں یہ دوان دو سے کم ہیں۔ جس کی دلیلیں بہت سی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا ذکر اور صفت ان سے بہت پہلے بیان ہوئی اور یہ تقدیم بیان بھی دلیل ہے ان کی فضیلت کی۔ پھر یہاں: وَمِنْ دُوْنِهِمَا فرمانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ ان سے کم مرتبہ ہیں۔ وہاں ان کی تعریف میں: ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ کہا تھا۔ یعنی بکثرت مختلف مزے کے میووں والی شاخوں دار۔ یہاں فرمایا: مُدْهَآمَّتٰنِ یعنی پانی کی پوری

تری سے سیاہ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں سبز۔ محمد بن کعب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سبزی سے پُر۔ قتادہ فرماتے ہیں ا
قدر پھل پکے ہوئے تیار ہیں کہ وہ ساری جنت سرسبز معلوم ہو رہی ہے۔ الغرض وہاں شاخوں کی کثرت بیان ہوئی اور یہاں درختوں
کثرت بیان فرمائی گئی تو ظاہر ہے کہ اس میں اور اس میں بھی بہت فرق ہے۔ ان کی نہروں کی بابت لفظ تَجرِيٰنِ ہے اور یہاں لفظ نَضّ
خَتٰنِ ہے یعنی ابلنے والی اور یہ ظاہر ہے کہ نضخ سے جری یعنی ابلنے سے بہنا بہت برتری والا ہے۔ حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں
یعنی پُر ہیں پانی رکتا نہیں اور لیجئے وہاں فرمایا تھا کہ ہر قسم کے میووں کے جوڑے ہیں اور یہاں فرمایا اس میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں
تو ظاہر ہے کہ پہلے کے الفاظ عمومیت لئے ہوئے ہیں۔ وہ قسم کے اعتبار سے اور کیت کے اعتبار سے بھی اس سے افضلیت رکھتے ہیں
کیونکہ یہاں لفظ فَاكِهَةٌ اگرچہ نکرہ ہے لیکن سیاق میں اثبات کے ہے۔ اس لئے عام نہ ہوگا۔ اسی لئے بطور تفسیر کے بعد میں نخل ور ما
کہہ دیا۔ جیسے عطف خاص عام پر ہوتا ہے۔ امام بخاری وغیرہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ کھجور اور انار کو خصوصاً اس لئے ذکر کیا کہ اور میووں
انہیں شرف ہے۔ مسند عبد بن حمید میں ہے یہودیوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جنت میں میوے ہیں
آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا ہاں ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے، پئیں گے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلکہ بہت کچھ زیادہ بہت کچھ زیادہ۔ انہوں نے کہا پھر کیا وہاں فضلہ بھی نکلے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں، بلکہ پسید
آ کر سب ہضم ہو جائے گا۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔ جنتی کھجور کے درختوں کے ریش کا جنتیوں کا لباس بنے گا۔
سرخ رنگ سونے کے ہوں گے۔ اس کے تنے سبز زمردیں ہوں گے۔ اس کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مسکے سے زیادہ نرم ہوں گے
گٹھلی بالکل نہ ہوگی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے جنت کے انار دیکھے۔ اتنے بڑے[1] تھے کہ جیسے اونٹ مع ہودج۔ خیرات کے معن
یہ کثرت اور بہت حسین۔ نہایت نیک خلق اور بہتر خلق۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ معنی مروی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حوریں
جو گانا گائیں گی ان میں یہ بھی ہوگا، ہم خوش خلق خوبصورت ہیں۔ جو بزرگ خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ پوری حدیث سورہ واق
کی تفسیر میں ابھی آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ تشدید سے بھی پڑھا گیا ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی
تکذیب کرتے ہو؟ حوریں ہیں خیموں میں رہتی سہتی ہیں۔ یہاں بھی وہی فرق ملاحظہ ہو کہ وہاں تو فرمایا تھا کہ خود وہ حوریں اپنی نگاہ نیچی
رکھتی ہیں اور یہاں فرمایا، ان کی نگاہیں نیچی کی گئی ہیں۔ پس اپنے آپ ایک کام کو کرنا اور دوسرے سے کرایا جانا ان دونوں میں کس قدر
فرق ہے۔ گو پردہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے خیرہ ہے
یعنی نیک اور نورانی حور اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور ہر خیمہ کے چار دروازے ہیں۔ جن میں سے ہر روز تحفہ کرامت ہدیہ اور انعام آ
رہتا ہے۔ نہ وہاں کوئی فساد ہے نہ سختی ہے نہ گندگی ہے نہ بدبو ہے۔ حوروں کی صحبت ہے جو اچھوتے صاف سفید چمکیلے موتیوں جیسی ہیں
صحیح بخاری شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جنت میں ایک خیمہ ہے در مجوف کا۔ جس کا عرض ساٹھ میل کا ہے
اس کے ہر ہر کونے میں جنتی کی بیویاں ہیں۔ جو دوسرے کونے والیوں کو نظر نہیں آتیں۔ مومن ان سب کے پاس آتا جاتا رہے گا۔ دوسری
روایت میں چوڑان کا تیس میل ہونا مروی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں خیمہ ایک ہی لولو کا

[1] فلسطین و شام کے علاقے میں انار ایسے بھی ملتے ہیں جن کے چھلکے کے سائے میں ایک آدمی بخوبی بیٹھ جائے دیکھو کتاب بلاد فلسطین شام۔ اس
لئے ایسی احادیث کا انکار نہ کرنا چاہئے۔

[2] ایسا گانا جیسا کہ ہر ایک آدمی سرور و مسرت کے وقت میں کچھ نہ کچھ گنگنا لیتا ہے ظاہر ہے کہ گانے سے یہاں ممنوع اور ناجائز گانا مراد نہیں ہے۔

ہے۔ جس کے ستر دروازے موتی کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ چار فرسخ چوڑا۔ جس کے چار ہزار دروازے ہوں گے اور چوکھٹیں سب سونے کی ہوں گی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور لؤلؤ وزبرجد کا محل ہوگا۔ جو جابیہ[1] سے صنعا تک پہنچے۔ پھر فرماتا ہے ان بے مثل حسینوں کی پنڈیاں اچھوتی ہیں۔ کسی جن وانس کا گزران کے پاس نہیں ہوا۔ پہلے بھی اس قسم کی آیت مع تفسیر گزر چکی ہے۔ ہاں پہلی جنتوں کی حوروں کے اوصاف میں اتنا جملہ وہاں تھا کہ وہ یاقوت ومرجان جیسی ہیں یہاں ان کے لئے یہ نہیں فرمایا گیا۔ پھر سوال ہوا کہ تمہیں رب کی کس نعمت کا انکار ہے۔ یعنی کس نعمت کا انکار نہ کرنا چاہئے یہ جنتی سبز رنگ کے اعلیٰ قیمتی فرشوں غالیچوں اور تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ تخ۔ ہوں گے اور تختوں پر پاکیزہ اعلیٰ فرش ہوں گے اور بہترین منقش تکیے لگے ہوئے ہوں گے۔ یہ تخت اور یہ فرش اور یہ تکیے جنتی باغیچوں اور ان کی کیاریوں پر ہوں گے۔ یہ اعلیٰ درجہ کے دھاری دار اور نقشین ریشم کے ہوں گے اور یہی ان کے فرش ہوں گے۔ کوئی سرخ رنگ کا ہوگا کوئی زرد رنگ اور کوئی سبز رنگ۔ جنتیوں کے کپڑے بھی ایسے ہی اعلیٰ اور بالا ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے تشبیہ دی جائے۔

یہ بستر مخملی ہوں گے جو بہت نرم اور بالکل خاص ہوں گے۔ کئی رنگ کے ملے جلے نقش ان میں بنے ہوئے ہوں گے۔ ابوعبیدہ فرماتے ہیں عبقر ایک جگہ کا نام ہے جہاں منقش بہترین کپڑے بنے جاتے تھے۔ خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا میں نے کسی کو عبقری نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح پانی کے بڑے بڑے ڈول کھینچتا ہو۔ یہاں بھی خیال فرمائیے کہ پہلی دو جنتوں کے فرش وفروش اور وہاں کے تکیوں کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ان سے اعلیٰ ہے۔ اس کے ابرے یعنی اوپر کے کپڑے کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ پھر اگلی دو جنتوں کے اوصاف کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ اطاعت کا صلہ سوا عنایت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ تو ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا جو اعلیٰ مرتبہ اور غایت ہے۔ جیسے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اسلام کا سوال کیا۔ پھر ایمان کا پھر احسان کا۔ پس یہ کئی کئی وجوہ ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ پہلے کی دو جنتوں کو ان دو جنتوں پر بہترین فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ووہاب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ہمیں بھی ان جنتوں میں کرے جو ان دو جنتوں میں ہوں گے۔ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے آمین[2]۔

پھر فرماتا ہے تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا نام بابرکت ہے۔ وہ جلال والا ہے یعنی اس لائق ہے کہ اس کا جلال مانا جائے اور اس کی بزرگی کا لحاظ مانا جائے اور اس کی بزرگی کا لحاظ کر کے اس کی نافرمانی نہ کی جائے بلکہ کامل اطاعت گزاری کی جائے اور وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے۔ یعنی اس کی عبادت کی جائے۔ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کی جائے بلکہ اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے اور اسے بھلایا نہ جائے۔ وہ عظمت اور کبریائی والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

[1] جابیہ اور صنعا دو جگہوں کا نام ہے جن میں کافی فاصلہ ہے حدیث میں مقصود صرف طویل فاصلہ دکھانا ہے ایسی تمام احادیث کو صحیح سمجھنا اور تفصیلات خدا تعالیٰ ہی کے علم پر چھوڑنا ہی ایمان ہے۔

[2] اور یہی فقیر محشی کی اپنے لئے اور تمام مومنین کے لئے دعا جس وقت یہ سطور قلم سے نکل رہی ہیں تو دارالعلوم کی مسجد کے منارے سے موذن عصر کی اذان کے لئے آواز بلند کر رہا ہے زبان قلم پر یہ دعا ہے اور دل میں یہی تمنا و آرزو ہے خدا تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس دعا کو قبول فرمائیں آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو۔ اس کی عظمت مانو وہ تمہیں بخش دے گا (احمد) اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور بادشاہ[1] کی اور حامل قرآن کی جو قرآن میں کمی زیادتی نہ کرتا ہو۔ یعنی نہ اس میں غلو کرتا ہو نہ کمی کرتا ہو۔ عزت کی جائے۔ ابویعلیٰ میں ہے: يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس کی سند کو غیر محفوظ اور غریب بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے۔ اس میں یا کا لفظ نہیں۔ جوہری فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی کو چمٹ جائے اسے تھام لے تو عرب میں کہتے ہیں اَلَظَّ یہی لفظ اس حدیث میں آیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ الحاح و خلوص عاجزی اور مسکینی کے ساتھ ہیشگی اور لزوم سے دامنِ خدا میں لٹک جاؤ۔ صحیح مسلم اور سنن اربع میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد صرف اتنی ہی دیر بیٹھتے کہ یہ کلمات کہہ لیں: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

تفسیر سورۃ الواقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا' ہاں مجھے سورہ ہود نے اور سورہ واقعہ نے اور سورہ والمرسلات نے اور سورہ عم یتساءلون نے اور سورہ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا[2]۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بیمار ہوئے۔ جس بیماری سے آپ جانبر نہ ہوئے۔ اس بیماری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے فرمایا' اپنے گناہوں کا۔ دریافت کیا خواہش کیا ہے؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی۔ پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا طبیب نے ہی تو بیمار کر ڈالا ہے۔ پوچھا کچھ مال بھیج دوں؟ فرمایا مجھے مال کی کوئی ضرورت نہیں۔ کہا آپ کے بعد آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔ فرمایا کیا میری بچیوں کی نسبت آپ کو فقیری کا ڈر ہے۔ سنیے میں نے اپنی سب لڑکیوں کو کہہ دیا ہے وہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھ لیا کرے' اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہ پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوظبیہ بھی اس سورت کو بلاناغہ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں اسی طرح پڑھتے تھے' جس طرح تم آج پڑھتے ہو۔ لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ سورہ واقعہ اور اسی جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کُل رکوع: ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۹۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

[1] مراد مسلمان عادل نیک اور متبع سنت و شریعت بادشاہ ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ ان سورتوں میں قیامت کے احوال' اس کی ہولناکیوں' حساب (کتاب) عذاب و ثواب ہر شخص سے بلاتخصیص محاسبہ کی وہ اطلاعات ہیں جن پر ایک مومن کا نرم و گداز قلب متاثر ہوتا ہے اور قلب کے تاثر سے جسم پر ضعف و ناتوانی کے آثار ایک مشاہدہ ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

جب قیامت واقع ہو گی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے تو وہ (بعض کو) پست کر دے گی (اور بعض کو) بلند کر دے گی۔ جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں اور وہ (خدا کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ (یہ مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ○

قیامت، حساب و کتاب، مقربین کی جماعت اور فردوسِ بریں:

واقعہ قیامت کا نام ہے کیونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (سورہ حاقہ: ۱۵) اس دن ہونے والی ہو کر رہے گی۔ اس واقعہ کا ہونا حتمی امر ہے۔ نہ اسے کوئی ٹال سکے نہ ہٹا سکے۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ...... (سورہ شوریٰ: ۴۷) اپنے پروردگار کی باتیں مان لو۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں اور جگہ فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (سورہ معارج: ۱) سائل کا سوال اس عذاب سے ہے جو یقیناً آنے والا ہے۔ جسے کوئی روک نہیں سکے گا اور آیت میں ہے: يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ...... (سورہ انعام: ۷۳) جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گی۔ اسی کا قول ہے اسی کا ملک ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ عالم غیب و ظاہر ہے اور حکیم و خبیر ہے۔ قیامت کی اطلاع غلط نہیں بلکہ وہ برحق ہے۔ ضرور ہونے والی ہے۔ اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے نہ واپس آنا ہے كَاذِبَة مصدر ہے جیسے عَاقِبَةٌ اور عَافِيَة وہ دن پست کرنے والا اور ترقی دینے والا ہے۔ بہت سے لوگوں کو نیچ کر کے جہنم میں پہنچا دے گا۔ جو دنیا میں بڑے ذی عزت وقعت تھے اور بہت سے لوگوں کو وہ اونچا کر دے گا۔ اعلیٰ علیین اور جنت نعیم تک پہنچا دے گا۔ گو دنیا میں وہ پست اور بے قدر تھے۔ دشمنانِ خدا ذلیل ہو کر جہنمی بن جائیں گے اور اولیاء اللہ عزیز ہو کر جنتی ہو جائیں گے۔ متکبرین کو وہ ذلیل کر دے گی اور متواضعین کو وہ عزیز کر دے گی۔ وہ نزدیک و دور والوں کو سنا دے گی اور ہر ایک کو چوکنا کر دے گی۔ وہ نیچا کرے گی اور قریب والوں کو سنائے گی۔ پھر اونچی ہو گی اور دور والوں کو سنائے گی۔ زمین ساری کی ساری لرزنے لگے گی۔ چپہ چپہ کپکپانے لگے گا۔ طول و عرض زمین میں زلزلہ پڑ جائے گا اور وہ بری طرح ہلنے لگے گی۔ یہ حالت ہو جائے گی کہ گویا چھلنی میں کوئی چیز ہے جسے کوئی ہلا رہا ہے اور آیت میں ہے: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (سورہ زلزال: ۱) اور جگہ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (سورہ حج: ۱) لوگو خدا سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ پہاڑ اس دن ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور جگہ الفاظ: كَثِيْبًا مَّهِيْلًا آئے ہیں۔ پس وہ مثلِ غبار پریشان ہو جائیں گے۔ جسے ادھر ادھر بکھیر دے اور کچھ نہ رہے۔

هَبَاء ان شراروں کو بھی کہتے ہیں۔ جو آگ جلاتے وقت پتنگوں کی طرح اُڑتے ہیں۔ نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے۔ مُنْبَثّ اس چیز کو کہتے ہیں جسے ہوا اوپر کر دے اور پھیلا کر نیست و نابود کر دے۔ جیسے خشک پتوں کو ہوا ادھر سے اُدھر کر دیتی ہے۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی بہت سی ہیں، جن سے ثابت ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ لوگ اس دن تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گے۔ ایک جماعت عرش کے دائیں ہوگی اور وہ لوگ وہ ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کی داھنی کروٹ سے نکلے تھے اور نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور دائیں جانب چلائے جائیں گے۔ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے۔ دوسری جماعت عرش کے بائیں جانب ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں کروٹ سے نکلے ہوں گے۔ انہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے گئے تھے اور بائیں طرف کی راہ پر لگائے گئے تھے۔ یہ سب جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ تیسری جماعت اللہ عزوجل کے سامنے ہوگی۔ یہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ یہ اصحاب یمین سے بھی زیادہ باوقعت اور خالص قرب کے مالک ہیں یہ اہل جنت کے سردار ہیں۔ ان میں رسول ہیں، انبیاء ہیں، صدیق و شہدا ہیں۔ یہ تعداد میں بہ نسبت دائیں ہاتھ والوں کے کم ہیں۔ پس یہ تین قسم تمام اہل محشر کی ہو جائے گی۔ جیسے کہ اس سورت کے آخر میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی یہی تقسیم کی گئی ہے۔ اسی طرح سورہ ملائکہ میں فرمایا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورہ فاطر: ۳۲) یعنی پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا۔ پس ان میں سے بعض تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف آگے بڑھنے والے ہیں۔ پس یہاں بھی تین قسمیں ہیں۔ یہ اس وقت جب کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کی وہ تفسیر لیں جو اس کے مطابق ہے۔ ورنہ ایک دوسرا قول بھی ہے، جو اس آیت کی تفسیر کے موقع پر گزر چکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ دو گروہ تو ایک جنتی اور ایک جہنمی۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (سورہ تکویر: ۷) جب لوگوں کے جوڑے ملائے جائیں، فرمایا قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے۔ یعنی اصحاب یمین اصحاب شمال اور سابقین۔ مسند احمد میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت کی تلاوت کی اور اپنی دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سائے کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ انہوں نے کہا اللہ و رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جن کو جب ان کا حق دیا جائے تو وہ قبول کر لیں اور جو حق ان پر ہو جب مانگا جائے ادا کریں اور لوگوں کے لئے بھی وہی حکم کریں جو خود اپنے لئے کرتے ہیں[1]۔ سابقون کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں مثلاً انبیاء، اہل علیین، حضرت یوشع علیہ السلام بن نون، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ وہ مومن جن کا ذکر سورہ یاسین میں ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان پر قبول کرنے میں سب پر سبقت لے گئے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی۔ ہر امت کے وہ لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے تھے۔ وہ لوگ جو مسجد میں سب سے پہلے جاتے ہیں۔ جو جہاد میں سب سے آگے نکلتے ہیں۔ یہ سب اقوال دراصل صحیح ہیں۔ یعنی یہ سب لوگ سابقون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو آگے بڑھ کر دوسروں پر سبقت کر کے قبول کرنے والے سب اس

[1] یعنی خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت۔ کے مصداق نہ ہوں بلکہ عمل خیر کے خود عادی ہوں اور دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلائیں جو چیز اپنے لئے پسند کریں وہی اپنے بھائی مسلمان کے لئے بھی ان کو پسند ہو۔

میں داخل ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... (سورہ آل عمران: ۱۳۳) اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو۔ جس کا عرض مثل آسمان وزمین کے ہے۔ پس جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی۔ وہ آخرت میں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا۔ ہر عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے۔ جیسا جو کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔ اسی لئے یہاں ان کی نسبت فرمایا گیا ہے یہ مقربین خدا ہیں۔ یہ نعمتوں والی جنت میں ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتوں نے بارگاہ خدا میں عرض کی کہ پروردگار تو نے ابن آدم کے لئے تو دنیا بنادی ہے۔ وہ وہاں کھاتے پیتے ہیں اور بیوی بچوں سے لطف اُٹھاتے ہیں۔ پس ہمارے لئے آخرت کر دے۔ جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا' میں نے جسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اسے ان جیسا ہرگز نہ کروں گا۔ جنہیں میں نے صرف لفظ کن سے پیدا کیا۔ حضرت امام دارمی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو بھی اپنی کتاب الرد علی الجہمیہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نی فرمایا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ اس کی نیک اولاد کو میں اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

ان کا بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے اردگرد ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے۔ آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا اور ان کی لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ ان کے اعمال کے صلے میں ملے گا (اور) وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بات بیہودہ۔ پس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی ○

ایک بڑا گروہ:

ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین خاص بہت سے پہلے کے ہیں اور کچھ پچھلوں میں سے بھی ہیں۔ ان اولین وآخرین کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ مثلاً اگلی امتوں میں سے اور اس امت میں سے۔ امام ابن جریر اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور اس قول حدیث کو بھی اس قول کی صحت میں پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پچھلے ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں اور اس قول کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے بھی ہوسکتی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کچھ ملال خاطر ہوا۔ پس یہ آیت اُتری: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھے اُمید ہے کہ کل اہل جنت کی چوتھائی تم ہو بلکہ تہائی تم ہو' بلکہ نصف تم ہو۔ تم آدھی جنت کے مالک ہو گے اور باقی آدھی تمام اُمتوں میں تقسیم ہوگی۔ جن میں تم بھی شریک ہو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو سنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اگلی امتوں میں بہت سے لوگ سابقین میں داخل ہوں گے اور ہم میں سے کم لوگ؟ اس سوال کے ایک سال بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلی امتوں میں سے بھی بہت اور پچھلوں میں سے بہت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر کہا کہ سنو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک ثلہ ہے اور صرف میری امت ثلہ ہے۔ ہم اپنے ثلہ کو پورا کرنے کے لئے ان حبشیوں کو بھی لے لیں گے جو اونٹ کے چرواہے ہیں[1] مگر اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاشریک ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ لیکن روایت کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔ ہاں بہت سی سندوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ مجھے اُمید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی ہو اور پھر باقی مضمون وہی ہے جو دوسری روایت میں آچکا ہے۔ پس الحمد للہ یہ ایک بہترین خوش خبری ہے۔ امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ نے جس قول کو پسند فرمایا ہے وہ کمزور ہے کیونکہ الفاظِ قرآن سے اس امت کا اور تمام امتوں سے افضل واعلیٰ ہونا ثابت ہے۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ مقربین بارگاہ احدیت اور امتوں میں سے تو بہت سے ہوئے اور اس بہترین امت میں سے کم ہوں۔ ہاں یہ توجیہہ ہوسکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقرب مل کر صرف اس ایک امت کے مقربین کی تعداد بڑھ جائیں۔ لیکن بہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین زیادہ ہوں گے اور واقعہ کا علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ دوسرا قول اس جملہ کی تفسیر میں یہ ہے کہ اس اُمت کے شروع زمانہ کے لوگوں میں سے مقربین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعد کے لوگوں میں کم۔ یہی قول عام طور پر مشہور ہے چنانچہ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گزر چکے۔ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں اصحاب یمین میں کر دے اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اس امت میں سے جو گزر چکے ان میں مقربین بہت تھے۔ امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ ہر امت میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ شروع میں بہت سے مقربین ہوتے ہیں اور بعد والوں میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ مراد یوں ہی ہو۔ یعنی ہر امت کے اگلے لوگ سبقت کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ بہ نسبت ہر امت کے پچھلے لوگوں کے۔ چنانچہ صحاح وغیرہ کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سب زمانوں میں بہتر زمانہ میرا ہے۔ پھر اس کے بعد والا۔ پھر اس کے متصل۔ ہاں ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میری اُمت کی مثال بارش جیسی ہے۔ نہ معلوم کہ شروع زمانہ کی بارش بہتر ہو یا آخر زمانہ کی۔ تو یہ حدیث جب کہ اس کی اسناد کو صحت کا حکم دے دیا جائے' محمول ہے اس امر پر کہ جس طرح دین کو شروع کے لوگوں کی ضرورت تھی۔ جو اس کی تبلیغ اپنے بعد والوں کو کریں۔ اسی طرح آخر میں بھی اسے قائم رکھنے والوں

[1] یعنی دنیا میں اگر چہ وہ غریب و مفلس ہیں لیکن ایمان کی دولت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے یہاں معزز ومحترم اس دور میں غرباء کا پیشہ اونٹ چرانا تھا اس لئے حدیث میں اسی کا ذکر آ گیا اس لئے حدیث کا مطلب غرباء مومنین ومسلمین ہیں اونٹ چرانے والوں کی کوئی خصوصیت نہیں۔

کی ضرورت ہے۔ جو لوگوں کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جمائیں۔ اس کی روایتیں کریں۔ اسے لوگوں پر ظاہر کریں لیکن فضیلت اول والوں کی ہی رہی گی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کھیت کو شروع بارش کی اور آخری بارش کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بڑا فائدہ ابتدائی بارش سے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اگر شروع شروع بارش نہ ہو تو دانے اگیں ہی نہیں۔ نہ ان کی جڑیں جمیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک جماعت میری امت میں سے ہمیشہ حق پر رہ کر غالب رہے گی۔ ان کے دشمن انہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ ان کے مخالف انہیں رسوا اور پست نہ کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور وہ اسی طرح ہوں۔ الغرض یہ اُمت باقی تمام اُمتوں سے افضل و اشرف ہے اور اس میں مقربینِ خدا بہ نسبت اور اُمتوں کے بہت ہیں اور بہت بڑے مرتبے والے کیونکہ دین کے کامل ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مرتبہ ہونے کے لحاظ سے یہ سب سے بہتر ہیں۔ تواتر کے ساتھ یہ حدیث ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ طبرانی میں ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت قیامت کے روز کھڑی کی جائے گی۔ جو اس قدر بڑی اور گنتی میں زائد ہوگی کہ گویا رات آ گئی۔ زمین کے تمام کناروں کو گھیرے گی۔ فرشتے کہنے لگیں گے سب نبیوں کے ساتھ جتنے لوگ آئے ہیں' ان سے بہت ہی زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ مناسب مقام یہ ہے کہ بہت بڑی جماعت اگلوں میں سے اور بہت بڑی جماعت پچھلوں میں سے والی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر یہ حدیث ذکر کر دی جائے۔ جو حافظ ابوبکر بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے' پاؤں موڑے ہوئے ہی ستر مرتبہ یہ پڑھتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں۔ جس کے ایک دن کے گناہ سات سو سے بھی بڑھ جائیں وہ بے خبر ہے۔ پھر دو مرتبہ اسی کو فرماتے۔ پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ابوزمل کہتے ہیں' ایک دن اسی طرح حسب عادت آپ نے دریافت فرمایا' تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا خدا خیر سے ملائے شر سے بچائے ہمارے لئے بہتر بنائے اور ہمارے دشمنوں کے لئے بدتر بنائے۔ ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق وہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اپنا خواب بیان کرو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا کہ ایک راستہ ہے کشادہ آسان نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ جاتے جاتے ایک سرسبز باغ کو نکلتا ہے کہ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا باغ ہرا بھرا کبھی نہیں دیکھا۔ پانی ہر سو رواں ہے سبزے سے پٹا پڑا ہے۔ انواع و اقسام کے درخت خوش نما پھلے پھولے کھڑے ہیں۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی جماعت آئی اور اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی سواریاں تیز کر لیں۔ دائیں بائیں نہیں گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ یہاں سے گزر گئے۔ پھر دوسری جماعت آئی جو تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ جب یہاں پہنچے تو بعض لوگوں نے تو اپنے جانوروں کو چرانا چگانا شروع کر دیا اور بعضوں نے کچھ لے لیا اور چل دیئے۔ پھر تو بہت سارے لوگ آئے۔ جب ان کا گزر اس گل و گلزار پر ہوا تو یہ تو پھول گئے اور کہنے لگے۔ یہ سب سے اچھی جگہ ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دائیں بائیں جھک پڑے۔ میں نے دیکھا لیکن میں خود تو چلتا گیا۔ جب دور نکل گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک منبر سات سیڑھیوں کا بچھا ہوا ہے اور آپ اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی دائیں جانب ایک صاحب ہیں گندم گوں رنگ بھری انگلیوں والے۔ دراز قد۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب خاموشی سے سنتے ہیں اور لوگ اونچے ہو ہو کر توجہ سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کی بائیں طرف ایک

شخص ہیں بھرے جسم کے درمیانہ قد کے۔ جن کے چہرے پر بکثرت تل ہیں۔ ان کے بال گویا پانی سے تر ہیں۔ جب وہ باتیں کرتے تو ان کے اکرام کی وجہ سے سب لوگ جھک جاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے ایک شخص ہیں جو اخلاق و عادات میں اور چہرے نقشے میں بالکل آپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ آپ لوگ سب ان کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں اور ان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان سے آگے ایک دبلی پتلی بڑھیا اونٹنی ہے۔ میں نے دیکھا کہ گویا آپ اسے اُٹھا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ یہ حالت بدل گئی اور آپ نے فرمایا سید ھے سچے اور صحیح راستے سے مراد تو وہ دین ہے جسے میں لے کر خدا کی طرف سے آیا ہوں اور جس ہدایت پر تم ہو ہرا بھرا سبز باغ جو تم نے دیکھا ہی وہ دنیا ہے اور اس کی عیش و عشرت کا دل لبھانے والا سامان میں اور میرے اصحاب تو اس سے گزر جائیں گے۔ نہ ہم اس میں مشغول ہوں گے نہ وہ ہمیں چمٹے گی۔ نہ ہمارا تعلق اس سے ہوگا۔ نہ اس کا تعلق ہم سے۔ نہ ہم اس کی تمنا کریں گے۔ نہ وہ ہمیں لپٹے گی۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئی گی۔ جو ہم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوگی۔ ان میں سے بعض تو اس دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے لیں گے اور چل دیں گے اور نجات پالیں گے۔ پھر ان کے بعد زبردست جماعت آئے گی۔ جو اس دنیا میں بالکل مستغرق ہو جائے گی اور دائیں بائیں بہک جائے گی: فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اب رہے تم سو تم اپنی سیدھی راہ چلتے رہو گے۔ یہاں تک کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔ جس منبر کے آخری ساتویں درجہ پر تم نے مجھے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے۔ میں آخری ہزارویں سال میں ہوں میرے دائیں جس گندمی رنگ موٹی ہتھیلی والے انسان کو تم نے دیکھا وہ حضرت موسیٰ ہیں۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو لوگ اونچے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے مشرف ہم کلامی حاصل ہو چکا ہے اور جنہیں تم نے میرے بائیں دیکھا جو درمیانہ قد کے بھرے جسم کے بہت سے تلوں والے تھے۔ جن کے بال پانی سے تر نظر آتے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کا اکرام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ ہم سب بھی ان کا احترام کرتے ہیں اور شیخ کو تم نے بالکل مجھ سے دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ہم سب ان کا قصد کرتے ہیں اور ان کی اقتدا اور تابعداری کرتے ہیں اور جس اونٹنی کو تم نے دیکھا کہ میں اسے کھڑی کر رہا ہوں۔ اس سے مراد قیامت ہے۔ جو میری امت پر قائم ہوگی۔ نہ میرے بعد کوئی نبی ہے نہ میری امت کے بعد کوئی امت ہے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص اپنے آپ خواب بیان کر دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر دے دیا کرتے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے تخت اور آرام کرنے کے پلنگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے یہ فعیل معنی میں مفعول کے ہے۔ اسی لئے اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والے حصے کو وضین کہتے ہیں۔ سب کے منہ ایک دوسرے کے آپس میں سامنے ہوں گے۔ کوئی کسی کی طرف پشت کئے ہوئے نہ بیٹھا ہوگا۔ وہ غلمان ان کی خدمت گزاری میں مشغول ہوں گے۔ جو عمر میں ویسے ہی چھوٹے رہیں گے نہ بڑے ہوں گے نہ بوڑھے ہوں نہ ان میں تغیر و تبدل آئے۔ اکواب کہتے ہیں ان کوزوں کو جن کی ٹوٹنی اور پکڑنے کی چیز نہ ہو اور اباریق وہ آفتابے جو ٹوٹنی دار اور پکڑے جانے کے قابل ہوں۔ یہ سب شراب کی جاری نہر سے چھلکتے ہوئے ہوں گے۔ جو شراب نہ ختم ہو نہ کم ہو کیونکہ اس کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ جام چھلکتے ہوئے ہر وقت اپنے نازک ہاتھوں میں لئے ہوئے یہ گل اندام ساقی اِدھر اُدھر گشت کر رہے ہوں گے۔ اس شراب سے نہ انہیں دردسر ہو نہ ان کی عقل زائل ہو۔ بلکہ باوجود پورے سرور اور کیف کے عقل و حواس اپنی جگہ قائم رہیں گے اور کامل لذت حاصل ہوگی۔ شراب میں چار صفتیں ہیں۔ نشہ سر درد قے اور پیشاب۔ پس پروردگار عالم نے جنت کی شراب کا ذکر کر کے ان چاروں خرابیوں کی نفی کر دی کہ وہ شراب ان نقصانات سے

پاک ہے۔ پھر قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے پرندوں کے گوشت انہیں ملیں گے۔ جس میوے کو جی چاہے اور جس طرح کے گوشت کی طرف دل کی رغبت ہو موجود ہو جائے گا۔ یہ تمام چیزیں لئے ہوئے ان کے سلیقہ شعار خدام ہر وقت ان کے ارد گرد گھومتے رہیں گے تاکہ جس چیز کی جب کبھی خواہش ہو لے لیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ آدمی میوے چن چن کر اپنی خواہش کے مطابق کھا سکتا ہے۔ مسند ابو یعلی موصلی میں ہے حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی قوم کے صدقہ کے مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مہاجرین و انصار میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ زکوٰۃ کے بہت سے اونٹ تھے۔ گویا کہ وہ ریت کے درختوں کے چرائے ہوئے نوجوان اونٹ ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا عکراش بن ذویب' فرمایا اپنا نسب نامہ دور تک بیان کر دو۔ میں نے بن عبید تک کہہ سنایا اور ساتھ ہی کہا کہ زکوٰۃ مرہ بن عبید کی ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمانے لگے یہ میری قوم کے اونٹ ہیں۔ یہ میری قوم کے صدقہ کا مال ہے۔ پھر حکم دیا کہ صدقے کے اونٹوں کے نشان ان پر کر دو اور ان کے ساتھ انہیں بھی ملا دو۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کچھ کھانے کو ہے' جواب ملا کہ ہاں۔ چنانچہ ایک بڑے لگن میں چوری ہوئی روٹی آئی۔ آپ نے اور میں نے کھانا شروع کیا۔ میں ادھر اُدھر سے نوالے لینے لگا۔ تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے میرا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا' اے عکراش یہ تو ایک قسم کا کھانا ہے' ایک ہی جگہ سے کھاؤ۔ پھر ایک سینی تر کھجوروں کی یا خشک کھجوروں کی آئی' میں نے صرف میرے سامنے جو تھیں' انہیں کھانا شروع کیا۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سینی کی اِدھر اُدھر سے جہاں سے پسند آتی تھی لے لیتے تھے اور مجھ سے بھی فرمایا اے عکراش! اس میں ہر طرح کی کھجوریں ہیں۔ جہاں سے چاہو کھاؤ۔ جس قسم کی کھجور چاہو لے لو۔ پھر پانی آیا' پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور وہی تر ہاتھ اپنے چہرے پر اور دونوں بازوؤں پر اور سر پر تین دفعہ پھیر لئے اور فرمایا اے عکراش یہ وضو ہے اس چیز سے جسے آگ نے متغیر کیا ہو[۱] (ترمذی اور ابن ماجہ) امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب پسند تھا۔ بسا اوقات آپ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی ذکر کرتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوتے تو اسے بہت اچھا معلوم ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میرے پاس کوئی آیا اور مجھے مدینہ سے لے چلا اور جنت میں پہنچا دیا۔

پھر میں نے ایک دھماکا سنا جس سے جنت میں ہل چل مچ گئی میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کو دیکھا بارہ شخصوں کے نام لئے ان ہی بارہ شخصوں کا ایک لشکر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن ہوئے ایک مہم پر روانہ کر رکھا تھا فرماتی ہیں انہیں لایا گیا یہ لوگ اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی رگیں جوش مار رہی تھیں حکم ہوا کہ انہیں نہر بیدج میں لے جاؤ یا نہر بیذج کہا جب ان لوگوں نے اس نہر میں غوطہ لگایا تو ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکنے لگے پھر ایک سونے کی سینی میں گدری کھجوریں آئیں جو انہوں نے اپنے حسب منشا کھائیں اور ساتھ ہی ہر طرح کے میوے جو چاروں طرف چنے ہوئے تھے جس میوے کو ان کا جی چاہتا تھا لیتے تھے اور کھاتے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ شرکت کی اور میوے کھائے مدت کے بعد ایک قاصد آیا اور کہا کہ فلاں فلاں اشخاص جنہیں آپ نے لشکر میں بھیجا تھا شہید ہو گئے ٹھیک بارہ شخصوں کے نام لئے اور یہ وہی نام تھے جنہیں ان بیوی صاحبہ نے اپنے خواب میں دیکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نیک بخت صحابیہ کو پھر بلوایا اور فرمایا اب اپنا خواب دوبارہ بیان کرو انہوں نے پھر بیان کیا اور ان ہی لوگوں کے نام لئے جن کے نام قاصد نے لئے تھے طبرانی میں ہے کہ جنتی جس میوے کو درخت سے توڑے گا وہیں

اس جیسا دوسرا پھل لگ جائے گا مسند احمد میں ہے کہ جنتی پرندے بختی اونٹ کے برابر ہیں جو جنت میں چرتے چگتے ہیں حضرت صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پرند تو نہایت ہی مزے کے ہوں گے آپ نے فرمایا ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ نازو نعمت والے ہوں گے تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا پھر فرمایا مجھے خدا سے امید ہے کہ اے ابوبکر! تم ان میں سے ہو جو ان پرندوں کا گوشت کھائیں گے حافظ ابوعبداللہ مصری کی کتاب صفتہ الجنتہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طوبیٰ کا ذکر ہوا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو طوبیٰ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کو پورا علم ہے آپ نے فرمایا جنت کا ایک درخت ہے جس کے طول کا علم بجز خدا کے اور کسی کو نہیں اس کی ایک ایک شاخ تلے تیز سوار ستر ستر سال چلا جائے پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو اس کے تنے بڑے چوڑے ہیں ان پر بختی اونٹ کے برابر پرند آ کر بیٹھتے ہیں ابوبکرؓ نے کہا پھر تو یہ پرند بڑی نعمتوں والے ہوں گے آپ نے فرمایا ان سے زیادہ نعمتوں والے ان کے کھانے والے ہوں گے اور انشاء اللہ تم بھی ان ہی میں ہو حضرت قتادہ سے بھی یہ پچھلا حصہ روایت ہے ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کی بات سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ جنتی نہر ہے جو مجھے اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہے دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اس کا پانی ہے اس کے کنارے بختی اونٹوں جیسے گردنوں والے پرند ہوتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ پرند تو بڑے مزے میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا کھانے والا ان سے زیادہ مزے میں ہیں (ترمذی) امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک پرند ہے جس کے ستر ہزار پر ہیں جنتی کے دسترخوان پر وہ آئے گا ہر پر سے اس کی ایک قسم نکلے گی جو دودھ سے زیادہ سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھی پھر دوسرے پر دوسری قسم نکلے گی اسی طرح ہر پر سے ایک دوسرے سے جداگانہ پھر وہ پرند اڑ جائے گا یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور اس کے راوی رصافی اور اس کے استاد دونوں ضعیف ہیں ابن ابی حاتم میں حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ جنتی پرند مثل اونٹوں کے ہوں گے جو جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں جنتیوں کا دل جس پرند کو کھانے کو چاہے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گا وہ جاہے گا جس پہلو سے چاہے گا اور گوشت پسند کرے گا کھائے گا پھر وہ پرند اڑ جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت کے جس پرند کو تو چاہے گا وہ بھنا بھنایا تیرے سامنے آ جائے حور کی دوسری قرأت رے کے زیر سے بھی ہے پیش سے تو یہ مطلب ہے کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی اور زیر سے یہ مطلب ہے کہ گویا اگلے اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہے جیسے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ (سورہ مائدہ:۶) میں زیر کی قرأت ہے جیسے کہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ (سورہ نساء:۱۲) میں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ غلمان اپنے ساتھ حوریں بھی لئے ہوئے ہوں گے لیکن یہ ان کے محلات میں اور خیموں میں نہ کہ عام طور پر واللہ اعلم ۔ یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے تروتازہ سفید صاف موتی ہوں جیسے سورہ صافات میں ہے كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (سورہ صافات:۱۹) سورہ الرحمٰن میں بھی یہ وصف مع تفسیر گزر چکا ہے یہ ان نیک اعمال کا صلہ اور بدلہ ہے یعنی یہ تحفے ان کی حسن کارگزاری کا انعام ہے یہ جنت میں لغو بےہودہ بے معنی خلاف طبع کوئی کلمہ بھی نہ سنیں گے حقارت اور برائی کا ایک لفظ بھی کان میں نہ پڑے گا جیسے کہ ایک اور آیت میں ہے لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (سورہ غاشیہ:۱۱) فضول کلامی سے ان کے کان محفوظ رہیں گے نہ کوئی قبیح کلام کان میں پڑے گا ہاں سلامتی بھرے سلام کے کلمات ایک دوسروں کو کہیں گے جیسے اور جگہ ارشاد ہے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (سورہ یونس:۱۰) ان کا تحفہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ہو گا ان کی بات چیت لغویت اور گناہ سے پاک ہو گی۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝٢٧ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝٢٨ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝٢٩ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝٣٠ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝٣١ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝٣٢ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝٣٣ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝٣٤ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝٣٥ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝٣٦ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝٣٧ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝٣٨ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٩ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝٤٠

اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے کیسے اچھے ہیں وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عصر ہیں یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان (اصحاب الیمین) کا ایک گروہ اگلے لوگوں میں ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں ہوگا ○

اصحاب الیمین :

سابقین کا حال بیان کر کے اللہ تعالیٰ اب ابرء کا حال بیان کر رہا ہے جو سابقین سے کم درجہ ہیں ان کا کیا حال ہے اور کیا نتیجہ ہے اسے سنو! یہ ان جنتوں میں ہیں جہاں بیری کے درخت ہیں لیکن کانٹے دار نہیں اور پھل بکثرت اور بہترین ہیں دنیا میں بیری کے درخت زیادہ کانٹوں والے اور کم پھلوں والے ہوتے ہیں جنت کے یہ درخت زیادہ پھلوں والے اور بالکل بے خار ہوں گے پھلوں کے بوجھ سے درخت کے تنے جھکے جاتے ہوں گے حافظ ابوبکر احمد بن بخارؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ صحابہ کہتے ہیں کہ اعرابیوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا اور آپ سے مسائل پوچھنا ہمیں بہت نفع دیتے تھے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں ایک درخت کا بھی ذکر ہے جو ایذا دیتا ہے آپ نے پوچھا وہ کون سا ہے؟ اس نے کہا بیری کا درخت آپ نے فرمایا پھر تو نے اس کے ساتھ ہی لفظ مخضود نہیں پڑھا؟ اس کے کانٹے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیئے ہیں اور ان کے بدلے پھل پیدا کر دیئے ہیں ہر ہر بیری میں بہتر قسم کے ذائقے ہوں گے جن کا رنگ و مزہ مختلف ہوگا یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے اس میں لفظ طلح ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے طلح ایک بڑا درخت ہے جو حجاز کی سرزمین میں ہوتا ہے یہ کانٹوں دار درخت ہے اس میں کانٹے بہت ہوتے ہیں چنانچہ ابن جریر میں شہادت عربی کے ایک شعر میں بھی دی ہے منصور کے معنی تہ بہ تہ پھل والا پھلوں سے لدا ہوا ان دونوں کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ عرب ان درختوں کی گہری اور میٹھی چھاؤں کو پسند کرتے تھے یہ درخت بظاہر دنیوی درخت جیسا ہوگا لیکن بجائے کانٹوں کے اس میں شیریں پھل ہوں گے جوہری فرماتے ہیں طلح بھی کہتے ہیں اور طلع بھی حضرت علیؓ سے بھی یہ منقول ہے تو ممکن ہے کہ یہ بھی بیری کی ہی صفت ہو یعنی وہ بیریاں بے خار اور بکثرت پھل دار ہیں واللہ اعلم اور حضرات نے طلح سے مراد کیلے کا درخت کہا اہل یمن کیلہ کو طلح کہتے ہیں اور اہل حجاز موز کہتے ہیں لمبے لمبے سایوں میں یہ ہوں گے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کے درخت کے سایے تلے تیز سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہوگا اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے اور مسند احمد میں بھی اور مسند ابو یعلیٰ میں بھی مسند کی دوسری روایت میں ذرا راوی کے شک کے ساتھ ہے یعنی ستر یا سو اور یہ بھی ہے کہ یہ شجرۃ الخلد ہے

ابن جریر اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے پس یہ حدیث متواتر اور قطعاً صحیح ہے اس کی اسناد بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے جب یہ روایت بیان کی اور حضرت کعبؓ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا کہ اگر کوئی شخص نوجوان اونٹنی پر سوار ہو کر اس وقت تک چلتا رہے جب تک وہ بوڑھا ہو کر گر جائے تو بھی اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا اللہ تعالیٰ نے اسے ہاتھ سے بویا ہے اور خود آپ اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی ہے اس کی شاخیں جنت کی دیواروں سے باہر نکلی ہوئی ہیں جنت کی تمام نہریں اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں ابو حصین کہتے ہیں کہ ایک موضع میں ایک دروازے پر ہم تھے ہمارے ساتھ ابو صالح شقیق جہنی بھی تھے ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ والی مذکورہ بالا حدیث بیان کی اور کہا کیا تو ابو ہریرہ کو جھٹلاتا ہے؟ اس نے کہا نہیں ان کو تو نہیں تجھے پس یہ قاریوں پر بہت گراں گزرا میں کہتا ہوں اس ثابت صحیح اور مرفوع حدیث کو جو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے ترمذی میں ہے جنت کے ہر درخت کا تنہ سونے کا ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے جنتی لوگ اس کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں کسی کو دنیاوی کھیل تماشے اور دل بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے تمام راگ راگنیاں باجے گاجے اور کھیل تماشے کی آوازیں آنے لگتی ہیں[1] یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند قوی ہے حضرت عمرو بن میمون یہ فرماتے ہیں یہ سایہ ستر ہزار سال کی طوالنی میں ہوگا آپ سے پانچ سو سال بھی مروی ہے حسنؒ فرماتے ہیں ایک سال آپ سے مرفوع حدیث میں ایک سو سال منقول ہے یہ سایہ کٹتا ہی نہیں نہ سورج آئے نہ گرمی ستائے فجر کے طلوع ہونے سے پیشتر کا سماں ہر وقت اس کے نیچے رہتا ہے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جنت میں ہمیشہ وہ وقت رہے گا جو صبح صادق کے بعد سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے کے درمیان درمیان رہتا ہے سایہ کے مضمون کی روایتیں بھی اس سے پہلے گزر چکی ہیں جیسے نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (سورہ نساء:۵۷) اور اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا (سورہ رعد:۳۵) وَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ (سورہ مرسلات:۴۱) وغیرہ پانی ہوگا بہتا ہوا مگر نہروں کے گڑھے اور کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی اس کی پوری تفسیر فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ (سورہ محمد:۱۵) میں گزر چکی ہے ان کے بکثرت طرح طرح کے لذیذ میوے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے نہ کسی انسانی دل پر ان کا وہم وخیال گزرا جیسے اور آیت میں ہے جب وہاں پھل دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہم کو بھی دیئے گئے تھے کیونکہ بالکل ہم شکل ہوں گے لیکن جب کھائیں گے تو ذائقہ اور ہی پائیں گے صحیحین میں سدرة المنتہٰی کے ذکر میں ہے کہ اس کے پتے مثل ہاتھی کے کانوں کے ہوں گے اور پھل مثل ہجر کے بڑے بڑے مٹکوں کے ہوں گے حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں جس میں آپ نے سورج کے گہن ہونے کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج گہن کی نماز ادا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے یہ بھی ہے کہ بعد فراغت آپ کے ساتھ کے نمازیوں نے آپ سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو اس جگہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی جنت کے میوے کا خوشہ لینا چاہا اگر میں لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے ابو یعلی میں ہے کہ ظہر کی فرض نماز پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور ہم بھی پھر آپ نے گویا کوئی چیز لینی چاہی پھر پیچھے ہٹ آئے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج تو

---

[1] اول تو یہ اثر ہے یعنی قول آنحضور ﷺ کا نہیں دوسرے خود محدثین اس کو غریب کہتے ہیں یعنی زیادہ قابل اعتبار نہیں اگر صحیح بھی ہو تو بس مطلب صرف اتنا ہے کہ راگ گانے بجانے دنیا کے راگ اور گانوں سے صورتاً ہی ملتے جلتے ہوں گے ورنہ حقیقت تو بہت مختلف ہوگی جیسا کہ ثابت ہے کہ جنت کے پھل دنیا کے پھلوں سے پس صرف نام میں شرکت رکھتے ہیں ورنہ مزے قطعاً مختلف ہیں اس لئے ایسے آثار موسیقی اور فلمی گانوں وغیرہ کے جواز کے لئے استعمال کرنا بڑا ظلم ہے۔

آپ نے ایسی بات کو جو اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت لائی گئی اور جو اس میں تروتازگی اور سبزی ہے میں نے اس میں سے ایک انگور کی خوشہ توڑنا چاہا تاکہ لا کر تمہیں دوں پس میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا اور اگر میں اسے تمہارے درمیان لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان کی کل مخلوق اسے کھاتی رہتی تب بھی اس میں ذرا سی بھی کمی نہ آتی اسی کے مثل حضرت جابرؓ نے صحیح مسلم شریف میں بھی روایت ہے مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حوض کوثر کی بابت سوال کیا اور جنت کا بھی ذکر کیا پوچھا کہ کیا اس میں میوے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے؟ اس کے بعد کچھ اور کہا جو مجھے یاد نہیں پھر پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے وہ البتہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اس نے پوچھا جنتی خوشے کتنے بڑے ہوتے ہیں فرمایا کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے[1]۔ اتنے بڑے وہ کہنے لگا اس درخت کا تنہ کس قدر موٹا ہے آپ نے فرمایا اگر تو اپنے اونٹنی کے بچے کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا اس نے کہا اس میں انگور بھی لگتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں پوچھا کتنے بڑے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کیا کبھی تیرے باپ نے اپنے ریوڑ میں سے کوئی موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال کھینچ کر تیری ماں کو دے کر کہا ہے کہ اس کا ڈول بنا لو؟ اس نے کہا ہاں فرمایا بس اتنے ہی بڑے بڑے انگور کے دانے ہوتے ہیں اس نے کہا پھر تو ایک ہی دانہ مجھ کو اور میرے گھر والوں کو کافی ہے آپ نے فرمایا بلکہ ساری برادری کو[2] پھر یہ میوے بھی ہیشگی والے ہیں نہ کبھی ختم ہوں نہ کبھی ان سے روکا جائے یہ بھی کہ جاڑے میں ہیں اور گرمیوں میں نہیں یا گرمیوں میں ہیں اور جاڑوں میں ندارد بلکہ یہ میوے دوام والے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں جب طلب کریں پالیں خدا کی قدرت سے ہروقت وہ موجود رہیں گے بلکہ کسی کانٹے اور کسی شاخ کی بھی آڑ نہ ہو گی نہ حاصل کرنے میں تکلیف اور تکلف ہوگا بلکہ ادھر پھل توڑا ادھر اس کے قائم مقام دوسرا پھل لگ گیا جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزر چکا ہے ان کے فروش بلند و بالا نرم اور گدگدے راحت و آرام دینے والے ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کی اونچائی اتنی ہوگی جتنی زمین و آسمان کی یعنی پانچ سو سال کی (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے بعض اہل معانی نے کہا ہے کہ مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہے کہ فرش کی بلندی درجے کی زمین و آسمان کی برابر ہے یعنی ایک درجہ دوسرے درجے سے اس قدر بلند ہے کہ ہر درجوں میں پانچ سو سال کی راہ کا فاصلہ ہے پھر بھی یہ خیال رہے کہ یہ روایت رشد بن سعد سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں اور یہ روایت ابن جریر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی ہے حضرت حسن سے مروی ہے کہ ان کی اونچائی اسی سال کی ہے اس کے بعد ضمیر لائے جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں اس لئے کہ قرینہ موجود ہے بستر کا ذکر آیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی پس اس کی طرف ضمیر پھر وہی جیسے حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں توارت کا لفظ آیا ہے اور شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں قرینہ کافی ہے لیکن حضرت ابو عبیدہ کہتے ہیں پہلے مذکور ہو چکا

---

[1] کالے کوے کی تیز رفتاری مشہور ہے۔ حیاۃ الحیوان نامی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ کوا صبح کو نہایت سویرے جاگتا ہے اور جب تک دوسرے جانور جاگیں یہ میلوں کی مسافت طے کر کے آ چکا ہوتا ہے۔

[2] اس طرح کی احادیث کو خلاف عقل سمجھنا خود خلاف عقل بات ہے آج کشمیری سیب اور چھوٹے سیب میں جو کچھ فرق ہے وہ سب کو معلوم ہے چھوٹا سیب چھٹانک دو چھٹانک سے زیادہ نہیں ہوتا قندھاری انار کا وزن سیر بھر تک پہنچ جاتا ہے عام طور پر خربوزہ کا وزن زیادہ سے زیادہ سیر آدھ سیر ہے لیکن اسی برصغیر میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں کے ایک خربوزہ کا وزن ڈھائی سیر سے کم نہ ہوگا تو جب یہیں مختلف آب و ہوا سے وزن اور مزہ بدل جاتا ہے تو ایک مسلسل عالم کی تبدیلی سے تغیرات کیوں ممکن نہیں؟

ہے وَحُوْرٌ عِيْنٌ پس فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی بیویوں کو نئی پیدائش میں پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ وہ بالکل بڑھیا تھیں ہم نے انہیں نو عمر کنواریاں کر کے ایک خاص پیدائش میں پیدا کیا ہے بوجہ اپنی ظرافت ملاحت کے حسن صورت اور جسامت کے خوش خلقی اور حلاوت کے اپنے شوہروں کو بڑی پیاریاں ہیں سلیمان کہتے ہیں عربا کا مطلب ہے ناز و کرشمہ والیوں کو حدیث میں ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بڑھیا تھیں اب جنت میں گئی ہیں تو انہیں نو عمر وغیرہ کر دیا ہے اور روایت میں ہے کہ خواہ یہ عورتیں کنواری تھیں یا ثیبہ تھیں اللہ تعالیٰ ان سب کو ایسی کر دے گا ایک بڑھیا عورت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتی ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے آپ نے فرمایا اے ام فلاں جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی وہ روتی ہوئی واپس ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھا دو مطلب یہ ہے کہ جب وہ جنت میں جائے گی تو بڑھیا نہ ہو گی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں نئی پیدا کریں گے پھر باکرہ کر دیں گے (شمائل ترمذی وغیرہ) طبرانی میں ہے حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حور عین کی مجھے خبر دیجئے آپ نے فرمایا وہ گورے رنگ کی ہیں بڑی بڑی آنکھوں والی ہیں سخت سیاہ اور بڑے بڑے بالوں والی ہیں جیسے کہ گدھ کا پر میں نے کہا لؤلؤ مکنون کی بابت خبر دیجئے آپ نے ارشاد فرمایا ان کی صفائی اور جوت مثل اس موتی کے ہے جو سیپ سے ابھی نکلا ہو جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو میں نے کہا خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (سورہ رحمٰن: ۷۰) کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا خوش خلق خوبصورت میں نے کہا بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (سورہ صافات: ۴۹) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ان کی نزاکت اور نرمی انڈے کی اس جھلی کی مانند ہو گی جو اندر ہوتی ہے میں نے عُرُبًا اَتْرَابًا کے معنی دریافت کئے فرمایا اس سے مراد دنیا کی مسلمان عورتیں جنتی ہیں جو بالکل بڑھیا تھیں اللہ تعالیٰ نے نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں اور خاوندوں کی چہیتیاں اور اپنے شوہروں سے عشق کرنے والیاں اور ہم عمر بنا دیں میں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حور عین؟ فرمایا دنیا کی عورتیں حور عین سے بہت افضل ہیں جیسے استر سے ابرا بہتر ہوتا ہے میں نے کہا اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا نمازیں روزے اور اللہ تعالیٰ کی عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے نور سے ان کے جسم ریشم سے سنوار دیئے ہیں سفید ریشم اور سبز ریشم اور زرد سنہرے ریشم اور زرد سنہرے زیور بخوردان موتی کے کنگھیاں سونے کی یہ کہتی رہیں گی۔

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَدًا ۞ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْاَسُ اَبَدًا
وَنَحْنُ الْمُقِيْمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ اَبَدًا ۞ وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ اَبَدًا
طُوْبٰی لِمَنْ كُنَّا لَهٗ وَ كَانَ لَنَا

یعنی ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی مریں گی نہیں ہم ناز و نعمت والیاں ہیں کبھی مفلس اور بے نعمت نہ ہوں گی ہم اقامت کرنے والیاں ہیں کہ کبھی سفر میں نہیں جائیں گی ہم اپنے خاوندوں سے خوش رہنے والیاں ہیں کہ کبھی روٹھیں گی نہیں خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لئے ہم ہیں اور خوش نصیب ہیں ہم کہ ان کے لئے ہیں میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتوں کے دو دو تین تین چار چار شوہر ہو جاتے ہیں اس کے بعد انہیں موت آتی ہے مرنے کے بعد اگر یہ جنت میں گئی اور اس کے سب خاوند بھی گئے تو یہ کسے ملے گی؟ آپ نے فرمایا اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس کے ساتھ چاہے رہے چنانچہ یہ ان میں سے اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ بہترین برتاؤ کرتا رہا ہو اللہ تعالیٰ سے کہے گی کہ اے پروردگار! یہ مجھ سے بہت اچھی بود و باش رکھتا تھا اس کے نکاح میں مجھے دے اے ام سلمہ حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو لئے ہوئے ہے حور کی مشہور ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی سفارش کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کی اور آپ کو انہیں جنت میں پہنچانے کی اجازت دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا خدا کی قسم تم جس قدر اپنے گھربار اور اپنی بیویوں سے واقف ہو اس سے بہت زیادہ اہل جنت اپنے گھروں اور بیویوں کو جانتے ہوں گے پس ایک ایک جنتی کی بہتر بہتر بیویاں ہوں گی جو خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور دو دو بیویاں عورتوں میں سے ہوں گی کہ انہیں اپنی عبادت کی وجہ سے ان سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالا خانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا اور جڑاؤ کیا ہوگا ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی جو سب باریک اور سبز چمکیلے خالص ریشم کے ہوں گے یہ بیوی اس قدر نازک نورانی ہوگی کہ ان کی کمر پر ہاتھ رکھ کر سینے کی طرف دیکھ لے گا تو صاف نظر آ جائے گا کپڑے گوشت ہڈی کوئی چیز حائل نہ ہو سکے گی اس قدر اس کی پنڈلی صاف اور آئینہ نما ہوگی جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے ڈورہ ڈال دیں تو وہ ڈورہ باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا ایسا ہی نورانی بدن اس جنتی کا بھی ہوگا الغرض یہ اس کی آئینہ ہوگی اور وہ اس کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوگا نہ یہ تھکے نہ وہ نہ اس کا دل بھرے نہ اس کا جب کبھی نزدیکی کرے گا تو کنواری پائے گا نہ اس کا عضو سست ہو نہ اسے گراں گزرے مگر خاص پانی وہاں نہ ہوگا جس سے گھن آئے یہ یوں ہی مشغول ہوگا کہ کان میں ندا آئے گی کہ یہ تو ہمیں خوب معلوم ہے کہ نہ آپ کا دل ان سے بھرے گا نہ ان کا آپ سے مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں اب یہ یہاں سے آئے گا اور ایک ایک کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جائے گا کہ رب کی قسم تجھ سے بہتر جنت میں کوئی چیز نہیں نہ میری محبت کسی پر تجھ سے زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جنت میں پہنچ کر جنتی لوگ جماع بھی کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خوب اچھی طرح بہترین طریق پر جب الگ ہوگا وہ اسی وقت پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کو جنت میں اتنی اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت ملے گی طبرانی کی حدیث میں ہے ایک ایک سو کنواریوں کے پاس ایک ایک دن میں ہو آئے گا حافظ عبداللہ مقدسی فرماتے ہیں یہ حدیث شرط صحیح پر ہے واللہ اعلم۔ ابن عباس عربا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی یہ اپنے خاوندوں کی عاشق اور خاوند ان کے عاشق۔ عکرمہؓ سے روایت ہے کہ اس کے معنی ناز و کرشمہ والی ہے اور ایک سند سے منقول ہے کہ نزاکت والی ہے تمیم بن جدلم کہتے ہیں عربا اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے زید بن اسلم وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد خوش کلام ہے اپنی باتوں سے اپنے خاوندوں کا دل موہ لیتی ہیں جب کچھ بولیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول جھڑتے ہیں اور نور برستا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ انہیں عرب اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی بول چال عربی زبان میں ہوگی اتراب کے معنی ہیں ہم عمر یعنی ۳۳ برس کی اور معنی ہیں کہ خاوند کی اور ان کی طبیعت خلق بالکل یکساں ہے جس سے وہ خوش یہ بھی خوش جو اس کو ناپسند اسے ناپسند یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ آپس میں ان کے اندر بیر بغض حسد اور رشک نہ ہوگا یہ سب آپس میں بھی ہم عمر ہوں گی تاکہ بے تکلفی سے ایک دوسرے سے ملیں جلیں کھیلیں اور کودیں ترمذی کی حدیث میں ہے کہ یہ جنتی حوریں ایک روح افزا باغ میں جمع ہو کر رسیلے گلے سے گانا گائیں گی کہ ایسی سریلی آواز اور رسیلی آواز مخلوق نے کبھی نہ سنی ہوگی ان کا گانا وہی ہوگا جو اوپر بیان ہوا ابو یعلی میں ہے کہ ان کے گانے میں یہ بھی ہوگا۔

نَحْنُ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ☆ خُبِئْنَا لِأَزْوَاجٍ كِرَامٍ

یعنی ہم پاک صاف خوش وضع اور خوبصورت عورتیں ہیں جو بزرگ اور ذی عزت شوہروں کے لئے چھپا کر رکھی گئی تھیں اور

روایت میں خیرات کے بدلے جوار کا لفظ آیا ہے پھر فرمایا کہ یہ اصحاب یمین کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انہی کے لئے محفوظ و مصنون رکھی گئی تھیں لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ متعلق ہیں انا انشأناھن کے یعنی ہم نے انہیں ان کے لئے بنایا ہے حضرت ابوسلیمان دارائیؒ سے منقول ہے کہ میں نے ایک رات تہجد کی نماز کے بعد دعا مانگنی شروع کی چونکہ سخت سردی تھی بڑے زور کا پالا پڑ رہا تھا ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے تھے اس لئے ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگی اور اسی حالت میں دعا مانگتے مانگتے مجھے نیند آ گئی خواب میں میں نے ایک حور کو دیکھا کہ اس کی طرح خوبصورت اور نورانی شکل کبھی میری نگاہ سے نہیں گزری اس نے مجھ سے کہا اے ابوسلیمان ایک ہی ہاتھ سے دعا مانگنے لگے اور یہ خیال نہیں کہ پانچ سو سال سے اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے لئے اپنی خاص نعمتوں میں پرورش کر رہا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام متعلق اترابا کے ہو یعنی ان کی ہم عمر ہوں گی جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے مانند ہوں گے ان کے بعد والی جماعت کے بہت چمکدار ستارے روشن چہرے ہوں گے یہ پاخانے پیشاب تھوک اور رینٹ سے پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کے پسینے مشک کی خوشبو کی طرح ہوں گے ان کی انگیٹھیاں لولو کی ہوں گی ان کی بیویاں حوریں ہوں گی ان سب کے اخلاق مثل ایک ہی شخص کے ہوں گے یہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے ہوں گے طبرانی میں ہے کہ اہل جنت بے بال اور بے ریش گورے رنگ والے خوش خلق اور خوب صورت سرگیں آنکھوں والے ۳۳ برس کی عمر کے ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے چکلے مضبوط بدن والے ہوں گے اس کا کچھ حصہ ترمذی میں بھی ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ گو کسی عمر میں انتقال ہوا ہو دخول جنت کے وقت ۳۳ سالہ عمر کے ہوں گے اور اسی عمر میں ہمیشہ رہیں گے اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی) ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے قد آدم علیہ السلام، حسن یوسف علیہ السلام، عمر عیسیٰ یعنی ۳۳ سال اور زبان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عربی زبان والے ہوں گے بے بال کے اور سرگیں آنکھوں والے (ابن ابی الدنیا) اور ایک روایت میں ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنت کے درخت کے پاس لایا جائے گا اور انہیں وہاں کپڑے پہنائے جائیں گے ان کے کپڑے نہ تو بوسیدہ ہوں نہ پرانے پڑیں نہ میلے ہوں اور ان کی جوانی نہ ڈھلے نہ جائے نہ فنا ہو اصحاب یمین اگلوں میں سے بھی بہت ہیں اور پچھلوں میں سے بھی بہت ہیں ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے بیان فرمایا میرے سامنے انبیاء مع اپنے تابعدار امتیوں کے پیش ہوئے بعض نبی گزرتے تھے اور بعض نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی تھی اور بعض نبی کے ساتھ تین آدمی ہوتے تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا راوی حدیث حضرت قتادہ نے اتنا بیان فرمایا کہ یہ آیت پڑھی : اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (سورہ ہود:۷۸) کیا تم میں سے ایک بھی رشد و سمجھ والا نہیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران گزرے جو بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت ساتھ لئے ہوئے تھے میں نے پوچھا پروردگار یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ تمہارے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والی امت ہے میں نے پوچھا خدایا میری امت کہاں ہے؟ فرمایا اپنی جانب نیچے کی طرف دیکھو! میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت نظر آئی لوگوں کے بکثرت چہرے دمک رہے تھے پھر مجھ سے پوچھا کہو اب تو خوش ہو؟ میں نے کہا ہاں خدایا خوش ہوں مجھ سے پھر فرمایا اپنی بائیں جانب کناروں کی طرف دیکھو میں نے دیکھا تو وہاں بھی بے شمار لوگ تھے پھر مجھ سے پوچھا اب تو راضی ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں میرے رب میں راضی ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور لوگ ہیں جو بغیر حساب کے ہی جنت میں داخل ہوں گے یہ سن کر حضرت عکاشہ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ بنو اسد سے محصن کے لڑکے تھے یہ بدر کی لڑائی میں موجود تھے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی انہی میں

شامل فرمادے آپ نے دعا کی پھر ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا اے نبی اللہ میرے لئے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا پھر آپ نے فرمایا لوگو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں اگر تم سے ہو سکے تو تم ان ستر ہزار میں سے بنو جو بے حساب جنت میں جائیں گے ورنہ کم سے کم داھنی جانب والوں میں سے ہو جاؤ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کنارے والوں میں سے بن جاؤ میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے حال میں ہی الجھ جاتے ہیں پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تمام اہل جنت کی چوتھائی تعداد صرف تمہاری ہی ہوگی پس ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا بلکہ مجھے امید ہے کہ تم تمام جنت کی تہائی ہو گے ہم پھر تکبیر کہی فرمایا اور سنو! تم نصف اہل جنت میں سے ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تلاوت کی اب ہم میں آپس میں مذاکرہ ہوا کہ یہ ستر ہزار کون لوگ ہیں پھر ہم نے کہا وہ لوگ جو اسلام میں ہی پیدا ہوئے اور شرک کیا ہی نہیں ہوگا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے اور فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں یہ حدیث بہت سی سندوں سے صحابہ کی روایت سے بہت سی کتابوں میں صحت کے ساتھ موجود ہے ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آیت سے پہلے پچھلوں سے مراد میری امت کے اگلے پچھلے ہی ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ہوگا وہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیا میں) بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک وکفر) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ گئے تو کیا اس کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ کئے جاویں گے آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جاویں گے ایک تاریخ کے وقت پر پھر جمع ہونے کے بعد تم کو اے گمراہو جھٹلانے والو درخت زقوم سے کھانا ہوگا پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس

پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا (غرض) ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی ○

اصحاب شمال:

اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر ہو رہا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا کیا حال ہے؟ یہ کس عذاب میں ہیں؟ پھر ان عذابوں کا بیان فرماتا ہے کہ یہ گرم ہوا کے تھپیڑوں اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں ہیں اور دھوئیں کے سخت سیاہ سائے میں جیسے اور جگہ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ سے لِلۡمُكَذِّبِيۡنَ (سورہ مرسلات:۲۹) تک فرمایا ہے یعنی اس دوزخ کی طرف چلو جسے تم جھٹلاتے تھے چلو تین شاخوں والے سایہ کی طرف جو نہ گھنا ہے نہ آگ کے شعلے سے بچا سکتا ہے وہ دوزخ محل کی اونچائی کی برابر چنگاریاں پھینکتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ زرد اونٹنیاں ہیں آج تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے اسی طرح یہ بھی فرمان ہے کہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا ہے یہ سخت سیاہ دھوئیں میں ہوں گے جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہو یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنی ہو وہاں اس کا ہر ایک برا وصف بیان کر کے اس کے بعد **لا کریم** کہہ دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ ان سزاؤں کے مستحق اس لئے کہ دنیا میں جو خدا تعالیٰ کی نعمتیں انہیں ملی تھیں ان میں مست ہو گئے رسولوں کی باتوں کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی بدکاریوں میں پڑ گئے اور پھر توبہ کی طرف دلی توجہ بھی نہ رہی۔ **حنث العظیم** سے مراد بقول حضرت ابن عباسؓ کفر و شرک ہے بعض کہتے ہیں جھوٹی قسم ہے پھر ان کا ایک اور عیب بیان ہو رہا ہے کہ یہ قیامت کا ہونا بھی محال جانتے تھے اس کی تکذیب کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے تھے کہ مرنے کے بعد مٹی میں مل کر بھی کہیں کوئی زندہ ہو سکتا ہے؟ انہیں جواب مل رہا ہے کہ کل اولاد آدم قیامت کے دن نئی زندگی میں پیدا ہو کر ایک میدان میں جمع ہوگی ایک وجود ایسا نہ ہوگا جو دنیا میں آیا ہو اور یہاں نہ ہو جیسے اور جگہ ہے اس دن سب جمع کر دیئے جائیں گے یہ حاضری کا دن ہے تمہیں دنیا میں چند روز مہلت ہے قیامت کے دن کون ہے جو بلا اجازت خدا تعالیٰ کے لب بھی ہلا سکے انسان دو قسم پر تقسیم کر دیئے جائیں گے نیک الگ اور بد علیحدہ قیامت کا وقت معین اور مقرر ہے کمی زیادتی تقدیم یا تاخیر اس میں بالکل نہ ہوگی پھر تم اسے گمراہو اور جھٹلانے والو زقوم کے درخت کھلوائے جاؤ گے ان ہی سے پیٹ بوجھل کرو گے کیونکہ جبراً وہ تمہارے حلق میں ٹھونسا جائے گا پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی تمہیں پینا پڑے گا اور بھی اسی طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو **ھیم** جمع ہے اس کا واحد **اھیم** ہے اور مونث **ھیماء** ہے **ھائم** اور **ھائمہ** بھی کہا جاتا ہے سخت پیاس والے اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے پانی چوستا رہتا ہے لیکن سیرابی نہیں ہوتی اور نہ اس بیماری سے اونٹ جان بر ہوتا ہے اسی طرح یہ جہنمی جبراً سخت گرم پانی پلائے جائیں گے جو خود ایک بدترین عذاب ہوگا بھلا اس سے پیاس کیا رکتی؟ حضرت خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں پانی پینا یہ بھی پیاس والے اونٹ کا سا پینا ہے اس لئے مکروہ ہے پھر فرمایا ان مجرموں کی ضیافت آج جزاء کے دن یہی ہے۔ جس طرح متقین کے بارے میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ ان کی مہمان داری کی جگہ جنت الفردوس ہے۔

نَحۡنُ خَلَقۡنٰكُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَيۡنَكُمُ الۡمَوۡتَ وَمَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنۡ نُّبَدِّلَ

عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَ نُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی فَلَوۡ لَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے تم کو (اول بار) پیدا کیا ہے جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے اچھا تم پھر بتلاؤ تم جو (عورتوں کے رحم میں) منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تو اور تم جیسے (آدمی) پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے ○

خالق کائنات:

اللہ تعالیٰ قیامت کے منکرین کو لاجواب کرنے کے لئے قیامت کے قائم ہونے کی اور لوگوں کے دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل دے رہا ہے فرماتا ہے کہ جب ہم نے پہلی مرتبہ جبکہ تم کچھ نہ تھے تمہیں پیدا کر دیا تو اب فنا ہونے کے بعد جب کہ کچھ نہ کچھ تو تم رہو گے ہی تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ہم پر کیا گراں ہوگا؟ جب ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو پھر دوسری مرتبہ کے پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ دیکھو انسان کے خاص پانی کے قطرے تو عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں اتنا کام تو تمہارا تھا لیکن اب ان قطروں کو بصورت انسان پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے؟ ظاہر ہے کہ تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں کوئی ہاتھ نہیں کوئی قدرت نہیں کوئی تدبیر نہیں یہ صفت پیدا کرنا تو صرف خالق کل اللہ رب العزت کی ہی ہے ٹھیک اسی طرح مار ڈالنے پر بھی وہی قادر ہے کل آسمان وزمین والوں کی موت کا متصرف بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھلا اتنی بڑی قدرتوں کا مالک کیا یہ نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن تمہاری موت کو پیدائش میں تبدیل کر کے جس صفت اور جس حال میں چاہے تمہیں از سر نو پیدا کر دے پس جب کہ جانتے ہو اور مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش اسی نے کی ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ پہلی پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے مشکل ہے پھر دوسری پیدائش کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہی بات ایک اور جگہ بیان ہوئی ہے وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ (سورہ روم: ۲۷) خدا تعالیٰ نے ہی پہلی پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ دہرائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے سورہ یاسین میں اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ سے عَلِیۡمٌ (سورہ یسین: ۷۷) تک ارشاد فرمایا یعنی ہم انسان کو نطفے سے پیدا کرتے ہیں پھر وہ حجت بازیاں کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ان بوسیدہ گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے طرف سے جواب دو کہ وہ انہیں زندہ کرتے گا جس نے پہلے پیدا کیا ہے وہ ہر پیدائش کا علم رکھنے والا ہے سورہ قیامہ میں فرمایا اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ (سورہ قیامہ: ۳۶) سے آخر سورۃ تک یعنی کیا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا یہ ایک غلیظ پانی کے نطفے کی شکل میں نہ تھا پھر خون کے لوتھڑے کی صورت میں نمایاں ہوا تھا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا درست کیا مرد اور عورت بنائے کیا ایسا خدا تعالیٰ مردوں کو جلانے پر قادر نہیں؟

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ﴿۶۴﴾ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَکَّهُوۡنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیۡتُمُ

الْمَاۤءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَاۤءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کر دیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے کہ (اب کے تو) ہم پر تاوان ہی پڑ گیا بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ گیا گزرا) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں سو تم کیوں نہیں شکر کرتے اچھا پھر یہ بتلاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ○

یہ لہلہاتی کھیتیاں:

ارشاد باری ہے کہ تم کھیتیاں بوتے ہو زمین کھود کر بیج بوتے ہو پھر ان بیجوں کو اگانا بھی کیا تمہارے بس میں ہے؟ نہیں نہیں بلکہ انہیں اگانا انہیں پھل پھول دینا ہمارا کام ہے ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زرعت نہ کہا کرو بلکہ حرثت کہا کرو یعنی یوں کہو میں نے بویا یوں نہ کہو کہ میں نے اگایا[1] حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنا کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی امام حجر مدری ان آیتوں کے ایسے سوال کے موقعوں پر جب پڑھتے تو کہتے بَلْ اَنْتَ یَارَبِّیْ ہم نے نہیں بلکہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہی پھر فرماتا ہے کہ پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری مہربانی ہے کہ ہم اسے بڑھائیں اور پکائیں ورنہ ہمیں قدرت ہے کہ سکھا دیں اور مضبوط نہ ہونے دیں برباد کر دیں اور بے نشان بنا دیں اور تم ہاتھ ملتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی ہائے ہماری تو اصل بھی ماری گئی بڑا نقصان ہو گیا نفع ایک طرف پونجی بھی غارت ہو گئی غم ورنج سے نہ جانے کیا کیا بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگو کبھی کہو کاش کہ اب کی مرتبہ بوتے ہی نہ کاش کہ اس طرح کرتے یا اس طرح کرتے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اس وقت تم اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ۔ تفکہ کا لفظ اپنے دونوں معنی رکھتا ہے نفع کے اور غم کے مزن بادل کو کہتے ہیں پھر اپنی پانی جیسی اعلیٰ نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ دیکھو اس کا برسانا بھی میرے قبضہ میں ہے کوئی ہے جو اسے بادل سے اتار لائے اور جب اتر آیا پھر بھی اس میں مٹھاس اور تلخی پیدا کرنے پر مجھے قدرت ہے یہ میٹھا پانی بیٹھے بٹھائے میں تمہیں دوں جس سے تم نہاؤ دھوؤ اور کپڑے صاف کرو کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرو جانوروں کو پلاؤ پھر کیا تمہیں یہی چاہئے کہ میرا شکر بھی ادا نہ کرو؟ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پانی پی کر فرمایا کرتے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانَاهُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں میٹھا اور عمدہ پانی اپنی رحمت سے پلایا اور ہمارے گناہوں کی خاطر اسے کھاری اور

[1] اس لئے کہ اگانا تو خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے بندہ تو صرف بوتا ہے حدیث میں اس ادب کی تعلیم دی گئی جو ہر ایک مومن کے دل و دماغ اور زبان پر ہونا چاہئے۔

کڑوانہ بنایا عرب میں دو درخت ہوتے ہیں مرخ اور عفاء ان کی سبز شاخیں جب ایک دوسری سے رگڑ جائیں تو آگ نکلتی ہے اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس سے تم پکاتے رہندھتے ہو اور سینکڑوں فائدے حاصل کر رہے ہو بتلاؤ اس کی اصل یعنی اس درخت کے پیدا کرنے والے تم ہو یا میں ہوں؟ اس آگ کو ہم نے تذکرہ بنایا ہے یعنی اسے دیکھ کر جہنم کی آگ کو یاد کرو اور اس سے بچنے کی راہ لو حضرت قتادہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی بہت کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر سترواں حصہ بھی دو مرتبہ پانی سے بجھایا گیا ہے اب یہ اس قابل ہوا ہے کہ تم اس سے نفع اٹھا سکو اور اس کے قریب جا سکو یہ مرسل حدیث مسند میں ہے اور بالکل صحیح ہے مقوین سے مراد مسافر ہیں بعضوں نے کہا ہے جنگل میں رہنے سہنے والے لوگ مراد ہیں بعضوں نے کہا ہے ہر بھوکا مراد ہے غرضیکہ ہر وہ شخص مراد ہے جسے آگ کی ضرورت ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے کا محتاج ہو ہر امیر فقیر شہری دیہاتی مسافر مقیم کو اس کی حاجت ہوتی ہے پکانے کے لئے تاپنے کے لئے روشنی کے لئے وغیرہ وغیرہ پھر خدا کی اس کریمی کو دیکھئے کہ درختوں میں لوہے میں اس نے اسے رکھ دیا تا کہ مسافر اپنے ساتھ لے جا سکے اور ضرورت کے وقت اپنا کام نکال سکے ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں میں مسلمان کا برابر کا حصہ ہے آگ گھاس اور پانی ابن ماجہ میں ہے یہ تینوں چیزیں روکنے کا کسی کو حق نہیں ایک روایت میں ہے ان کی قیمت کا بھی ذکر ہے لیکن اس سند ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ تم سب کو چاہئے کہ اس بہت بڑی قدرتوں کے مالک خدا تعالیٰ کی ہر وقت پاکیزگی بیان کرتے رہو جس نے آگ جیسی جلا دینے والی چیز کو تمہارے لئے نفع دینے والی بنا دیا جس نے پانی کو کھاری اور کڑوانہ کر دیا کہ تم پیاس کے مارے تکلیف اٹھاؤ بلکہ اسے میٹھا صاف شفاف اور مزیدار بنا دیا کہ دنیا میں رب کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ تو پھر آخرت میں بھی فائدے ہی فائدے ہیں دنیا میں یہ آگ اس نے تمہارے فائدے کے لئے بنائی ہے اور ساتھ اس لئے کہ آخرت کی آگ کا بھی تم اندازہ کر سکو اور اس سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے کہ یہ ایک مکرم کتاب ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج ہے کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے سو کیا تم اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو ○

ستاروں کی شکست و ریخت:

حضرت ضحاک فرماتے ہیں خدا کی یہ قسمیں کلام کو شروع کرنے کے لئے ہوا کرتی ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے جمہور فرماتے ہیں یہ قسمیں ہیں اور ان میں ان چیزوں کی عظمت کا اظہار ہے بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہاں پر لا زائد ہے اور انه لقرآن...... جواب قسم ہے

اور لوگ کہتے ہیں لا کو زائد قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جب کہ کسی چیز پر قسم کھائی جائے وہ منفی ہو جیسے حضرت عائشہؓ کے اس قول میں کہ وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ یعنی خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے لگایا نہیں یعنی بیعت میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا اسی طرح یہاں بھی لا قسم کے شروع میں مطابق قاعدہ ہے نہ کہ زائد تو کلام کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے جو خیالات قرآن کریم کی نسبت ہیں کہ یہ جادو ہے یا کہانت ہے غلط ہے بلکہ یہ پاک کتاب کلام اللہ ہے بعض عرب کہتے ہیں کہ لا سے ان کے کلام کا انکار ہے پھر اصل امر کا اثبات الفاظ میں ہے مواقع نجوم سے مراد قرآن کا بتدریج اترنا ہے لوح محفوظ سے تو لیلۃ القدر میں ایک ساتھ آسمان اول پر اتر آیا پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا وقت بروقت اترتا رہا یہاں تک کہ کئی برسوں میں پورا نزول قرآن ہو گیا حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد ستاروں کے طلوع اور ظاہر ہونے کی آسمان کی جگہیں ہیں مواقع سے مراد منازل ہیں حسنؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ان کا منتشر ہو جانا ہے ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کی نسبت مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں تارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی گئی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ قرآن بڑی عظمت والی کتاب ہے معظم و محفوظ اور مضبوط کتاب میں ہے کہ جسے صرف پاک ہاتھ ہی لگتے ہیں یعنی فرشتوں کے ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا میں اسے سب کے ہاتھ لگتے ہیں ابن مسعودؓ کی قرأت میں ما یمسہ ہے اور ابوالعالیہؒ کہتے ہیں یہاں پاک سے مراد انسان نہیں انسان تو گنہگار ہے یہ کفار کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کو لے کر شیطان اترتے ہیں جیسے اور جگہ صاف فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ (سورہ شعراء: ۲۱۰) یعنی نہ تو اسے شیطان لے کر اترتے ہیں، نہ ان کے یہ لائق نہ ان کی یہ مجال بلکہ وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ ہیں یہی قول اس آیت کی تفسیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے اور اقوال بھی اس کے مطابق ہو سکتے ہیں قرأنے کہا ہے اس کا ذائقہ اور اس کا لطف صرف باایمان لوگوں کو ہی میسر آتا ہے بعض کہتے ہیں کہ مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے گو یہ خبر ہے لیکن مراد اس سے انشا ہے اور قرآن سے مراد یہاں پر مصحف ہے مطلب یہ ہے کہ مسلمان ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ نہ لگائے ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن ساتھ لے کر حربی کافروں کے ملک میں جانے سے منع فرمایا ہے کہ ایسا نہ ہوا سے دشمن کچھ نقصان پہنچائے (مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمان حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دیا تھا اس میں بھی یہ تھا کہ قرآن کو پاک ہی چھوئے[1] (موطا امام مالک) مراسیل ابوداؤد میں ہے زہری فرماتے ہیں میں نے خود اس کتاب کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے گو اس رعایت کی بہت سندیں ہیں لیکن ہر ایک محل نظر ہے واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ قرآن شعر و سخن نہیں اور جادو اور فن نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے اور اسی کی جانب سے اترا ہے یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اس کے علاوہ جو اس کے خلاف ہے باطل اور یکسر مردود ہے پھر تم ایسی پاک بات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں اس سے ہٹنا اور یکسو ہو جانا چاہتے ہو؟ کیا اس کا شکر یہی ہے کہ تم اسے جھٹلاؤ؟ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر آتا ہے مسند کی ایک حدیث میں بھی رزق کا معنی شکر کیا ہے یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں پانی ملا اور فلاں ستارے سے فلاں چیز ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر بارش کے موقع پر بعض لوگ کفریہ کلمات بک دیتے ہیں کہ بارش کا باعث فلاں ستارہ ہے موطا میں ہے ہم حدیبیہ کے میدان میں تھے رات کو بارش ہوئی صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے ہو آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا؟

---

[1] قرآن مجید کو ناپاک آدمی نہ چھوئے محققین کی رائے میں یہ مسئلہ اس آیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہاں دوسرے مستقل دلائل سے یہ مسئلہ امت میں متفق علیہ ہے کہ قرآن کریم کو طہارت کے بغیر چھونا ہرگز جائز نہیں۔

لوگوں نے کہا خدا کو معلوم ہے اور اس کے رسول کو آپ نے فرمایا سنو یہ فرمایا کہ آج میرے بندوں میں سے بہت کافر ہو گئے اور بہت سے ایماندار بن گئے جس نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانی برسا وہ تو میری ذات پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں سے کفر کرنے والا ہوا اور جس نے کہا کہ ہم فلاں فلاں ستارے سے بارش برسی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس ستارے پر ایمان لایا مسلم کی حدیث میں کہ آسمان سے جو برکت نازل ہوتی ہے وہ بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا باعث بن جاتی ہے...... ہاں یہ خیال رہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے پوچھا تھا کہ ثریا ستارہ کتنا باقی ہے؟ پھر کہا تھا کہ اس علم والوں کا خیال ہے کہ یہ اپنے ساقط ہو جانے کے ہفتہ بھر بعد افق پر نمودار ہوتا ہے چنانچہ یہی ہوا کہ اس سوال و جواب اور استسقا کو سات روز گزرے تھے جو پانی برسا یہ واقعہ محمول ہے عادت اور تجربہ پر نہ یہ کہ اس ستارے میں ہے اور اس ستارے کو اثر کا موجد جانتے ہو اس قسم کا عقیدہ تو کفر ہے ہاں تجربے سے کوئی چیز معلوم کر لینا یا کوئی بات کہہ دینا دوسری چیز ہے اس بارے میں بہت سی حدیثیں آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ (سورہ مومن:۲) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے یہ رزق اللہ تعالیٰ کا ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے اگر سات سال قحط سالی رہے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بارش برسائے تو بھی یہ فوراً زبان سے نکالنے لگیں گے کہ فلاں تارے نے برسایا مجاہد فرماتے ہیں اپنی روزی تکذیب کو ہی نہ بنا لیں یعنی یوں نہ کہو کہ فلاں فراخی کا سبب فلاں چیز ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس یہ بھی مطلب ہے کہ قرآن میں ان کا کچھ حصہ نہیں بلکہ ان کا حصہ یہی ہے کہ یہ اسے جھوٹا کہتے ہیں اور اسی مطلب کی تائید اس سے پہلے کی آیت سے بھی ہوتی ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو اگر تم سچے ہو ○

سکرات موت اور انسان کی بے چارگی:

اس مضمون کی آیتیں سورہ قیامہ میں بھی ہیں فرماتا ہے کہ ایک شخص اپنے آخری وقت میں ہے نزع کا عالم ہے روح پرواز کر رہی ہے تم سب پاس بیٹھے دیکھ رہے ہو کوئی کچھ نہیں کر سکتا ہمارے فرشتے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تم سے بھی زیادہ قریب اس مرنے والے سے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً...... (سورہ انعام:۶۱) خدا اپنے بندوں پر غالب ہے وہ تم پر اپنے پاس سے محافظ بھیجتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اسے مکمل فوت کر لیتے ہیں پھر وہ سب اللہ

تعالیٰ مولائے حق کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حاکم ہے اور جلد حساب لینے والا ہے یہاں فرماتا ہے اگر واقعی تم لوگ کسی کے زیر فرمان نہیں ہو اگر یہ حق ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے اور میدان قیامت میں حاضر ہونے کے قائل نہیں ہو اور اس بات میں تم حق پر ہو اگر تمہیں حشر و نشر کا یقین نہیں اگر تم پر عذاب نہیں ہوگا وغیرہ تو ہم کہتے ہیں اس روح کو جانے ہی کیوں دیتے ہو؟ اگر تمہارے بس میں ہے تو حلق تک پہنچی ہوئی روح کو واپس اس کی جگہ پہنچا دو پس یاد رکھو جیسے اس روح کو اس جسم میں ڈالنے پر ہم قادر تھے اور اسے بھی تم نے بچشم خود دیکھ لیا تو یقین کرو اسی طرح ہم دوبارہ اس روح کو اس جسم میں ڈال کر نئی زندگی بخشنے پر بھی قادر ہیں تمہارا نہ اپنی پیدائش میں دخل نہ مرنے میں تو پھر دوبارہ جی اٹھنے میں تمہارا دخل کہاں سے ہوگیا؟ جو تم کہتے پھرتے ہو کہ ہم مرنے کے بعد نہیں جئیں گے۔

فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے تو راحت ہے اور فراغت کی غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن وامان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا بے شک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیق یقینی بات ہے سو اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ○

راحتیں اور آسودگیاں:

یہاں وہ احوال بیان ہو رہے ہیں جو موت کے وقت سکرات دنیا کی آخری ساعت میں انسانوں کے ہوتے ہیں کہ یا تو وہ اعلیٰ درجہ کا مقرب ہے یا اس سے کم درجہ کا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا یا بالکل بدنصیب ہے جو اللہ سے جاہل رہا اور راہ حق سے غافل رہا تو فرماتا ہے جو مقربین بارگاہ خدا ہیں جو احکام کے عامل تھے نافرمانیوں کے تارک تھے انہیں تو فرشتے طرح طرح کے مژدہ اور خوشخبریاں سناتے ہیں جیسے کہ پہلے براءؓ کی حدیث گزری ہے کہ رحمت کے فرشتے اسے کہتے ہیں اے پاک روح پاک جسم والی روح چل راحت و آرام کی طرف چل کبھی نہ ناراض ہونے والے رحمان کی طرف روح سے مراد راحت ہے اور ریحان سے مراد آرام ہے غرض دنیا کے مصائب سے راحت مل جاتی ہے ابدی سرور اور سچی خوشی خدا کے غلام کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے وہ ایک فراخی اور وسعت دیکھتا ہے اس کے سامنے رزق اور رحمت ہوتی ہے وہ جنت عدن کی طرف لپکتا ہے حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس وقت مقرب خدا کی روح قبض کی جاتی ہے محمد بن کعب فرماتے ہیں مرنے سے پہلے ہی ہر مرنے والے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے (یا اللہ اس وقت تو ہماری مدد فرما ہمیں ایمان کے ساتھ اٹھا اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سنا کر سکون وراحت

کے ساتھ یہاں سے لے جا آمین)[1] گوسکرات کے وقت کی احادیث ہم سورہ ابراہیم کی آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ...... (سورہ ابراہیم: ۲۷) کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں لیکن چونکہ یہ ان کا بہترین موقعہ ہے اس لئے یہاں ایک ٹکڑا بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے میرے فلاں بندے کے پاس جا اور اسے میرے دربار میں لے آ میں نے اسے رنج وراحت' آرام و تکلیف' خوشی ناخوشی' غرض ہر آزمائش میں آزما لیا اور اپنی مرضی کے مطابق پایا بس اب میں ابدی راحت دینا چاہتا ہوں جا اسے میرے خاص دربار میں پیش کر ملک الموت پانچ سو رحمت کے فرشتے اور جنت کے کفن اور جنتی خوشبوئیں ساتھ لے کر اس کے پاس آتے ہیں گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسمیں ہوتی ہیں ہر ایک کی جداگانہ مہک ہوتی ہے سفید ریشم ساتھ ہوتا ہے جس میں مشک کی لپٹیں آتی ہیں...... مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت فروح رے کے پیش سے تھی لیکن تمام قاریوں کی قرأت رے کے زبر سے ہے یعنی فروح مسند میں ہے حضرت ام ہانیؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے؟ اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا روح ایک پرند ہو جائے گی جو درختوں کے میوے چگے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اس وقت اپنے جسم میں چلی جائے گی اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بہت بڑی بشارت ہے مسند احمد میں بھی اس کی تائید میں ایک حدیث ہے جس کی اسناد بہت بہتر ہے اور متن بھی بہت قوی ہے اور صحیح روایت میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں ساری جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں اور عرش تلے لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں مسند احمد میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰؒ ایک جنازے میں گدھے پر سوار جا رہے تھے آپ کی عمر اس وقت بڑھاپے کی تھی سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اسی اثنا میں آپ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا چاہتا ہے اور خدا سے ملنے کو برا جانتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے صحابہ یہ سن کر سر جھکا کر رونے لگے آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ صحابہؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھلا موت کو کون پسند کرتا ہے؟ فرمایا سنو سنو! مطلب سکرات کے وقت سے ہے اس وقت نیک مقرب بندے کو تو راحت وانعام اور آرام دہ جنت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے جس پر وہ تڑپ اٹھتا ہے اور چاہتا ہے جہاں تک ممکن ہو جلد اللہ تعالیٰ سے ملے تا کہ ان نعمتوں سے مالا مال ہو جائے پس خدا تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کی تمنا کرتا ہے اور اگر بدعمل بندہ ہے تو اسے موت کے وقت گرم پانی اور جہنم کی مہمانی کی خبر دی جاتی ہے جس سے یہ بے زار ہو جاتا ہے اور اس کی روح رونگٹے رونگٹے میں چھپنے اور اٹکنے لگتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ کسی طرح خدا کے حضور میں حاضر نہ ہونے پاؤں پس اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ سعادت مندوں میں سے ہے تو موت کے فرشتے اسے سلام کہتے ہیں تجھ پر سلامتی ہو تو اصحاب یمین میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تو سلامتی پائے گا اور خود فرشتے بھی اسے سلام کرتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا...... (سورہ حم السجدہ: ۳۰) یعنی سچے پکے توحید والوں کے پاس ان کے انتقال کے وقت رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ کچھ ڈر

[1] اور یہی دعا محشی کی بھی اپنے پاک پروردگار سے ہے اے اللہ قادر اے مقتدر اے توانا اے عزیز اے غالب اے دعاؤں کو قبول کرنے والے اے مجیب الدعوات جس وقت یہ سطور زیر قلم ہیں جمعہ کا مقدس دن ہے جس میں مقبول دعاؤں کا وعدہ ہے اے اللہ موت' سکرات' نزع' قبر' برزخ' عالم آخرت اور اس دنیا میں آپ کے بے پایاں رحمتیں ہر وقت شامل حال رہیں اے اللہ اس دنیا میں ہر فتنہ سے بچانا اور موت اور مابعد بھی ہر فتنہ سے حسبی الله لدینی حسبی الله عند الموت حسبی الله عند المسئله في القبر حسبي الله عنه الميزان حسبي الله لا اله الا هو عليه تو كلت وهو رب العرش العظيم -

خوف نہیں کچھ رنج وغم نہ کر جنت تیرے لئے حسب وعدہ تیار ہے دنیا اور آخرت میں ہم تیری حمایت کے لئے موجود ہیں جو تمہارا جی چاہے تمہارے لئے موجود ہے جو تمنا تم کرو گے پوری ہو کر رہے گی غفور ورحیم خدا کے تم ذی عزت مہمان ہو گے بخاری میں ہے یعنی تیرے لئے طے ہے کہ تو اصحاب یمین میں ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو واللہ اعلم۔ اور اگر مرنے والا حق کی تکذیب کرنے والا اور ہدایت سے کھویا ہوا ہے تو اس کی ضیافت اس گرم حمیم سے ہوگی جو آنتیں اور کھال جھلسا دے پھر چاروں طرف سے جہنم کی آگ گھیر لے گی جس میں جلتا بھنتا رہے گا پھر فرمایا یہ یقینی باتیں ہیں جن کے حق کے ہونے میں کوئی شبہ نہیں پس اپنے بڑے رب کے نام کی تسبیح کرتا رہ مسند میں ہے کہ اس آیت کے اترنے پر آپ نے فرمایا اسے رکوع میں رکھو اور پھر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی نازل ہونے پر فرمایا اسے سجدہ میں رکھو آپ فرماتے ہیں جس نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے (ترمذی) صحیح بخاری شریف کے ختم پر یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں میزان میں بوجھل ہیں خدا کو بہت پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

تفسیر سورہ حدید مدنیہ

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا شروع سبح سے یا یسبح ہے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے جس آیت کی فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے غالباً وہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ...... ہے واللہ اعلم۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۲۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (سب مخلوق سے) وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ○

تسبیح رب:

تمام حیوانات سب نباتات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں سات آسمان اور زمینیں اور ان کی مخلوق اور ہر ہر چیز اس کی ستائش کرنے میں مشغول ہے گو تم ان کی تسبیح نہ سمجھ سکو خدا حلیم وغفور ہے اس کے ہر کوئی پست وعاجز ولاچار ہے اس کی مقرر کردہ شریعت اور اس کے احکام حکمت سے پر ہیں حقیقی بادشاہ جس کی ملکیت میں آسمان وزمین میں وہی ہے خلق میں متصرف وہی ہے زندگی موت اسی کے قبضے میں ہے وہی فنا کرتا ہے وہی پیدا کرتا ہے جسے جو چاہے عنایت فرماتا ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا اس کے بعد کی آیت: ھو الاول وہ آیت ہے جس کی بابت اوپر کی حدیث میں گزرا کہ ایک ہزار آیتوں سے افضل ہے حضرت ابو زمیلؒ حضرت ابن عباسؓ سے کہتے ہیں کہ میرے دل میں ایک شبہ ہے لیکن زبان پر لانے کو جی نہیں چاہتا اس پر حضرت ابن عباسؓ نے مسکرا کر فرمایا شاید کچھ شک ہو گا جس سے کوئی نہیں بچا یہاں تک کہ قرآن میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ...... (سورہ یونس:۹۴) یعنی اگر جو کچھ جو تیری طرف نازل کیا گیا ہے اس میں شک ہو تو تجھ سے پہلے جو کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لے پھر فرمایا جب تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کرو ھُوَ الْاَوَّلُ اس آیت کی تفسیر میں دس سے اوپر اوپر اقوال ہیں امام بخاری فرماتے ہیں یحییٰ کا قول ہے کہ ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم ہر چیز پر ظاہر اور پوشیدہ ہونا ہے یہ یحییٰ زیاد فرا کے لڑکے ہیں ان کی ایک تصنیف ہے جس نام معانی القرآن ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔

اے اللہ! اے ساتوں آسمانوں کے اور عرش عظیم کے رب اے ہمارے اور ہر چیز کے رب اے تورات وانجیل کے اتارنے والے اے دانوں اور گٹھلیوں کے اگانے والے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں تیری پناہ میں آتا ہوں اور ہر اس چیز کی برائی سے کہ اس کی چوٹی تیرے ہاتھ میں ہے تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا تو ہی آخر ہے کہ تیرے بعد کچھ نہیں تو ظاہر ہے کہ تجھ سے اونچی کوئی چیز نہیں ہمارے فرض ادا کرادے اور ہمیں فقیری سے غنا دے حضرت ابو صالح اپنے متعلقین کو یہ دعا سکھاتے اور فرماتے کہ سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو الفاظ میں کچھ تغیر وتبدل ہے ملاحظہ ہو مسلم۔ ابو یعلی میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کا بستر ہ قبلہ رخ بچھایا جاتا تھا آپ اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے پھر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے لیکن آخر رات میں با آواز بلند یہ دعا پڑھتے (جو اوپر بیان ہوئی) الفاظ میں کچھ تغیر یہاں بھی ہے اس آیت میں جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک بادل سر پر آ گیا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والے ہیں فرمایا اسے عنان کہتے ہیں یہ ذمین کو سیراب کرنے والے ہیں اور لوگوں پر بھی یہ برسائے جاتے ہیں جو نہ خدا کے شکر گزار ہیں نہ خدا کے پکارنے والے پھر پوچھا معلوم ہے تمہارے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں فرمایا بلند محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج جانتے ہو تم میں اور اس میں کس قدر فاصلہ ہے؟ وہی جواب ملا فرمایا پانچ سو سال کا راستہ پھر پوچھا جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ صحابہؓ نے پھر اپنی لاعلمی ان ہی الفاظ میں ظاہر کی تو آپ نے فرمایا اس کے اوپر پھر دوسرا آسمان ہے اور ان دونوں آسمانوں میں بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اسی طرح آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو

میں اتنی ہی دوری بیان فرمائی پھر سوال کیا اور جواب سن کر فرمایا ان ساتوں کے اوپر اتنے ہی فاصلے پر عرش ہے پھر پوچھا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ اور وہی جواب سن کر فرمایا دوسری زمین ہے پھر سوال و جواب کے بعد فرمایا اس کے نیچے دوسری زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اسی طرح سات زمینیں اسی فاصلہ کے ساتھ ایک دوسری نیچے بتلائیں پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم کوئی رسّی سب سے نیچے کی زمین کی طرف لٹکاؤ تو بھی اللہ کے پاس پہنچے گی پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث غریب ہے اس کے راوی حسن کا اسے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ سے سننا ثابت نہیں جیسے کہ ایوب یونس اور علی بن زید محدثین کا قول ہے بعض اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسّی کا اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تک تعالیٰ اللہ) خدائے تعالیٰ کا علم اور اس کا غلبہ اور سلطنت بے شک ہر جگہ ہے لیکن اپنی ذات سے عرش پر ہے جیسا کہ اس نے اپنا یہ وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں دو دو زمینوں کے درمیان کا فاصلہ سات سو سال کا بیان ہوا ہے ابن ابی حاتم اور بزار میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم میں رسّی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمین کے درمیان کی دوری اس میں بھی پانچ سو سال کی بیان ہوئی ہے امام بزار نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس روایت کا راوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بجز حضرت ابو ہریرہؓ کے اور کوئی نہیں ابن جریر میں یہ حدیث مرسلاً موجود ہے یعنی قتادہ فرماتے ہیں ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر حدیث بیان کرتے ہیں صحابی کا نام نہیں لیتے ممکن ہے یہی ٹھیک ہو واللہ اعلم حضرت ابوذر غفاری سے مسند بزار اور کتاب الاسماء والصفات بیہقی میں یہ حدیث روایت ہے لیکن اس کی اسناد ضعف سے خالی نہیں ہے بلکہ متن میں غرابت و نکارت ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام ابن جریرؒ یہ آیت وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (سورہ طلاق: ۱۲) کی تفسیر میں حضرت قتادہ کا قول لائے ہیں کہ آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی آپس میں پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تو ایک نے کہا ساتویں آسمان سے مجھے خدائے عزوجل نے بھیجا تھا اور خدا وہیں تھا دوسرے نے کہا ساتویں زمین سے مجھے خدا نے بھیجا ہے اور میں نے خدا کو وہیں چھوڑا ہے تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے جہاں وہ تھا چوتھے نے کہا مجھے مغرب سے اللہ نے بھیجا ہے اور میں اسے وہیں چھوڑ کر آ رہا ہوں لیکن یہ روایت بھی غریب ہے بلکہ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قتادہ والی اوپر کی روایت میں جو مرسلاً بیان ہوئی ہے ممکن ہے وہ بھی حضرت قتادہ کا اپنا قول ہے جیسے یہ قول خود قتادہ کا اپنا ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

وہ ایسا ہے کہ اس نے آسمان اور زمین چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جاویں گے وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے) اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس رات بڑی ہو جاتی ہے) اور وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے ○

صرف چھ روز میں:

اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کرنا اور عرش پر جلوہ افروز ہونا سورہ اعراف کی تفسیر میں پوری طرح بیان ہو چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسے بخوبی علم ہے کہ اس قدر بوندیں بارش کی زمین میں گئیں کتنے دانے زمین میں پڑے اور کیا چارے پیدا ہوئے کس قدر کھیتیاں ہوئی اور کتنے پھل پیدا ہوئے جیسے اور آیت میں ہے عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ...... (سورہ انعام: ۵۹) غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا عالم ہے کسی پتے کا گرنا بھی اس کے علم سے باہر نہیں زمین کی اندھیریوں میں پوشیدہ دانہ اور کوئی تر و خشک چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح آسمان سے نازل ہونے والی بارش اولے اور برف اور تقریریں اور احکام جو بذریعہ برتر فرشتوں کے نازل ہوتے ہیں سب اس کے علم میں ہیں سورہ بقرہ کی تفسیر میں یہ گزر چکا ہے کہ خدا کے مقرر کردہ فرشتے بارش کے ایک ایک قطرے کو خدا تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں آسمان سے اترنے والے فرشتے اور اعمال بھی اس کے وسیع علم میں ہیں جیسے صحیح حدیث میں ہے رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارا نگہبان ہے تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے جیسے بھی ہوں جو بھی ہوں اور تم بھی خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو راتیں ہوں یا دن ہوں تم گھر میں ہو یا جنگل میں ہو ہر حالت میں اس کے علم کے لئے یکساں ہر وقت کی اس نگاہیں اور اس کا سننا تمہارے ساتھ ہے تمہارے تمام کلمات وہ سنتا رہتا ہے تمہارا حال وہ دیکھتا رہتا ہے تمہارے کھلے چھپے کا اسے علم ہے جیسے فرمایا کہ اس سے جو چھپنا چاہے اس کا وہ فعل فضول ہے بھلا ظاہر و باطن بلکہ دلوں کے ارادے تک سے واقفیت رکھنے والے سے کوئی کیسے چھپ سکتا ہے؟ اور آیت میں ہے پوشیدہ باتیں اور ظاہر باتیں راتوں کو دن کو جو بھی ہوں سب اس پر روشن ہیں سچ ہے وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے صحیح حدیث میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے ایک شخص آ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا حکمت کا توشہ دیجئے کہ میری زندگی سنور جائے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا لحاظ کر اور اس سے اس طرح شرما جیسے کہ تو اپنے کسی نزدیکی نیک قرابت دار سے شرماتا ہے جو تجھ سے کبھی جدا نہ ہوتا ہو یہ حدیث ابوبکر اسماعیلی نے روایت کی ہے سند غریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا مزہ اٹھا لیا ایک اللہ کی عبادت دوسرا اپنے مال کی زکوٰۃ ہنسی خوشی دی اور فراخ دلی اور رضامندی سے ادا کی جانور اگر زکوٰۃ میں دیئے ہیں تو بوڑھے بے کار دبلے پتلے اور بیمار نہ دے بلکہ متوسط درجہ کے راہ خدا میں دے تیسرا اپنے نفس کو پاک کیا اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کو دل میں محسوس رکھے اور یقین و عقیدہ رکھے کہ ہر جگہ خدا اس کے ساتھ ہے (ابونعیم) ایک اور حدیث میں ہے افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان

رکھے کہ تو جہاں کہیں ہے اللہ تیرے ساتھ ہے (نعیم بن حطاط) حضرت امام احمد اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہتے تھے

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ ❁ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهُ يَغْفِلُ سَاعَةً ❁ وَلَا اَنَّ مَا يَخْفٰی عَلَيْهِ يَغِيْبُ

یعنی جب تو بالکل تنہا اور خلوت ہو اس وقت بھی یہ نہ کہہ کہ میں اکیلا ہی ہوں بلکہ کہتا رہ کہ تجھ پر ایک نگہبان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی ساعت بھی بے خبر نہ سمجھ اور مخفی سے مخفی کام کو اس سے چھپا ہوا نہ سمجھ پھر فرماتا ہے کہ دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے جیسے اور آیت میں ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (سورہ لیل:۱۳) دنیا آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے اس کی تعریف اس بادشاہت پر بھی کرنی ہمارا فرض ہے فرماتا ہے وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ (سورہ قصص:۷۰) وہی معبود برحق ہے اور وہی سزاوار حمد وثنا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس کی ملکیت میں آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہ دانا اور وہ خبردار ہے پس ہر وہ چیز جو آسمان وزمین میں ہے اسی کی بادشاہت میں ہے ساری آسمان وزمین کی مخلوق اس کی غلامی میں ہے اور اس کی خدمت گزار اور اس کے سامنے پست ہے جیسے فرمایا کہ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا...... (سورہ مریم:۹۳) آسمان وزمین کی کل مخلوق رحمٰن کے سامنے غلامی کی حیثیت میں پیش ہونے والی ہے ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اس کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم دیتا ہے وہ عادل ہے ظلم نہیں کرتا بس ایک نیکی کو دس گنا بڑھا کر دیتا ہے اور پھر اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ...... (سورہ انبیاء:۴۷) قیامت کے روز ہم عدل کی ترازو رکھیں گے اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا رائی کے برابر کا عمل بھی ہم سامنے لا رکھیں گے اور ہم حساب کرنے اور لینے میں کافی ہیں پھر فرمایا خلق میں تصرف بھی اسی کا چلتا ہے دن رات کی گردش بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اپنی حکمت سے گھٹاتا ہے کبھی کے دن لمبے کبھی کی راتیں اور کبھی دونوں یکساں کبھی جاڑا کبھی گرمی کبھی بارش بہار کبھی خزاں اور یہ سب بندوں کی خیرخواہی اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے ہے وہ دلوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور دور کے پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقٰتَلُوۡا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۰﴾ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر جس مال میں تم کو اس نے قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا تعالیٰ نے تم سے عہد لیا تھا اگر تم کو ایمان لانا ہو وہ (رحیم) ایسا ہے کہ اپنے بندے (خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تا کہ وہ تم کو (کفر و جہل کی تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور لڑے اور یوں اللہ تعالیٰ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض کے طور پر دے پھر خدا تعالیٰ اس (دیئے ہوئے کے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ○

دعوتِ ایمان:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اوپر اور اپنے رسول کے اوپر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی اور مداومت کے ساتھ جم کر رہنے کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنی راہ میں خیرات کرنے کی ترغیب دلاتا ہے جو مال ہاتھوں ہاتھ تمہیں اس نے پہنچایا ہو تم اس کی اطاعت گزاری میں اسے خرچ کرو اور سمجھ لو کہ جس طرح دوسرے ہاتھوں سے تمہیں ملا ہے اسی طرح عنقریب تمہارے ہاتھوں سے دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور تم پر حساب اور عتاب رہ جائے گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تیرے بعد تیرا وارث ممکن ہے نیک ہو اور وہ تیرے ترکے کو میری راہ میں خرچ کر کے مجھ سے بہت نزدیکی حاصل کرے اور ممکن ہے کہ وہ بد ہو اور اپنی بدمستی اور سیاہ کاری میں تیرا اندوختہ فنا کر دے اور اس کی برائیوں کا باعث تو بنے نہ تو چھوڑتا نہ وہ اڑاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم الھاکم پڑھ کر فرمانے لگے انسان کو کہتا رہتا ہے یہ بھی میرا مال ہے وہ بھی میرا مال ہے حالانکہ دراصل انسان کا مال وہ ہے جو کھالیا پہن لیا صدقہ کر لیا کمایا ہوا فنا ہو گیا پہنا ہوا پرانا ہو کر برباد ہو گیا ہاں راہ خدا میں دیا ہوا بطور خزانے کے جمع رہا (مسلم) اور جو رہ گیا وہ تو اوروں کا مال ہے تو اسے جمع کر کے چھوڑ جانے والا ہے۔

پھر ان ہی دونوں باتوں کی ترغیب دلاتا ہے اور وہ بہت بڑے اجر کا وعدہ کرتا ہے پھر فرماتا ہے تمہیں ایمان سے کون سی چیز روکتی ہے؟ رسول تم میں موجود ہے اور تمہیں ایمان کی طرف بلا رہے ہیں دلائل دے رہے ہیں اور معجزے دکھا رہے ہیں صحیح بخاری کی شرح کے

ابتدائی حصے کتاب الایمان میں ہم یہ حدیث بیان کر آئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا سب سے اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟ کہا فرشتے فرمایا وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ کہا پھر انبیاء فرمایا ان پر وحی اور کلام خدا اترتا ہے وہ کیسے ایمان نہ لاتے کہا پھر ہم؟ فرمایا واہ تم ایمان سے کیسے رک سکتے تھے میں تم میں زندہ موجود ہوں سنو! بہترین اور عجیب تر ایمان دار وہ لوگ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے سورہ بقرہ کے شروع میں آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (سورہ بقرہ:۳) کی تفسیر میں بھی ہم ایسی احادیث لکھ آئے ہیں پھر انہیں روز میثاق کا قول وقرار یاد دلاتا ہے جیسے اور آیت میں ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ...... (سورہ بقرہ:۲۳۱) اس سے مراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا ہے اور امام ابن جریر فرماتے ہیں مراد وہ میثاق ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں ان سے لیا گیا تھا مجاہدؒ کا بھی یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔ وہ خدا تعالیٰ جو اپنے بندے پر روشن حجتیں اور بہترین دلائل اور عمدہ آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ ظلم و جور کی گھنگور گھٹاؤں اور رائے و قیاس کی بدترین اندھیریوں سے تمہیں نکال کر نورانی اور روشن اور صاف سیدھی راہ حق پر لا کھڑ کردے خدا رؤف ہے ساتھ ہی رحیم ہے یہ اس کا سلوک اور کرم ہے کہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے کتابیں نازل فرمائیں رسول بھیجے شک وشبہ دور کر دیئے ہدایت کی وضاحت کر دی ایمان اور خیرات کا حکم کر کے پھر ایمان کی رغبت دلا کر اور یہ بیان فرما کر کہ ایمان نہ لانے کا اب کوئی عذر میں نے باقی نہیں رکھا پھر صدقات کی رغبت دلائی اور فرمایا میری راہ میں خرچ کرو اور غربت سے دوڑو جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین وآسمان کے خزانوں کا تنہا مالک ہے عرش و کرسی اسی کی ہے اور وہ تم سے اس خیر کے بدل کا وعدہ کر چکا ہے فرماتا ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سورہ سبا:۳۹) جو کچھ راہ اللہ دو گے اس کا بہترین بدلہ وہ تمہیں دے گا اور روزی رساں درحقیقت وہی ہے اور فرمایا ہے وَمَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (سورہ نحل:۹۶) یہ فانی مال تم خرچ کرو گے وہ اپنے پاس سے ہمیشہ رہنے والا مال تمہیں دے گا توکل والے خرچ کرتے رہتے ہیں اور مالک عرش ان کو تنگدستی سے دور رکھتا ہے ان کو اس بات کا اعتماد ہوتا ہے کہ ہمارے فی سبیل اللہ خرچ کردہ مال کا بدلہ دونوں جہاں میں ہمیں یقیناً مل کر رہے گا پھر اس امر کا بیان ہو رہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ اللہ اپنے مال خرچ کئے اور جن لوگوں نے یہ نہیں کیا گو مکہ فتح ہونے کے بعد کیا ہو یہ دونوں برابر نہیں ہیں اس وجہ سے بھی کہ اس وقت تنگی اور لاچاری زیادہ تھی اور قوت وطاقت کم تھی اور اس لئے بھی کہ اس وقت ایمان وہی قبول کرتا تھا جس کا دل ہر میل کچیل سے پاک ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو کھلا غلبہ ملا اور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور فتوحات کی وسعت ہوئی ساتھ ہی مال بھی نظر آنے لگا پس اس وقت اور اس وقت میں جتنا فرق ہے اتنا ہی ان لوگوں اور ان لوگوں کے اجر میں فرق ہے انہیں بہت بڑے اجر ملیں گے گو دونوں اصل بھلائی اور اصل اجر میں شریک ہیں بعضوں نے کہا ہے فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں کچھ اختلاف ہو گیا جس میں حضرت خالدؓ نے فرمایا تم اسی پر اکڑ رہے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے اسلام لائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر احد کے پہاڑ یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دو تو بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت خالدؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کا ہے اور آپ حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور یہ اختلاف جس کا ذکر اس روایت میں بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالدؓ کی امارت میں ان کی طرف ایک لشکر بھیجا تھا جب یہ وہاں پہنچے تو ان لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے لیکن اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یہ تو نہ کہا کہ ہم اسلام لائے بلکہ کہنے لگے کہ ہم صابی ہوئے یعنی بے دین

ہوئے اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو یہی کہا کرتے تھے حضرت خالدؓ نے غالباً اس کلمہ کا اصل مطلب یہ سمجھ کر ان کے قتل کا حکم دے دیا بلکہ ان کے جو لوگ گرفتار کر لئے گئے تھے انہیں قتل کرنے کو فرمایا اس واقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کی مخالفت کی اس واقعہ کا مختصر بیان اوپر والی حدیث میں ہے صحیح حدیث میں ہے میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان کے کم سے کم ثواب کو نہیں پہنچے گا بلکہ ڈیڑھ پاؤ کو بھی نہ پہنچے گا ابن جریر میں ہے حدیبیہ والے سال ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب عسفان میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ تم اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر سمجھنے لگو گے ہم نے کہا کیا قریشی؟ فرمایا نہیں بلکہ یمنی نہایت نرم دل اور نہایت خوش اخلاق سادہ مزاج ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو اور وہ اسے راہ اللہ خرچ کرے تو تم میں سے ایک کے تین پاؤ بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کی خیرات کو بھی نہیں پہنچ سکتا یاد رکھو کہ ہم میں اور دوسرے تمام لوگوں میں یہی فرق ہے پھر آپ نے اسی آیت لا یستوی کی تلاوت فرمائی لیکن یہ روایت غریب ہے صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں خارجیوں کے ذکر میں ہے کہ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر اور کم تر شمار کرو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے[1]۔ ابن جریر میں ہے عنقریب ایک قوم آئے گی کہ تم اپنے اعمال کو کم تر سمجھنے لگو گے جب ان کے اعمال سے موازنہ کرو گے صحابہؓ نے پوچھا کیا وہ قریشیوں میں سے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں وہ سادہ مزاج نرم دل یہاں والے ہیں اور آپ نے یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پھر فرمایا وہ یمنی لوگ ہیں ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے ہم نے پوچھا کیا وہ ہم سے افضل ہوں گے؟ فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے وہ راہ خدا میں دے ڈالے تو بھی تمہارے ایک مد یا آدھے مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا پھر آپ نے اپنی اور انگلیاں تو بند کر لیں اور چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا خبردار رہو یہ ہے فرق ہم میں اور دوسرے لوگوں میں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے فتح مکہ میں سے پہلے ہی فتح مکہ کے بعد کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی ہو جیسے کہ سورہ مزمل میں جو ان ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ شریف میں نازل ہوئیں تھیں پروردگار نے خبر دی تھی کہ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورہ مزمل: ۲۰) یعنی کچھ اور لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس جس طرح اس آیت میں ایک آنے والے واقعہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس آیت کو اور حدیث کو بھی سمجھ لیا جائے واللہ اعلم پھر فرماتا ہے کہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جس نے جو کچھ راہ اللہ دیا ہے اس کا اجر وہ پائے گا یہ اور بات ہے کہ کسی کو بہت زیادہ دیا جائے کسی کو اس سے کم جیسے اور جگہ ہے کہ مجاہد اور غیر مجاہد جو عذر والے بھی نہ ہوں درجے میں برابر نہیں گو ثواب کے وعدے میں دونوں شامل ہیں صحیح حدیث ہے قوی مومن[2] خدا کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل ہے لیکن بھلائی دونوں میں ہے اگر یہ فقرہ اس آیت میں نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ کسی کو ان کے بعد والوں کی سبکی

---

[1] گویا کہ اس حدیث میں خارجیوں کی تعریف نہیں بلکہ مذمت ہے یعنی باوجود یکہ وہ عبادت بے پناہ کرتے ہوں گے تاہم عقائد صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ان کی یہ عبادت قطعاً مفید نہیں بلکہ مضر ہے بخلاف ان احادیث کے جن میں نیکیوں کا ذکر ہے کہ ان میں اہل یمن کی تعریف ہے۔

[2] کیونکہ وہ جہاد وغیرہ میں خوب حصہ لے سکتا ہے حدیث سے یہ سمجھنا کہ موٹا ہونا یا پہلوان بننا اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرنا اور پھر بھی اس حدیث کا خود کو مستحق سمجھنا جہالت ہے۔

کا خیال گزرے اس لئے فضیلت بیان فرما کر پھر عطف ڈال کر اصل اجر میں دونوں کو شریک بنایا پھر فرمایا تمہارے تمام اعمال کی تمہارے رب کو خبر ہے وہ درجات میں جو تفاوت رکھتا ہے وہ بھی انداز ے سے نہیں بلکہ صحیح علم سے حدیث شریف میں ہے ایک درہم ایک لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے یہ بھی یاد رہے کہ اس آیت کے بڑے مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اس لئے اس پر عمل کرنے والے تمام انبیاء کی امت کے سردار آپ ہیں آپ نے ابتدائی تنگی کے وقت اپنا تمام مال راہ اللہ دے دیا تھا جس کا بدلہ بجز خدا کے کسی اور سے مطلوب نہ تھا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ بھی تھے صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی گریبان کانٹے سے اٹکائے ہوئے تھے جو حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور پوچھا کیا بات ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے صرف ایک عبا پہن رکھی ہے اور کانٹا لگا رکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میرے کاموں میں فتح سے پہلے ہی راہ اللہ خرچ کر ڈالا ہے اب ان کے پاس کچھ نہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا ان سے کہو کہ خدا تعالیٰ انہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا اس فقیری میں تم مجھ سے خوش ہو؟ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے واقعہ بیان فرمایا اور جواب مانگا انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے رب عزوجل سے ناراض کیسے ہوسکتا ہوں بلکہ میں تو اس حال میں بہت خوش ہوں یہ حدیث سنداً ضعیف ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اس سے مراد خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا ہے بعضوں نے کہا ہے بال بچوں کو کھلانا پلانا وغیرہ خرچ مراد ہے ہوسکتا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے دونوں صورتوں کو شامل ہو پھر اس پر وعدہ فرماتا ہے کہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر بدلہ ملے گا اور پاکیزہ تر روزی جنت میں ملے گی اس آیت کو سن کر حضرت ابودحداح انصاریؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پھر انہوں نے عرض کیا کہ ذرا اپنا ہاتھ تو دیجئے آپ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میرا باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں وہ میں نے اپنے رب کو دیا آپ کے بیوی بچے بھی اسی باغ میں تھے آپ آئے اور باغ کے دروازے پر کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی وہ لبیک کہتی ہوئی آئیں تو فرمانے لگے بچوں کو لے کر چلی آؤ یہ باغ اپنے رب عزوجل کو قرض دے دیا ہے وہ خوش ہو کر کہنے لگیں کہ آپ نے بہت نفع کی تجارت کی اور بال بچوں کو اور گھر کے اثاثہ کو لے کر باہر چلی آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے جنتی درخت وہاں کے باغات جو میووں سے لدے ہوئے ہیں اور جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں ابودحداح کو خدا تعالیٰ نے دے دیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۚ

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داھنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے (اور یہ وہ دن ہوگا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر وہاں سے روشنی تلاش کرو پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب یہ (منافق) ان کو پکارے گا کہ کیا (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہ تھے وہ (مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسار کھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم پہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے یعنی شیطان نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ (واقعی) برا ٹھکانہ ہے ○

وہ دن:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے نیک اعمال کے مطابق نور ملے گا جو قیامت کے دن ان کے ساتھ ساتھ رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجور کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا[1] (ابن جریر) حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بعض مومن ایسے بھی ہوں گے جن کا نور اس قدر ہوگا کہ جس قدر مدینہ سے عدن کا فاصلہ ہے اور ابین دور ہے اور صنعا کا فاصلہ ہے بعض اس سے کم بعض اس سے کم یہاں تک کہ بعض وہ بھی ہوں گے جن کے نور سے صرف ان کے دونوں قدموں کے پاس ہی اجالا ہوگا حضرت جناد بن ابو امیہؒ فرماتے ہیں لوگو! تمہارے نام مع ولدیت کے اور خاص نشانیوں کے خدا کے ہاں لکھے ہوئے ہیں اسی طرح تمہارا ظاہر باطن عمل بھی وہاں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن نام لے کر پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ اے فلاں تیرے لئے کوئی نور ہمارے ہاں نہیں پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اول تو ہر شخص کو نور عطا ہوگا لیکن جب پل صراط پر جائیں گے تو منافق کا نور بجھ جائے گا اسے دیکھ کر مومن بھی ڈرنے لگیں گے

[1] گویا کہ نور میں یہ کمی زیادتی اعمال حسنہ میں کمی و زیادتی کی وجہ سے ہے جس کے اچھے اعمال زیادہ اس کا وزن بھی زیادہ جس کے کم اس کا نور بھی کم۔

کہ ایسا نہ ہو کہ ہمارا نور بھی بجھ جائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ خدایا ہمارا نور ہمارے لئے پورا پورا کر حضرت حسنؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد پل صراط پر نور کا ملنا ہے تا کہ اس اندھیری جگہ سے با آرام گزر جائیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے سجدے کی اجازت قیامت کے دن مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم بھی مجھے ہوگا میں آگے پیچھے دائیں بائیں نظریں ڈالوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا تو ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی ان میں سے آپ اپنی امت کی شناخت کیسے کریں گے؟ آپ نے فرمایا بعض مخصوص نشانیوں کی وجہ سے میری امت کے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا اور انہیں ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور ان کا نور ان کے آگے آگے چلتا ہوگا اور ان کی اولاد ان کے ساتھ ہوگی ضحاکؒ فرماتے ہیں ان کے داہنے ہاتھ میں ان کا عمل نامہ ہوگا جیسے اور آیتوں میں تشریح ہے ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے ہر گوشے میں چشمے جاری ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں یہ زبردست کامیابی ہے اس کے بعد کی آیت میں میدان قیامت کے ہولناک دل شکن اور کپکپا دینے والے واقعہ کا بیان ہے کہ سوائے سچے ایمان اور اچھے اعمال والوں کے نجات کسی کو نہ ہوگی سلیم بن عامر فرماتے ہیں ہم ایک جنازے کے ساتھ باب دمشق میں تھے جب جنازے کی نماز ہو چکی اور دفن کا کام شروع ہوا تو حضرت ابوامامہ باہلی نے فرمایا لوگو! تم اس دنیا کی منزل میں صبح شام کر رہے ہو نیکیاں اور برائیاں کر سکتے ہو اس کے بعد ایک اور منزل کی طرف تم سب کوچ کرنے والے ہو وہ منزل یہی قبر ہے جو تنہائی کا اندھیرے کا کیڑوں اور تنگی تاریکی والا گھر ہے مگر جس کے لئے خدا تعالیٰ اسے وسعت دے دے یہاں سے پھر تم میدان قیامت کے مختلف مقامات پر آؤ گے ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ پڑ جائیں گے پھر ایک اور میدان میں جاؤ گے جہاں سخت اندھیرا ہوگا وہاں ایمانداروں کو نور تقسیم کیا جائے گا اور کافر و منافق بے نور رہ جائیں گے اسی کا ذکر آیت اَوْ كَظُلُمٰتٍ...... میں ہے پس جس طرح آنکھوں والے کی بصارت سے اندھا کوئی نفع حاصل کر نہیں سکتا منافق و کافر ایماندار کے نور سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے گا تو منافق ایمانداروں سے آرزو کریں گے کہ اس قدر آگے نہ بڑھ جاؤ کچھ تو ٹھہرو جو ہم بھی تمہارے نور کے سایہ میں چلیں تو جس طرح دنیا میں مسلمانوں سے یہ لوگ مکر و فریب کرتے تھے آج ان سے کہا جائے گا کہ لوٹ جاؤ اور نور تلاش کر کے لاؤ یہ واپس نور کی تقسیم کی جگہ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہ پائیں گے یہی خدا تعالیٰ کی وہ تدبیر ہے جس کا بیان وَهُوَ خَادِعُهُمْ...... (سورہ نساء: ۱۴۲) میں ہے اب لوٹ کر جو یہاں آئیں گے تو دیکھیں گے کہ مومنین اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے جس کے اس طرف رحمت ہی رحمت ہے اور اس طرف عذاب و سزا ہی ہے پس منافق نور کی تقسیم کے وقت تک دھوکے میں ہی رہے گا نور مل جانے پر راز کھل جائے گا تمیز ہو جائے گی اور یہ منافق خدا کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب کامل اندھیرا چھایا ہوا ہوگا کہ کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہ دیکھ سکے گا اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نور ظاہر کرے گا مسلمان اس طرف جانے لگیں گے تو منافق بھی پیچھے لگ جائیں گے جب مومن زیادہ آگے جائیں گے تو یہ انہیں ٹھہرانے کے لئے آواز دیں گے اور یاد دلائیں گے کہ دنیا میں ہم سب ساتھ ہی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی پردہ پوشی کے لئے ان کے ناموں سے پکارا جائے گا مگر پل صراط پر امتیاز ہو جائے گا مومنوں کو نور ملے گا اور منافقوں کو بھی ملے گا لیکن جب درمیان میں پہنچ جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا یہ مومنوں کو آواز دیں گے لیکن اس وقت مومن خود خوف زدہ ہو رہے ہوں گے یہ ایک ایسا وقت ہوگا کہ ہر ایک نفسی نفسی

میں ہوگا جس دیوار کا یہاں ذکر ہے یہ جنت دوزخ کے درمیان حد فاصل ہوگی اسی کا ذکر آیت :وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ (سورہ احزاب:۴۶) میں ہے پس جنت میں رحمت اور جہنم میں عذاب ٹھیک بات یہی ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی شرقی دیوار ہے جس کے باطن میں مسجد وغیرہ ہے اور جس کے ظاہر میں وادی جہنم ہے اور بعض بزرگوں نے بھی یہی کہا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا مطلب نہیں کہ بعینہٖ یہ دیوار اس آیت سے مراد ہے بلکہ اس کا ذکر بطور قرب معنی کے اس آیت کی تفسیر میں ان حضرات نے کر دیا ہے اس لئے کہ جنت آسمانوں میں اعلیٰ علیین میں ہے اور جہنم اسفل السافلین میں اور حضرت کعبؒ احبار سے جو منقول ہے کہ جس دروازے کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد مسجد کا باب الرحمت ہے یہ بنو اسرائیل کی روایت ہے جو ہمارے لئے سند نہیں بن سکتی حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار قیامت کے دن مومنوں اور منافقوں کے درمیان علیحدگی کے لئے کھڑی کی جائے گی مومن تو اس دروازے میں سے جا کر جنت میں پہنچ جائیں گے پھر دروازہ بند ہو جائے گا اور منافق حیرت زدہ ظلمت و عذاب میں رہ جائیں گے جیسے کہ دنیا میں بھی یہ لوگ کفر و جہالت شک و حیرت کی اندھیریوں میں تھے اب یہ یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے جمعہ جماعت ادا کرتے تھے عرفات اور غزوات میں موجود رہتے تھے واجبات ادا کرتے تھے ایماندار کہیں گے ہاں بات تو ٹھیک ہے لیکن اپنے کرتوت تو دیکھو' گناہوں میں نفسانی خواہشوں میں خدا کی نافرمانیوں میں عمر بھر تم لذتیں اٹھاتے رہے اور آج توبہ کر لیں گے کل بداعمالیاں چھوڑ دیں گے اسی میں رہے انتظار ہی میں عمر گزاری کہ دیکھیں مسلمانوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور تمہیں یہ بھی یقین نہ ہوا کہ قیامت آئے گی بھی یا نہیں اور پھر اس آرزو میں رہے کہ اگر آئے گی بھی تو ہم ضرور بخش دیئے جائیں گے اور مرتے دم تک خدا کی طرف خلوص کے ساتھ جھکنے کی توفیق تمہیں میسر نہ آئی اور اللہ کے ساتھ تمہیں دھوکے باز شیطان نے دھوکے میں ہی رکھا یہاں تک کہ آج تم جہنم واصل ہو گئے مطلب یہ ہے کہ جسموں میں تم ہمارے ساتھ تھے لیکن دل اور نیت سے ہمارے ساتھ نہ تھے بلکہ حیرت و شک میں ہی پڑے رہے ریا کاری میں رہے اور دل لگا کر یاد خدا کرنی کبھی تمہیں نصیب نہ ہوئی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ منافق مومنوں کے ساتھ نکاح مجلس مجمع موت زیست میں شریک رہے لیکن اب یہاں بالکل الگ کر دیئے گئے سورہ مدثر کی آیتوں میں ہے کہ مسلمان مجرموں سے ان کو جہنم میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آخر یہاں کیسے پھنس گئے؟ اور وہ اپنے اعمال بد کا ذکر کریں گے واضح رہے کہ یہ سوال صرف بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہوگا ورنہ حقیقت حال سے مسلمان خوب آگاہ ہوں گے پھر جیسے وہاں فرمایا گیا تھا کہ کسی کی سفارش انہیں نفع نہ دے گی یہاں فرمایا آج ان سے فدیہ نہ لیا جائے گا گو یا زمین بھر سونا بھی دیں تو قبول نہ کیا جائے گا نہ منافقوں سے نہ کافروں سے ان کا ٹھکانا جہنم ہے وہی ان کے لائق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بدترین جگہ ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ دراز گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر ان کے دل (خوب ہی) سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں کے (آج) کافر ہیں یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے ہم نے تم سے اس کے نظائر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو ○

کیا وہ وقت نہیں آیا؟

پروردگار عالم فرماتا ہے کیا مومنوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا؟ کہ ذکر خدا وعظ و نصیحت آیات قرآنی اور احادیث نبوی سن کر ان کے دل موم ہو جائیں؟ سنیں اور مانیں احکام بجالائیں ممنوعات سے پرہیز کریں ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآن نازل ہوتے ہوئے تیرہ سال کا عرصہ نہ گزرا تھا جو مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف نہ جھکنے اور تاخیر کرنے کی شکایت کی گئی ابن مسعودؓ فرماتے ہیں چار ہی سال گزرے تھے جو ہم پر یہ عتاب آیا (مسلم) اصحاب رسول پر ملال ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بات تو بیان فرمایئے پس یہ آیت اترتی ہے نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (سورہ یوسف:۳) پھر ایک مرتبہ کچھ دنوں بعد یہی عرض کرتے ہیں تو آیت اترتی ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (سورہ زمر:۲۳) پھر ایک عرصہ کے بعد یہی کہتے ہیں تو یہ آیت اترتی ہے اَلَمْ يَاْنِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلی خیر جو میری امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہو گا پھر فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کتاب اللہ کو بدل دیا تھا تھوڑے تھوڑے سے مول پر اسے فروخت کر دیا[1] پس کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر رائے اور قیاس کے پیچھے پڑ گئے اور از خود ایجاد کردہ اقوال کو ماننے لگے اور خدا کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے اپنے علما اور راہبوں کی الٹ سلٹ باتیں دین میں داخل کر لیں ان بداعمالیوں کی سزا میں خدا نے ان کے دل سخت کر دیئے کچھ ہی خدا کی باتیں کیوں نہ سناؤ ان کے دل نرم نہیں ہوتے کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر انداز نہیں ہوتا کوئی وعدہ وعید ان کے دل خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے بلکہ وہ اکثر و بیشتر فاسق اور بدکار بن گئے دل کے کھوٹے اور اعمال کے بھی کچے جیسے اور آیت میں ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ...... (سورہ مائدہ:۱۳) ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ احکام کو اپنی جگہ سے تحریف کر دیتے ہیں اور ہماری نصیحتیں بھلا بیٹھتے ہیں یعنی ان کے دل فاسد ہو گئے خدا کی باتیں بدلنے لگے نیکیاں چھوڑ دیں برائیوں میں منہمک ہو گئے اسی لئے رب العالمین اس امت کو متنبہ کر رہا ہے کہ خبردار ان کی بداعمالیاں تم نہ سیکھ لینا اصل و فرع میں ان سے بالکل الگ رہو ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ربیع بن ابو عمیلہ فرماتے ہیں قرآن و حدیث کی مٹھاس تو مسلم ہی ہے لیکن میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک بہت ہی پیاری اور میٹھی بات سنی ہے جو مجھے بے حد محبوب اور مرغوب ہے آپ نے فرمایا جب بنو اسرائیل کی آسمانی کتاب پر کچھ عرصہ گزر گیا ان لوگوں نے کچھ کتابیں خود تصنیف کر لیں اور ان میں وہ مسائل لکھے جو انہیں پسند تھے اور جو اپنے ذہن سے انہوں نے تراش لئے تھے اب مزے لے لے کر زبانیں موڑ موڑ کر انہیں پڑھنے لگے ان میں کے اکثر مسائل خدا کی کتاب کے خلاف تھے جن جن احکام کے ماننے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا انہوں نے بدل ڈالے تھے اور اپنی کتاب میں اپنی طبیعت کے مطابق مسائل جمع کر لئے تھے اور انہی پر عامل ہو گئے

[1] یعنی معمولی منافع کی خاطر خدا تعالیٰ کے احکام میں ہر طرح کا تصرف اور تغیر کرتے رہے۔

اب انہیں سوجھی کہ اور لوگوں کو بھی منوائیں اور انہیں بھی آمادہ کریں کہ ان ہی ہماری لکھی ہوئی کتابوں کو آسمانی کتابیں سمجھیں اور عمل انہی پر رکھیں اب لوگوں کو اسی کی دعوت دینے لگے اور زور پکڑتے گئے یہاں تک کہ جو ان کی کتابوں کو نہ مانتا اس کو یہ ستاتے تکلیف دیتے مارتے پیٹتے بلکہ قتل کر ڈالتے ان میں ایک شخص اللہ والے پورے عالم اور متقی تھے انہوں نے ان کی طاقت اور زیادتی سے مرعوب ہو کر کتاب اللہ کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک نرسنگھے میں ڈال کر اپنی گردن میں اسے ڈال لیا ان لوگوں کا شر و فساد روز بروز بڑھتا جار ہا تھا یہاں تک کہ بہت سے ان لوگوں کو جو کتاب اللہ پر عامل تھے انہوں نے قتل کر دیا پھر آپس میں مشورہ کیا کہ دیکھو اس طرح ایک ایک شخص کو کب تک قتل کرتے رہیں گے ان کا بڑا عالم اور ہماری اس کتاب کو بالکل نہ ماننے والا تمام بنی اسرائیل میں سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عامل فلاں عالم ہے اسے پکڑو اور اس سے اپنی یہ رائے قیاس کی کتاب منواؤ اگر وہ مان لے گا تو پھر ہماری کامیابی ہے اور اگر وہ نہ مانے تو اسے قتل کر دو پھر تمہاری اس کتاب کا مخالف کوئی نہ رہے گا اور دوسرے لوگ خواہ مخواہ ہماری ان کتابوں کو قبول کر لیں گے اور انہیں ماننے لگیں گے چنانچہ ان رائے قیاس والوں نے کتاب اللہ کے عالم و عامل اس بزرگ کو پکڑوا کر منگوایا اور اس سے کہا کہ دیکھ ہماری اس کتاب میں جو ہے اسے سب کو تو مانتا ہے یا نہیں؟ اس خدا ترس کتاب اللہ کو ماننے والے عالم نے کہا کہ اس میں تم نے کیا لکھا ہے؟ ذرا مجھے سناؤ تو انہوں نے سنایا اور کہا اس کو تو مانتا ہے؟ اس بزرگ کو اپنی جان کا ڈر تھا اس لئے جرأت کے ساتھ یہ تو نہ کہہ سکے کہ نہیں مانتا بلکہ اس نرسنگھے کی طرف اشارہ کر کے کہا میرا اس پر ایمان ہے وہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا اشارہ ہماری اس کتاب کی طرف ہے چنانچہ اس کی ایذا رسانی سے باز رہے لیکن تاہم اس کے اطوار و افعال سے کھٹکتے ہی رہے یہاں تک کہ جب اس کا انتقال ہوا تو انہوں نے تفتیش شروع کی کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے پاس کتاب اللہ اور دین کے سچے مسائل کی کوئی کتاب ہو آخر وہ نرسنگھا ان کے ہاتھ لگ گیا پڑھا تو اس میں اصل مسائل کتاب اللہ موجود تھے اور بات بنائی کہ ہم نے تو کبھی یہ مسائل نہیں سنے ایسی باتیں ہمارے دین میں نہیں چنانچہ زبردست فتنہ برپا ہو گیا اور بہتر گروہ بن گئے ان سب میں بہتر وہ گروہ جو راستی اور حق پر تھا وہ تھا جو اس نرسنگھے والے مسائل پر عامل تھا حضرت ابن مسعودؓ نے یہ واقعہ بیان فرما کر کہا کہ لوگو! تم میں سے جو باقی رہے گا وہ ایسے ہی امور کا معائنہ کرے گا اور وہ بالکل بے بس ہو گا ان بری کتابوں کو مٹانے کی اس میں قدرت نہ ہوگی پس ایسی مجبوری اور بے کسی کے وقت بھی اس کا یہ فرض تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ ثابت کر دے کہ وہ انہیں سب کو برا جانتا ہے امام ابوجعفر طبریؒ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ عتریس بن عرقوبؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے اور اے عبداللہؓ جو شخص بھلائی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ روکے وہ ہلاک ہوا آپ نے فرمایا ہلاک وہ ہو گا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے پھر آپ نے بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان فرمایا پھر ارشاد باری ہے کہ جان رکھو مردہ زمین کو خدا زندہ کر دیتا ہے اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سخت دلوں کی سختی کے بعد بھی خدا انہیں نرم کرنے پر قادر ہے گمراہیوں کی تہ میں اتر جانے کے بعد بھی اللہ راہ راست پر لاتا ہے جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے بادلوں میں جب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو کتاب اللہ کی روشنی اسے دفعتہً منور کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کی وحی دل کے قفل کی کنجی ہے سچا ہادی وہی ہے گمراہی کے بعد راہ پر لانے والا جو چاہے کرنے والا حکمت و عدل والا اور لطف و خبر والا کبر و جلال والا بلندی و علو والا وہی ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ

كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور یہ (صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ باعتبار ثواب کے ان کے لئے بلاشبہ بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لئے اجر پسندیدہ ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے (جنت میں ان کا اجر خاص) اور (صراط پر) ان کا نور (خاص) ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں ○

اَجرِ کریم:

فقیر مسکین وغیر محتاجوں اور حاجتمندوں کو خالص خدا کی مرضی کی جستجو میں جو لوگ اپنے حلال مال نیک نیتی سے راہ خدا میں صدقہ دیتے ہیں ان کے بدلے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر خدا تعالیٰ انہیں عطا فرمائے گا دس دس گنے اور اس سے بھی زیادہ سات سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے ثواب بے حساب ہیں ان کے اجر بہت بڑے ہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق وشہید ہیں ان دونوں اوصاف کے مستحق صرف باایمان لوگ ہیں بعض حضرات نے الشہداء کو الگ جملہ مانا ہے غرض تین قسمیں ہوئیں مصدقین ۔صدیقین ۔شہداء ۔جیسے اور روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اطاعت گزار انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہے جو نبی علیہ السلام اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں پس صدیق وشہید میں یہاں بھی فرق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ ہیں صدیق کا درجہ شہید سے یقیناً بڑا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنتی لوگ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو لوگوں نے کہا یہ درجے تو صرف انبیاء کے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی (بخاری ومسلم) ایک غریب حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور صدیق دونوں وصف اس آیت میں اسی مومن کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کے مومن شہید ہیں پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی حضرت عمر بن میمون کا قول ہے یہ دونوں ان انگلیوں کی طرح قیامت کے دن آئیں گے بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہوں گی جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور رات کو قندیلوں میں سہارا لیں گی ان کے رب نے ان کی طرف ایک بار دیکھا اور پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ کہ آپ دنیا میں ہمیں دوبارہ بھیج دیں تاکہ ہم پھر آپ کی راہ میں جہاد کریں اور شہادت حاصل کریں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر پھر دنیا میں نہیں جائے گا پھر فرماتا ہے کہ انہیں اجر و نور ملے گا جو نور ان کے سامنے رہے گا اور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا مسند احمد کی حدیث میں ہے شہیدوں کی چار قسمیں ہیں وہ پکے ایمان والا مومن جو دشمن خدا سے بھڑ گیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس کا درجہ ہے کہ اہل محشر اس طرح سر اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اس قدر اپنا سر بلند کیا کہ ٹوپی نیچے گر گئی اور اس حدیث کے راوی حضرت عمرؓ نے بھی اس

کے بیان کرنے کے وقت اتنا ہی اپنا سر بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی زمین پر جا پڑی دوسرا شخص جو ایماندار ہے جہاد کے لئے نکا اگر دل میں جرأت کم ہے کہ یکا یک ایک تیر آ لگا اور روح پرواز کر گئی یہ دوسرے درجہ کا جنتی اور شہید ہے تیسرا وہ جس کی بھلے برے اعمال تھے لیکن رب نے اسے پسند فرما لیا اور میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی یہ تیسرے درجہ میں ہے چوتھا وہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جہاد میں نکا اور خدا نے شہادت نصیب فرما کر اپنے پاس بلوا لیا ان نیک لوگوں کا انجام بیان کر کے اب بدلوگوں کا نتیجہ بیان کیا کہ یہ جہنمی ہیں۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۲۱﴾

تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات محض لہو ولعب اور ایک ظاہری زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال میں اور اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے جیسے مینہ برستا ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو اس کو دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا اسباب ہے تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور (نیز) ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

دُنیاوی زندگی:

دنیا کی تحقیر و توہین بیان ہو رہی ہے کہ اہل دنیا کو بجز لہو ولعب زینت و فخر اور اولاد و مال کی بہتات کی خواہش کے سوائے اور ہے ہی کیا؟ جیسے آیت میں ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ...... (سورہ آل عمران:۱۴) یعنی لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزوں کو مزین بنا دیا گیا ہے جیسے عورتیں بچے وغیرہ پھر حیات دنیا کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تازگی جاتی ہے اور یہاں کی نعمتیں زوال پذیر ہیں غیث کہتے ہیں اس بارش کو جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد برسے جیسے فرمان ہے : وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا (سورہ شوریٰ:۲۸) خدا وہ ہے جو لوگوں کی ناامیدی کے بعد بارش برساتا ہے پس جس طرح بارش کی وجہ سے زمین سے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ

لہلہاتی ہوئی کسان کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہیں اسی طرح اہل دنیا اسباب دنیوی پر پھولتے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی ہری بھری کھیتی خشک ہو کر زرد پڑ جاتی ہے پھر آخر سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح دنیا کی تروتازگی اور یہاں کی ترقی بھی خاک میں مل جانے والی ہے دنیا کی بھی یہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ایک وقت جوان ہے پھر ادھیڑ ہے پھر بڑھیا ہے ٹھیک اسی طرح خود انسان کی حالت ہے اس کے بچپن جوانی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کو دیکھ جائیے پھر اس کی موت اور فنا کو سامنے رکھئے کہاں جوانی کے وقت کا جوش اور خروش زور و طاقت اور کس بل؟ اور کہاں بڑھاپے کی کمزوری جھریاں پڑا ہوا جسم خمیدہ کمر اور بے طاقت ہڈیاں جیسے ارشاد باری ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (سورہ روم: ۵۴) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا ہے پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا کر دیا وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہ عالم اور قادر ہے اس مثال سے دنیا کی فنا اور اس کا زوال ظاہر کر کے پھر آخرت کے دونوں منظر دکھا کر ایک سے ڈراتا ہے اور دوسرے کی رغبت دلاتا ہے پس فرماتا ہے عنقریب آنے والی قیامت اپنے ساتھ عذاب اور سزاؤں کو لائے گی اور مغفرت اور رضائے الٰہی کو لائے گی پس تم کام کو وہ کہ ناراضگی سے بچ جاؤ اور رضا حاصل کر لو سزاؤں سے بچ جاؤ اور بخشش کے حقدار بن جاؤ دنیا صرف دھوکے کی ٹٹی ہے اس کی طرف جھکنے والے پر آخر وقت آ جاتا ہے کہ یہ اس کے سوائے کسی اور چیز کا خیال ہی نہیں کرتا اس کی دھن میں روز و شب مشغول رہتا ہے بلکہ کمی والی اور زوال والی کمینی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتا ہے شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بسا اوقات آخرت کا منکر ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک کوڑے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے پڑھو قرآن فرماتا ہے کہ دنیا تو صرف دھوکے کا سامان ہے (ابن جریر) آیت کی زیادتی بغیر یہ حدیث میں بھی ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک سے جنت اس طرح قریب ہے جتنا تمہارا جوتی کا تسمہ اور اسی طرح جہنم بھی (بخاری) پس معلوم ہوا کہ خیر و شر انسان سے بہت نزدیک ہے اور اس لئے اسے چاہئے کہ بھلائیوں کی طرف سبقت کرے اور برائیوں سے بچتا رہے تاکہ گناہ اور برائیاں معاف ہو جائیں اور ثواب اور درجے بلند ہو جائیں اسی لئے اس کے ساتھ ہی فرمایا دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی جنس کے برابر ہے جیسے اور آیت میں ہے: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورہ آل عمران: ۱۳۳) اپنے رب کی مغفرت کی اور جنت کی طرف سبقت کرو جس کی کشادگی کل آسمان اور ساری زمینیں ہیں جو پارسا لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے یہاں فرمایا کہ یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے یہ لوگ اللہ کے اس فضل کے لائق تھے اس لئے اس بڑے فضل و کرم والے نے اپنی نوازش کے لئے انہیں چن لیا اور ان پر اپنا پورا احسان اور اعلیٰ انعام کیا پہلے ایک صحیح حدیث بیان ہو چکی ہے کہ مہاجرین میں سے فقراء نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالدار لوگ تو جنت کے بلند درجوں کو اور ہمیشہ قائم رہنے والی نعمتوں کو پا گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسے؟ تو کہا نماز روزہ تو ہم سب کرتے ہیں لیکن مال کی وجہ سے وہ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں مگر مفلسی کی وجہ سے یہ کام ہم نہیں کر سکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک چیز بتاؤں کہ اس کے کرنے سے تم ہر شخص سے آگے بڑھ جاؤ گے مگر ان سے جو تمہاری طرح خود بھی اس کو کرنے لگیں دیکھو تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی ہی بار اللہ اکبر اور اسی طرح الحمد للہ کچھ دنوں بعد یہ بزرگ پھر حاضر رسالت ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مالدار بھائیوں کو بھی اس وظیفہ کی اطلاع مل گئی اور انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٢﴾ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (یہ بات بتلا اس لئے دی ہے) تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر اتنا رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ (حب دنیا کی وجہ سے) خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور جو شخص اعراض کرے گا دین حق سے تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوار حمد ہیں) ○

مصائب اور پریشانیاں:

اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کی خبر دے رہا ہے جو اس نے مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی مخلوق کی تقدیر مقرر کی تھی تو فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں کوئی آفت آئے یا جس کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آپڑے اسے یقین رکھنا چاہئے کہ خلق کی پیدائش سے پہلے ہی یہ علم اللہ میں مقرر تھا اور اس کا ہونا یقینی تھا بعض کہتے ہیں جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی لیکن زیادہ ٹھیک بات یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی امام حسنؒ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمانے لگے سبحان اللہ ہر مصیبت جو زمین و آسمان میں ہے وہ جانوں کی پیدائش سے پہلے ہی رب کی کتاب میں موجود ہے اس میں کیا شک ہے؟ زمین کی مصیبتوں سے مراد خشک سالی قحط وغیرہ ہے اور جانوں کی مصیبت درد دکھ اور بیماری ہے جس کسی کو کوئی خراش لگتی ہے یا لغزش پا سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی سخت محنت سے پسینہ آجاتا ہے یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے اور ابھی تو بہت سے گناہ ہیں جنہیں وہ غفور رحیم خدا بخش دیتا ہے یہ آیت بہترین اور بہت اعلیٰ دلیل ہے قدریہ کی تردید میں جن کا خیال ہے کہ سابق علم کوئی چیز نہیں خدا انہیں ذلیل کرے صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ نے تقدیریں مقرر کیں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اور روایت میں ہے کہ اس کا عرش پانی پر تھا (ترمذی) پھر فرماتا ہے کاموں کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا اندازہ کر لینا ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے لکھ دینا خدا پر کچھ مشکل نہیں وہی تو ان کا پیدا کرنے والا ہے جس کا علم ہو چکی اور ہونے والی تمام چیزوں کو شامل ہے پھر ارشاد ہوتا ہے ہم تمہیں یہ خبر اس لئے دے رہے ہیں کہ تم یقین رکھو کہ جو تمہیں پہنچا وہ ہرگز کسی صورت میں ٹلنے والا نہیں تھا پس مصیبت کے وقت صبر و شکر استقلال اور ثابت قدمی مضبوط دلی اور روحانی طاقت تم میں موجود رہے ہائے وائے بے صبری اور بے ضبطی تم سے دور رہے جزع فزع تم پر چھا نہ جائے تم اطمینان سے رہو کہ یہ تکلیف تو آنے والی تھی ہی اسی طرح اگر مال و دولت غلبہ وغیرہ مل جائے تو اس وقت غرور اور تکبر نہ کرو اسے عطیہ خدا مانو تکبر اور غرور تم میں نہ آئے ایسا نہ ہو کہ دولت و مال

وغیرہ کے نشے میں پھول جاؤ اور خدا کو بھول جاؤ اس لئے کہ اس وقت بھی ہماری یہ تعلیم تمہارے سامنے ہوگی کہ یہ میرے دست بازو کا میری عقل و ہوش کا نتیجہ نہیں بلکہ داد خدا ہے ایک قرأت اس کی اتا کم ہے دوسری اتا کم ہے اور دونوں ہی صحیح ہیں دونوں میں تلازم ہے اسی لئے ارشاد ہے کہ اپنے جی میں خود کو بڑا سمجھنے والے دوسروں پر فخر کرنے والے خدا کے دشمن ہیں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رنج و راحت خوشی و غم تو ہر شخص پر آتا ہے خوشی کو شکر میں اور غم کو صبر میں گزر دو پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بخیل اور خلاف شرع کام کرنے والے اور دوسروں کو بھی برا راستہ بتاتے ہیں جو شخص اللہ کی حکم برداری سے ہٹ جائے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سزاوار حمد ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (سورہ ابراہیم: ۸) یعنی تم اور تمام روئے زمین کے انسان کافر ہو جائیں تو بھی خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ تو تمام مخلوق سے غنی ہے اور مستحق حمد ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

ہم نے اسی اصلاح آخرت کے لئے اپنے پیغمبروں کو کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے (کے حکم) کو نازل کیا تا کہ لوگ (حقوق اللہ اور حقوق العباد میں) اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور (اسی کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور (اس لئے لوہا پیدا کیا) تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسول کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے اللہ قوی اور زبردست ہے ○

کارآمد فولاد:

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر اور مضبوط حجتیں عطا فرما کر اور بھرپور دلائل دے کر دنیا میں مبعوث فرمایا پھر ساتھ ہی کتاب بھی انہیں دی جو صاف سچی ہے اور عدل و حق دیا جس سے ہر عقل مند انسان ان کی باتوں کے قبول کر لینے پر فطرتاً مجبور ہو جاتا ہے ہاں فاسد رائے والے اور پھری ہوئی عقل والے اس سے محروم رہ جاتے ہیں جیسے اور جگہ ارشاد ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (سورہ ہود: ۱۷) جو شخص اپنے رب کی طرف کی دلیل پر ہو اور ساتھ ہی اس کے شاہد بھی ہو اور جگہ ہے اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر مخلوق کو اس نے پیدا کیا ہے اور فرماتا ہے آسمان کو اس نے بلند کیا ہے اور میزان رکھ دی پس یہاں ارشاد ہے یہ اس لئے کہ لوگ حق پر قائم ہو جائیں یعنی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے لگیں اور امر رسول بجالائیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تمام باتوں کو حق سمجھیں کیونکہ اس کے سوا سراسر حق کسی اور کا کلام نہیں جیسے فرمان ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (سورہ انعام: ۱۱۵) تیرے رب کا کلمہ جو اپنی خبروں میں سچا اور اپنے احکام میں عدل والا ہے پورا ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایماندار جنتوں میں پہنچ جائیں گے اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائیں گے تو کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی اگر اس کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم

اس ہدایت پر نہیں لگ سکتے تھے ہمارے رب کے رسول علیہ السلام ہمارے پاس حق لائے تھے پھر فرماتا ہے کہ ہم نے منکرین حق کی سرکوبی کے لئے لوہا بنایا ہے[1] یعنی اولاً کتاب و رسول اور حق سے حجت قائم کی پھر غلط دل والوں کی کجی نکالنے کے لئے لوہے کو پیدا کیا اس سے ہتھیار بنیں اور خدا دوست حضرات دشمنان خدا کے دل کا کانٹا نکال دیں یہی نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بالکل عیاں نظر آتا ہے کہ مکہ میں تیرہ سال مشرکین کو سمجھانے بجھانے توحید و سنت کی دعوت دینے ان کے غلط عقائد کی اصلاح کرنے میں گزارے خود اپنے اوپر مصیبتیں جھیلیں لیکن جب یہ حجت ختم ہوگئی تو شرع نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی پھر حکم ہوا کہ اب ان مخالفین سے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو روک رکھا ہے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا ہے ان کی زندگی دوبھر کر دی ہے ان سے باقاعدہ جنگ کر دان کی گردنیں مارو اور ان مخالفین وحی خدا سے زمین کو پاک کرو مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں قیامت کے آگے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے اور کمینہ پن اور ذلت ان لوگوں پر ہے جو میرے حکم کے خلاف رہیں اور کسی قوم کی مشابہت کرے وہ ان ہی میں سے ہے پس لوہے سے ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار نیزے چھریاں تیر زرہیں وغیرہ اور لوگوں کے لئے اس کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں جیسے سکے کدال بھاوڑے آرے کھیتی کے آلات بننے کے آلات پکانے کے برتن روٹی کے توے وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی ایسی ہی چیزیں ہیں جو انسانی زندگی کی ضروریات سے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آئیں نہائی سنسی اور ہتھوڑا (ابن جریر) پھر فرمایا تاکہ اللہ جان لے کہ ان ہتھیاروں کے اٹھانے سے اللہ رسول کی مدد کرنے کا نیک ارادہ کس کا ہے؟ خدا قوت اور غلبہ والا ہے اور اس کے دین کی جو مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے دراصل اپنے دین کو وہی قوی کرتا ہے اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے ورنہ غلبہ و نصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى

[1] خدا تعالیٰ نے اس موقع پر لوہے کا ذکر جس سیاق میں فرمایا ہے اس کا سابق مضامین سے ربط مفسر ابن کثیر نے نہایت عمدہ بیان کیا ہے یعنی اول انبیاء زبان سے جہاد کرتے رہیں اور جب اس طرح کام نہ چلے تو مخالفین اسلام کی سرکوبی کے لئے ہتھیار اٹھائیں آج اس تمدن و ترقی کی کامیاب دنیا میں لوہے کی جو قدر و قیمت یا ضرورت ہے اس سے سب ہی واقف ہیں ایک معمولی سوئی سے لے کر ریل گاڑیاں مشین آلات کارخانے تار ٹیلیفون ٹیلی ویژن ہوائی جہاز انجن ٹینک میزائل کون سی ایسی چیز ہے جس میں اس لوہے کی ضرورت نہیں خصوصاً اس صنعتی دور میں اور بالخصوص آج کل کی لڑائیوں میں جس طرح لوہا ہی لوہا صرف کار آمد ہے قرآن مجید کا لوہے کا ذکر کرنا بالکل ایک معجزہ ہے یہاں لفظ انزال پر نظر رہے حالانکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوہا آسمان سے اترتا نہیں بلکہ وہ کانوں سے پیدا ہوتا ہے پھر قرآن نے یہ لفظ کس طرح استعمال کیا ہے اس کا ایک جواب تو خود ابن کثیر ہی میں آ گیا ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ لوہا بھی جنت سے اتارا گیا تھا اس لئے لفظ اتارنا (انزال) قطعاً صحیح ہے اور فقیر محشی کی رائے یہ بھی ہے کہ قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ عموماً کثیر منافع چیزوں کو انزال کے ساتھ ہی تعبیر فرماتے ہیں مثلاً کتب کا انزال بارش کا نزول وغیرہ اور کیونکہ لوہا ایک نہایت کثیر المنافع چیز تھی جیسا کہ عرض کیا گیا اس لئے حسب دستور لفظ ''انزال'' کا استعمال ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابۡنِ مَرۡیَمَ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۙ۬ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ رَہۡبَانِیَّۃَۨ ابۡتَدَعُوۡہَا مَا کَتَبۡنٰہَا عَلَیۡہِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوۡہَا حَقَّ رِعَایَتِہَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی سوان لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے پھران کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کر دیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہ کی سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (موعود) دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں ○

بعثت انبیاء علیہم السلام:

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس فضیلت کو دیکھئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جتنے پیغمبر آئے سب آپ ہی کی نسل سے آئے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے نبی اور رسول آئے سب کے سب آپ ہی کی نسل میں سے ہوئے جیسے اور آیت میں ہے وَجَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالۡکِتٰبَ (سورہ عنکبوت: ۲۷) یہاں تک کہ بنو اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنائی۔ پس نوح اور ابراہیم صلوات اللہ علیہما کے بعد برابر رسولوں کا سلسلہ رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جنہیں انجیل ملی اور جن کی تابع فرمان امت رحم دل اور نرم مزاج واقع ہوئی[1] خشیت خدا اور رحمت خلق کے پاک اوصاف سے متصف پھر نصرانیوں کی ایک بدعت کا ذکر ہے جو ان کی شریعت میں تو نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے اسے ایجاد کر لیا اس کے بعد کے جملہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ مقصد ان کا نیک تھا خدا کی رضا جوئی کے لئے یہ طریقہ نکالا تھا حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا ہاں ہم نے ان پر صرف اللہ کی رضا جوئی واجب کی تھی پھر فرماتا ہے کہ یہ اسے بھی نہ نبھا سکے جیسا چاہئے تھا اس طرح پر بھی نہ جمے پس دہری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے نئی بات دین خدا میں ایجاد کرنے کی دوسری اس پر بھی قائم نہ رہنے کی یعنی جسے وہ قرب خدا کا ذریعہ اپنے ذہن میں سمجھ بیٹھے تھے بالآخر اس پر بھی پورے نہ اترے ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو پکارا آپ نے لبیک کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی پہلے فرقہ نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کے لئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کے بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر و لڑ جدال و قتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جو اس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے ان پر لشکر کشی کی اور انہیں قتل بھی کیا قید

[1] قرآن مجید کی اس آیت میں تعریف انہیں نصاریٰ کی ہو رہی ہے جو واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار تھے دور حاضر کے عیسائیوں کی تعریف نہیں جو توحید سے دور نیچریت کے قریب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

بھی کیا ان لوگوں نے تو نجات حاصل کر لی پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلے کی طاقت تو نہ تھی تاہم اپنے دین کی قوت سے سرکشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور خدا کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی مسلک کی طرف انہیں دعوت دینے لگے ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کرایا آروں سے بھی چیرا اور آگ سے بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر وشکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی پھر تیسری جماعت اٹھی یہ ان سے زیادہ کمزور تھے ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے احکام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں اس لئے انہوں نے اپنے دین کا تحفظ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں انہیں کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ا برا نہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائیں اور میری تصدیق کریں اور ان میں اکثر فاسق ہیں اور وہ وہ ہیں جو مجھے جھٹلائیں اور میرے خلاف کریں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت میں اور انجیل میں تبدیلیاں کر لیں لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی توریت وانجیل ان کے ہاتھ میں رہی جسے وہ تلاوت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ ان لوگوں نے جنہوں نے کتاب میں رد و بدل کر لیا تھا اپنے بادشاہوں سے ان سچے مومنوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی ہیں اس میں لکھا ہے جو کوئی خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں پھر یہ لوگ ہمارے اعمال پر بھی عیب گیری کرتے رہتے ہیں لہٰذا آپ انہیں دربار میں بلوایئے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اس طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی عقیدہ اور ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے ورنہ انہیں بدترین عبرتناک سزا دیجئے چنانچہ ان بے مسلمانوں کو دربار میں بلوایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے پاس جو کتابیں ہیں انہیں چھوڑ دو ورنہ جانوں سے ہاتھ دھو لو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ اس پر ان پاک بازوں کی ایک جماعت نے تو کہا کہ تم ہم کو ستاؤ نہیں تم اونچی عمارت بنا دو ہمیں وہاں پہنچا دو اور ڈوری چھڑی دے دو ہمارا کھانا پینا اس میں ڈال دیا کرو ہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے نیچے اتریں گے ہی نہیں اور تمہاری آبادیوں میں آئیں گے ہی نہیں ایک جماعت نے کہا سنو! ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے ہیں تمہاری بادشاہت کی سرزمین سے باہر چلے جاتے ہیں چشموں، نہروں، ندیوں، نالوں اور تالابوں سے جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پی لیا کریں گے اور جو چیز مل جائے گی ان پر گزارہ کر لیں گے اس کے بعد اگر تم ہمیں اپنے ملک میں دیکھ لو تو بے شک گردن اڑا دینا تیسری جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دے دو اور وہاں حصار کھینچ دو وہیں پر ہم کنوئیں کھود لیں گے اور کھیتی کر لیا کریں گے تم لوگوں میں ہرگز نہ آئیں گے چونکہ اس خدا پرست جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لئے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا تقلیداً ساتھ ہو لئے ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت وَرَهْبَانِيَّةَ...... نازل ہوئی پس جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اس وقت ان میں بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں سے اور جنگلوں والے اپنے جنگلوں سے اور حصار والے اپنے حصاروں سے نکل کھڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی جس کا ذکر اس آیت میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تمہیں اللہ اپنی رحمت کا دوگنا حصہ دے گا (یعنی قرآن وسنت) تا کہ اہل

کتاب جان لیں (جوتم جیسے ہیں) کہ اللہ کے کسی فضل کا اختیار انہیں نہیں اور سارا فضل خدا کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے یہ سیاق غریب ہے اور ان دونوں پچھلی آیتوں کی تفسیر اس آیت کے بعد ہی آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابویعلی میں ہے کہ لوگ حضرت انس بن احمدؓ کے پاس مدینہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے زمانہ میں آئے آپ اس وقت امیر مدینہ تھے جب یہ آئے اس وقت حضرت نماز ادا کر رہے تھے اور بہت مختصر نماز پڑھ رہے تھے جیسے مسافرت کی نماز ہو یا قریب قریب اس جیسی جب سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے فرض نماز پڑھی یا نفل؟ فرمایا فرض اور یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی میں نے تو اس میں کوئی خطا نہیں کی ہاں اگر کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت نہیں کہہ سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنی جان پر سختی نہ کرو[1] ورنہ تم پر سختی کی جائے گی ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی اور ان پر بھی سختی کی گئی پس ان کی بقایا خانقاہوں میں اور ایسے ہی گھروں میں اب بھی دیکھ لو یہ تھی وہ سختی کی ترک دنیا جو خدا نے ان پر واجب نہیں کی تھی دوسرے دن ہم لوگوں نے کہا آیئے سواریوں پر چلیں اور دیکھیں اور عبرت حاصل کریں حضرت انسؓ نے فرمایا بہت اچھا پس سب سوار ہو کر چلے اور کئی بستیاں دیکھیں جو بالکل اجڑ گئی تھیں اور مکانات بالکل اوندھے پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا ان شہروں سے آپ واقف ہیں؟ فرمایا خوب اچھی طرح بلکہ ان کے باشندوں سے بھی انہیں سرکشی اور حسد نے ہلاک کیا حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے آنکھ کی بھی زنا ہے ہاتھ اور قدم اور زبان کا بھی زنا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نبی علیہ السلام کے لئے رہبانیت تھی اور میری امت کی رہبانیت اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا ہے ایک شخص حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کچھ وصیت کیجئے آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے وہ سوال کیا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا میں تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے کی یہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور تو جہاد کو ضروری سمجھ یہی اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن مجید پر مداومت کر یہی تیری راحت و روح ہے آسمانوں میں اور یہی تیری یاد ہے زمین میں یہ روایت مسند احمد میں ہے واللہ اعلم۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

[1] مطلب یہ ہے کہ اسلام میں مطلوب احکام پر مداومت ہے نہ کہ جائز اور شرعی سہولتوں کو چھوڑ کر خود کو ضیق اور تنگی میں مبتلا کرنا جائز ماکولات و مشروع بات کو چھوڑنا جائز لباس فاخرہ کو ترک کرنا جائز اور مشروع تفریحات اسلام ان میں سے کسی سے بھی روکتا وہ کوئی غیر فطری مذہب نہیں جو فطرت کے اصل تقاضوں پر بھی پہرہ بٹھا دے رہا تصوف و سلوک میں بعض چیزوں کا اہتمام مثلاً کم کھانا، کم پینا، کم بولنا وغیرہ سو یہ اس طرح روحانی علاج و معالجہ کی چیزیں ہیں جیسا کہ طبیب کسی مریض کے لئے بعض اوقات پرہیز تجویز کرتا ہے۔

اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے (اور یہ دولتیں تم کو اس لئے عنایت کرے گا) تا کہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

تقویٰ اور نورِ الٰہی:

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن مومنوں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد اہل کتاب مومن ہیں اور انہیں دوہرا اجر ملے گا جیسے کہ سورہ قصص کی آیت میں ہے اور جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جن شخصوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر مجھ پر بھی ایمان لایا اسے دوہرا اجر ہے دوسرے وہ غلام جو اپنے آقا کی تابعداری کرے اور خدا کا حق بھی ادا کرے اسے بھی دو دو اجر ہیں اور وہ جو اپنی لونڈی کو ادب سکھائے اور بہت اچھا ادب سکھائے یعنی شرعی ادب پھر اسے آزاد کر دے اور نکاح کر دے وہ بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے (بخاری و مسلم) حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب اہل کتاب اس دوہرے اجر پر فخر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کے حق میں نازل فرمائی پس انہیں دوہرے اجر کے بعد نور ہدایت دینے کا بھی وعدہ کیا اور مغفرت کا بھی پس نور اور مغفرت انہیں زیادہ ملی (ابن جریر) اسی مضمون کی آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ ..... (سورہ انفال:۲۹) یعنی اے ایمان اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان کرے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کے ایک بڑے عالم سے دریافت کیا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے اس نے کہا ساڑھے تین سو تک آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے حضرت سعید نے اسے بیان فرما کر یہی آیت پڑھی اور اسی طرح جمعہ کا دوہرا اجر ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے چند مزدور کسی کام پر لگانے چاہے اور اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے ایک قیراط لے اور صبح کی نماز سے لے کر آدھے دن تک کام کرے؟ پس یہود تیار ہو گئے اس نے پھر کہا ظہر سے عصر تک اب جو کام کرے اسے میں ایک قیراط دوں گا اس پر نصرانی تیار ہو گئے کام کیا اور اجرت لی اس نے پھر کہا اب عصر سے مغرب تک جو کام کرے میں اسے دو قیراط دوں گا پس وہ تم مسلمان ہو اس پر یہود و نصاریٰ بہت بگڑے اور کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور دام انہیں زیادہ ملے ہمیں کم دیا گیا تو انہیں جواب ملا کہ میں نے تمہارا کوئی حق تو نہیں مارا انہوں نے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہوا جواب ملا کہ پھر یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں دوں صحیح بخاری شریف میں ہے مسلمانوں اور یہود و نصرانیوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے چند لوگوں کو کام پر لگایا اجرت ٹھہرا لی اور کہا دن بھر کام کرو وہ کام پر لگ گئے لیکن آدھے دن کام کر کے کہہ دیا کہ اب ہمیں ضرورت نہیں جو ہم نے کیا ہم اس کی اجرت بھی نہیں چاہتے اور اب ہم کام نہیں کریں گے اس نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسا نہ کرو کام پورا کرو اور مزدوری لے جاؤ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کام ادھورا چھوڑ کر اجرت لئے بغیر چلتے بنے اس نے اور مزدور لگائے اور کہا کہ باقی کام شام تک تم پورا کرو اور پورے دن کی مزدوری میں تمہیں دوں گا یہ کام پر لگے لیکن عصر کے وقت یہ بھی کام سے ہٹ گئے اور کہہ دیا کہ اب ہم سے نہیں ہو سکتا ہمیں آپ کی اجرت نہیں چاہئے اس نے انہیں بھی سمجھایا کہ دیکھو اب دن باقی ہی کیا رہ گیا ہے تم کام پورا کرو اور اجرت لے جاؤ لیکن نہ مانے اور چلے گئے اس نے پھر اوروں کو بلایا اور کہا تم مغرب تک کام کرو اور دن بھر کی مزدوری لے جاؤ چنانچہ انہوں نے مغرب تک کام کیا اور ان دونوں جماعتوں کی

اجرت بھی یہی لے گئے پس یہ ہے مثال ان کی اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا پھر فرماتا ہے یہ اس لئے ہے کہ اہل کتاب یقین کر لیں کہ خدا جسے دے یہ اس کے لوٹانے اور جسے نہ دے اسے دینے کی کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور اس بات کو بھی وہ جان لیں کہ فضل و کرم کا مالک صرف وہی پروردگار ہے اس کے فضل کا کوئی اندازہ اور حساب نہیں لگ سکتا امام ابن جریر فرماتے ہیں لِئَلَّا يَعْلَمَ کا معنی لِيَعْلَمَ ہے حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں لِكَيْ يَعْلَمَ ہے اسی طرح حضرت عطا بن عبد اللہؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی قرأت منقول ہے غرض یہ ہے کہ کلام عرب میں لا صلہ کے لئے آتا ہے جو کلام کے اول آخر میں آجاتا ہے اور وہاں انکار مراد نہیں ہوتا جیسے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (سورہ اعراف ۱۲) میں اور وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَا اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (سورہ انعام ۱۰۹) اور وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۔ (سورہ انبیاء ۹۵) میں

پارہ: ۲۸

تفسیر سورہ مجادلہ مدنیہ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۲۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اپنے رنج و غم کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے ○

ایک خانگی جھگڑا:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات حمد و ثنا کے لائق ہے جس نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اسی گھر میں ہونے کے میں مطلقاً نہ سمجھ سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا اور یہ آیت اتری (بخاری و مسند احمد وغیرہ) اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ خدا جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا اور نہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی بچے ان سے پیدا ہوئے اب جب کہ میں بڑھیا ہوگئی تو میرے شوہر نے مجھ سے ظہار کر لیا[1] اے اللہ میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نکلی تھیں جو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا (ابن ابی حاتم) انہیں کچھ دماغی عارضہ کی شکایت تھی جس کا جب زور ہوتا تو اس حالت میں اپنی بی بی صاحبہ سے ظہار کر لیتے پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کہ دونوں میں کوئی تلخ کلامی پیش ہی نہیں آئی یہ بی بی صاحبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھنے اور خدا کے سامنے اپنی التجایاں کرنے آئیں جس پر یہ آیت اتری حضرت ابو یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے جو ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرا لیا حضرت عمر فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنین بھی واپس آئے ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپ رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا آپ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں اگر یہ آج باتیں کرتے رات کر دیتیں تو بھی میں ان کی باتیں سنتا ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمر بستہ خدمت کے لئے حاضر ہو جاتا (ابن ابی حاتم) اس کی سند منقطع ہے اور دوسرے طریق سے مروی ہے ایک روایت میں ہے کہ یہ خولہ بنت صامت تھیں اور ان کی والدہ کا نام معاذہؓ تھا جن کے بارے میں یہ آیت: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ ... (سورہ نور ۳۳) نازل ہوئی تھی لیکن درست یہ ہے کہ حضرت خولہؓ اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں انت علی کظہر امی) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو

[1] ظہار فقہا کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کے عضو کے ساتھ تشبیہ دی جو شوہر کے لئے حرام تھی مثلاً یہ کہا انت علی کظہر امی تو مجھ پر ایسی حرام ہے جیسا کہ مجھ پر میری ماں کی پشت وغیرہ وغیرہ فقہاء کے یہاں اس لفظ سے ایک طرح کی عارضی جدائی شوہر و بیوی میں واقع ہو جاتی ہے۔

صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہو گا) اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنی چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پھر جس کو (غلام ولونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمے پیاپے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں اور کافروں کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا ○

ظہار اور اِس کے احکام:

حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم میرے اور میرے خاوند اوس بن صامت کے بارے میں اس سورہ مجادلہ کی شروع کی (چار آیتیں اتری ہیں) میں ان کے گھر میں تھی یہ بوڑھے اور بڑی عمر کے تھے اور کچھ اخلاق کے بھی اچھے نہ تھے ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے ان کی کسی بات کا خلاف کیا اور انہیں کچھ جواب دیا جس پر وہ بڑے غضبناک ہوئے اور غصے میں فرمانے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر گھر سے چلے گئے اور باہر مجلس میں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر واپس آئے[1] اور مجھ سے خاص بات چیت کرنی چاہی[2] میں نے کہا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے تمہارے اس کہنے کے بعد[3] یہ بات ناممکن ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہمارے بارے میں نہ ہو لیکن وہ نہ مانے اور زبردستی کرنے لگے مگر وہ چونکہ کمزور اور ضعیف تھے میں ان پر غالب آ گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے میں اپنی پڑوسن کے ہاں گئی اور اس سے کپڑا مانگا اور اوڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی اس واقعہ کو بھی بیان کیا اور بھی اپنی مصیبتیں اور تکلیفیں بیان کرنی شروع کر دیں آپ یہی فرماتے جاتے تھے خویلہ اپنے خاوند کے بارے میں اللہ سے ڈرو وہ بوڑھے ہیں ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وحی اتر چکی تو آپ نے فرمایا خویلہ تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئی ہیں پھر آپ نے: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک پڑھ کر سنایا اور فرمایا جاؤ اپنے میاں سے کہہ دو کہ ایک غلام آزاد کر دیں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس غلام کہاں؟ وہ تو بہت مسکین شخص ہیں آپ نے فرمایا اچھا تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھیں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بڑی عمر کے بوڑھے ناتواں کمزور ہیں انہیں دو ماہ کے روزوں کی بھی طاقت نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (تقریباً چار من پختہ) کھجوریں دے دیں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مسکین کے پاس یہ بھی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا آدھا وسق کھجوریں میں اپنے پاس سے دے دوں گا میں نے کہا بہتر آدھا وسق میں دے دوں گی آپ نے فرمایا یہ تم نے بہت اچھا کیا اور خوب کام کیا جاؤ یہ ادا کر دو اور اپنے خاوند کے ساتھ جو تمہارے چچا کے لڑکے ہیں محبت پیار خیر خواہی اور فرمانبرداری سے گزارا کرو (مسند احمد و ابوداؤد) ان کا نام بعض روایتوں میں خویلہ کے بجائے خولہ بھی آیا ہے اور بنت ثعلبہ کے بدلے بنت مالک بن ثعلبہ بھی آیا ہے ان اقوال میں ایسا کوئی اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو واللہ اعلم۔ اس سورت کی ان شروع کی آیتوں کا صحیح شان

[1] مطلب وہی ہے کہ ان دنوں میں کچھ شکایات دماغی کی وجہ سے خاص الجھن میں رہتے جس کی بنا پر تحمل اور برداشت کرنے پر قدرت نہیں تھی۔

[2] یعنی ہم بستری کی خواہش کی۔

[3] یعنی جو ابھی تم نے مجھ کو اپنی ماں کے ساتھ تشبیہ دی اور جس کے عرب جاہلیت میں ایک طرح سے طلاق ہو جاتی تھی۔

نزول یہی ہے حضرت سلمہ بن صخرؓ کا واقعہ جواب آ رہا ہے وہ اس کے نزول کا باعث نہیں ہوا ہاں البتہ جو حکم ظہار کا ان آیتوں میں تھا انہیں بھی دیا گیا یعنی آزادگی غلام یا روزے یا کھانا دینا حضرت سلمہ بن صخر انصاریؓ کا واقعہ خود ان کی زبانی یہ ہے کہ جماع کی طاقت اوروں سے بہت زیادہ تھی رمضان میں اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو دن میں روزے کے وقت میں بچ نہ سکوں میں نے رمضان بھر کے لئے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا ایک رات جبکہ وہ میری خدمت میں مصروف تھی بدن پر سے کپڑا ہٹ گیا پھر تاب کہاں تھی؟ اس سے بات چیت کر بیٹھا صبح اپنی قوم کے پاس آ کر میں نے کہا رات ایسا واقعہ ہو گیا ہے تم مجھے لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور آپ سے پوچھو کہ اس گناہ کا بدلہ کیا ہے؟ سب نے انکار کیا کہ ہم تو تیرے ساتھ نہیں جائیں گے ایسا نہ ہو کہ قرآن کریم میں اس کی بابت کوئی آیت اترے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات فرما دیں کہ ہمیشہ کے لئے ہم پر عار باقی رہ جائے تو جانے تیرا کام تو نے ایسا کیوں کیا؟ ہم تیرے ساتھی نہیں میں نے کہا اچھا پھر میں اکیلا جاتا ہوں چنانچہ میں گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسا واقعہ ہو گیا آپ نے پھر فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے پھر بھی عرض کیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے یہ خطا ہو گئی آپ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا میں نے پھر اقرار کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہوں جو سزا میرے لئے تجویز کی جائے میں اسے صبر سے برداشت کروں گا آپ حکم دیجئے آپ نے فرمایا جاؤ ایک غلام آزاد کرو میں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صرف اس کا مالک ہوں خدا کی قسم مجھے غلام آزاد کرنے کی طاقت نہیں آپ نے فرمایا پھر دو مہینے کے پے در پے روزے رکھو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزوں ہی کی وجہ سے تو یہ ہوا[1] آپ نے فرمایا پھر جاؤ صدقہ کرو میں نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس کچھ نہیں ہے بلکہ آج کی شب سب گھر والوں نے فاقہ کیا فرمایا اچھا بنو زریق کے قبیلے کے صدقے والے کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ صدقہ کا مال تمہیں دے دے تم اس میں ایک وسق کھجور تو ساٹھ مسکینوں کو دے دے اور باقی تم اپنے اور اپنے بال بچوں کے کام لاؤ میں خوش خوش واپس لوٹا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا تمہارے پاس تو میں نے تنگی اور برائی پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں نے کشادگی اور برکت پائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنے صدقے تم مجھے دے دو چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیئے (مسند احمد ابو داؤد وغیرہ) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ اور ان کی بیوی صاحبہ حضرت خویلہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کے بعد کا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ ظہار کا واقعہ حضرت اوس بن صامتؓ کا ہے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے ان کی بیوی کا نام خولہ بنت ثعلبہ بن مالک تھا رضی اللہ عنہا۔ اس واقعہ سے حضرت خولہ کو اندیشہ تھا کہ شاید طلاق ہو گئی انہوں نے خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے اور اگر ہم علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو دونوں برباد ہو جائیں گے میں اب اس لائق بھی نہیں رہی کہ مجھ سے اولاد ہو جائے اس تعلق کو بھی زمانہ گزر چکا ہے اور بھی اسی طرح کی باتیں کہتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اب تک ظہار کا کوئی حکم اسلام میں نہ تھا اس پر یہ آیتیں شروع سورت سے الیم تک اتریں حضور نے حضرت اویس کو بلوایا اور پوچھا کہ غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے رقم جمع کی انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور اپنی بیوی سے رجوع کیا (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اور بہت سے صحابہ کا یہی بیان ہے کہ یہ آیتیں انہی

[1] اس جواب کا سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش ہو جانا ظاہر ہے کہ آپ کا ایک خصوصی فیصلہ ہے ورنہ اس طرح کے خطرات کو فقہا اس درجہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں کہ مسئلہ کا حکم ہی بدل دیں۔

کے بارے میں نازل ہوئی ہیں واللہ اعلم لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے کہ:
اَنْتَ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کر دیا اور طلاق شمار نہیں کیا جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا سلف میں سے اکثر حضرات نے یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباسؓ جاہلیت کے اس دستور کا ذکر کر کے فرماتے ہیں اسلام میں جب خویلہ والا واقعہ پیش آیا اور دونوں میاں بیوی نادم ہوئے تو حضرت اوس نے اپنی بیوی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا یہ جب آئیں تو دیکھا کہ آپ کنگھی کر رہے ہیں آپ نے واقعہ سن کر فرمایا ہمارے پاس اس کا کوئی حکم نہیں اتنے میں یہ آیتیں اتریں اور آپ نے حضرت خویلہ کو اس کی خوشخبری دی اور پڑھ کر سنائیں جب غلام کو آزاد کرنے کا ذکر آیا تو عذر کیا کہ ہمارے پاس غلام نہیں پھر روزوں کا ذکر سن کر کہا کہ اگر ہر روز تین مرتبہ پانی نہ پئیں تو بوجہ اپنے بڑھاپے کے فوت ہو جائیں جب کھانا کھلانے کا ذکر سنا تو کہا چند لقموں پر تو سارا دن گزرتا ہے اوروں کو دینا تو کہاں ممکن؟ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھا وسق تیس صاع منگوا کر انہیں دیئے اور فرمایا اسے صدقہ کرو اور اپنی بیوی سے رجوع کر لو (ابن جریر) اس کی اسناد قوی اور پختہ ہیں لیکن ادائیگی کی غربت سے خالی نہیں حضرت ابوالعالیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے فرماتے ہیں خولہ بنت دبیح ایک انصاری کی بیوی تھیں جو کم نگاہ والے مفلس اور کج خلق تھے کسی دن کسی بات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا تو جاہلیت کی رسم کے مطابق ظہار کر لیا جو ان کی طلاق تھی یہ بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اس وقت آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھے اور ام المومنینؓ آپ کا سر دھو رہی تھیں جا کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اب کیا ہو سکتا ہے؟ میرے علم میں تو اس پر حرام ہو گئی یہ سن کر کہنے لگیں خدایا میری عرض تجھ سے ہے اب حضرت عائشہ آپ کے سر مبارک کا ایک طرف کا حصہ دھو کر گھوم کر دوسری جانب آئیں اور ادھر کا حصہ دھونے لگیں تو حضرت خولہ بھی گھوم کر اس طرف آ بیٹھیں اور اپنا واقعہ دہرایا آپ نے پھر یہی جواب دیا حضرت ام المومنین نے دیکھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے تو ان سے کہا کہ دور ہٹ کر بیٹھو یہ دور کھسک گئیں ادھر وحی نازل ہونی شروع ہوئی جب اتر چکی تو آپ نے فرمایا وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت ام المومنین نے انہیں آواز دے کر بلایا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے خاوند کو لے آؤ یہ دوڑتی ہوئی گئی اور اپنے شوہر کو بلا لائیں تو واقعی آپ ایسے ہی تھے جیسے انہوں نے کہا تھا آپ نے: اِسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اس سورت کی یہ آیتیں سنائیں اور فرمایا کہ تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ اچھا دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر دو تین دفعہ دن میں نہ کھاؤں تو بینائی بالکل جاتی رہتی ہے فرمایا کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتے ہو؟ انہوں نے کہا لیکن اگر میری مدد فرمائیں تو اور بات ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اعانت کی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو اور جاہلیت کی اس رسم طلاق کو ہٹا کر اللہ تعالیٰ نے اسے ظہار مقرر فرمایا (ابن ابی حاتم و ابن جریر) حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایلا اور ظہار جاہلیت کے زمانہ کی طلاقیں تھیں اللہ تعالیٰ نے ایلا میں تو چار مہینے کی مدت مقرر فرمائی اور ظہار میں کفارہ مقرر فرمایا حضرت امام مالکؒ نے لفظ منکم سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہاں مومنوں سے خطاب ہے اس لئے اس حکم میں کافر داخل نہیں جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے اس لئے بطور قید کے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں لے سکتے لفظ من نسائھم سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں نہ وہ اس خطاب میں داخل ہے پھر فرماتا ہے اس کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے یا میرے لئے تو مثل میری ماں کے ہے یا مثل میری ماں کی پیٹھ کے ہے یا اور ایسے ہی الفاظ

اپنی بیوی کو کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی حقیقی ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے یہ تولد ہوا ہے یہ لوگ اپنے منہ سے فحش اور باطل قول بول دیتے ہیں اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بخش دینے والا ہے اس نے جاہلیت کی اس تنگی کو تم سے دور کر دیا اسی طرح ہر وہ کلام جو ایک دم زبان سے بغیر سوچے سمجھے اور بلاقصد نکل جائے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اے میری بہن تو آپ نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے؟ غرض یہ کہنا برا لگا اسے روکا مگر اس سے حرمت ثابت نہیں کی کیونکہ دراصل اس کا مقصود یہ نہ تھا یونہی بغیر قصد کے نکل گیا تھا اور نہ ضرور ہی حرمت ثابت ہو جاتی کیونکہ صحیح قول یہی ہے کہ اپنی بیوی کو جو شخص اس نام سے یاد کرے جو محرمات ابدیہ ہیں مثلاً بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ وغیرہ تو وہ بھی حکم میں ماں کے ہیں جو لوگ ظہار کریں پھر اپنے کہنے سے لوٹیں اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ظاہر کیا پھر مکرر اس لفظ کو کہا کہ لیکن یہ ٹھیک نہیں بقول حضرت امام شافعیؒ مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی امام احمد فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا پھر جماع ہے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد جو شخص اب ظہار کرے گا اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے حضرت سعید فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہا ہے تو یہ کفارہ ادا کرے حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنی چاہی ہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے زہری فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا بوسہ لینا بھی کفارہ کی ادائیگی سے قبل جائز نہیں سنن میں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے میں اس سے مل لیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے ایسا تو نے کیوں کیا کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاندی رات میں اس کے خلخال (پازیب) کی چمک نے مجھے بےتاب کر دیا آپ نے فرمایا اب اس سے قربت نہ کرنا جب تک کہ خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کفارہ ادا نہ کر دے نسائی میں یہ حدیث مرسلاً موجود ہے پھر کفارہ بیان ہو رہا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یہاں یہ قید نہیں کہ مومن ہی ہو جیسے قتل کے کفارے میں غلام کے مومن ہونے کی قید ہے امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں یہ مطلق اس مقید پر محمول ہوگی کیونکہ آزادگی جیسی وہاں ہے ایسی ہی یہاں ہے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ایک سیاہ فام لونڈی کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے اوپر واقعہ گزر چکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہار کر کے پھر کفارہ سے قبل واقعہ ہونے والے کو دوسرا کفارہ ادا کرنے کو نہیں فرمایا پھر فرماتا ہے اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے یعنی دھمکایا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں سے خبردار ہے اور تمہارے احوال کا عالم ہے جو غلام کے آزاد کرنے پر قادر نہ ہو[1] وہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کے بعد اپنی بیوی سے اس صورت میں مل سکتا ہے اور اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کے بعد پہلے حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدم پہلی صورت پھر دوسری پھر تیسری جیسے کہ صحیحین کی اس حدیث میں بھی ہے جس میں آپ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع

[1] اور اس طرح غلام آزاد نہ کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ کوئی شخص غلام کا مالک ہی نہیں تھا ایسے ہی مجبوری کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غلام کا رواج ہی نہ ہو جیسا کہ اب ہندوستان پاکستان اور دوسرے اکثر ممالک میں بہرحال ایسے شخص کے لئے متبادل صورت پھر یہی ہے کہ وہ روزے رکھے نیز یہ بھی فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی ایک ہی شخص کو ساٹھ روز مسلسل کھلا دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

کرنے والے کو فرمایا تھا ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کیے ہیں تاکہ تمہارا کامل ایمان اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جائے یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کے محرمات ہیں خبردار اس حرمت کو نہ توڑنا جو کافر ہوں یعنی ایمان نہ لائیں حکم برداری نہ کریں شریعت کے احکام کی بے عزتی کریں ان پر لاپروائی کریں انہیں بلاؤں سے بچنے والا نہ سمجھیں بلکہ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب نازل ہوگا جس روز ان سب کو اللہ دوبارہ زندہ کرے گا پھر ان سب کا کیا ہوا ان کو بتلا دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ یعنی اللہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ (اس عدد) سے کم (میں) ہوتی ہے (جیسے دو یا چار میں) اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان (سب) کو قیامت کے روز ان کے کیے ہوئے کام بتلا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے ○

اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت:

فرمان ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے اور احکام شریعت[1] سے سرتابی کرنے والے ذلت، نحوست اور لعنت کے مستحق ہیں جس طرح ان سے پہلے انہی اعمال کے باعث برباد اور رسوا کر دیئے گئے اسی طرح یہ بھی اس سرکشی کے باعث تباہ اور برباد کیے جائیں گے ہم نے اس طرح واضح اس قدر ظاہر اتنی صاف اور ایسی کھلی ہوئی آیتیں بیان کر دی ہیں اور نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ

[1] آیت کے ذیل میں بعض علماء نے ان تمام مسلمان قانون ساز حکام اور بااختیار اداروں کو بھی داخل کیا ہے جو شرعی احکام کے بجائے غیر اسلامی قوانین نافذ کرتے ہوں لیکن صاحب روح المعانی علامہ آلوسی زادہ نے لکھا ہے کہ صحیح نہیں۔

سوائے اس کے جس کے اطوار سرکشی کے ہوں کوئی ان سے انکار نہیں کر سکتا اور جو ان کا انکار کرے وہ کافر ہے اور ایسے کفار کے لئے یہاں کی ذلت کے بعد وہاں کے بھی اہانت آمیز عذاب ہیں یہاں ان کے تکبر نے خدا کی طرف جھکنے سے روکا وہاں اس کے بدلے انہیں بے انتہا ذلیل کیا جائے گا خوب روندا جائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی برائی جس نے کی تھی اس سے اسے آگاہ کرے گا گو یہ بھول گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تو اسے یاد رکھا تھا اس کے فرشتوں نے اسے لکھ رکھا تھا نہ تو اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپ سکے نہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولے پھر بیان فرماتا ہے کہ تم جہاں ہو جس حالت میں ہو نہ تمہاری باتیں خدا تعالیٰ کے سننے سے رہ سکیں نہ تمہاری حالتیں خدا کے دیکھنے سے پوشیدہ رہیں اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اسے ہر زبان و مکان کی اطلاع ہر وقت ہے وہ زمین و آسمان کی تمام کائنات سے باعلم ہے تین شخص آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی سے رازداری کے ساتھ اپنی باتیں ظاہر کریں انہیں وہ سنتا ہے اور وہ خود کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنا چوتھا خدا کو گنیں اور جو پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہوں وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان کے ساتھ ان کا اللہ ہے یعنی ان کے حال قال سے مطلع ہے ان کے کلام کو سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے پھر ساتھ ہی ساتھ اس کے فرشتے لکھتے بھی جا رہے ہیں جیسے اور جگہ ہے: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (سورہ توبہ: ۷۸) کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگیوں اور ان کی سرگوشیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام غیبوں پر اطلاع رکھنے والا ہے اور جگہ ارشاد ہے: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (سورہ زخرف: ۸۰) کیا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور خفیہ باتوں اور مشوروں کو سن نہیں رہے؟ برابر سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھتے جا رہے ہیں اکثر بزرگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت میں مراد معیت علمی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے ہر تین کے مجمع میں چوتھا اس کا علم ہے تبارک وتعالیٰ بے شک وشبہ اس بات پر ایمان کامل اور یقین راسخ رکھنا چاہئے کہ یہاں مراد ذات کے ساتھ نہیں بلکہ علم کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہونا ہے ہاں بے شک اس کا سننا دیکھنا بھی اسی طرح اس کے علم کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق پر مطلع ہے ان کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں پھر قیامت کے دن انہیں ان کے تمام اعمال پر متنبہ کرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو شروع بھی اپنے علم کے بیان سے کیا تھا اور ختم بھی علم خدا کے بیان پر کیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۬ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى

مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا (مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور وہ جب لوگ آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور اپنے جی میں (یا اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ اگر یہ پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے کہنے پر سزا فوراً کیوں نہیں دیتا ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ ضرور داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے اے ایمان لانے والو جب تم کسی ضرورت سے نہ سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ شیطان بدوں خدا کے ارادے کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمان کو تو ہر امر میں اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے ○

خدا تعالیٰ کا ایک حکم:

غلط قسم کی سرگوشیوں سے یہودیوں کو روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جب صلح وصفائی تھی تو لوگ یہ حرکت کرنے لگے کہ جہاں کہیں بھی کسی مسلمان کو دیکھا اور جہاں کہیں کوئی ان کے پاس گیا کہ یہ ادھر ادھر جمع ہو کر چپکے چپکے اشارے کنائے سے اس طرح کانا پھوسی کرنے لگتے کہ اکیلا دکیلا مسلمان یہ گمان کرتا کہ شاید یہ لوگ میرے قتل کی سازشیں کر رہے ہیں یا میرے خلاف اور ایمانداروں کے خلاف کچھ مخفی ترکیبیں سوچ رہے ہیں اسے ان کی طرف جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے جب یہ شکایت عام ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اس غلط حرکت سے روک دیا لیکن وہ باز نہ آئے ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے ہم لوگ باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتے کہ اگر کوئی کام ہو تو کریں ایک روز باری والے بھی آ گئے اور کچھ اور لوگ بھی بہ نیت ثواب آ گئے چونکہ لوگ زیادہ جمع ہو گئے تو ہم چند جماعتوں میں تقسیم ہو کر ادھر ادھر بیٹھ گئے اور ہر جماعت باتیں کرنے لگی اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا یہ سرگوشیاں کیا ہو رہی ہیں؟ کیا تمہیں اس سے روکا نہیں گیا؟ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری توبہ ہے ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے کیونکہ اس سے کھٹکا لگا رہتا ہے آپ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوف کی چیز بتلا دوں وہ پوشیدہ شرک ہے اس طرح کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہو اور دوسروں کے دکھانے کے لئے کوئی دینی کام کرے (یعنی ریاکاری) اس کی اسناد غریب ہے اور اس میں بعض راوی ضعیف ہیں پھر بیان ہوتا ہے کہ ان کی سرگوشیاں یا تو گناہ کے کاموں کے لئے ہوتی ہیں جس میں ان کا ذاتی نقصان ہے یا ظلم پر ہوتی ہیں جس میں دوسروں کے نقصان کی ترکیبیں سوچتے ہیں یا نبی علیہ السلام کی مخالفت پر ایک دوسرے کو پختہ کرتے ہیں اور آپ کی نافرمانیوں کے منصوبے گانٹھتے ہیں پھر ان بدکاروں کی ایک بدترین خصلت بیان ہو رہی ہے کہ سلام کے الفاظ کو بھی یہ بدل دیتے ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ سام کے معنی موت کے ہیں اس پر حضرت عائشہؓ نے ناراض ہو کر اس بدباطن یہودی کو کچھ کہنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ برے الفاظ اور سخت کلامی کو ناپسند فرماتا ہے میں نے کہا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

نہیں سنا؟ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام نہیں کہا بلکہ السام کہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا؟ میں نے کہہ دیا: وعلیکم[1]۔ اسی کا بیان یہاں ہو رہا ہے دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان کے جواب میں فرمایا تھا: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَالذَّامُ وَاللَّعْنَةُ اور آپ نے حضرت صدیقہ کو روکتے ہوئے فرمایا کہ ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کا ہمیں کوسنا نامقبول ہے۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی نے آ کر سلام کیا صحابہؓ نے جواب دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا معلوم بھی ہے اس نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کیا تھا آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا تھا سام علیکم یعنی تمہارا دین مغلوب ہو مٹ جائے پھر آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلاؤ جب وہ آ گیا تو آپ نے فرمایا سچ سچ بتا کیا تو نے سام علیکم نہیں کہا تھا؟ اس نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہی کہا تھا آپ نے فرمایا سنو جب کبھی کوئی اہل کتاب تم میں سے کسی کو سلام کرے تو تم صرف علیک کہہ دیا کرو یعنی جو تو نے کہا ہو وہ تجھ پر (ابن جریر) پھر یہ لوگ اپنے اس کرتوت پر خوش ہو کر اپنے دل میں کہتے کہ اگر یہ نبی برحق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہماری اس چال بازی پر ہمیں دنیا میں ضرور عذاب کرتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمارے باطنی حالات سے بخوبی واقف ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے انہیں دار آخرت کا عذاب ہی کافی ہے جہاں یہ جہنم میں جائیں گے اور بری جگہ پہنچیں گے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا اس طریقے کا سلام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ منافق اسی طرح سلام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ تم ان منافقوں اور یہودیوں کے سے کام نہ کرنا تم گناہ کے کاموں اور حد سے گزر جانے اور نبی کی نہ ماننے کے مشورے نہ کرنا بلکہ تمہیں ان کے برخلاف نیکی کے اور اپنے تحفظ کے مشورے کرنے چاہئیں تمہیں ہر وقت اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے جس کی طرف تمہیں جمع ہونا ہے جو اس وقت ہر نیکی بدی کی جزا سزا دے گا اور تمام اعمال واقوال سے متنبہ کرے گا گو تم بھول گئے ہو لیکن اس کے پاس سب محفوظ اور موجود ہیں حضرت صفوانؒ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اس قدر قریب کہ اپنا دست گرامی اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور پوچھے گا یاد ہے فلاں گناہ تم نے کیا تھا فلاں کیا تھا یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ دنیا میں بھی میں نے تیری پرورش کی اور آج بھی میں نے بخشش کی پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال دیا جائے گا[2]۔ لیکن کافر و منافق کے بارے میں تو گواہ پکار کر کہہ دیں گے کہ یہ خدا پر جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں خبردار ہو جاؤ ان ظالموں پر خدا کی لعنت ہے پھر ارشاد ہے کہ اس قسم کی سرگوشی جس سے مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اسے بدگمانی ہو شیطان کی طرف سے ہے شیطان ان منافقوں وغیرہ سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو رنج وغم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ شیطان نہ کوئی اور انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہئے کہ اعوذ پڑھے خدا کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ رکھے انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا ایسی کانا پھوسی جو کسی مسلمان کو ناگوار گزرے حدیث میں بھی منع آیا ہے مسند احمد میں

---

[1] گویا میں ان کو ان کی بیہودگی کا مناسب جواب دے چکا ہوں اب زیادہ کہنا حدود سے تجاوز ہوگا۔

[2] کیونکہ انہوں نے ابتدا کی اور ابتدا کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور ظاہر کہ ظالم کی دعا قبول نہیں ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم تھے اور مظلوم کے لئے در اجابت ہر وقت کھلا رہتا ہے۔

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تین آدمی ہو تو دو مل کر کان میں منہ ڈال کر باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ اس سے اس تیسرے کا دل رنجیدہ[1] ہوگا (صحیحین) اور روایت ہے کہ ہاں اگر اس[2] کی اجازت ہو تو کوئی حرج نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تم تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تم کو جنت میں کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور ایمان والوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دین عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کردے اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے ○

ایک اخلاقی فریضہ:

یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مجلسی آداب سکھاتا ہے انہیں حکم دیتا ہے کہ نشست و برخاست میں بھی ایک دوسرے کا خیال ولحاظ رکھو ارشاد ہے کہ جب مجلس جمع ہو اور کوئی آئے تو ذرا ادھر ادھر ہٹ ہٹا کر اسے بھی جگہ دو مجلس میں کشادگی کرو اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنا دے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا اور حدیث میں ہے جو کسی سختی والے پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کردے گا جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ تعالیٰ خود اپنے اس بندے کی مدد پر رہتا ہے اور بھی اسی طرح کی بہت سی احادیث ہیں حضرت قتادہ فرماتے ہیں یہ آیت مجلس ذکر کے بارے میں اتری ہے مثلاً وعظ ہو رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نصیحت کی باتیں فرما رہے ہیں لوگ بیٹھے سن رہے ہیں اب جو کوئی دوسرا آیا تو کوئی اپنی جگہ سے نہیں سرکتا تا کہ اسے بھی جگہ مل جائے تو قرآن کریم نے حکم دیا کہ ایسا نہ کرو ادھر ادھر کھل جایا کرو تا کہ اس آنے والے کی جگہ ہو جائے حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں جمعہ کے دن یہ آیت اتری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفہ میں تھے یعنی مسجد کے ایک چھپر کے نیچے جگہ تنگ تھی اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصاری بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے آپ ان کی اور ان کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے اس دن چند بدری صحابہ ذرا دیر سے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس کھڑے ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیک ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا پھر اور اہل مجلس کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اب یہ اسی امید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں ذرا کشادگی دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا جو ان کے لئے جگہ ہوتی آنحضرت صلی اللہ علی وسلم نے جب یہ دیکھا تو نام لے لے کر بعض لوگوں کو ان کی جگہ سے کھڑا کیا اور ان بدری صحابیوں[3] کو بیٹھنے کو فرمایا جو لوگ کھڑے کرائے گئے تھے انہیں ذرا ناگوار گزرا ادھر منافقین کے ہاتھ ایک مشغلہ لگ گیا کہنے لگے لیجئے یہ

[1] ارے اللہ اے ارحم الراحمین اے ستار العیوب اے غفار اے غفور رحیم کاش کہ جناب کا یہ معاملہ اس ظالم کار عصیاں شعار کے ساتھ بھی ہو۔

[2] اور نفسیاتی طور پردہ سمجھے گا کہ شاید یہ میری شکایت کر رہے ہیں۔

عدل کرنے کے مدعی نبی ہیں کہ جو لوگ شوق سے آئے پہلے آئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جگہ لی اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھ گئے انہیں تو ان کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور دیر سے آنے والوں کو ان کی جگہ دلوا دی کس قدر نا انصافی ہے ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میلے نہ ہوں اس لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مجلس میں جگہ کر دے اس حدیث کو سنتے ہی صحابہؓ نے فوراً اپنی جگہ سے ہٹنا اور آنے والوں کو جگہ دینا شروع کر دیا اور جمعہ ہی کے دن یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) بخاری، مسلم مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ہٹا کر اس جگہ آپ وہاں نہ بیٹھے بلکہ تمہیں چاہئے کہ ادھر ادھر ہٹ کر اس کے لئے جگہ بنا دو شافعی میں ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو جمعہ کے دن اس کی جگہ سے ہرگز نہ اٹھائے بلکہ کہہ دے کہ گنجائش کر دو اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کسی آنے والے کے لئے کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو اجازت نہیں دیتے اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے لئے سیدھے کھڑے ہو جایا کریں وہ جہنم میں اپنی جگہ بنا لے بعض بزرگ تفصیل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سفر سے اگر کوئی آیا ہو تو اور حاکم کے لئے اس کی حکومت کی جگہ کھڑے ہو جانا درست ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے لئے کھڑے ہونے کو فرمایا تھا یہ حضرت سعد بن معاذؓ تھے بنو قریظہ کے آپ حاکم بنائے گئے تھے جب انہیں آتا ہوا دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ بطور تعظیم کے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ان کے احکام کو بخوبی جاری کرائیں[1] واللہ اعلم۔ ہاں اسے عادت بنا لینا کہ مجلس میں جہاں کوئی بڑا آدمی آیا اور لوگ کھڑے ہو گئے یہ عجمیوں کا طریقہ ہے سنن کی حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب اور باعزت کوئی نہ تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں کرتے سنن کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے ہیں وہی جگہ صدارت کی جگہ بن جاتی اور صحابہ کرامؓ اپنے اپنے مراتب کے مطابق مجلس میں بیٹھ جاتے حضرت الصدیقؓ آپ کے دائیں جانب فاروقؓ آپ کے بائیں جانب اور عموماً حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے بیٹھتے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ کاتب وحی تھے آپ ان سے فرماتے اور یہ وحی کو لکھ لیا کرتے تھے صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ مجھ سے قریب ہو کر عقل مند لوگ صاحب فراست لوگ بیٹھیں پھر درجہ بدرجہ اور یہ انتظام اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشادات یہ حضرات سنیں اور بخوبی سمجھیں یہی وجہ تھی کہ صفہ والی مجلس میں جس کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے آپ نے اور لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر وہ جگہ بدری صحابہ کو دلوائی گو اس کے ساتھ اور اسباب بھی تھے مثلاً ان لوگوں کو خود چاہئے تھا کہ ان بزرگ صحابہ کا خیال کرتے اور لحاظ و مروت برت کر خود ہٹ کر انہیں جگہ دیتے جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر حکماً ان سے ایسا کرایا گیا اسی طرح پہلے کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

= ... ۳ یعنی اس تیسرے شخص کی۔

ظاہر ہے کہ وہ حضرات صحابہ جنہوں نے بدر کے معرکہ میں شرکت کی تھی اپنی جان سپاری اخلاص ایثار جب فی اللہ اور اسلام کی اس وقت خدمت جب کہ اسلام کا نام لینا بھی مشکل تھا ان فضائل کی وجہ سے ہر طرح کے احترام کے مستحق تھے اس لئے آپ نے ان کو بٹھانے کا اہتمام کیا اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا ادب و احترام بہر حال ضروری ہے۔

[1] کیونکہ جب تک کسی حاکم کی تعظیم اور توقیر دل و دماغ میں قائم نہیں ہوتی اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ بھی لوگوں میں نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کا اس طرح کا احترام اگر آپ ہی قائم نہ کرتے تو اور کون کرتا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صفوں کی درستی کے وقت ہمارے مونڈھے خود پکڑ پکڑ کر ٹھیک کرتے اور فرماتے جاتے سیدھے رہو ٹیڑھے ترچھے نہ کھڑے ہوا کرو دانائی اور عقل مندی والے مجھ سے بالکل قریب رہیں پھر درجہ بدرجہ حضرت ابو مسعودؓ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے ہیں باوجود اس حکم کے افسوس کہ تم اب بڑی ٹیڑھی صفیں کرتے ہو مسلم ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے ظاہر ہے کہ جب آپ کا یہ حکم نماز کے لئے تھا تو نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں تو یقیناً یہی حکم رہے گا ابو داؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو درست رکھو مونڈھے ملائے رکھو صفوں کے درمیان خالی جگہ نہ چھوڑو اپنے بھائیوں کے لئے صف میں نرم بن جایا کرو صف میں شیطان کے لئے سوراخ نہ چھوڑو صف ملانے والے کو اللہ تعالیٰ ملاتا ہے اور صف توڑنے والے کو اللہ تعالیٰ کاٹ دیتا ہے اسی لئے سید القرا حضرت ابی بن کعبؓ جب پہنچتے تو صف اول میں کسی ضعیف العقل شخص کو پیچھے ہٹا دیتے اور خود پہلی صف میں مل جاتے اور اسی حدیث کی دلیل میں پیش فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھ سے قریب ذی رائے اور اعلیٰ عقلمند کھڑے ہوں پھر درجہ بدرجہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہو جاتا تو آپ اس کی جگہ پر نہ بیٹھتے اور اس حدیث کو پیش کرتے جو اوپر گزری کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ میں اور نہ بیٹھے[1] یہاں بطور نمونے کے یہ چند مسائل اور تھوڑی حدیثیں لکھ کر ہم آگے چلتے ہیں تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ تین شخص آئے ایک تو مجلس کے درمیان جگہ خالی دیکھ کر وہاں آ کر بیٹھ گئے دوسرے نے مجلس کے آخر میں جگہ بنالی تیسرے واپس چلے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! میں تمہیں تین شخصوں کی بابت خبر دوں ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دی دوسرے نے شرم کی اللہ نے بھی اس سے حیا کی تیسرے نے منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا مسند احمد میں ہے کہ کسی کو حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے ہاں ان کی خوشنودی سے ہو تو اور بات ہے (ابو داؤد و ترمذی) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے حضرت ابن عباسؓ حسن بصریؒ وغیرہ فرماتے ہیں مجلسوں کی کشادگی کا حکم جہاد کے بارے میں ہے اسی طرح اٹھ کھڑے ہونے کا حکم بھی جہاد کے بارے میں ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی جب تمہیں بھلائی اور کار خیر کی طرف بلایا جائے تو تم فوراً آ جاؤ حضرت مقاتل فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں نماز کے لئے بلایا جائے تو آ جایا کرو حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ صحابہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آتے تو جاتے وقت ہر ایک کی تمنا یہ ہوتی کہ سب سے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوں بسا اوقات آپ کو کوئی کام ہوتا تو بڑا حرج ہوتا لیکن آپ مروت سے کچھ نہ فرماتے اس پر یہ حکم ہوا کہ جب تم سے کھڑے ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جایا کرو جیسے اور جگہ ہے: وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا (سورہ نور: ۲۸) اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ پھر فرماتا ہے کہ مجلسوں میں جب جگہ دینے کو کہا جائے تو چلے جانے میں اپنی ہتک نہ سمجھو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ کرنا اور اپنی توقیر کرانا ہے اسے خدا ضائع نہ کرے گا بلکہ اس پر دنیا اور آخرت میں نیک بدلہ دے گا جو شخص احکام خدا پر تواضع سے گردن جھکا دے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور اس کی شہرت نیکی کے ساتھ کرتا ہے ایمان والوں اور صحیح علم والوں کا یہی کام ہوتا ہے کہ خدا کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیا کریں اور اس سے وہ بلند درجوں کے مستحق ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بلند مرتبہ کا مستحق کون ہے؟ اور کون نہیں حضرت نافع بن عبدالحارث سے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی ملاقات عسفان میں ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے انہیں مکہ

[1] اس طرح دونوں بزرگوں کا عمل مختلف تھا اور امت کے لئے دو طریق کا اختیار کرنے کی گنجائش نکل آئی اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

شریف کا عامل بنایا تھا تو ان سے پوچھا کہ تم مکہ شریف میں اپنی جگہ کسے چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمرؓ فاروق نے فرمایا وہ تو ہمارے مولیٰ ہیں یعنی آزاد کردہ غلام انہیں تم اہل مکہ کا امیر بنا کر چلے ہو؟ کہا ہاں اس لئے کہ وہ خدا کی کتاب کا ماہر اور فرائض کا جاننے والا اور اچھا وعظ کہنے والا ہے حضرت عمرؓ نے اس وقت فرمایا سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے ایک قوم کو عزت پر پہنچا کر بلند مرتبہ کرے گا اور بعضوں کو پست و کم مرتبہ بنا دے گا (مسلم) علم اور علماء کی فضیلت جو اس آیت اور دیگر آیات و احادیث سے ظاہر ہے میں نے ان سب کو بخاری شریف کی کتاب العلم کی شرح میں جمع کر دیا ہے۔ والحمد للہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور گناہوں سے پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تم کو صدقہ دینے کی مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو (اخیر) جب تم (اس کو) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے ○

ایک حکمت آمیز امر:

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے نبی سے جب تم کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے میری راہ میں خیرات کیا کرو تا کہ تم پاک صاف ہو جاؤ اور اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبر سے مشورہ کر سکو ہاں اگر کوئی غریب مسکین شخص ہو تو خیر اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے رحم پر نظریں رکھنی چاہئیں یعنی یہ حکم صرف انہیں ہے جو مالدار ہوں پھر فرمایا کیا تمہیں اس حکم کے باقی رہ جانے کا اندیشہ تھا اور خوف تھا کہ یہ صدقہ کب تک واجب رہے گا اچھا جب تم نے اسے نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرمایا تو اب اور مذکورہ بالا فرائض کا پوری طرح خیال رکھو کہا جاتا ہے کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کا شرف صف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا ہے پھر یہ حکم ختم ہو گیا ایک دینار صدقہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے پوشیدہ باتیں کیں دس مسائل پوچھے پھر تو یہ حکم ہی ختم ہو گیا حضرت علیؓ سے خود بھی یہ واقعہ بہ تفصیل منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا نہ میرے بعد کوئی عمل کر سکا میرے پاس ایک دینار تھا جسے بھنا کر میں نے دس درہم لئے ایک درہم اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی مسکین کو دے دیا پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے سرگوشی کی پھر تو یہ حکم ختم ہو گیا تو مجھ سے پہلے بھی کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کر سکتا ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہئے آپ نے فرمایا یہ تو بہت ہوئی فرمایا پھر آدھا دینار کہا ہر شخص کو اس کی بھی طاقت نہیں آپ نے فرمایا اچھا تم ہی بتلاؤ کس قدر؟ فرمایا ایک جو

برابر سونا آپ نے فرمایا واہ واتم تو بڑے ہی زاہد ہو حضرت علیؓ فرماتے ہیں پس میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف کر دی ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مسلمان برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رازداری کرنے سے پہلے صدقہ نکالا کرتے تھے لیکن زکوٰۃ کے حکم نے اسے اٹھا دیا آپ فرماتے ہیں صحابہؓ نے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتے تھے[1] تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے کر آپ پر تخفیف کر دی۔ کیونکہ اب لوگوں نے سوالات چھوڑ دیئے پھر اللہ تعالیٰ نے نرمی سے کام لیا اور اس حکم کو منسوخ کر دیا عکرمہ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے حضرت قتادہ اور حضرت مقاتلؒ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت قتادہ کا قول ہے کہ صرف دن کی چند ساعتوں تک یہ حکم رہا حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی عمل کر سکا تھا اور دن کا تھوڑا ہی حصہ اس حکم کو نازل ہوئے ہوا تھا جو منسوخ ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

کیا ان لوگوں پر آپ نے نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ (منافق) لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں ہیں اور نہ ان ہی میں ہیں اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ خود (بھی) جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے (کیونکہ) بے شک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے) سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں سو (اس وجہ سے) ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے ان کے اموال اور اولاد اللہ کے عذاب سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے اور یہ لوگ دوزخی ہیں وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے جس روز اللہ

[1] اور اسی مصلحت کے لئے یہ حکم نازل ہوا تھا لیکن اس حکم کے بعد جب حضرات صحابہؓ نے ضروری مسائل معلوم کرنا بھی چھوڑ دیئے کیونکہ وہ غریب تھے اور یہ رقم ان کے لئے مہیا کرنا دشوار تھی تو خدا تعالیٰ نے حکم کو منسوخ کر دیا بہر حال اگرچہ یہ حکم کچھ ہی دیر کے لئے رہا تاہم اس کی وقتی و عارضی مشروعیت بھی فائدہ سے خالی نہ رہی اور حضرات صحابہ غیر ضروری اور کثرت سوالات سے احتراز فرمانے لگے۔

ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اس کے سامنے بھی (جھوٹی) قسمیں کھاویں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے ○

منافقین کی مفسدانہ حرکتیں اور اُن پر شدید انتباہ:

منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ اپنے دل میں یہود کی محبت رکھتے ہیں اگر چہ ان کے بھی دل سے ساتھی نہیں اور نہ تمہارے ہیں گویا نہ ادھر کے نہ ادھر کے صاف جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں ایمانداروں کے پاس آ کر ان کی سی کہنے لگتے ہیں رسول کے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنی ایمانداری کا یقین دلاتے ہیں اور دل میں اس کے خلاف جذبات پاتے ہیں اور اپنی غلط گوئی کا علم رکھتے ہوئے بے دھڑک قسمیں کھا لیتے ہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں سخت عذاب ہوں گے اس دھوکہ بازی کا برابدلہ انہیں دیا جائے گا یہ تو اپنی قسموں کو اپنی ڈھالیں بنائے ہوئے ہیں اور خدا کی راہ سے رک گئے ہیں ایمان ظاہر کرتے ہیں کفر دل میں رکھتے ہیں اور قسموں سے اپنی برائی کو چھپاتے ہیں اور ناواقف لوگوں پر اپنی سچائی کا ثبوت اپنی قسموں سے پیش کر کے انہیں اپنا مداح بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور خدا کی راہ سے روک دیتے ہیں چونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے خدا تعالیٰ کے پر اَز صد ہزار تکریم نام کی بے عزتی کی تھی اس لئے انہیں ذلت و اہانت والے عذاب ہوں گے جن عذابوں کو نہ ان کے مال دفع کر سکیں نہ اس وقت ان کی اولاد کام آئے یہ تو جہنمی بن چکے اور وہاں سے ان کا نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا قیامت والے دن جب ان کا حشر ہوگا اور ایک بھی اس میدان میں آئے بغیر نہ رہ سکے گا سب جمع ہو جائیں گے تو چونکہ زندگی میں ان کی عادت تھی کہ اپنی جھوٹی باتوں کو قسموں سے سچ کر دکھاتے تھے آج خدا کے سامنے بھی اپنی ہدایت واستقامت پر بڑی بڑی قسمیں کھا لیں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہاں بھی یہ چالاکی چل جائے گی مگر ان جھوٹوں کی بھلا خدا کے سامنے چالبازی کہاں چل سکتی ہے؟ وہ تو ان کا جھوٹا ہونا یہاں بھی مسلمانوں میں بیان فرما چکا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام بھی آس پاس بیٹھے تھے سایہ دار جگہ کم تھی بمشکل لوگ اس میں پناہ لئے بیٹھے تھے آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطانی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ آئے تو اسے بات نہ کرنا تھوڑی دیر میں ایک کیری آنکھوں والا شخص آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کیوں بھئی تو اور فلاں اور فلاں مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو؟ یہ یہاں سے چلا گیا اور جن جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا انہیں لے کر آیا اور اب پھر تو قسموں کا تانتا باندھ دیا کہ ہم میں سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بے ادبی نہیں کی اس پر یہ آیت اتری کہ یہ جھوٹے ہیں یہی حال مشرکوں کا بھی دربار خدا میں ہوگا کہ قسمیں کھا جائیں گے کہ ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم نے شرک نہیں کیا پھر فرماتا ہے ان پر شیطان مسلط ہے اور اس نے ان کے دل کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے یاد خدا ذکر اللہ سے انہیں دور ڈال دیا ہے ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کسی بستی یا جنگل میں تین شخص بھی ہوں اور ان میں نماز نہ قائم کی جاتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے پس تو جماعت کو لازم پکڑے رہ بھیڑیا اس بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو حضرت سائب فرماتے ہیں یہاں مراد جماعت سے نماز کی جماعت ہے پھر فرماتا ہے کہ خدا کا ذکر فراموش کرنے والے شیطانی جماعت کے افراد ہیں شیطان کا یہ لشکر یقیناً نامراد اور زیاں کار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۝۲۰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ

أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے جولوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے) اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے ○

مخالفین خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جولوگ حق سے برگشتہ ہیں ہدایت سے دور ہیں اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں احکام شرع کی اطاعت سے الگ ہیں یہ لوگ انتہا درجہ کے ذلیل بے وقار اور خستہ حال ہیں رحمت رب سے دو خدا کی مہربانی بھری نظروں سے اوجھل اور دنیا اور آخرت میں برباد ہیں اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے بلکہ اپنی پہلی کتاب میں ہی لکھ چکا ہے اور مقدر کر چکا ہے جو تقدیر اور جو تحریر نہ مٹے گی نہ بدلے گی نہ اس کو بدلنے کی کسی میں طاقت ہے کہ وہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مومن بندے دنیا اور آخرت میں غالب رہیں گے جیسے اور جگہ ہے: إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا...... (سورہ مومن:۵۱) ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایماندار بندوں کی ضرور مدد کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گنہگاروں کو کوئی عذر معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا یہ لکھنے والا خدا قوی ہے وہ غالب وقہار ہے اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے اس کا یہ فیصلہ اٹل فیصلہ اور طے شدہ امر ہے کہ دونوں جہان میں انجام کے اعتبار سے غلبہ ونصرت مومنوں کا حصہ ہے پھر فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے دوست دشمنان خدا سے محبت رکھیں اور جگہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی دوست نہ بنائیں ایسا کرنے والے خدا کے ہاں کسی گنتی میں نہیں ہاں ڈر خوف کے وقت بطور مصلحت کے ہو تو اور بات ہے اللہ تمہیں اپنی گرامی ذات سے ڈرا رہا ہے اور جگہ ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اعلان کر دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادے بیٹے

پوتے بیوی بچے کنبہ قبیلہ مال و دولت تجارت حرفت گھر بار وغیرہ تمہیں بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں تو تم خدا تعالیٰ کے عنقریب ہونے والے عذابوں کا انتظار کرو اس قسم کے فاسقوں کی رہبری بھی خدا کی طرف سے نہیں ہوئی حضرت سعید بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں یہ آیت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح کے بارے میں اتری ہے جنگ بدر میں ان کے والد کفر کی حالت میں کفر کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے آپ نے انہیں قتل کر دیا حضرت عمرؓ نے اپنے آخری وقت میں جب کہ خلافت کے لئے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ یہ لوگ مل کر جسے چاہیں خلیفہ بنالیں اس وقت حضرت کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر یہ ہوتے تو انہی کو خلیفہ مقرر کرتا اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایک ایک صفت الگ الگ بزرگوں میں تھی مثلاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے تو اپنے والد کو قتل کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا تھا اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبیدہ بن حارث نے اپنی قریبی رشتہ داروں عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا تھا واللہ اعلم۔ اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی آ سکتا ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری قیدیوں کی نسبت مسلمانوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو فرمایا کہ ان سے فدیہ لے لیا جائے تاکہ مسلمانوں کی مالی مشکلات دور ہو جائیں مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے آلات حرب جمع کر لیں اور یہ چھوڑ دیئے جائیں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل اسلام کی طرف پھیر دے آخر ہیں تو ہمارے ہی کنبے رشتے کے لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی رائے اس کے بالکل خلاف دی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مسلمان کا جو رشتہ دار مشرک ہے اس کے حوالے کر دیا جائے اور اسے حکم دیا جائے کہ وہ اسے قتل کر دے ہم اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ان مشرکوں کی کوئی محبت نہیں مجھے میرا فلاں رشتہ دار سونپ دیجئے اور حضرت علیؓ کے حوالے عقیل کو کر دیجئے اور فلاں صحابی کو فلاں کا فرد دیجئے وغیرہ پھر فرماتا ہے کہ جو اپنے دل کو دشمنان خدا کی محبت سے خالی کر دے اور مشرک رشتے داروں سے بھی محبت چھوڑ دے وہ کامل الایمان شخص ہے جس کے دل میں ایمان نے جڑیں جمالی ہیں اور جن کی قسمت میں سعادت لکھی جا چکی ہے اور جن کی نگاہ میں ایمان کی زینت بچ گئی ہے اور ان کی تائید اللہ تعالیٰ نے اپنی پاس کی روح سے کی ہے یعنی انہیں قوی بنا دیا ہے یہی بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں جائیں گے جہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی یہ خدا تعالیٰ سے خوش مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے خدا کے لئے رشتہ کنبہ والوں کو ناراض کر دیا تھا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان سے راضی ہو گیا اور انہیں اس قدر دیا کہ یہ بھی بہت خوش[1] ہو گئے خدائی لشکر یہی ہے اور کامیاب گروہ بھی یہی ہے جو شیطانی لشکر اور ناکام گروہ کے مقابل ہے حضرت ابو حازم اعرجؒ نے زہریؒ کو لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے جو حضرات عام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں جچتے جن کی عام شہرت نہیں ہوتی جن کی صفت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گمنام متقی نیکوکار ہیں اگر وہ نہ آئیں تو پوچھ گچھ نہ ہو اور آ جائیں تو آؤ بھگت نہ ہو ان کے دل میں ہدایت کے چراغ ہیں ہر سیاہ رنگ اندھیرے والے فتنے سے نکلتے ہیں یہ ہیں وہ اولیاء اللہ جنہیں خدا نے اپنا لشکر فرمایا ہے اور جن کی کامیابی کا اعلان کیا ہے (ابن ابی حاتم) مسند نعیم بن حماد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا اے اللہ کسی فاسق فاجر کا کوئی احسان اور سلوک مجھ پر نہ رکھ کیونکہ میں نے تیری

---

[1] آیت سے حضرات صحابہؓ کی خصوصی فضیلت ثابت ہے اب ان پاکیزہ نفوس سے کسی بھی قسم کی بدگمانی اپنے ہی ایمان کی کمزوری اور عاقبت کی خرابی کی علامت ہے۔

نازل وحی میں پڑھا ہے کہ ایماندار مخالفین خدا کے دوست نہیں ہوتے حضرت سفیان فرماتے ہیں علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو بادشاہ سے خلط ملط رکھتے ہوں۔ (ابواحمد عسکری)

تفسیر سورہ حشر

اور بقول حضرت ابن عباسؓ

سورہ بنو نضیر مدنیہ

صحیح بخاری شریف صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت سعید ابن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ سورہ حشر ہے تو آپ نے فرمایا قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری ہے بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ سورت سورہ بنو نضیر ہے۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

کل رکوع: ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۲۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں (خواہ زبان حال سے یا قال سے) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (ان) کفار اہل کتاب (یعنی بنونضیر) ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ (کبھی اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور (خود) انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سوان پر خدا (کا عتاب) ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے سوائے دانش مندو (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو ان کو دنیا ہی میں قتل کی سزا دیتا اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب (تیار) ہے یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی ہے اور وہ جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے ○

عبرت کدہ عالم:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح تحمید تقدیس تمجید تکبیر توحید میں مشغول ہے جیسے دوسری جگہ فرمان ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (سورہ بنی اسرائیل:۴۴) یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور ثنا خوانی کرتی ہے وہ غلبہ والا اور بلند جناب والا اور عالی سرکار ہے اور اپنے تمام احکام اور کل فرمان میں حکمت والا ہے۔ جس نے اہل کتاب کے کافروں یعنی قبیلہ بنونضیر کے یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکالا اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں تشریف آوری کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے صلح کر لی تھی کہ نہ آپ ان سے لڑیں نہ یہ آپ سے لڑیں لیکن ان لوگوں نے ان کو یہاں سے نکال دیا مسلمانوں کو کبھی اس کا خیال تک نہ تھا خود یہ یہودی بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا لیکن خدا تعالیٰ کی پکڑ آئی یہ سب حفاظتی اقدامات بے کار ثابت ہوئے وہ اچانک اس طرح گرفت میں آ گئے کہ حیران رہ گئے اور آپ نے انہیں مدینہ سے نکلوا دیا بعض تو شام کی زراعتی زمینوں میں چلے گئے جو حشر ونشر کی جگہ اور بعض خیبر کی طرف جا نکلے ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر لاد کر جو لے جا سکو اپنے ساتھ لے جاؤ اس لئے انہوں نے اپنے گھروں کو اجاڑ دیا توڑ پھوڑ کر جو چیزیں لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ اٹھا لیں جو رہ گئیں وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگیں اس واقعہ کو بیان کر کے فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح ان پر عذاب الٰہی اچانک آ پڑا اور دنیا میں بھی تباہ و برباد کئے گئے اور آخرت میں بھی ذلیل و رسوا ہو گئے اور دردناک میں جا پڑے ابوداؤد میں ہے کہ ابن ابی اور اس کے مشرک ساتھیوں کو جو قبیلہ اوس خزرج میں سے تھے کفار قریش نے خط لکھا یہ خط انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے میدان سے واپس لوٹیں اس سے پہلے مل گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں ٹھہرایا ہے بس یا تو تم اس سے لڑائی کرو اور اسے نکال باہر کرو یا ہم تمہیں نکال دیں گے اور اپنے تمام لشکروں کو لے کر تم پر حملہ کریں گے اور تمہارے تمام لڑنے والوں کو ہم تہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں لڑکیوں کو لونڈیاں بنالیں گے خدا کی قسم یہ ہو کر ہی رہے گا اب تم سوچ سمجھ لو عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں نے اس خط کو پا کر آپس میں مشورہ کیا اور خفیہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کی تجویز بالاتفاق منظور کر لی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سازشیں معلوم ہوئیں تو آپ خود ان کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریشیوں کا خط کام کر گیا اور تم لوگ اپنی موت کا سامان اپنے ہاتھوں کرنے لگے ہو تم اپنی اور اولاد اور اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا چاہتے ہو میں تمہیں ایک مرتبہ موقعہ دیتا ہوں کہ سوچ سمجھ لو اور اپنے برے ارادے سے باز آ جاؤ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے اس ارشاد نے ان پر اثر کیا اور وہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے لیکن قریش نے بدر سے فارغ ہو کر انہیں پھر ایک خط لکھا اور اسی طرح دھمکایا انہیں ان کی قوت ان کی تعداد اور ان کے مضبوط قلعے یاد دلائے یہ پھر بھرے پر چڑھ گئے اور بنونضیر نے صاف طور پر بدعہدی پر کمر باندھ لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ تیس آدمی لے کر آئیے ہم میں سے بھی تیس ذی علم آدمی آتے ہیں ہمارے تمہارے درمیان کی جگہ پر یہ ساٹھ آدمی ملیں اور آپس میں بات چیت ہو اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں اس بدعہدی کی وجہ سے دوسرے دن صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر لے جا کر ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا کہ اب اگر تم نئے سرے سے امن وامان کا عہد و پیمان کرو تو خیر ورنہ تمہیں امن نہیں انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے چنانچہ دن بھر لڑائی ہوتی رہی دوسری صبح کو آپ بنوقریظہ کی طرف لشکر لے کر بڑھے اور بنونضیر کو یوں ہی چھوڑا ان سے بھی یہی فرمایا کہ تم نئے سرے سے عہد و پیمان کرو انہوں نے منظور کر لیا اور معاہدہ ہو گیا آپ وہاں سے فارغ ہو کر پھر بنونضیر کی طرف آئے لڑائی شروع ہو گئی آخر ان کی شکست ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ خالی کر دو جو اسباب لے جانا چاہو اونٹوں پر لاد کر لے جاؤ چنانچہ انہوں نے گھر بار کا اسباب یہاں تک کہ دروازے اور لکڑیاں بھی اونٹوں پر لاد دیں اور جلاوطن ہو گئے ان کے کھجوروں کے درخت مخصوص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو ہی دلوا دیئے جیسے آیت وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ..... (سورہ حشر: ۷) میں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر حصہ مہاجرین کو دے دیا ہاں انصاریوں میں سے صرف دو حاجت مندوں کو ہی حصہ دیا ورنہ سب کا سب مہاجرین میں تقسیم کر دیا جو باقی رہ گیا تھا یہی وہ مال تھا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا اور جو بنوفاطمہ کے ہاتھ لگا غزوہ بنونضیر کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مشرکوں نے دھوکہ بازی سے صحابہ کرام کو بیر معونہ میں شہید کر دیا جن کی تعداد ستر تھی ان میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ ضمری بچ کر بھاگ نکلے مدینہ کی طرف آتے ہوئے انہوں نے قبیلہ بنو عامر کے دو شخصوں کو موقعہ پا کر قتل کر دیا حالانکہ یہ قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر چکا تھا اور آپ نے انہیں امن وامان دے رکھا تھا لیکن اس کی خبر حضرت عمرو کو نہ تھی جب یہ مدینہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم نے انہیں قتل کر دیا اب مجھے ان کے وارثوں کو دیت یعنی جرمانہ قتل وخون بہا ادا کرنا پڑے گا بنونضیر اور بنو عامر میں بھی حلف وعقد اور آپس میں مصالحت تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف چلے تاکہ کچھ یہ دیں اور کچھ آپ دیں اور بنو عامر کو راضی کر لیا جائے قبیلہ نضیر کی گڑھی مدینہ کی مشرق کی جانب کئی میل کے فاصلہ پر تھی جب آپ یہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہاں حضور ہم موجود ہیں ابھی ابھی جمع کر کے اپنے حصہ کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں ادھر آپ سے ہٹ کر یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اسے بہتر موقعہ کب ہاتھ لگے گا؟ اس وقت آپ قبضہ میں ہیں آؤ کام تمام کر ڈالو چنانچہ یہ مشورہ ہوا کہ جس دیوار سے آپ لگے بیٹھے ہیں اس گھر پر کوئی چڑھ جائے اور وہاں سے بڑا سا پتھر آپ پر پھینک دے کہ آپ دب جائیں عمرو بن حجاش بن کعب اس کام پر مقرر ہوا اس نے آپ کی جان لینے کا بیڑا اٹھایا اور چھت پر چڑھ گیا چاہتا تھا کہ پتھر لڑھکا دے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں چنانچہ آپ فوراً ہٹ گئے اور یہ بدباطن اپنے برے ارادے میں ناکام رہے آپ کے ساتھ اس وقت چند صحابہؓ تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ وغیرہ آپ یہاں سے فوراً مدینہ شریف کی طرف چل پڑے ادھر جو صحابہ آپ کے ساتھ نہ تھے اور مدینہ میں آپ کے منتظر تھے انہیں دیر لگنے کے باعث خیال ہوا اور وہ آپ کو ڈھونڈنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے لیکن ایک شخص سے معلوم ہوا کہ آپ مدینہ شریف پہنچ گئے ہیں چنانچہ یہ لوگ واپس آئے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا واقعہ ہے آپ نے سارا قصہ سنایا اور

حکم دیا کہ جہاد کی تیاری کرو مجاہدین نے کمریں باندھ لیں اور راہ حق میں نکل کھڑے ہوئے یہودیوں نے لشکروں کو دیکھ کر اپنے قلعے کے پھاٹک بند کر لئے اور پناہ گزیں ہو گئے آپ نے محاصرہ کر لیا پھر حکم دیا کہ ان کے کھجور کے درخت جو آس پاس میں ہیں وہ کاٹ دیئے جائیں اور جلا دیئے جائیں اب تو یہود چیخنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ تو زمین میں فساد کرنے سے اوروں کو روکتے تھے اور فسادیوں کو برا بھلا کہتے تھے پھر یہ کیا ہونے لگا؟ پس ادھر تو درخت کاٹنے کا غم اور ادھر جو کمک آنے والی تھی اس کی طرف سے مایوسی ان دونوں چیزوں نے ان یہودیوں کی کمر توڑ دی کمک کا واقعہ یہ ہے کہ بنو عوف بن خزرج کا قبیلہ جس میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور ودیعہ اور مالک بن ابو قوقل اور سوید اور داعس وغیرہ تھے ان لوگوں نے بنونضیر کو کہلوا بھیجا کہ تم مقابلے پر جمے رہو اور قلعہ حوالے نہ کرو ہم تمہاری مدد پر ہیں تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے ہم تمہارے ساتھ مل کر اس سے لڑیں گے اور اگر تم نکلے تو ہم بھی نکلیں گے لیکن اب تک ان کا یہ وعدہ پورا نہ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی ادھر ان کے دل مرعوب ہو گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان بخشی کیجئے ہم مدینہ چھوڑ جاتے ہیں لیکن ہم اپنا جو مال اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں وہ ہمیں دے دیا جائے آپ نے ان پر رحم کھا کر ان کی یہ درخوست منظور فرمالی اور یہ لوگ یہاں سے چلے گئے جاتے وقت اپنے دروازوں تک کو اکھیڑ کر لے گئے گھروں کو گرا گئے اور شام وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے ان کے باقی کے مال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے کہ آپ جس طرح چاہیں انہیں خرچ کریں چنانچہ آپ نے مہاجرین اولین کو یہ مال تقسیم کر دیا ہاں انصار میں سے صرف دو شخصوں کو یعنی سہل بن حنیف اور ابودجانہ سماک بن خرشہ کو دیا اس لئے کہ یہ دونوں حضرات مساکین تھے بنونضیر میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے جن کے مال انہی کے پاس رہے ایک تو یامین بن عمیر جو عمرو بن حجاش کے چچا کے لڑکے کا لڑکا تھا یہ عمرو وہ ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے کا بیڑا اٹھایا تھا دوسرے ابوسعد بن وہب ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یامینؓ سے فرمایا کہ اے یامین تیرے اس چچازاد بھائی نے دیکھ تو میرے ساتھ کس قدر برا برتاؤ کیا اور مجھے نقصان پہنچانے کی کس بے باکی سے کوشش کی حضرت یامینؓ نے ایک شخص کو کچھ دینا کر کے عمرو کو قتل کرا دیا سورہ حشر اسی واقعہ بنونضیر کے بیان میں اتری ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جسے اس میں شک ہو کہ محشر کی زمین شام کا ملک ہے وہ اس آیت کو پڑھ لے ان یہودیوں سے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ تو انہوں نے کہا ہم کہاں جائیں آپ نے فرمایا محشر کی زمین کی طرف حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو جلاوطن کیا تو فرمایا یہ اول حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے ہیں (ابن جریر) بنونضیر کے ان قلعوں کا محاصرہ صرف چھ روز رہا تھا محاصرین کو قلعہ کی مضبوطی یہودیوں کی زیادتی یک جہتی منافقین کی سازشیں اور خفیہ چالیں وغیرہ دیکھ کر ہرگز یہ یقین نہ تھا کہ اس قدر جلد یہ قلعہ خالی کر دیں گے ادھر خود یہود بھی اپنے قلعہ کی مضبوطی پر نازاں تھے اور جانتے تھے کہ وہ ہر طرح محفوظ ہیں لیکن امر اللہ ایسی جگہ سے آ گیا جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی یہی دستور خدا ہے کہ مکار اپنی مکاری ہی میں رہتے ہیں اور بے خبری میں ان پر عذاب خدا آ جاتا ہے ان کے دلوں میں رعب چھا گیا اور بھلا رعب کیوں نہ چھا جاتا محاصرہ کرنے والے وہ تھے جنہیں خدا کی طرف سے رعب دیا گیا تھا کہ دشمن مہینہ بھر کی راہ پر ہو اور وہیں اس کا دل دہلنے لگتا تھا صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ۔ یہودی اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے چھتوں کی لکڑیاں اور دروازے لے جانے کے لئے توڑنے پھوڑنے شروع کر دیئے مقاتل فرماتے ہیں مسلمانوں نے بھی ان کے گھر توڑے اس طرح کہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان کے جو مکانات وغیرہ قبضے میں آتے گئے اسی طرح خود یہود بھی اپنے مکانوں کو آگے سے محفوظ کرتے جاتے تھے اور پیچھے سے نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے پھر فرماتا ہے کہ اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو اور اس خدا سے ڈرو جس کی لاٹھی کی آواز نہیں اگر ان یہودیوں

کے مقدر میں جلاوطنی نہ ہوتی تو انہیں اس سے بھی سخت عذاب کیا جاتا یہ قتل ہوتے اور قید کر لئے جاتے وغیرہ وغیرہ پھر آخرت کے بدترین عذاب بھی ان کے لئے تیار ہیں بنونضیر کی یہ لڑائی جنگ بدر کے چھ ماہ بعد ہوئی مال جو اونٹوں پر لد جائیں انہیں لے جانے کی اجازت تھی مگر ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ تھی یہ اس قبیلے کے لوگ تھے جنہیں اس سے پہلے بھی جلاوطنی ہوئی ہی نہ تھی بقول حضرت عروہ بن زبیرؓ شروع سورت سے فاسقین تک آیتیں اسی واقعہ کے بیان میں نازل ہوئی ہیں جلاء کے معنی قتل وفنا کے بھی کئے گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطنی کے وقت تین تین میں ایک ایک اونٹ اور ایک ایک مشک دی تھی اس فیصلہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کو ان کے پاس بھیجا تھا اور انہیں اجازت تھی کہ تین دن میں اپنا سامان ٹھیک کر کے چلے جائیں اس دنیوی عذاب کے ساتھ اخروی عذاب کا بھی بیان ہو رہا ہے کہ وہاں بھی ان کے لئے حتمی اور لازمی طور پر جہنم کی آگ ہے ان پر اس سختی کی اصل وجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کیا اور ایک اعتبار سے تمام نبیوں کو جھٹلایا اس لئے کہ ہر نبی علیہ السلام نے آپ کی بابت پیشگوئی کی تھی یہ لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے بلکہ اولاد کو ان کا باپ جس طرح پہچانتا ہے اس سے بھی زیادہ یہ لوگ نبی آخر الزمان کو جانتے تھے لیکن تاہم سرکشی اور حسد کی وجہ سے مانا نہیں بلکہ مقاتل پر تل گئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے مخالفوں پر سخت عذاب نازل فرماتا ہے لینۃ کہتے ہیں اچھی کھجوروں کے درختوں کو۔ عجوہ اور برنی جو کھجور کی قسمیں ہیں بقول بعض وہ لینہ میں داخل نہیں اور بعض کہتے ہیں صرف عجوہ نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں ہر قسم کی کھجوریں اس میں داخل ہیں بویرہ بھی داخل ہے یہودیوں نے جو بطور طعنہ کے کہا تھا کہ کھجوروں کے درخت کٹوا کر اپنے قول کے خلاف فعل کر کے زمین فساد کیوں پھیلاتے ہو؟ یہ اس کا جواب ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ حکم رب ہے اور اجازت خدا سے دشمنان خدا کو ذلیل کرنے اور ناکام بنانے اور انہیں پست و بدنصیب کرنے کے لئے ہو رہا ہے جو درخت باقی رکھے جائیں وہ اجازت سے اور جو کاٹے جاتے ہیں وہ بھی مصلحت کے تحت یہ بھی مروی ہے کہ بعض مہاجرین نے بعض کو ان درختوں کے کاٹنے سے منع کیا تھا کہ آخر کو تو یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت ملنے والے ہیں پھر انہیں کیوں کاٹا جائے؟ جس پر یہ آیت اتری کہ روکنے والے بھی حق بہ جانب ہیں اور کاٹنے والے بھی حق پر ہیں ان کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور ان کی نیت کافروں کو غیظ وغضب میں لانے اور انہیں ان کی شرارت کا مزہ چکھانے کی ہے اور یہ بھی ارادہ ہے کہ اس سے جل کر وہ غصے میں بھر کر میدان میں آ جائیں تو دو دو ہاتھ ہو جائیں اور اعداء دین کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے صحابہؓ نے یہ فعل تو کر لیا اور پھر ڈرے کی ایسا نہ ہو کاٹنے میں اور باقی چھوڑنے میں خدا کی طرف سے کوئی مواخذہ ہو تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور یہ آیت نازل ہوئی یعنی دونوں باتوں پر اجر ہے کاٹنے پر بھی اور چھوڑنے پر بھی بعض روایتوں میں ہے کہ کٹوائے بھی اور جلوائے بھی تھے بنوقریظہ کے یہودیوں پر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کیا اور ان کو مدینہ شریف میں ہی رہنے دیا لیکن بالآخر جب یہ لوگ مقابلے پر آئے اور شکست کھائی تو لڑنے والے مرد تو قتل کر دیئے گئے اور عورتیں اور مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہاں جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ایمان لائے وہ بچ رہے پھر مدینہ سے تمام یہودیوں کو نکال دیا گیا بنوقینقاع کو بھی جن میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ تھے اور بنو حارثہ کو بھی اور کل یہودیوں کو جلاوطن کیا ان تمام واقعات کو عرب شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی نہایت خوبی سے ادا کیا ہے جو سیرۃ ابن اسحاق میں مروی ہے یہ واقعہ بقول ابن اسحاق کے احد اور بیر معونہ کے بعد کا ہے اور بقول عروہ بدر کے چھ مہینے بعد کا ہے واللہ اعلم۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۞

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ (اسی طور پر) اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوا دے (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ (بھی) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور آپ کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال) تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے) افعال اور احکام میں بھی تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے ۞

مالِ غنیمت اور اس کا مستحق:

فے کس مال کو کہتے ہیں؟ اس کا حکم کیا ہے؟ اس کی صفت کیا ہے؟ یہ سب یہاں بیان ہو رہا ہے پس فے کافروں کے اس مال کو کہتے ہیں جو ان سے لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آجائے جیسے بنونضیر کا یہ مال تھا جس کا ذکر اوپر گزر چکا کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ اس پر نہیں دوڑائے تھے یعنی ان کفار سے آمنے سامنے کوئی مقابلہ اور لڑائی نہیں ہوئی بلکہ ان کے دل خدا نے اپنے رسول کی ہیبت سے بھر دیئے اور وہ اپنے قلعے خالی کر کے قبضے میں آگئے اسے فے کہتے ہیں اور یہ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا آپ جس طرح چاہیں تصرف کریں پس آپ نے نیکی اور فلاح کے کاموں میں اسے خرچ کیا جس کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے پس فرماتا ہے کہ بنونضیر کا جو مال بطور فے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے نہ تھے بلکہ صرف خدا نے اپنے فضل سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر غلبہ دے دیا تھا اور خدا تعالیٰ پر یہ کیا مشکل ہے؟ وہ تو ہر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے نہ اس پر کسی کا غلبہ نہ اسے کوئی روکنے والا بلکہ سب پر غالب وہی سب اس کے تابع فرمان پھر فرمایا کہ جو شہر اس طرح فتح کئے جائیں ان کے مال کا یہی حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبضے میں کریں گے پھر انہیں دیں گے جن کا بیان آیت میں ہے اور اس کے بعد والی آیت میں ہے یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنونضیر کے مال بطور فے کے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو گئے تھے آپ اس سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا اسے آلات جنگ اور سامان حرب میں خرچ کرتے۔ (سنن مسند وغیرہ) ابو داؤد میں حضرت مالک بن اوس سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھے دن چڑھے بلایا میں گھر گیا تو دیکھا کہ آپ ایک چوکی پر جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری قوم کے چند لوگ آئے ہیں میں نے انہیں کچھ دیا ہے تم اسے لے کر ان میں تقسیم کر دو میں نے کہا اچھا ہوتا اگر

جناب کسی اور کو یہ کام سونپتے آپ نے فرمایا نہیں تم ہی کرو میں نے کہا بہت بہتر اتنے میں آپ کا داروغہ یرفا آیا اور کہا اے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ تشریف لائے ہیں کیا انہیں اجازت ہے آپ نے فرمایا ہاں انہیں آنے دو چنانچہ یہ حضرات تشریف لائے یرفا پھر آیا اور کہا امیر المومنین حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اجازت طلب کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اجازت ہے یہ دونوں حضرات بھی تشریف لائے حضرت عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے یعنی حضرت علیؓ کا تو پہلے جو چاروں بزرگ آئے تھے ان میں سے بھی بعض نے کہا ہاں امیر المومنین ان بزرگوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور انہیں راحت پہنچایئے حضرت مالکؒ فرماتے ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ان چاروں بزرگوں کو ان دونوں حضرات نے ہی اپنے سے پہلے یہاں بھیجا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرو پھر چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں اس خدا کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ان چاروں نے اس کا اقرار کیا[1] پھر آپ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح قسم دے کر ان سے بھی یہی سوال کیا اور انہوں نے بھی اقرار کیا پھر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاصہ بنایا تھا جو کسی کے لئے نہ تھا پھر آپ نے یہی آیت وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ...... پڑھی اور فرمایا بنونضیر کے مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیئے تھے خدا کی قسم نہ تو میں نے تم پر اس میں کسی کو ترجیح دی اور نہ خود ہی اسے لے لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنے اہل کا سال کا خرچ اس میں سے لے لیتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے کر دیتے تھے پھر ان چاروں بزرگوں کو اسی طرح قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں یہ معلوم ہے انہوں نے کہا ہاں پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے بھی اثبات میں جواب دیا پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ والی بنے اور تم دونوں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اے عباس تم تو اپنی قرابت داری جتا کر اپنے چچازاد بھائی کے مال میں سے ورثہ طلب کرتے تھے اور یہ بھی حضرت علیؓ اپنا حق جتا کر اپنی بیوی یعنی حضرت فاطمہؓ کی طرف سے ان کے والد ﷺ کے مال سے ورثہ طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں تم دونوں سے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہمارا ورثہ بانٹا نہیں جاتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ یقیناً راست گو نیکوکار رشد و ہدایت والے اور تابع حق تھے چنانچہ اس مال کی ولایت حضرت الصدیق نے کی آپ کے فوت ہو جانے کے بعد آپ کا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ میں اور وہ مال میری ولایت میں رہا پھر آپ دونوں کے دونوں ایک صلاح سے میرے پاس آئے اور مجھ سے اسے مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگر تم اس شرط سے اس مال کو اپنے قبضے میں کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرچ کرتے تھے تم بھی کرتے رہو گے تو میں تمہیں سونپ دیتا ہوں تم نے اس بات کو قبول کر لیا اور خدا کو بیچ میں دے کر تم نے اس مال کی ولایت لی پھر تم جواب آئے کیا اس کے سوا کوئی اور فیصلہ چاہتے ہو؟ قسم خدا کی قیامت تک اس کے سوا اس کا کوئی اور فیصلہ میں نہیں کر سکتا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق اس مال کی نگرانی اور اس کا صرف نہیں کر سکتے تو اسے پھر لوٹا دو تا کہ میں آپ اسے اسی طرح خرچ کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جس طرح خلافت صدیقی میں اور آج تک ہوتا رہا مسند احمد میں ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کھجوروں کے درخت وغیرہ دے دیا کرتے تھے یہاں تک کہ قریظہ اور بنونضیر کے

---

[1] غالباً سیدنا عمرؓ کو پہلے سے معلوم ہو گا کہ ان حضرات میں اسی مسئلہ پر اختلاف ہو رہا ہے آپ سمجھ گئے کہ اس وقت کا مقصد اسی جھگڑے کے بارے میں گفتگو کرنا ہے۔

اموال آپ کے قبضے میں آئے تو اب آپ نے ان لوگوں کو ان کے دیئے ہوئے مال واپس لینے شروع کئے حضرت انسؓ کو بھی ان کے گھر والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا دیا ہوا بھی سب یا جتنا چاہیں ہمیں واپس کر دیں میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا آپ نے وہ سب واپس کرنے کو فرمایا لیکن آپ یہ سب ام ایمن کو دے چکے تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ سب میرے قبضے سے نکل جائے گا تو انہوں نے آ کر میری گردن میں کپڑا ڈال دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں حضرت تجھے یہ نہیں دیں گے آپ تو مجھے وہ سب کچھ دے چکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ایمن تم نہ گھبراؤ ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ نہ مانیں اور یہی کہے چلی گئیں آپ نے فرمایا اچھا اور اتنا اتنا دیں گے لیکن وہ اب بھی خوش نہ ہوئیں اور وہی فرماتی رہیں آپ نے پھر فرمایا لو ہم تمہیں اتنا اتنا اور دیں گے یہاں تک کہ جتنا انہیں دے رکھا تھا اس سے تقریباً دس گنا زیادہ دینے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب آپ راضی ہو کر خاموش ہو گئیں اور ہمارا مال ہمیں مل گیا یہ فے کا مال جن جگہوں میں صرف ہوگا یہی جگہیں غنیمت کے مال کے صرف کرنے کی بھی ہیں اور سورہ انفال میں ان کی پوری تشریح و توضیح کے ساتھ کامل التفسیر الحمدللہ گزر چکی ہے اس لئے ہم یہاں بیان نہیں کرتے پھر فرماتا ہے کہ مال فے کے یہ مصارف ہم نے اس لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں کہ یہ مال داروں کے ہاتھ لگ کر کہیں ان کا لقمہ نہ بن جائے کہ اپنی خواہشوں کے مطابق وہ اسے اڑائیں اور مسکینوں کے ہاتھ نہ لگے پھر فرماتا ہے کہ جس کام کے کرنے کو میرے پیغمبر تم سے کہیں تم اسے کرو اور جس کام سے وہ تمہیں روکیں تم اس سے رک جاؤ۔

یقین مانو جس کا وہ حکم کرتے ہیں وہ بھلائی کا کام ہوتا ہے اور جس سے وہ روکتے ہیں وہ برائی کا کام ہوتا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک عورت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور کہا آپ گودنے سے یعنی چمڑے پر یا ہاتھوں پر عورتیں سوئی وغیرہ سے گدوا کر جو تلوں کی طرح نشان بنالیتی ہیں اس سے اور بالوں میں بال ملالینے سے جو عورتیں اپنے بالوں کو لمبا ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اس سے منع فرماتے ہیں تو کیا یہ ممانعت کتاب اللہ میں ہے یا حدیث رسول اللہ میں؟ آپ نے فرمایا کتاب میں بھی اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں میں اس ممانعت کو پاتا ہوں اس عورت کہا کہ خدا کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جس قدر قرآن شریف میں ہے میں نے سب پڑھا اور خوب دیکھ بھال کی ہے لیکن میں نے تو کہیں اس ممانعت کو نہیں پایا آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ...... نہیں پڑھی؟ اس نے کہا یہ تو پڑھی ہے فرمایا (قرآن سے ثابت ہوا کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ممانعت رسول قابل عمل ہیں اب سنو) خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے گودنے سے اور بالوں میں بال ملانے سے پیشانی اور چہرے کے بال نوچنے سے منع فرمایا ہے (یہ بھی عورتیں اپنی خوبصورتی ظاہر کرنے کے لئے کرتی ہیں اور اس زمانے میں تو مرد بھی بکثرت کرتے ہیں اس عورت نے کہا حضرت یہ تو آپ کی گھر والیاں بھی کرتی ہیں آپ نے فرمایا جاؤ دیکھ آؤ گئیں اور دیکھ آئیں اور کہنے لگیں معاف کیجئے غلطی ہوئی ان باتوں میں سے کوئی بات آپ کے گھرانے والیوں میں میں نے نہیں دیکھی آپ نے فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ خدا کے نیک بندے (حضرت شعیب علیہ السلام) نے کیا فرمایا تھا: مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (سورہ ہود: ۸۸) یعنی میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں جس چیز سے روکوں خود میں اس کا خلاف کروں مسند احمد اور بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اس عورت پر جو گدوائے اور گودے اور جو پیشانی کے بال لے اور جو خوبصورتی کے لئے اپنے سامنے کے دانتوں کی کشادگی کرے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی پیدائش کو بدلنا چاہے[1] یہ سن کر بنو اسد کی ایک عورت جن کا نام ام یعقوب تھا آپ کے پاس آئی اور پوچھا

[1] اور یقیناً یہ بھی حرام ہے کہ عورتیں اپنے بالوں کی وضع و تراش اور لباس کی قطع و برید مردوں کی طرح کرائیں حیف ان والدین اور شوہروں پر جو صریح حرام کا ارتکاب دیکھتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔

کیا آپ نے اس طرح فرمایا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو قرآن میں موجود ہے اس نے کہا میں نے پورا قرآن جتنا بھی دونوں پٹھوں کے درمیان ہے اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے تو یہ حکم نہیں پایا ہے آپ نے فرمایا اگر تم سوچ سمجھ کر پڑھتیں تو ضرور پاتیں کیا تم نے آیت : مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ...... نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں یہ پڑھی ہے پھر آپ نے وہ حدیث سنائی اس نے آپ کے گھر والوں کی نسبت کہا پھر دیکھ کر آئیں اور عذر خواہی کی اس وقت آپ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسا کرتی تو میں اس سے ملنا چھوڑ دیتا صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم رک جاؤ نسائی میں حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے کدو کے برتن میں اور سبز ٹھلیا میں اور کھجور کی لکڑی کے کریدے ہوئے برتن میں اور رال کی رنگی ہوئی ٹھلیا میں نبیذ بنانے سے یعنی کھجور یا کشمش وغیرہ کے بھگو کر رکھنے سے منع فرمایا پھر اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرماتا ہے کہ عذاب سے بچنے کیلئے اسکے احکام بجالاؤ اور اس کی ممنوعات سے بچتے رہو یاد رکھو کہ اسکی نافرمانی مخالفت انکار کرنے والوں کو اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے کرنے والوں کو وہ سخت سزا دیتا ہے اور دکھ کی مار مارتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ⑧ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ⑨ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩

اور ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اسکے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے آنے سے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو انکے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے ہیں اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (اس مال فے میں حق ہے) جو انکے بعد آئے جو (ان مذکورین فے کے حق میں دعا کرتے ہیں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں ۞

وہ مصارف جہاں غنیمت تقسیم کی جائے:

اوپر بیان ہوا تھا کہ فے کا مال یعنی کافروں کا جو مسلمانوں کے قبضے میں میدان جنگ میں لڑے بھڑے بغیر آ گیا ہو اس کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر آپ یہ مال کسے دیں گے؟ اس کا بیان بھی اوپر ہوا تھا اب ان آیتوں میں بھی انہی مستحقین فے کا مزید بیان ہو رہا ہے کہ اس کے حقدار وہ غریب مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنی قوم کو ناراض کر لیا یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن عزیز اور خون پسینہ ایک کر کے جمع کیا ہوا مال وغیرہ سب چھوڑ کر چل دینا پڑا اللہ کے دین کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت میں وہ برابر مشغول ہیں خدا کے فضل وخوشنودی کے متلاشی ہیں یہی سچے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے فعل اپنے قول کے مطابق کر دکھایا یہ اوصاف سادات مہاجرین میں تھے پھر انصار کی مدح بیان ہو رہی ہے اور ان کی فضیلت شرافت کرم اور بزرگی کا اظہار ہو رہا ہے ان کی کشادہ دلی نیک نفسی ایثار وسخاوت کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے مہاجرت سے پہلے ہی دار الہجرت مدینہ میں اپنی بود و باش رکھی اور ایمان پر قیام رکھا مہاجر پہنچیں اس سے پہلے ہی یہ ایمان لا چکے تھے بلکہ بہت سے تو مہاجرین سے بھی پہلے ایمان لا چکے تھے صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اپنے بعد خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق ادا کرتا رہے ان کی خاطر مدارت میں کمی نہ کرے اور میری وصیت ہے کہ انصار کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ بنائی اور ایمان میں جگہ حاصل کی ان کے اچھے لوگوں کی بھلائیاں قبول کرے اور ان کی خطاؤں سے درگزر اور چشم پوشی کرے ان کی شرافت طبعی ملاحظہ ہو کہ جو بھی راہ خدا میں ہجرت کر کے آئے یہ اپنے دل میں اسے گھر دے دیں اور اپنا جان و مال ان پر سے نثار کرنا اپنا فخر جانتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ جہاجرین نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تو دنیا میں ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے تھوڑے میں سے تھوڑا اور بہت میں سے بہت برابر ہمیں دے رہے ہیں مدتوں سے ہمارا کل خرچ اٹھا رہے ہیں بلکہ ناز برداریاں کر رہے ہیں اور کبھی چہرے پر شکن بھی نہیں بلکہ خدمت کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں دیتے ہیں اور احسان نہیں رکھتے کام کاج خود کریں اور کمائی ہمیں دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا سارا کا سارا اجر انہی کو نہ مل جائے آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک تم ان کی ثنا اور تعریف کرتے رہو گے اور ان کے لئے دعائیں مانگتے رہو گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کو بلا کر فرمایا کہ میں بحرین کا علاقہ تمہارے نام لکھ دیتا ہوں انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دے دیں ہم اسے نہیں لیں گے آپ نے فرمایا اچھا اگر نہیں لیتے تو دیکھو آئندہ بھی صبر کرتے رہنا میرے بعد ایسا وقت آئے گا کہ اوروں کو دیا جائے گا اور تمہیں چھوڑ دیا جائے گا[1] صحیح بخاری شریف میں اور حدیث میں ہے کہ انصاریوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کھجوروں کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے آپ نے فرمایا نہیں پھر فرمایا سنو کام کاج بھی تم ہی کرو اور ہم سب کو تو پیداوار میں شریک رکھو انصار نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ بھی بخوشی منظور ہے پھر فرماتا ہے یہ اپنے دلوں میں کوئی حسد ان مہاجرین کی قدر و منزلت اور ذکر مرتبہ پر نہیں کرتے جو انہیں مل جائے انہیں اس پر رشک نہیں ہوتا اسی مطلب پر اس حدیث کی دلالت بھی ہے جو مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے موجود ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے تھوڑی دیر میں ایک انصاریؓ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنی

[1] مطلب یہ ہے کہ ہمارے ساتھ اتنا اچھا معاملہ کر رہے ہیں جس کی بنا پر ہمارے نیک اعمال کے اجر بھی انہیں کو ملنا چاہئیں آپ نے سمجھایا کہ اگر تم ان کی تعریف کرتے رہو گے تو یہ تمہارا ایک اور حسن عمل ہو گا اور ایک ان کے نیک سلوک کا بہترین بدلہ اس وقت تک تمہارا اجر نیک اعمال کا ضائع نہ ہو گا۔

جوتیاں لئے ہوئے تازہ وضو کر کے آ رہے تھے داڑھی پر پانی ٹپک رہا تھا دوسرے دن بھی اسی طرح ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص اسی طرح آئے تیسرے دن بھی یہی ہوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ آج دیکھتے بھالتے رہے اور جب مجلس نبوی ختم ہوئی اور یہ بزرگ وہاں سے اٹھ کر چلے تو یہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے اور ان انصاری سے کہنے لگے حضرت مجھ میں اور میرے والد میں کچھ بول چال ہوگئی ہے جس میں قسم کھا بیٹھا ہوں کہ تین دن تک اپنے گھر نہیں جاؤں گا پس اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں تو میں یہ تین دن آپ کے ہاں گزاردوں انہوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ تین راتیں ان کے گھر میں گزاریں دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کی کوئی لمبی نماز بھی نہ پڑھتے تھے صرف اتنا کرتے ہیں جب آنکھ کھلے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عظمت اپنے بستر پر ہی لیٹے لیٹے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھیں ہاں یہ ضروری بات تھی کہ میں نے ان کے منہ سے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں سنا جب تین راتیں گزر گئیں تو مجھے ان کا عمل بہت ہی ہلکا سا معلوم ہونے لگا اب میں نے ان سے کہا کہ حضرت دراصل نہ تو میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ایسی بات ہوئی نہ میں نے ناراضگی کے باعث گھر چھوڑا تھا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی آئے تو میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کچھ دن رہوں اور دیکھوں تو سہی کہ آپ ایسی کون سی عبادتیں کرتے ہیں جو زندگی ہی میں مبارک زبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے جنتی ہونے کی یقینی خبر ہم تک پہنچ گئی چنانچہ میں نے یہ بہانہ کیا اور تین دن رات تک آپ کی خدمت میں رہا تا کہ آپ کے اعمال دیکھ کر میں بھی ویسے ہی عمل شروع کردوں لیکن میں نے تو آپ کو نہ تو کوئی نیا اور اہم عمل کرتے ہوئے دیکھا نہ عبادت میں اوروں سے زیادہ بڑھا ہوا دیکھا اب جا رہا ہوں لیکن زبانی ایک سوال ہے کہ آپ ہی بتلائیے آخر وہ کون سا عمل ہے جس نے آپ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جنتی بنایا؟ آپ نے فرمایا بس تم میرے اعمال کو تو دیکھ چکے ان کے سوا اور کوئی خاص پوشیدہ عمل تو ہے نہیں چنانچہ ان سے رخصت ہو کر چلا تھوڑی ہی دور نکلا تھا جو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا ہاں میرا ایک عمل سنتے جاؤ وہ یہ کہ میرے دل میں کبھی کسی مسلمان سے دھوکہ بازی اور حسد اور بغض کا ارادہ بھی نہیں ہوا میں کبھی کسی مسلمان کا بدخواہ نہیں بنا حضرت عبداللہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ بس اب معلوم ہو گیا اسی عمل نے آپ کو اس درجہ تک پہنچایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس کی نہیں امام نسائی نے بھی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے غرض یہ ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کوئی مال وغیرہ دیا جائے اور انہیں نہ ملے تو یہ برا نہیں مانتے تھے بنو نضیر کے مال جب مہاجرین ہی میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے اس میں کلام کیا جس پر آیت: وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ...... اتری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے مہاجرین بھائی بھی مال و اولاد چھوڑ کر تمہاری طرف آتے ہیں انصار نے کہا پھر حضور ہمارا مال ان میں اور ہم میں برابر بانٹ دیجئے آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ نے فرمایا مہاجر کھیت اور باغات کا کام نہیں جانتے تم آپ اپنے مال کو قبضہ میں رکھو خود کام کرو خود باغات میں محنت کرو اور پیداوار میں انہیں شریک کردو انصار نے اسے بھی بہ کشادہ پیشانی منظور کر لیا پھر فرماتا ہے کہ باوجود خود کو حاجت ہونے کے بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی حاجت کو مقدم رکھتے ہیں اپنی ضرورت خواہ باقی رہ جائے لیکن اور مسلمان کی ضرورت جلد پوری ہو جائے یہ ان کی ہر وقت کی تمنا ہے ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ جس کے پاس کمی اور قلت ہو خود کو ضرورت ہو اور پھر صدقہ کرے اس کا صدقہ افضل اور بہتر ہے یہ درجہ ان لوگوں کے درجہ سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر اور جگہ ہے کہ مال کی ضرورت کے باوجود وہ اسے راہ للہ خرچ کرتے ہیں لیکن یہ لوگ تو خود اپنی حاجت ہوتے ہوئے صرف کرتے ہیں محبت ہوتی ہے اور حاجت نہیں ہوتی ہے اس وقت کا خرچ اس

درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ خود کو ضرورت ہو اور پھر بھی راہ للہ دے دینا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا صدقہ اسی قسم کا ہے کہ آپ نے اپنا کل لا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھیر کر دیا آپ نے پوچھا بھی کہ ابو بکر کچھ باقی بھی رکھ آئے ہو؟ جواب دیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھ آیا ہوں اسی طرح وہ واقعہ ہے جو جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ ؓ اور ان کے ساتھیوں کو پیش آیا کہ میدان جہاد میں زخم خوردہ پڑے ہوئے ہیں ریت اور مٹی زخموں میں بھر رہی ہے کراہ رہے ہیں تڑپ رہے ہیں سخت دھوپ پڑ رہی ہے پیاس کی وجہ سے حلق چیخ رہا ہے اتنے میں ایک مسلمان کندھے پر مشک لٹکائے آجاتا ہے اور ان مجروح مجاہدین کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن ایک کہتا ہے اس دوسرے کو پہلے پلاؤ دوسرا کہتا ہے اس تیسرے کو پہلے پلاؤ وہ ابھی تیسرے تک پہنچا ہی نہیں جو ایک شہید ہو جاتا ہے دوسرے کو دیکھتا ہے ۔ وہ بھی پیاسا ہی چل بسا تیسرے کے پاس آتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ وہ بھی سوکھے ہونٹوں ہی خدا سے جاملا[1] اللہ تعالیٰ ان بزرگوں سے خوش ہوا اور انہیں بھی اپنی ذات سے خوش رکھے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت حاجت مند ہوں مجھے کچھ کھلوایئے آپ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس خود کچھ نہیں یہ معلوم کر کے پھر آپ نے اور لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو آج کی رات انہیں مہمان رکھے؟ ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں اپنا مہمان رکھوں گا چنانچہ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں آج گو ہمیں کچھ کھانے کو نہ ملے لیکن یہ بھوکے نہ رہیں بیوی صاحبہ نے کہا آج گھر میں بھی برکت ہے بچوں کے لئے البتہ کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں انصاری نے کہا اچھا بچوں کو تو بہلا پھسلا کر بھوکا سلا دو اور ہم تم دونوں اپنے پیٹ پر کپڑا باندھ کر فاقے سے رات گزار دیں گے کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور دراصل یہ کھائیں گے نہیں چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ شخص انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اور اس کی بیوی کے رات کے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا اور ہنس دیا انہی کے بارے میں آیت وَيُؤْثِرُونَ ..... نازل ہوئی صحیح مسلم کی روایت میں ان انصاری کا نام بھی ہے یعنی ابو طلحہ ؓ پھر فرماتا ہے جو اپنے نفس کی بخیلی حرص اور لالچ سے بچ گیا اس نے نجات پالی مسند احمد اور مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو ظلم سے بچو قیامت کے دن یہ ظلم اندھیریاں بن جائے گا لوگو بخل اور حرص سے بچو یہی وہ چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو برباد کیا اسی کی وجہ سے انہوں نے خونریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنالیا اور سند سے یہ بھی مروی ہے کہ فحش سے بچو اللہ تعالیٰ فحش باتوں اور بے حیائی کے کاموں کو ناپسند کرتا ہے حرص اور بخل کی مذمت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اسی کے باعث اگلوں نے ظلم کئے فسق و فجور کئے اور قطع رحمی کی ابوداؤد وغیرہ میں ہے اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے پیٹ میں جمع ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح بخل اور ایمان بھی کسی بندہ کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے یعنی راہ خدا کی گرد جس پر پڑی وہ جہنم سے آزاد ہو گیا اور جس کے دل میں بخل نے گھر کر لیا اس کے دل میں ایمان کے رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی حضرت عبداللہ ؓ کے پاس آکر ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ کہا قرآن میں تو ہے جو اپنے نفس کے بخل سے بچا دیا گیا اس نے فلاح پالی اور میں تو مال کو بڑا روکنے والا ہوں خرچ کرتے ہوئے دل رکتا ہے آپ نے فرمایا اس کنجوسی کا ذکر اس آیت میں نہیں یہاں مراد بخیلی سے یہ ہے کہ تو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ظلم سے کھا جائے ہاں بخل بمعنی کنجوسی بھی ہے بہت بری

[1] اور یہ خودکشی بھی نہیں اس لئے کہ خودکشی تو وہ ہے جو ارادہ اور خودکشی کی نیت سے ہو یہاں تو سراسر ایثار اخلاص اور دوسرے کو خود پر ترجیح دینے جذبہ تھا جو ہر حال میں خدا تعالیٰ کے یہاں محبوب اور مطلوب ہے۔

چیز (ابن ابی حاتم) حضرت ابوالہیاج اسدی فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک صاحب صرف یہی دعا مانگ رہے ہیں: اَللّٰهُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ خدایا مجھے میرے نفس کی حرص و آز سے بچا لے آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے محفوظ ہو گیا تو نہ پھر زنا ہو سکے گا نہ چوری نہ اور کوئی برا کام اب جو میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے (ابن جریر) ایک حدیث میں ہے جس نے زکوٰۃ ادا کی اور مہمانداری کی اور اللہ کی راہ کے ضروری کاموں میں زیادہ اپنے نفس کے بخل سے دور ہو گیا پھر مال فے کے مستحقین لوگوں کی تیسری قسم کا بیان ہو رہا ہے کہ انصار اور مہاجر کے فقراء کے بعد ان کے تابع جو ان کے بعد کے لوگ ہیں ان میں کے مساکین بھی اس مال کے مستحق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے سے اگلے یا ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں جیسے کہ سورہ برأت میں ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورہ توبہ:۱۰۰) یعنی اول اول سبقت کرنے والے مہاجر و انصار اور ان کے بعد کے وہ لوگ جو احسان میں ان کے متبع ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں یعنی یہ بعد کے لوگ ان اگلوں کے آثار حسنہ اور اوصاف جمیلہ کی اتباع کرنے والے اور انہیں نیک دعاؤں سے یاد رکھنے والے ہیں گویا ظاہر و باطن ان کے تابع ہیں اس دعا سے حضرت امام مالکؒ نے کتنا پاکیزہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کو مال فے سے امام وقت کچھ نہ دے کیونکہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرنے کے بجائے انہیں گالیاں دیتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھو کہ کس طرح قرآن کا خلاف کرتے ہیں قرآن حکم دیتا ہے کہ مہاجر و انصار کے لئے دعائیں کی جائیں اور یہ گالیاں دیتے ہیں پھر یہی آیت آپ نے تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم) اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ امت ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ ان کے پچھلے ان کے پہلوں کو لعنت کریں گے[۲]۔ (بغوی) ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا آیت: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ میں جس مال فے کا بیان ہے وہ تو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی طرح اس کے بعد کی آیت مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى والی نے عام کر دیا ہے تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر دیا ہے اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو سوائے تمہارے غلاموں کے اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے ابن جریر میں ہے حضرت عمر فاروقؓ نے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کو حَكِيْمٌ (سورہ توبہ:۶۰) تک پڑھ کر فرمایا مال زکوٰۃ کے مستحق تو یہ لوگ ہیں پھر: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (سورہ انفال:۴۱) والی پوری آیت پڑھ کر فرمایا مال غنیمت کے مستحق یہ لوگ ہیں پھر یہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ...... پڑھ کر فرمایا مال فے کے مستحقین کا بیان فرماتے ہوئے اس آیت نے تمام مسلمانوں کو اس مال فے کا مستحق کر دیا سب اس کے مستحق ہیں اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھو گے کہ گاؤں کے چرواہے کو بھی اس کا حصہ دوں گا جس کی پیشانی پر اس مال کے حاصل کرنے کے لئے پسینہ تک نہ آیا ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

[۱] اور ظاہر ہے کہ آدمی زنا کرتا ہے اس لئے کہ جائز بیویاں رکھ کر ان کے حقیقی اخراجات برداشت نہیں کر پاتا اور ساتھ ہی حرص و شہوت کا غلبہ بھی اس کا باعث ہوتا ہے چوری کرتا ہے وہ بھی بخل ہی کی وجہ سے کہ اپنا جو مال اس کے پاس ہے اس کو خرچ نہ کرے اور دوسروں کے اموال پر نظر رکھے مگر فقیر محشی کی رائے ہے کہ یہ دعا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے حالات کے پیش نظر فرمائی کیونکہ وہ زبردست رئیس اور متمول شخص تھے اور ظاہر ہے کہ ایک مالدار میں عموماً برائیاں بخل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یا حرص کی بنا پر اس لئے اس دعا کی عام توجیہ کرنا زیادہ بہتر نہیں۔

[۲] اور آج بھی ہو رہا ہے کہ پچھلے اگلوں کو برا کہہ رہے ہیں یہ انکار حدیث اور اسی طرح کے دوسرے فتنے بنیاد سب کو اگلوں کو برا کہنے ہی پر ہے۔

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع

کیا آپ نے ان منافقین (عبداللہ بن ابی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنی نضیر سے) کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کا کبھی کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہو تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بفرض محال ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہوگی بے شک تم لوگوں کا خوف ان (منافقین) کے دلوں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اور) یہ ان کا تم سے ڈرنا خدا سے ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ وشہر پناہ) کی آڑ میں ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے اے مخاطب تو ان کو (ظاہر میں) متفق خیال کرتا ہے حالانکہ اب ان کے قلوب غیر متفق ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کی عقل نہیں رکھتے ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو (دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی) ان کے دردناک عذاب ہونے والا ہے شیطان کی سی مثال ہے کہ اول تو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس وقت

صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے (ایک گمراہ کرنے کی وجہ سے دوسرا ہونے کی وجہ سے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے ○

منافقین کی سیہ کاریاں:

عبداللہ بن ابی اور اسی جیسے منافقین کی چالبازی اور عیاری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں بنو نضیر کے یہودیوں کو تھپک کر جھوٹا دلاسا دلا کر غلط وعدہ کر کے مسلمانوں سے بھڑا دیا ان سے وعدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں لڑنے میں تمہاری مدد کریں گے اور تم ہار گئے اور مدینہ سے دیس نکالا ملا تو ہم بھی تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑیں گے لیکن بوقت وعدہ ہی ایفا کرنے کی نیت نہ تھی اور یہ بھی کہ اتنا حوصلہ ہی نہیں کہ ایسا کر سکیں نہ لڑائی میں کی ان مدد کر سکیں نہ برے وقت ان کا ساتھ دیں[1] اگر بدنامی کے خیال سے میدان میں آ بھی جائیں تو یہاں آتے ہی تیر و تلوار کی صورت دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور نامردی کے ساتھ بھاگتے ہی بن پڑے پھر مستقل طور پیش گوئی فرماتا ہے کہ ان کی تمہارے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی یہ خدا سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم سے خوف کھاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ بھی ارشاد ہے:
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (سورہ نساء:۷۷) یعنی ان کا ایک فریق لوگوں سے اتنا ڈرتا ہے جتنا اللہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ بات یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں[2] ان کی نامردی اور بزدلی کی یہ حالت ہے کہ میدان کی لڑائی کبھی نہیں لڑ سکتے ہاں اگر مضبوط اور محفوظ قلعوں میں بیٹھے ہوئے ہوں یا مورچوں کی آڑ میں چھپ کر کچھ کاروائی کرنے کا موقعہ ہو تو خیر بسبب ضرورت کے کر گزریں گے لیکن میدان میں آ کر بہادری کے جوہر دکھانا یہ ان کا کام نہیں یہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں جیسا کہ دوسرے کے موقعہ پر ارشاد ہے وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (سورہ انعام:۶۵) بعض کو بعض سے لڑائی کا مزہ چکھاتا ہے تم انہیں مجتمع اور متفق و متحد سمجھ رہے ہو لیکن دراصل متفرق و مختلف ہیں ایک کا دل دوسرے سے نہیں ملتا منافق اپنی جگہ اور اہل کتاب اپنی جگہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں وجہ یہ ہے کہ بے عقل لوگ ہیں پھر فرمایا ان کی مثال ان سے کچھ ہی پہلے کے کافروں جیسی ہے جنہوں نے یہاں بھی اپنے کئے کا بدلہ بھگتا اور وہاں کا بھگتنا ابھی باقی ہے اس سے مراد یا تو کفار قریش ہیں کہ بدر والے دن ان کی کمر کبڑی ہو گئی اور سخت نقصان اٹھا کر کشتوں کے پشتے چھوڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے یا بنو قینقاع کے یہود ہیں کہ وہ بھی شرارت پر اتر آئے خدا نے ان پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینہ سے خارج البلد کر دیا یہ دونوں واقعے ابھی ابھی کے ہیں اور تمہاری عبرت کا صحیح سبق ہیں لیکن اس وقت کہ کوئی عبرت حاصل کرنے والا انجام کو سوچنے والا ہو بھی زیادہ مناسب مقام بنو قینقاع کے یہود کا واقعہ ہی ہے واللہ اعلم۔ منافقین کے وعدوں پر ان یہودیوں کا شرارت پر آمادہ ہونا اور ان کے بھرے میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالنا پھر ان منافقین کا انہیں موقع پر کام نہ آنا لڑائی کے وقت مدد نہ پہنچانا نہ جلاوطنی میں ساتھ دینا ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو شیطان بھی اسی طرح انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے اور جب یہ کفر کر چکتا ہے تو خود بھی اسے ملامت کرتا ہے اور اپنا اللہ والا ظاہر کرنے لگتا ہے اسی مثال کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا ساٹھ سال اسے عبادت میں گزر چکے تھے شیطان نے اسے ورغلانا چاہا لیکن وہ قابو میں نہ آیا اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر

[1] اور یہ کچھ مسلمانوں کی حمایت میں نہ تھا کہ اس طرح وہ یہود کو مسلمانوں سے لڑا دیں اور ان کی امداد نہ کر کے میدان جنگ میں تنہا شکست کھانے کے لئے مسلمانوں کے مقابلہ میں چھوڑ دیں اس لئے کہ منافقین کو اپنے نفاق کی وجہ سے نہ مسلمانوں سے دلچسپی تھی اور نہ کسی اور سے آیات میں پس نفاق کی اسی مذموم خصلت کو بتاتا ہے۔

[2] اور بے سمجھی ہی کی بنا پر جس سے ڈرنا چاہئے اس سے ڈرتے نہیں اور جن سے نہ ڈرنا چاہئے ان سے ڈرتے ہیں۔

کیا کہ گویا اسے جنات ستا رہے ہیں ادھر اس عورت کے بھائیوں کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج اسی عابد سے ہو سکتا ہے یہ اس عورت کو اس عابد کے پاس لائے اس نے علاج معالجہ یعنی دم کرنا وغیرہ شروع کیا اور یہ عورت یہیں رہنے لگی۔ ایک دن عابد اس کے پاس ہی تھا جو شیطان نے اس کے خیالات خراب کرنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا اور وہ عورت حاملہ ہو گئی اب رسوائی کے خوف سے شیطان نے چھٹکارے کی یہ صورت بتلائی کہ اس عورت کو مار ڈال ورنہ راز کھل جائے گا چنانچہ اس نے اسے قتل کر ڈالا ادھر اس نے جا کر عورت کے بھائیوں کو شک دلوایا وہ دوڑے ہوئے آئے شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا وہ لوگ آ رہے ہیں عزت بھی جائے گی اور جان بھی جائے گی اگر مجھے خوش کر لے اور میرا کہا مان لے تو عزت اور ایمان دونوں بچ سکتی ہیں اس نے کہا جس طرح تو چاہے میں تیار ہوں شیطان نے کہا مجھے سجدہ کر عابد نے اسے سجدہ کر لیا یہ کہنے لگا تف ہے تجھ پر کم بخت میں تو اب تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے (ابن جریر) ایک اور روایت میں اسی طرح ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ کے نیچے رات گزارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا اور اس سے زنا کر بیٹھا اسے حمل رہ گیا شیطان نے راہب کے دل میں ڈالی کہ اب بڑی رسوائی ہو گی اس سے بہتر یہ ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو انکار کر دینا بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے؟ اس کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی ایک روز رات کے وقت موقعہ پا کر اس عورت کو جان سے مار ڈالا اور کسی اجڑی جگہ زمین میں دبا دیا اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ کہہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتا دی صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا آج کی رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کر دوں دوسروں نے کہا نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ اس کی لاش دبا آیا ہے ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے چنانچہ انہوں نے جا کر حکومت کو اطلاع دی اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو اس خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی کامل ثبوت کے بعد اب اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے یہ سب میرے کئے کام ہیں اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا اس نے کہا جو تو کہے کہا مجھے سجدہ کر لے اس نے یہ بھی کر دیا پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تو تجھ سے بری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے ڈرتا ہوں چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کر دیا گیا مشہور ہے کہ اس پادری کا نام برصیصا تھا حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ طاؤس مقاتل بن حیانؒ وغیرہ سے یہ قصہ مختلف الفاظ سے کمی بیشی کے ساتھ منقول ہے واللہ اعلم۔ اس کے بالکل برعکس جریج عابد کا قصہ ہے کہ ایک بدکار عورت نے ان پر تہمت لگا دی کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور یہ بچہ جو مجھے ہوا ہے وہ اسی کا ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت جریج کے عبادت خانے کو گھیر لیا اور نہایت بے ادبی سے زدوکوب کرتے ہوئے گالیاں دیتے ہوئے باہر لے آئے عبادت خانے کو ڈھا دیا یہ بے چارے گھبرائے ہوئے ہر چند پوچھتے ہیں کہ آخر واقعہ کیا ہے؟ لیکن مجمع آپے سے باہر آخر کسی نے کہا کہ دشمن خدا اولیاء اللہ کے لباس میں یہ شیطانی حرکت؟ اس عورت سے تو نے بدکاری کی حضرت جریج نے فرمایا اچھا ٹھہرو صبر کرو اس بچہ کو لاؤ چنانچہ وہ دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ لایا گیا حضرت جریج نے اپنی عزت کی بقا کی خدا سے دعا کی پھر اس بچے سے پوچھا اے بچے بتلا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے کو خدا نے اپنے ولی کی عزت بچانے کے لئے اپنی قدرت سے گویائی کی قوت عطا کی اور اس نے صاف فصیح

زبان میں اونچی آواز سے کہا میرا باپ ایک چرواہا ہے یہ سنتے ہی بنی اسرائیل کے ہوش جاتے رہے یہ اس بزرگ کے سامنے معذرت کرنے لگے معافی مانگنے لگے انہوں نے کہا بس اب مجھے چھوڑ دو لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی عبادت گاہ سونے کی بنا دیتے ہیں آپ نے فرمایا بس اسے جیسی وہ تھی ویسے ہی رہنے دو[1] پھر فرماتا ہے کہ آخر انجام کفر کے کرنے اور حکم دینے والے کا یہی ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوئے ہر ظالم اپنے ظلم کی سزا پا ہی لیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو تمہاری سب خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا ہے یہی لوگ نافرمان ہیں اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب ہیں ○

محاسبۂ اعمال:

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ ہم دن چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ آئے جو ننگے بدن اور کھلے پیر تھے صرف چادروں یا عباؤں سے بدن چھپائے ہوئے تلواریں گردنوں میں حمائل کئے ہوئے تھے اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر میں سے تھے ان کی اس فقر و فاقہ کی حالت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی رنگت کو متغیر کر دیا تھا آپ گھر میں گئے پھر باہر آئے پھر حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم دیا اذان ہوئی پھر اقامت ہوئی آپ نے نماز پڑھائی[2]۔ پھر خطبہ شروع کیا اور آیت :يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم...... (سورہ نساء:۲) تلاوت کی پھر سورہ حشر کی آیت :وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ...... پڑھی اور لوگوں کو خیرات دینے کی رغبت دلائی جس پر لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا بہت سے درہم دینار کپڑے لتے گیہوں کھجوریں وغیرہ آ گئیں آپ برابر تقریر کئے جاتے تھے یہاں تک کہ فرمایا اگر آدھی کھجور بھی دے سکتے ہو تو لے آؤ ایک انصاری ایک تھیلی نقدی بھری ہوئی بہت وزنی جسے بمشکل اٹھا سکتے تھے لے آئے پھر تو لوگوں نے تابڑ توڑ جو پایا لانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ہر چیز کے ڈھیر لگ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اداس چہرہ اب کھل گیا اور مثل سونے کے چمکنے لگا اور آپ نے فرمایا جو بھی کسی اسلامی کار خیر کو شروع کرے اسے اپنا بھی اور اس کے بعد جو بھی اس

[1] اور یہ سب واقعات صحت ان کی بہر حال مشکوک ہے تاہم واقعات کی اصل روح یعنی شیطان کا انسان سے برے کام کرانا اور پھر جدا ہو جانا اور خدا تعالیٰ کا نیک کام کرانا اور مصائب سے اپنے بندوں کو نکالنا ایک حقیقت ہے۔

[2] حدیث میں تصریح نہیں کہ یہ نماز کون سی تھی بہر حال یہ کوئی وقتی نماز ہوگی کیونکہ کسی دوسری نماز کیلئے با قاعدہ اذان و اقامت اور جماعت مشروع نہیں۔

کام کو کریں سب کا بدلہ ملتا ہے لیکن بعد والوں کے اجر گھٹ کر نہیں[1]۔ اسی طرح جو اسلام میں کسی برے اور خلاف شرع طریقے کو جاری کرے اس پر اس کا اپنا گناہ بھی ہوتا ہے اور پھر جتنے لوگ اس پر کاربند ہوں سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی اسے بھی ملتا ہے مگر ان کے گناہ مٹتے نہیں (مسلم) آیت میں پہلے حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی صورت پیدا کرو یعنی اس کے احکام بجالا کر اور اس کی نافرمانیوں سے بچ کر پھر فرمان ہے کہ وقت سے پہلے اپنا حساب آپ لیا کرو دیکھتے رہو کہ قیامت کے دن جب خدا کے سامنے پیش ہو گے تب کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا کچھ حصہ ذخیرہ تمہارے پاس ہے پھر تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اعمال واحوال سے اللہ تعالیٰ پورا باخبر ہے نہ کوئی چھوٹا سا کام اس سے پوشیدہ ہے نہ بڑا نہ چھپا نہ کھلا پھر فرمان ہے کہ اللہ کے ذکر کو نہ بھولو ورنہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں نفع دینے والے ہیں بھلا دے گا اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی کی جنس سے ہوتا ہے اسی لئے فرمایا کہ یہی لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے والے اور قیامت کے دن نقصان پانے والے اور ہلاکت میں پڑنے والے یہی لوگ ہیں جیسے اور جگہ ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (سورہ منافقون:۹) مسلمانو! تمہیں تمہارے مال واولاد یاد خدا سے غافل نہ کریں جو ایسا کریں وہ سخت زیاں کار ہیں طبرانی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک خطبہ کا مختصر سا حصہ یہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے؟ کہ صبح و شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو[2] پس تمہیں چاہئے کہ اپنی زندگی کے اوقات اللہ عزوجل کی فرمانبرداری میں گزارو اور اس مقصد کو بجز اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے صرف اپنی طاقت وقوت سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا جن لوگوں نے اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے سوا اور کاموں میں کھپائی ان جیسے تم نہ ہونا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان جیسا ہونے سے منع فرمایا ہے: لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ خیال کرو کہ تمہاری جان پہچان کے تمہارے بھائی آج کہاں ہیں؟ انہوں نے اپنے گزشتہ ایام میں جو اعمال کئے تھے ان کا بدلہ لینے یا ان کی سزا بھگتنے کے لئے وہ دربار خدا میں جا پہنچے یا تو انہوں نے سعادت اور خوش نصیبی پائی یا نامرادی اور شقاوت حاصل کر لی کہاں ہیں وہ سرکش لوگ جنہوں نے بارونق شہر بسائے اور ان کے مضبوط قلعے کھڑے کئے آج وہ قبروں کے گڑھوں میں پتھروں تلے دبے پڑے ہیں یہ ہے کتاب اللہ قرآن کریم تم اس نور سے روشنی حاصل کرو جو تمہیں قیامت کے دن کی اندھیریوں میں کام آسکے اس کی خوبی بیان سے عبرت حاصل کرو اور بن سنور جاؤ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (سورہ انبیاء:۹۰) یعنی وہ نیک کاموں میں سبقت کرتے تھے اور بڑے لالچ اور سخت خوف کے ساتھ ہم سے دعائیں کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے جاتے تھے سنو وہ بات بھلائی سے خالی ہے جس سے خدا کی رضامندی مقصود نہ ہو وہ مال خیر و برکت والا نہیں جو خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا جاتا ہو وہ شخص نیک بختی سے دور ہے جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو اسی طرح وہ شخص بھی نیکی سے خالی ہاتھ ہے جو اللہ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی سے خوف کھائے اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں گو اس کے ایک راوی نعیم بن نحمہ ثقاہت یا عدم ثقاہت سے معروف نہیں لیکن امام ابوداؤد سجستانیؒ کا یہ فیصلہ کافی

[1] یعنی بعد والوں کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ ابتدا کرنے والوں کو ملا تھا حدیث کے آخر میں گناہ کے متعلق اور اس کے عذاب سے متعلق ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے۔

[2] یعنی موت سے قریب ہوا ہو۔

ہے کہ جریر بن عثمانؒ کے تمام استاد ثقہ ہیں اور یہ بھی آپ ہی کے اساتذہ میں سے ہیں اور اس خطبہ کے اور شواہد بھی ہیں واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی اور جنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یکساں نہیں جیسے فرمان ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... (سورہ جاثیہ:۲۱) کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں باایمان نیک کار لوگوں کے مثل کر دیں گے ان کا جینا اور مرنا یکساں ہے ان کا یہ دعویٰ غلط اور برا ہے اور جگہ ہے وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ...... (سورہ مومن:۱۹) اندھا اور دیکھتا ایماندار صالح اور بدکار برابر نہیں تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کر رہے ہو اور فرمان ہے اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... (سورہ ص:۲۸) کیا ہم ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں جیسا کر دیں گے یا پرہیزگاروں کو مثل فاجروں کے کر دیں گے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ نیکوکار لوگوں کا اکرام ہوگا اور بدکار لوگوں کی رسوائی ہوگی یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی لوگ کامیاب اور فلاح ونجات یافتہ ہیں اللہ عزوجل کے عذاب سے یہ بال بال بچ جائیں گے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

(اور اہل نار ناکام ہیں) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے (نفع کے) لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بننے کے لائق نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں) سے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ (جس کی شان یہ ہے) لوگوں کے شرک سے پاک ہے وہ معبود (برحق) ہے پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے (یعنی ہر چیز کو حکمت سے موافق بناتا ہے) صورت بنانے والا اس کے اچھے اچھے نام ہیں سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے ۝

قرآنِ عظیم:

قرآن کریم کی عظمت بیان ہو رہی ہے کہ فی الواقع یہ پاک کتاب اس قدر بلند مرتبہ ہے کہ دل اس کے سامنے جھک جائیں رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے کلیجے کپکپا جائیں اس کے سچے وعدے اور اس کی حقانی ڈانٹ ہر ہر سننے والے کو تھرا دے اور دربار خدا میں سربسجود کر دے اگر یہ قرآن جناب باری کسی سخت بلند اور اونچے پہاڑ پر بھی نازل فرماتا[1] اور اسے غور وفکر اور فہم وفراست کی حس بھی دیتا تا کہ وہ سمجھ لے تو وہ بھی اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا پھر انسانوں کے دلوں پر جو نسبتاً بہت نرم اور چھوٹے ہیں جنہیں پوری سمجھ بوجھ ہے اس کا بہت بڑا اثر پڑنا چاہئے ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے ان کے غور وفکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو بھی ڈر اور عاجزی چاہئے حدیث میں ہے کہ منبر تیار ہونے سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بن گیا بچھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور وہ تنا دور ہو گیا تو اس میں سے رونے کی آواز آنے لگی اور اس طرح سسکیاں لے لے کر وہ رونے لگا جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہے اور اسے چپ کرایا جا رہا ہو کیونکہ اسے اس ذکر اور وحی کے سننے سے کچھ دوری ہو گئی امام حسن بصریؒ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے تھے کہ لوگو ایک کھجور کا تنا اس قدر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شائق ہو تو تمہیں چاہئے کہ اس سے آگے رہو اور جگہ فرمان خدا ہے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ (سورہ رعد:۳۱) یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے باعث پہاڑ چلا دیئے جائیں یا زمین کاٹ دی جائے یا مردے بول پڑیں تو اس کے قابل یہی قرآن تھا مگر پھر بھی ان کفار کو ایمان نصیب نہ ہوتا دوسری جگہ فرمان عالی شان ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (سورہ بقرہ:۷۴) یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جن میں سے نہریں بہہ نکلتی ہیں بعض وہ ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلتا ہے بعض خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی پالنے اور پرورش کرنے والا ہے نہ اس کے سوا کسی کی ایسی ذات ہے کہ اس کی کسی قسم کی عبادت کرے کوئی اس کے سوا جن جن کی لوگ پرستش اور پوجا کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں وہ تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے جو چیزیں ہم پر ظاہر ہیں اور جو چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں سب اس پر عیاں ہیں خواہ بڑی ہوں یہاں تک کہ اندھیریوں کے ذرے بھی اس پر ظاہر ہیں وہ اتنی بڑی وسیع رحمت والا ہے اس کی رحمت تمام مخلوق پر شامل ہے وہ دنیا اور آخرت میں رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے ہماری تفسیر کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے :وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (سورہ اعراف:۱۵۶) میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے ایک اور موقع پر فرمان ہے : كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (سورہ انعام:۵۴) تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم و رحمت لکھ لی ہے اور فرمان ہے :قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورہ یونس:۵۸) کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ ہی خوش ہونا چاہئے تمہاری جمع کردہ چیز سے بہتر یہی ہے اس مالک رب معبود کے سوا اور کوئی اوصاف والا نہیں تمام چیزوں کا تنہا وہی مالک ومختار ہے ہر چیز پر قبضہ اور تصرف کرنے والا بھی وہی ہے کوئی نہیں جو اس کی مزاحمت یا مدافعت کر سکے یا اسے ممانعت کر سکے وہ قدوس ہے یعنی ظاہر ہے مبارک ذاتی اور صفاتی نقصانات سے پاک ہے تمام بلند مرتبہ فرشتے اور سب کی سب اعلیٰ مخلوق اس کی تسبیح وتقدیس میں علی الدوام مشغول ہے کل عیبوں اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اپنے افعال میں بھی اس کی ذات ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے وہ مومن ہے یعنی تمام مخلوق کو اس نے اس بات سے بے خوف رکھا ہے کہ ان پر کسی طرح کا کسی وقت اپنی طرف سے ظلم ہو اس نے یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو

[1] حالانکہ پہاڑ کی بے حسی مشہور ہے تاہم اگر بقدر ضرورت اس کو فہم عطا کر کے پھر اس پر قرآن عظیم نازل ہوتا تو جلالت سے اس کے پرخچے اڑ جاتے۔

امن دے رکھا ہے اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے وہ مہیمن ہے یعنی اپنی تمام مخلوق کے کل اعمال کا ہر وقت یکساں طور پر رحیم ہے اور نگہبان ہے جیسے فرمان ہے: وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (سورہ مجادلہ:۶) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد اور نگہبان ہے اور جگہ فرمان ہے: ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ (سورہ یونس:۴۶) اللہ تعالیٰ ان کے تمام افعال پر گواہ ہے اور جگہ فرمایا: اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ...... (سورہ رعد:۳۳) مطلب یہ ہے کہ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے اسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے وہ عزیز ہے ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے کل مخلوق پر وہ غالب ہے پس اس کی عزت' عظمت' جبروت' کبریائی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا وہ جبار اور متکبر ہے جبریت اور تکبر صرف اسی کی شایان شان ہے صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عظمت میرا تہبند ہے اور کبریائی میری چادر[1] ہے جو مجھ سے ان دونوں میں سے کسی کو چھیننا چاہے گا میں اسے عذاب دوں گا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جس چیز پر چاہے رکھ سکتا ہے کل کاموں کی اصلاح اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر برائی سے نفرت اور دوری رکھنے والا ہے جو لوگ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ ان سب سے بیزار ہے اس کی خدائی شرکت سے مبرا ہے اللہ تعالیٰ خالق ہے یعنی مقدر کرنے والا ہے پھر باری ہے یعنی اسے جاری اور ظاہر کرنے والا ہے کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفید دونوں پر قادر ہو جو چاہے اندازہ مقرر کرے اور پھر اسی کے مطابق اسے چلائے بھی کبھی بھی اس میں فرق نہ آنے دے بہت سے ترتیب دینے والے اور اندازہ کرنے والے جو پھر اسے جاری کرنے اور اسی کے مطابق برابر جاری رکھنے پر قادر نہیں تقدیر کے ساتھ ایجاد اور تنفید پر بھی قدرت رکھنے والی بھی اللہ ہی کی ذات ہے پس خلق سے مراد تقدیر اور برو سے مراد تنفیذ ہے عرب میں یہ الفاظ ان معنوں میں برابر بطور مثال کے بھی مروج ہیں اسی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی طرح اسی صورت میں ہو جاتی ہے جیسے فرمان ہے: فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (سورہ انفطار:۸) جس صورت میں اس نے چاہا تجھے ترکیب دی اس لئے یہاں فرماتا ہے وہ مصور ہے یعنی جس کی ایجاد جس طرح چاہتا ہے کر گزرتا ہے پیارے پیارے اور بزرگتر ناموں والا وہی ہے سورہ اعراف میں اس جملہ کی تفسیر گزر چکی ہے جو بخاری مسلم میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ موجود ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جو انہیں شمار کرے یاد رکھ لے وہ جنت میں داخل ہو گا وہ وتر ہے یعنی واحد ہے اور اکائی کو دوست[2] رکھتا ہے ترمذی میں ان ناموں کی صراحت آئی ہے جو نام یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں صرف معبود برحق وہی ہے اور وہی ...... رحمن، رحیم، ملک، قدوس، سلام، مومن، مهیمن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری، مصور، غفار، وهاب، رزاق، فتاح علیم، قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مذل، سمیع، بصیر، حکم، عدل، لطیف، خبیر، حلیم، عظیم، غفور، شکور، علی، کبیر، حفیظ، مقیت، حسیب، جلیل، کریم، رقیب، مجیب، واسع، حیکم، ودود، مجید، باعث، شهید، حق، وکیل، قوی، متین، ولی، حمید، محصی، مبدی، معید، مخی، ممیت، حی، قیوم، واجد، ماجد، واحد، صمد، قادر، مقتدر مقدم، موخر، اول، آخر، ظاهر، باطن، والی، متعال، بر، تواب، منتقم، عفو، رؤف، مالك الملك، ذوالجلال والاکرام، مقسط، جامع، غنی، مغنی، معطی، مانع، ضار، نافع، نور، هادی، بدیع، باقی، وارث، رشید، صبور۔ ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں کچھ تقدیم تاخیر کی زیادتی بھی ہے الغرض ان تمام حدیثوں کا ذکر

---

[1] اور اس طرح چادر اور تہبند ہی کے جسم سے متصل ہوتے ہیں ایسے ہی یہ صفات بس مجھ ہی سے متصل اور متعلق ہونی چاہئیں۔

[2] صرف اور اسی وجہ سے نام بھی پورے سو نہیں بلکہ عدد طاق ان میں اختیار فرمایا۔

سورہ اعراف میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے باقی سب کو دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں آسمان وزمین کی کُل چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں جیسے دوسری جگہ فرمان ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل:۴۴) اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان میں جو مخلوق ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے وہ عزیز ہے اس کی حکمت والی سرکار اپنے احکام اور تقدیر کے معاملہ میں ایسی نہیں کہ کسی طرح کی کمی نکالی جائے یا کوئی اعتراض قائم کیا جا سکے مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر سورہ حشر کے آخر کی (ان) تین آیتوں کو پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے وہ بھی اسی حکم میں ہے ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے غریب بتاتے ہیں۔

تفسیر سورہ ممتحنہ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۱۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آ چکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہار عداوت یہ کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ دنیوی اضرار یہ ہے کہ) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہی ہو جاؤ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے کام نہ آئیں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے ○

کفار سے ترکِ تعلق :

حضرت حاطب بن ابوبلتعہؓ کے بارے میں اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی ہیں واقعہ یہ ہوا کہ حضرت حاطب مہاجرین میں سے تھے بدر کی لڑائی میں بھی آپ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی ان کے بال بچے اور مال و دولت مکہ ہی میں تھا اور خود قریش میں سے نہ تھے صرف حضرت عثمانؓ کے حلیف تھے اس وجہ سے مکہ میں انہیں امن حاصل تھا اب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں تھے یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو آپ کی خواہش تھی کہ ان پر اچانک حملہ کیا جائے تاکہ خونریزی نہ ہونے پائے اور مکہ شریف پر قبضہ ہو جائے اسی لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے پہنچنے تک مکہ کو نہ پہنچیں ادھر آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا حضرت حاطبؓ نے اس موقعہ پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشیہ عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے اور مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر درج تھی آپ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش پر رہ جائے جس کے باعث میرے بال بچے اور مال و دولت محفوظ رہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو چکی تھی ناممکن تھا کہ قریشیوں کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادے کا علم ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے راستے میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا یہ مفصل واقعہ صحیح حدیثوں میں آ چکا ہے مسند احمد میں ہے حضرت علی کو اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو روضہ خاخ میں تم جب پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے تم اسے قبضہ میں کرو اور یہاں لے آؤ ہم دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے روضہ خاخ میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہم نے کہا تو غلط کہتی ہے تیرے پاس خط یقیناً ہے اگر تو نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جبراً وہ خط تجھ سے چھینیں گے اب تو وہ سٹ پٹائی اور آخر اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں وہ پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کر دیا ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطبؓ نے اسے لکھا ہے اور یہاں کے حالات کی اطلاع دی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں سے بھی کفار مکہ کو آگاہ کیا ہے آپ نے کہا حاطبؓ یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطبؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نہ کیجئے میری بھی سن لیجئے میں قریشیوں سے ملا ہوا تھا خود قریشیوں میں سے نہ تھا پھر آپ پر ایمان لا کر آپ کے ساتھ ہجرت کی جتنے اور مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جو

ان کے بال بچے وغیرہ مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے اس لئے میں نے چاہا کہ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک و احسان کر دوں جس سے میرے بچوں کی حفاظت وہ کریں اور جس طرح اوروں سے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کوئی کفر نہیں کیا نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں بس اس خط کی وجہ صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو تم سے جو واقعہ حاطب بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بحرف سچا ہے کہ اپنے نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے نہ کہ مسلمانوں کو نقصان یا کفار کی مدد کرنا ان کے پیش نظر ہو حضرت فاروق اعظمؓ اس موقع پر موجود تھے اور یہ واقعات آپ کے سامنے ہوئے آپ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں اور بدر والوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا[1] یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے صحیح بخاری شریف میں کتاب المغازی میں اتنا اور بھی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری اور کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسی بارے میں آیت :یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان حضرت عمرؓ کا ہے یا حدیث میں ہے امام علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں حضرت سفیانؒ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیان نے فرمایا یہ لوگوں کی بات میں ہے میں نے اسے عمروؒ سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا اور میرا خیال ہے کہ میرے سوا کسی اور نے اسے حفظ بھی نہیں رکھا بخاری مسلم کی ایک روایت میں حضرت مقداد کے نام کے بعد حضرت ابومرثدؓ کا نام ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حضرت حاطبؓ کا خط ہے اس عورت کی سواری کو بٹھا کر اس کے انکار پر ہر چند ٹٹولتے ہیں لیکن کوئی پرچہ ہاتھ نہیں لگتا آخر ہم عاجز آ گئے اور کہیں سے پرچہ نہ ملا تو ہم نے اس عورت سے کہا کہ اس میں تو مطلق شک نہیں کہ تیرے پاس پرچہ ہے گو ہمیں نہیں ملتا لیکن تیرے پاس ہے ضرور یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط ہو اب اگر تو نہیں دیتی تو تیرے کپڑے اتار کر ٹٹولیں گے جب اس نے دیکھ لیا کہ انہیں پختہ یقین ہے اور یہ لئے بغیر نہ ٹلیں گے تو اس نے اپنا سر کھول کر اپنے بالوں میں سے پرچہ نکال کر ہمیں دے دیا ہم اسے لے کر واپس خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ دیکھ سن کر فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت کی مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطبؓ سے دریافت کیا اور انہوں نے وہ جواب دیا جو اوپر گزر چکا ہے آپ نے سب سے فرما دیا کہ انہیں کچھ نہ کہو اور حضرت عمرؓ سے بھی وہ فرمایا جو پہلے بیان ہوا کہ بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت واجب کر دی جسے سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کو اور اس کے رسول کو ہی کامل علم ہے یہ حدیث ان الفاظ میں صحیح بخاری کتاب المغازی میں غزوہ بدر کے ذکر میں ہے اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکہ جانے کا ارادہ اپنے چند ہم راز صحابہ کبار کے سامنے تو ظاہر کیا تھا جن میں حضرت حاطب بھی تھے باقی عام طور پر مشہور تھا کہ خیبر جا رہے ہیں اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم خط کو سارے سامان میں ٹٹول چکے اور نہ ملا تو حضرت ابومرثدؓ نے کہا شاید اس کے پاس کوئی پرچہ ہے ہی نہیں اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا ناممکن ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ کفر و شرک یا نفاق زنا و بدکاری کرو میں نے بہر حال تم کو معاف فرمایا بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے غیر محدود علم کی بنا پر خوب جانتے تھے کہ بدر میں شریک ہونے والے اب کسی جرم کا ارتکاب کریں گے ہی نہیں انشاء اللہ تعالیٰ گویا کہ من جانب اللہ یہ ارشاد ایک طرح کی پیشگوئی تھی حضرات بدریین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کہ وہ سیئات و معاصی سے قطعاً محفوظ رہیں گے۔

علیہ وسلم جھوٹ بول سکتے ہیں نہ ہم نے جھوٹ کہا جب ہم نے اسے دھمکایا تو اس نے کہا تمہیں اللہ کا خوف نہیں؟ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ ایک روایت میں ہے کہ اس نے پرچہ اپنے جسم میں سے نکالا حضرت عمر کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ بدر میں موجود تو ضرور تھے لیکن عہد شکنی کی اور دشمنوں میں ہماری خبر رسانی کی اور روایت میں ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ کی عورت تھی بعض کہتے ہیں اس کا نام سارہ تھا اولاد عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی حضرت حاطبؓ نے اسے کچھ دینا کیا تھا اور اس نے اپنے بالوں کے نیچے کاغذ رکھ کر اوپر سے سر گوندھ لیا تھا آپ نے اپنے گھوڑے سواروں سے فرمادیا تھا کہ اس کے پاس حاطبؓ کا دیا ہوا اس مضمون کا خط ہے آسمان سے اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھی ابو احمد کے حلفیہ میں یہ عورت پکڑی گئی تھی اس عورت نے ان سے کہا تھا تم منہ پھیر لو میں نکال دیتی ہوں انہوں نے منہ پھیر لیا پھر اس نے نکال کر حوالے کیا اس روایت میں حضرت حاطبؓ کے جواب میں یہ بھی ہے کہ خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں کوئی تغیر تبدل میرے ایمان میں نہیں ہوا اور اسی بارے میں اس سورت کی آیتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ختم پر اتریں اور روایت میں ہے کہ اس عورت کو اس کی اجرت کے دس درہم حضرت حاطبؓ نے دیئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کے حاصل کرنے کے لئے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھیجا تھا اور جحفہ میں یہ ملی تھی مطلب آیتوں کا یہ ہے کہ اے مسلمانو[1] مشرکین اور کفار کو جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن بندوں سے لڑنے والے ہیں جن کے دل تمہاری عداوت سے پر ہیں تمہیں ہرگز لائق نہیں کہ ان سے دوستی اور محبت میل ملاپ اور اپنایت رکھو تمہیں اس کے خلاف حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ..... (سورہ مائدہ:۵۱) اے ایمان دارو یہود و نصاریٰ سے دوستی مت گانٹھو وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان سے موالات ومحبت کرے[2] وہ انہی میں سے ہوگا اس میں اس قدر ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے اور جگہ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا ... دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا..... (سورہ مائدہ:۵۷) مسلمانو! ان اہل کتاب اور کفار سے دوستیاں مت کرو جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے کھیل کود سمجھتے ہیں اگر تم میں ایمان ہے تو ذات باری سے ڈرو اور جگہ ارشاد ہے مسلمانو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں نہ کرو کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا کھلا الزام ثابت کرلو[3] اور جگہ فرمایا مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے علاوہ کافروں سے دوستی نہ کریں جو ایسا کرے وہ خدا کی طرف سے کسی چیز میں نہیں[4] ہاں بطور دفع الوقتی اور بچاؤ کے ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطبؓ کا عذر قبول فرمالیا کہ مال و اولاد کے تحفظ کی خاطر ان سے یہ کام ہو گیا تھا مسند احمد میں ہے کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک اور تین اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ اور پھر ان میں سے یہ تفصیل صرف ایک ہی بیان کی باقی سب چھوڑ دیں فرمایا ایک ضعیف مسکین قوم تھی جس پر زور آور ظالم قوم چڑھائی کر کے آ گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کی مدد کی اور انہیں اپنے دشمن پر غالب کر دیا غالب آ کر ان میں رعونت سما

---

[1] آیت میں عنوان خطاب خاص طور پر پیش نظر رہے اے ایمان والو ارشاد فرما کر مخاطب کیا اور ظاہر ہے کہ اس میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بھی شریک تھے گویا من جانب اللہ ان کے ایمان کی اطلاع تھی۔

[2] ان سے موالات کرے اور ظاہر ہے کہ حضرت حاطبؓ قطعاً کفار سے ہرگز حامی نہ تھے۔

[3] یعنی اپنی اس حرکت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کو خود سے ناراض کرلو۔

[4] یعنی بحیثیت مومن اس کا شمار نہ ہوگا۔

گئی اور انہوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے جس پر اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لئے ناراض ہو گیا پھر مسلمانوں کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم ان دشمنانِ دین سے کیوں محبت و مودت رکھتے ہو؟ حالانکہ تم سے یہ بدسلوکی کرنے میں کسی موقعہ پر کمی نہیں کرتے کیا یہ تازہ واقعہ بھی تمہارے ذہن سے اتر گیا کہ انہوں نے تمہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبراً وطن سے نکال باہر کیا اور اس کی کوئی اور وجہ نہ تھی بجز اس کے کہ تمہاری توحید اور فرمابرداری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گراں گزرتی تھی جیسے اور جگہ ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (سورہ بروج:۸) یعنی مومنوں سے صرف اس بنا پر مخاصمت اور دشمنی ہے کہ وہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان رکھتے ہیں اور جگہ ہے یہ لوگ محض اس وجہ سے ناحق جلاوطن کئے گئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے پھر فرماتا ہے کہ اگر واقعتہ تم میری راہ میں جہاد کو نکلے ہو اور میری رضامندی کے طالب ہو تو ہرگز ان کفار سے جو تمہارے اور میرے دشمن ہیں میرے دین کو اور تمہارے جان و مال کو نقصان پہنچا رہے ہیں دوستیاں پیدا نہ کرو بھلا کس قدر غلطی ہے کہ تم ان سے پوشیدہ طور پر دوستانہ رکھو؟ کیا یہ پوشیدگی خدا تعالیٰ سے بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے جو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے دلوں کے بھید اور نفس کے وسوسے بھی جس کے سامنے کھلے ہوتے ہیں پس سن لو جو بھی ان کفار سے بھی موالات و محبت رکھے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ان کافروں کا اگر بس چلے اگر انہیں کوئی موقعہ مل جائے تو نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے تمہیں نقصان پہنچانے میں دریغ کریں گے نہ برا کہنے میں اپنی زبانیں روکیں گے جو ان کے امکان میں ہے کر گزریں گے بلکہ تمام تر کوشش اس امر پر صرف کر دیں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنالیں پس جب کہ ان کی اندرونی اور بیرونی دشمنی کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے پھر کیا اندھیر ہے؟ کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست سمجھ رہے ہو اور اپنی راہ میں آپ کانٹے بو رہے ہو؟ غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافروں پر اعتماد کرنے اور ان سے ایسے گہرے تعلقات رکھنے اور دلی میل رکھنے سے روکا جا رہا ہے اور وہ باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو ان سے علیحدگی پر آمادہ کر دیں تمہاری قرابتیں اور رشتہ داریاں تمہیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی اگر تم خدا کو ناراض کر کے انہیں خوش کرو اور چاہو کہ تمہیں نفع ہو یا نقصان ہٹ جائے یہ بالکل خام خیالی ہے نہ خدا تعالیٰ کی طرف کے نقصان کو کوئی ٹال سکے نہ اس کے دیئے ہوئے نفع کو کوئی روک سکے اپنے والوں سے ان کے کفر پر جس نے موافقت کی وہ برباد ہوا گو رشتہ دار کیسا ہی ہو کچھ نفع نہیں مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا اماں باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جہنم میں جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا سن میرا باپ اور تیرا باپ دونوں ہی جہنم میں ہیں یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں بھی ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶﴾

تمہارے لئے ابراہیم میں اوران لوگوں میں جو کہ (ایمان و اطاعت میں) ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ لیکن ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے (استغفار سے زیادہ) مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا اور اے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے (سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو شخص (اس حکم سے) روگردانی کرے گا سو (اسی کا ضرر ہو گا کیونکہ اللہ تو) بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزیمت:

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار سے موالات اور دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرما کر ان کے سامنے اپنے خلیل علیہ السلام اور ان کے اصحابؓ کا نمونہ پیش کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رشتے کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا فرما دیا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بےزار بری الذمہ اور الگ تھلگ ہیں ہم تمہارے دین اور طریقے سے متنفر ہیں جب تک تم اس طریقے اور مذہب پر ہو تم ہمیں اپنا دشمن سمجھو[1] ناممکن ہے کہ برادری کی وجہ سے ہم تمہارے اس کفر کے باوجود تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھیں ہاں یہ اور بات ہے کہ خدا تمہیں ہدایت دے اور تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ اس کی توحید مان لو اور اسی ایک کی عبادت شروع کر دو اور جن جن کو تم نے خدا کا شریک اور ساتھی ٹھہرا رکھا ہے اور جن جن کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو ان سب کو ترک کر دو اپنی اس روش کفر اور طریق شرک سے ہٹ جاؤ تو پھر بے شک ہمارے بھائی ہو ہمارے عزیز ہو ورنہ ہم میں تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں ہم تم سے اور تم ہم سے علیحدہ ہو ہاں یہ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے جو استغفار کا وعدہ کیا تھا اور پھر اسے پورا کیا اس میں ان کی اقتدا نہیں اس لئے کہ یہ استغفار اس وقت تک رہا جس وقت تک کہ اپنے والد کا دشمن خدا ہونا ان پر وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ ہوا تھا جب انہیں یقینی طور پر اس کی خدا سے دشمنی کھل گئی تو اس سے صاف بیزاری ظاہر کر دی بعض مومن اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعا و استغفار کرتے تھے اور سند

[1] سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دو یا تین ارشار فرمائیں ایک کفار کی مذہبی راہ و رسم سے بیزاری جس کا اظہار انا براؤ منکم و مما تعبدون سے فرمایا اور روئے معاملات اور معاشرے میں انقطاع تعلق جس کا اعلان بدا بیننا و بینکم العدة والبغضاء سے کیا رہا صلہ رحمی یا حقوق قرابت کا لحاظ سو وہ دوسری نصوص سے ماخوذ ہے اور ان آیات کو ان معاملات سے کوئی تعارض نہیں۔

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے دعا مانگنا پیش کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان : مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (سورہ توبہ:۱۱۳) پوری دو آیتوں تک نازل فرمایا اور یہاں اسوہ ابراہیمی ہیں سے اس کا استثنا کر لیا کہ اس بات میں ان کی پیروی تمہارے لئے ممنوع ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استغفار کی تفصیل بھی کر دی اور اس کا خاص سبب اور خاص وقت بھی بیان فرما دیا حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہؒ مقاتل بن حیانؒ ضحاکؒ وغیرہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ قوم سے برأت کر کے اب دامن خدا میں چھپتے ہیں اور جناب باری میں عاجزی اور انکساری سے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تمام کاموں میں ہمارا بھروسہ اور اعتماد تیری ہی پاک ذات پر ہے ہم اپنے کام تجھے سونپتے ہیں تیری طرف رجوع و رغبت کرتے ہیں دار آخرت میں بھی ہمیں تیری ہی جانب لوٹنا ہے پھر کہتے ہیں خدایا تو ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا یعنی ایسا نہ ہو کہ یہ ہم پر غالب آ کر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیں اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ تیری طرف سے ہم پر کوئی عتاب وعذاب نازل ہو اور وہ ان کے اور بہکنے کا سبب بنے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو خدا انہیں عذاب کیوں کرتا؟ اگر یہ کسی میدان میں جیت گئے تو بھی ان کے لئے یہ فتنہ کا سبب ہوگا کہ ہم اس لئے غالب آئے کہ ہم ہی حق پر ہیں اسی طرح اگر یہ ہم پر غالب آ گئے تو ایسا نہ ہو کہ تکلیفیں پہنچا پہنچا کر تیرے دین سے برگشتہ نہ کر دیں پھر جو دعا مانگتے ہیں کہ خدایا ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے ہماری پردہ پوشی کر اور ہمیں معاف فرما تو عزیز ہے تیری جناب میں پناہ لینے والا نامراد نہیں پھرتا تیرے در کو کھڑکانے والا خالی ہاتھ نہیں جاتا تو اپنی شریعت کے تقرر میں اپنے اقوال وافعال اور قضا وقدر مقرر کرنے میں حکمتوں والا ہے تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں پھر بطور تاکید کے وہی پہلی بات دہرائی جاتی ہے کہ ان میں تمہارے لئے نیک نمونہ ہے جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے آنے کی حقانیت پر ایمان رکھتا ہو اسے ان کی اقتدا میں آگے بڑھ کر قدم رکھنا چاہئے اور جو احکام خدا سے روگردانی کرے وہ جان لے کہ خدا اس سے بے پروا ہے اور وہ سزاوار حمد وثنا ہے مخلوق اس خالق کی تعریف میں مشغول ہے جیسے اور جگہ ہے اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (سورہ ابراہیم: ۸) اگر تم اور تمام روئے زمین کفر پر اور خدا کے نہ ماننے پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ سب سے غنی سب سے بے نیاز ہے اور سب سے بے پروا ہے اور وہ تعریف کیا گیا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں غنی اسے کہا جاتا ہے جو اپنے غنا میں کامل ہو اللہ تعالیٰ ہی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر طرح بے نیاز اور بالکل بے پروا ہے کسی اور کی ذات ایسی نہیں اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کے مثل کوئی اور نہیں وہ پاک ہے اکیلا ہے سب پر حاکم سب پر غالب سب کا بادشاہ ہے حمید ہے یعنی مخلوق اسے سراہ رہی ہے اپنے جمیع اوقال میں تمام افعال میں وہ ستائشوں اور تعریفوں والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سوا کوئی پالنے والا نہیں رب وہی ہے معبود وہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے میں منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اور اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور اگر نکالا نہ بھی ہو (لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے ○

اور یہ بھی ممکن ہے:

کافروں سے محبت رکھنے کی ممانعت اور ان کی بغض وعداوت کے بیان کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ ایسا بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں مصالحت کرادے بغض نفرت اور فرقت کے بعد محبت مودت اور الفت پیدا کر دے کون سی چیز ہے جس پر خدا قادر نہ ہو؟ وہ متبائن اور مختلف چیزوں کو جمع کر سکتا ہے[1] عداوت وقساوت کے بعد دلوں میں الفت ومحبت پیدا کر دینا اس کے ہاتھ ہے جیسے اور جگہ انصار پر اپنی نعمت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ...... (سورہ آل عمران:۱۰۳) تم پر جو خدا کی نعمت ہے اسے یاد کرو کہ تمہاری دلی عداوت کو اس نے الفت قلبی سے بدل دیا اور تم ایسے ہو گئے جیسے حقیقی بھائی ہوں تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے لیکن اس نے تمہیں وہاں سے بچالیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں سے فرمایا کیا میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں نہیں پایا تھا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے ہی تمہیں ہدایت دی اور تم متفرق تھے میری وجہ سے تمہیں جمع کر دیا قرآن کریم میں ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ...... (سورہ انفال:۶۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے مومنوں کو ساتھ کر کے اے نبی تیری مدد کی اور ایمانداروں میں آپس میں وہ محبت اور یک جہتی پیدا کر دی کہ اگر روئے زمین کی دولت خرچ کر کے تو وہ یگانگت پیدا کرنی چاہتا تو نہ کر سکتا تھا یہ الفت منجانب اللہ تعالیٰ تھی جو عزیز وحکیم ہے ایک حدیث میں ہے دوستوں کی دوستی کے وقت بھی اس بات کو پیش نظر رکھو کہ کیا عجب اس سے کسی وقت دشمنی ہو جائے؟ اور دشمنی میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو کیا خبر کب دوستی ہو جائے[2] عرب شعر کہتا ہے

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا ☆ يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِ اَنْ لَّا تَلَاقِيَا

یعنی ایسے دو دشمنوں میں بھی جو ایک سے ایک جدا ہوں اور اس طرح کہ دل میں گرہ دے لی ہو کہ ابد الآباد تک اب کبھی نہ ملیں گے اللہ تعالیٰ اتحاد و اتفاق پیدا کرا دیتا ہے اور اس طرح ایک ہو جاتے ہیں کہ گویا کبھی دو نہ تھے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کافر جب توبہ کریں خدا تعالیٰ قبول فرمالے گا جب وہ اس کی طرف جھکیں وہ انہیں اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا کوئی گناہ ہو اور کوئی گنہگار ہو ادھر وہ مالک کی طرف جھکا ادھر اس کی رحمت کی آغوش کھلی حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ آیت ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کی صاحبزادی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا تھا اور یہی مناکحت محبت کا سبب بن گئی لیکن یہ قول کچھ مناسب معلوم

[1] اور پھر دوستی ہو جانے کے بعد اپنی دشمنی پر ندامت یا زمانہ دشمنی کی تلخ یاد پر عہد دوستی میں شرمندہ ہونا پڑے۔

[2] چنانچہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف خالد اور ابوسفیانؓ بلکہ سینکڑوں و ہزاروں وہ اعداء اسلام لے آئے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بدترین دشمنی رکھتے تھے۔

نہیں ہوتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا تھا اور حضرت ابوسفیان کا اسلام بالا تفاق فتح مکہ کی رات کا رات ہے بلکہ اس سے بھی بہت اچھی توجیہ تو وہ ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو کسی باغ کے پھلوں کا عامل بنا رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد یہ آ رہے تھے کہ راستے میں ذوالخوار مرتدمل گیا آپ نے اس سے جنگ کی اور باقاعدہ لڑے پس مرتدین سے سب سے پہلی لڑائی لڑنے والے مجاہد فی الدین آپ ہیں حضرت ابن شہاب کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت : عَسَى اللّٰہ...... اتری ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری تین درخواستیں ہیں اگر اجازت ہو تو عرض کروں آپ نے فرمایا کہو تو کہا اول تو یہ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ جس طرح کفر کے زمانہ میں مسلمانوں سے مسلسل جنگ کرتا رہا اب اسلام کے زمانے میں کافروں سے برابر لڑائی جاری رکھوں آپ نے اسے منظور فرمایا پھر کہا میرے لڑکے معاویہ کو اپنا منشی بنا لیجئے آپ نے اسے بھی منظور فرمایا (اس پر جو کلام ہے وہ پہلے گزر چکا) اور میری بہترین عرب بچی ام حبیبہ کو آپ اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں آپ نے یہ بھی قبول فرمالیا اس پر بھی کلام پہلے گزر چکا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جن کفار نے تم سے مذہبی لڑائی نہیں لڑی نہ تمہیں جلاوطن کیا جیسے عورتیں اور کمزور لوگ وغیرہ ان کے ساتھ سلوک واحسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ وہ تو ایسے باانصاف لوگوں سے محبت رکھتا ہے بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے پاس ان کی مشرکہ ماں آئیں یہ اس زمانے کا ذکر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان صلحنامہ ہو چکا تھا تو حضرت اسماء خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھتی ہیں کہ میری ماں آئی ہوئی ہیں اب تک وہ اس دین سے الگ ہیں کیا مجھے جائز ہے کہ میں ان کے ساتھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں جاؤ ان سے صلہ رحمی کرو مسند کی اس روایت میں ہے کہ ان کا نام قبیلہ تھا یہ مکہ سے گوہ اور پنیر اور گھی بطور تحفہ کے لے کر آئی تھیں لیکن حضرت اسماء نے اپنی مشرکہ ماں کو نہ تو اپنے گھر میں آنے دیا نہ یہ تحفہ ہدیہ قبول کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور آپ کی اجازت پر ہدیہ بھی لیا اور اپنے ہاں ٹھہرایا بھی بزار کی حدیث میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی والدہ کا نام ام رومانؓ تھا اور وہ اسلام لا چکی تھیں اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائی تھیں ہاں حضرت اسماءؓ کی والدہ ام رومان نہ تھیں چنانچہ ان کا نام قبیلہ اوپر کی حدیث میں گزر چکا ہے واللہ اعلم۔

مقسطین کی تفسیر سورہ حجرات میں گزر چکی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے حدیث میں ہے مقسطین وہ عدل کے ساتھ حکم کرتے ہیں گو اہل وعیال کا معاملہ ہو یا زیردستوں کا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے پھر فرماتا ہے کہ خدا کی ممانعت تو ان لوگوں کی دوستی سے ہے جو تمہارے عداوت سے تمہارے مقابل نکل کھڑے ہوئے تم سے صرف تمہارے مذہب کی وجہ سے لڑے بھگڑے تمہیں تمہارے شہروں سے نکال دیا تمہارے دشمنوں کی مدد کی پھر مشرکین سے اتحاد واتفاق دوستی و یک جہتی رکھنے والوں کو دھمکاتا ہے اور اس کا گناہ بتلاتا ہے کہ ایسا کرنے والے ظالم گنہگار ہیں اور جگہ فرمایا یہود یوں نصرانیوں سے دوستی کرنے والا ہمارے نزدیک انہی جیسا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ

يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑩ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ⑪

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو اور (اے مسلمانو) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے (بالکل ہی تمہارے ہاتھ نہ آئے پھر تمہاری نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیبیوں پر) خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو دے دو اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو ○

ایک حکم مومنات سے متعلق:

سورہ فتح کی تفسیر میں صلح حدیبیہ کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے اس صلح کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو بھی وہ سچی ایماندار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ کریں حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناسخ ہے اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی آئیں ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے آپ نے بتایا اس طرح کہ خدا کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی اور ایسے ہی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت

نہیں آئی اور کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں چلی آئی بلکہ خداتعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں قسم دے کران سوالات کا کرنا اور خوب آزمالینا یہ کام حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کے اختلاف کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ اس آیت کے اس جملہ سے اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور مطلع ہو جانا ممکن امر ہے[1]۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول مسلمہ تھیں بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ کا ہار ان کے فدیہ میں بھیجا تھا کہ آزاد ہو کر آ جائیں جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بخوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ بھیج بھی دیا یہ واقعہ ۲ھ کا ہے حضرت زینبؓ نے مدینہ میں ہی قیام پذیر ہوئیں اور یوں ہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ ۸ھ میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی سابقہ نکاح پر بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اور وہ روایت از روئے سند بہت اعلیٰ ہے اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیبؒ ہیں اور عمل اسی پر ہے لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیبؒ والی روایت ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ضعیف بتلاتے ہیں حضرت ابن عباسؓ والی روایت کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے کہ ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو محمول کرتے ہیں پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے خاوندوں کو ان کے اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں عدت کا گزر جانا ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پوری کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں اسی کافرہ عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس حکم کے نازل ہوتے ہی

---

[1] یہ کیسے صحیح ہے ظاہر ہے کہ صرف بیانات اور پیچھے ہونے والے حالات ہی سے اندازہ لگایا جائے گا اور اس طرح کے انداز سے یقینا تک کب پہنچاتے ہیں چنانچہ صاحب مدارک نے بھی اس موقعہ پر لکھا ہے کہ یہاں بمعنی ظن غالب ہے۔ جصاص نے تو بالکل صاف لکھ دیا کہ یقین تک رسائی کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے جو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا با ایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہو تھا حضرت فاروقؓ نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حدل خزاعی کی لڑکی تھی حضرت عبیداللہ کی والدہ یہی تھی اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ مشرک تھا اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اپنی کافرہ بیوی اردیٰ بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لیں جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آ جائیں انہیں تم ان کی خرچ دے دو صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ بیان ہو چکا ہے جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے اس کے بعد کی آیت وان فاتکم...... کا مطلب حضرت قتادہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صلح وصفائی نہیں اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان سے جا ملے تو ظاہر ہے کہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں حضرت زہریؒ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو خدا کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتری۔

مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مطلب منقول ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافروں کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں پس فعاقبتم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر یعنی مہر مثل ان اقوال میں کوئی تضاد اور خلاف نہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر ممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اس کا حق سے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریرؒ اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں فالحمدللہ۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ

يَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولادلائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کر کے) بنالیں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے ○

عورتوں کی بیعت :

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اس آیت سے ہوتا تھا جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کرلیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرمادیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں قسم خدا کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا[1] صرف زبانی فرمادیتے کہ ان باتوں میں میں نے بیعت لی ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا اور ہم اچھی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گی ، کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ کر ہے پھر ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کو بیعت کے لئے کافی ہے پس بیعت ہو چکی امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا یہ حضرت امیمہ حضرت خدیجہؓ کی بہن اور حضرت فاطمہؓ کی خالہ ہوتی ہیں مسند احمد میں ہے حضرت سلمیٰ بنت قیسؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی ہم نے اس کا بھی اقرار کیا بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کریں کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دیں مسند کی حدیث میں ہے کہ

[1] پھر کس قدر خلاف سنت ہے ان جھوٹے اور دغا باز پیروں کا معمول جو اپنی مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرتے بے تکلف ان سے باتیں کرتے ہیں اور ان کے جسم کو چھوتے ہیں الحمد للہ اکابر دارالعلوم نے ہمیشہ عورتوں کی بیعت مسنون طریق پر فرمائی سیدی مولائی شیخنا شیخ الکل حضرت مولانا حسین احمد عورتوں کی بیعت ہمیشہ مسنون طریقہ پر فرماتے اور ہرگز ہرگز کسی مرید عورت کو سامنے نہ آنے دیتے بعینہ یہی طرز عمل اپنے والا ماجد حضرت امام العصر سید الکل شیخ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا دیکھا ہے۔ (انظر شاہ)

حضرت عائشہؓ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رابطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں اس کا اقرار کرتی تھیں میری والدہ کے حکم سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مردے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مردے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن تھوڑی دیر میں واپس آئی اور بیعت کر لی مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا ام سلیمؓ ام علاءؓ اور ابوسبرہ کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو عورتیں اور یا ابوسبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا معاہدہ لیا کرتے تھے بخاری شریف میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر عمر عثمانؓ کے ساتھ پڑھی سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لا رہے تھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے آپ نے یہاں پہنچ کر اسی آیت کی تلاوت فرمائی پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو؟ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کسی اور نے جواب نہیں دیا راوی حدیث حضرت حسنؒ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ جواب دینے والی کون سی عورتیں تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلایا چنانچہ عورتوں نے اس میں بے نگینہ کی اور نگینہ والی انگوٹھیاں راہ للہ ڈالیں مسند احمد کی روایت میں حضرت امیمہؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں کی بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں جو شخص اس کو نبھا دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو اس کے کچھ خلاف کر گزرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے[1] اس کا حساب اللہ تعالیٰ سے ہے اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لئے جنت ہے یہ واقعہ جہاد کی فرضیت سے پہلے کا ہے ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم اس پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ان بیعت لینے کے لئے آنے والوں میں حضرت ہندہ بھی تھیں جو عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت سفیانؓ کی بیوی تھیں یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا پیٹ چیر دیا تھا اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت میں آتی تھیں کہ کوئی

[1] اور ظاہر ہے کہ اگر اسلامی حکومت قائم ہے اور کوئی بات جرم کی نوعیت کی پیش آئی مثلاً زنا وغیرہ تو خود حکومت اسلامی شریعت کے مطابق سزا دے گی بشرطیکہ جرم حکومت کے علم میں آ گیا ہو۔

اس کو پہچان نہ سکے اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر اور عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک سے ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں اس پر ہندہؓ نے کہا میں ابوسفیانؓ کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا خبر یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں؟ اور میرے لئے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیانؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں سے جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آ گیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب تیرے لئے حلال کرتا ہوں اب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف پہچان لیا کہ میرے چچا حمزہؓ کی قاتلہ اور اس کے کلیجے کو چیرنے والی پھر اسے چبانے والی عورت ہندہ ہے آپ انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی آپ نے فرمایا تم وہی ہند ہو؟ انہوں نے کہا گزشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے اور بیعت کے سلسلے میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری نہ کرے اس پر حضرت ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں ہندؓ نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے آپ جانیں اور وہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچویں یہ ہے کہ خود اپنی ہی طرف سے جوڑ کر بے سر پیر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری نافرمانی نہ کریں اور ساتواں عہد آپ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں اہل جاہلیت کسی کے مرجانے پر کپڑے پھاڑتے تھے منہ نوچ لیتے تھے بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے نکارت بھی ہے اس لئے کہ ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند کے اسلام کے وقت انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا واللہ اعلم۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہندؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی کی وجہ سے لوٹ پوٹ گئے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب ہند بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرف سفید تھے آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس بیعت کے لینے کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جب اولاد کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا کہ ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو رہی ہے[1] یہ شروع صورت بیعت کی تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپ یہ سب باتیں ان کے سامنے پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں پس فرمان خدا ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لئے آئے تو اس سے

[1] یہ سب باتیں بطور تفریح کے تھیں اس لئے نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی اظہار ناراضگی فرمایا اور نہ عورتوں ہی نے ان کے کہنے میں کوئی تامل کیا۔

بیعت لے لو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا غیر لوگوں کے مال نہ چرانا ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو نہ دیتا ہو تو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستور اور بقدر اپنی حاجت کے لے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو اس کی دلیل حضرت ہند والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند ابوسفیان بخیل ہیں وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے اس لئے ان کی بے خبری میں ان کے مال سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا بہ طریق معروف اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (صحیحین) اور وہ زنا کاری نہ کریں جیسے اور جگہ ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل:۳۲) زنا کے لئے نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے حضرت سمرہؓ والی حدیث میں زنا کی سزا دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی مسند احمد میں ہے کہ فاطمہ بنت عقبہ جب بیعت کے لئے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا آپ کو ان کی یہ حیا اچھی معلوم ہوئی حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر سب نے بیعت کی ہے یہ سن کر انہوں نے بھی بیعت کر لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت کے طریقے اوپر بیان ہو چکے ہیں اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے خواہ اس طرح ہو کہ ایسے علاج کئے جائیں جس سے حمل ٹھہرے ہی نہیں یا ٹھہرے حمل کو کسی طرح گرا دیا جائے بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرنا[۱]۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی گنتی میں شمار نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام اگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپ کے احکام بجا لائیں اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جایا کریں یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے حضرت میمونؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی طاعت ہے۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے اس بیعت والے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی لیا تھا جیسے حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریں[۲] اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے[۳] اور مہمان آ جاتے ہیں آپ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں میں

۱؎ غور سے پڑھیں صدیوں پہلے ایک مفسر کے ان جملوں کو بھلا بتایئے ضبط تولید یعنی بچہ کی پیدائش روکنا اور اس طرح کی ادویہ استعمال کرنا جو انقرار حمل کو مانع ہوں اسلام میں ان کی گنجائش بھی ہے؟

۲؎ عربی محاورے میں بہر حال اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہوا کہ زنا سے پیدا شدہ بچہ کو اپنے شوہر کا بچہ بتا دینا اور یا کسی دوسرے کی اولاد کو چرا کر اپنی اور اپنے شوہر کی اولاد مشہور کر دینا۔

۳؎ سبحان اللہ کہاں بیعت میں خصوصیت کے ساتھ اس عہد کا تذکرہ اور کہاں آج کل مسلمان لڑکیاں کہ بے حیائی و بے باکی کے تمام مظاہرے اسکول، کالج، ملازمت، میل جول چھپے تعلقات واہ رے اسلام تجھ کو بھی رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔

ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقعہ پر عورتوں کو نامحرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں کہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے اوپر حدیث بیان ہو چکی ہے نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضرت ام سلیمؓ جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملحان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلہ کے نوحہ کی اجازت مانگی تھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تھی[۱] یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوچیں بال نہ منڈوائیں کپڑے نہ پھاڑیں ہائے وائے نہ کریں ابن جریر میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چوری اور زنا کاری سے بچنا اسی پر تم بیعت کرو ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے اندر ہی بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی حائضہ عورتوں[۲] اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت ام عطیہؓ سے پوچھا عورتیں معروف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوح نہ کریں بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی مچائے وہ ہم میں سے نہیں اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں جو گلا پھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے ابویعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی حسب نسب پر فخر کرنا انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توبہ گئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی اس کو حسن غریب کہتے ہیں۔

---

[۱] یہ اجازت قطعاً وقتی تھی اور ان کے ساتھ خاص جیسا کہ آپ نے ایک موقع پر ایک صحابی کو کفارہ معاف کر دیا تھا اس کو حجت بنا کر اس وقت نوحہ جائز قرار دینا ظلم ہوگا۔

[۲] یعنی بڑی عمر کی عورتیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والوان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت (کے خیر وثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار جو قبروں میں مدفون ہیں ناامید ہیں ○

محروم آخرت:

اس سورت کی ابتدا میں جو حکم تھا وہی آخر میں بیان ہو رہا ہے کہ یہود ونصاریٰ اور دیگر کفار سے جن پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہو چکی ہے اور خدا کی رحمت اور اس کی شفقت سے دور ہو چکے جیسے تم ان سے دوستانہ اور میل ملاپ نہ رکھو وہ آخرت کے ثواب سے اور وہاں کی نعمتوں سے ناامید ہو چکے ہیں جیسے قبروں والے کافر اس پچھلے جملہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ جیسے زندہ کافر اپنے مردہ کافروں کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں دوسرے یہ کہ جس طرح مردہ کافر ہر بھلائی سے ناامید ہو چکے ہیں وہ مر کر آخرت کے احوال دیکھ چکے ہیں اور اب انہیں کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہیں رہی[1]۔

تفسیر سورہ صف مدنیہ

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ ایک دن یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرے کہ خدا کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ مگر ابھی کوئی گیا بھی نہ تھا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس پوری سورت کی تلاوت فرمائی (مسند احمد) (اس میں ذکر ہے کہ جہاد سب سے زیادہ محبوب عمل خدا تعالیٰ کو ہے[2]) ابن ابی حاتم کی اس حدیث میں ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے ڈرے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری سورت پڑھ کر سنائی تھی اسی طرح روایت کے بیان کرنے والے صحابیؓ نے تابعیؒ کو پڑھ کر سنائی اور تابعی نے اپنے شاگرد کو۔ اس طرح آخر تک اور روایت میں ہے کہ ہم نے کہا تھا اگر ہمیں ایسے عمل کی خبر ہو جائے تو ہم ضرور اس پر عامل ہو جائیں مجھ سے میرے استاد شیخ مسند ابوالعباس احمد بن ابوطالب حجار نے بھی اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں تسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو یہ سورت پڑھ کر سنانا مروی ہے یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے اسے سنا ہے لیکن چونکہ وہ خود امی تھے اور اسے یاد کرنے کا

[1] بہرحال مغضوب قوموں کو آخرت میں کسی فلاح کی توقع نہیں یہود اگرچہ ایک آسمانی دین ہی کے پابند تھے تاہم فکر آخرت سے غفلت کا یہ عالم تھا کہ آج ان کے محرف صحیفوں میں سب کچھ ہے لیکن آخرت کا کوئی ذکر نہیں۔

[2] اعمال میں خوبی اور محبوبیت کا تعلق بڑی حد تک احوال وظروف پر ہے کسی دور میں جہاد کی ضرورت تھی تو جہاد ہی سب سے زیادہ محبوب عمل ٹھہرا اور گاہے فی سبیل اللہ انفاق کی حاجت تھی تو وہی سب سے زیادہ پسندیدہ عمل قرار دیا ایسی تمام احادیث پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو وہ عمل ہر دور میں محبوب رہتا ہے جس کی اسلام کو سب سے زیادہ ہے کبھی بدعات کو ختم کرنا ہی محبوب عمل ہوگا اور گاہے قادیانیت کی بیخ کنی پسندیدہ عمل ٹھہرے گی اور پھر کبھی انکار حدیث اور کمیونزم کے مقابلہ میں محاذ آرائی ہی سب سے افضل ہوگا۔

انہیں وقت نہیں ملا انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنائی لیکن الحمد اللہ میرے دوسرے استاد حافظ کبیر ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت یہ سورت بھی پوری پڑھ کر سنائی ہے۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

سب چیزیں اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں (قالاً یا حالاً) جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے رستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے○

قول وعمل کی عدم مطابقت:

پہلی آیت کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے اب پھر اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں پھر ان لوگوں پر انکار ہوتا ہے جو کہیں اور نہ کریں وعدہ کریں اور وفا نہ کریں بعض عطاء سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے جس سے وعدہ کیا ہے خواہ وہ تاکید کرے یا نہ کرے ان کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقین کی تین عادتیں ہوتی ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امانت دیا جائے خیانت کرے دوسری صحیح حدیث میں ہے چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے ان میں ایک عادت وعدہ خلافی کی ہے شرح صحیح بخاری کی ابتدا میں ہم نے ان دونوں حدیثوں کی پوری شرح کر دی ہے فالحمدللہ اسی لئے یہاں بھی اس کی تاکید میں فرمایا گیا اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عاد بن ربیعہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری والدہ نے مجھے آواز دے کر کہا ادھر آ کچھ دوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟ میری والدہ نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں دوں گی آپ نے فرمایا پھر تو خیر ورنہ یاد رکھو کچھ نہ دینے کا ارادہ ہوتا اور یوں کہتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب وعدے کے ساتھ وعدہ کئے ہوئے کی تاکید کا تعلق ہو تو اس وعدہ کو وفا کرنا واجب ہو جاتا ہے مثلاً کسی شخص نے

کسی سے کہہ دیا کہ تو نکاح کرلے اور اتنا اتنا ہر روز میں تجھے دیتا رہوں گا اس نے نکاح کر لیا تو جب تک نکاح باقی ہے اس شخص پر واجب ہے کہ اسے وعدے کے مطابق دیتا رہے اس لئے کہ اس میں آدمی کے حق کا تعلق ثابت ہو گیا جس پر اس سے باز پرس سختی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایفائے عہد مطلق واجب ہی نہیں[1] اس آیت کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی خواہش کی اور فرض ہو گیا تو اب بعض لوگ دیکھنے لگے جس پر یہ آیت اتری جیسے اور جگہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ...... یعنی تو نے کیا انہیں نہ دیکھا جن سے کہا گیا تم اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز زکوٰۃ کا خیال رکھو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں ایسے لوگ بھی نکل آئے جو لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ کہنے لگے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں ایک وقت مقررہ تک پیچھے نہ چھوڑا جو قریب ہی تو ہے تو کہہ دے کہ اسباب دنیا تو بہت ہی کم ہیں ہاں پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہترین چیز ہے تم پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا تم کہیں بھی ہو تمہیں موت ڈھونڈ نکالے گی گو تم مضبوط محلوں میں ہو اور جگہ ہے: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ...... یعنی مسلمان کہتے ہیں کیوں کوئی سورت نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی محکم سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں لڑائی کا ذکر ہوتا ہے تو دیکھے گا کہ بیمار دل والے تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جیسے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی بے ہوشی ہو اسی طرح کی یہ آیت بھی ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض مومنوں نے جہاد فرضیت سے پہلے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ وہ عمل بتاتا جو اسے سب سے زیادہ پسندیدہ ہوتا تاکہ ہم اس پر عامل ہوتے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل میرے نزدیک ایمان ہے جو شک وشبہ سے پاک ہو اور بے ایمانوں سے جہاد کرنا ہے تو بعض مسلمانوں پر حکم جاری ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ وہ باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جنہیں کرتے نہیں امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے اس پر اللہ عزوجل نے وہ عمل بتایا کہ میری راہ میں صفیں باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جم کر جہاد کرنے والوں کو میں بہت پسند فرماتا ہوں پھر احد والے دن ان کی آزمائش ہو گئی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جس پر یہ فرمان عالی شان اترا کہ کیوں وہ کہتے ہو کر نہیں دکھاتے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہیں کہ ہم نے جہاد کیا اور حالانکہ جہاد نہ کیا ہو کہہ دیں کہ ہم زخمی ہوئے اور ہوئے نہ ہوں کہہ دیں کہ ہم پر مار پڑی اور پڑی نہ ہو کہہ دیں کہ ہم قید کئے گئے اور قید نہ کئے گئے ہوں ابن زید فرماتے ہیں اس سے مراد منافق ہیں کہ مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے لیکن وقت پر پورا نہ کرتے زید بن اسلم جہاد مراد لیتے ہیں حضرت مجاہد فرماتے ہیں ان کہنے والوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ بھی تھے جب یہ آیت اتری اور معلوم ہوا کہ جہاد سب سے زیادہ عمدہ عمل ہے تو آپ نے عہد کر لیا کہ میں نے تو اب سے لے کر مرتے دم تک خدا کی راہ میں خود کو وقف کر دیا چنانچہ اسی پر قائم رہے یہاں تک کہ فی سبیل اللہ شہید ہو گئے حضرت ابوموسیٰ نے بصرہ کے قاریوں کو ایک مرتبہ بلوایا تو تین سو قاری ان کے پاس آئے جن میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا پھر فرمایا تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبحات کی سورتوں کے مشابہ تھی پھر خود بخود ہم اس کو بھول گئے ہاں اس میں سے اتنا یاد رہ گیا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ فَتُكْتَبُ شَهَادَةٌ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَتُسْئَلُوْنَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی اے ایمان والو وہ کیوں کہو جو نہ کرو پھر وہ لکھا جائے اور تمہاری گردنوں میں بطور گواہ کے لٹکا دیا جائے

---

[1] اگرچہ وعدہ کا پورا کرنا مستحب افضل ہے بلکہ بہت ضروری ہے قرآن مجید ہی نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم سے ان عہدوں کے بارے میں دریافت کیا جائے گا جو تم نے کئے تھے اور پھر ان کو پورا نہیں کیا۔

پھر قیامت کے دن اس کی بابت باز پرس ہو پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر دشمنان خدا کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تا کہ خدا تعالیٰ کا بول بالا ہو اسلام کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو مسند میں ہے تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور ہنس دیتا ہے رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے نماز کے لئے صفیں باندھنے والے میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مطرف فرماتے ہیں مجھے یہ روایت حضرت ابوذر ؓ ایک حدیث پہنچی تھی میری خواہش تھی کہ خود حضرت ابوذر ؓ سے مل کر یہ حدیث سن لوں چنانچہ ایک مرتبہ جا کر آپ سے ملاقات کی اور واقعہ بیان کیا آپ نے خوشنودی کا اظہار کیا اور کہا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کو دشمن جانتا ہے اور تین کو دوست رکھتا ہے فرمایا ہاں میں اپنے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بول سکتا فی الواقع آپ نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں؟ جنہیں اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے فرمایا ایک تو وہ جو خدا کی راہ میں جہاد کرے اور صرف خوشنودی خدا تعالیٰ کی نیت سے نکلے دشمن سے جب مقابلہ ہو تو دلیرانہ جہاد کرے تم اس کی تصدیق خود کتاب میں بھی دیکھ سکتے ہو پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر پوری حدیث بیان کی ابن ابی حاتم میں یہ حدیث اسی طرح ان ہی الفاظ میں اتنی ہی آئی ہے ہاں ترمذی اور نسائی میں پوری حدیث ہے اور ہم نے اسے دوسری جگہ پوری ذکر کی ہے فالحمدللہ حضرت کعب احبار سے ابن ابی حاتم میں منقول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ میرے بندے متوکل اور پسندیدہ ہیں بدخلق بدزبان بازاروں میں شوروغل کرنے والے نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں کرتے بلکہ درگزر کر کے معاف کر دیتے ہیں جائے پیدائش آپ کی مکہ ہے جائے ہجرت طابہ ہے ملک آپ کا شام ہے امت آپ کی بکثرت حمد خدا کرنے والی ہے ہر حال میں اور ہر منزل میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں صبح کے وقت ذکر اللہ میں ان کی پست آوازیں برابر سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ اپنے ناخن اور مونچھیں کترتے ہیں اور تہد اپنی آدھی پنڈلیوں تک باندھتے ہیں ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں پھر حضرت کعب ؓ نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا سورج کی نگہبانی کرنے والے جہاں وقت نماز آ جائے نماز ادا کر لینے والے گو سوری پر ہوں حضرت سعید بن جبیر ؒ فرماتے ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفیں نہ بندھوالیں دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے پس صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو خدا کی دی ہوئی ہے ایک دوسرے سے ملا رہے ثابت قدم رہیں اور مقابلہ سے ہٹیں نہیں ایک دوسرے ملا ہوا کھڑا رہے تم نہیں دیکھتے کہ عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو یا ٹیڑھی ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے امر میں اختلاف ہو میدان جنگ میں اور بوقت نماز مسلمانوں میں صف بندی خود اس نے کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو جو احکام بجا لائے گا یہ اس کے لئے عصمت اور بچاؤ ہے ابوبحریہ فرماتے ہیں مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے انہیں یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر پیدل صفیں بنا کر آمنے سامنے مقابلہ کریں آپ فرماتے ہیں جب تم مجھے دیکھو کہ میں نے صف میں سے ادھر ادھر توجہ کی تو تم جو چاہو ملامت کرنا اور برا بھلا کہنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى

ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں پھر جب (اس فرمائش پر بھی) وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور (زیادہ) ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا معمول ہے کہ وہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق ہی نہیں دیتے اور (اسی طرح وہ وقت بھی قابل تذکرہ ہے) جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے تورات (آچکی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ ان دلائل یعنی معجزات کی نسبت کہنے لگے یہ صریح جادو ہے ○

قوم سے ایک درخواست:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم میری رسالت کی سچائی جانتے ہو؟ پھر کیوں میرے درپے آزاد ہو؟ اس میں گویا ایک طرح پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے چنانچہ آپ کو بھی جب ستایا جاتا تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے ان کو اس سے زیادہ پریشان کیا گیا لیکن پھر بھی صابر رہے اور ساتھ ہی اس میں مومنوں کو ادب سکھایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائیں ایسا نہ کریں جس سے آپ کا دل میلا ہو جیسے اور جگہ ہے لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى...... (سورہ احزاب: ۶۹)۔ ایمان والو تم ایسے نہ ہونا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے والے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ذی عزت بندے کو ان کی افترا پردازیوں سے پاک کیا پس جب کہ یہ لوگ باوجود علم کے اتباع حق سے ہٹ گئے اور ٹیڑھے چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ہدایت سے ہٹا دیئے چنانچہ وہ شک و حیرت میں پڑ گئے جیسے اور جگہ ہے وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ...... (سورہ انعام: ۱۰۰) یعنی ہم ان کے دل اور آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں سرگرداں رہیں گے اور جگہ ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ...... (سورہ نساء: ۱۱۵) جو رسول کی مخالفت کرے ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی کی تابعداری کرے ہم اسے اسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہنمائی نہیں کرتا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خطبہ بیان ہوتا ہے جو آپ نے بنی اسرائیل میں پڑھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ تورات میں میری خوشخبری دی گئی تھی اور اب میں تمہیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی پیش گوئی سناتا ہوں جو نبی عربی امی مکی احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل انبیاء اور مرسلین کے خاتم ہیں آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آئے نہ رسول نبوت اور رسالت سب آپ پر من کل الوجوہ ختم ہوگئی صحیح بخاری میں

ایک نہایت پاکیزہ حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم احمد، ماحی، جس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹا دیا اور میں حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے ابو داؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اپنے بہت سے نام بیان فرمائے جو ہمیں محفوظ رہے ان میں چند یہ ہیں فرمایا میں محمد ہوں میں احمد ہوں میں حاشر ہوں میں مقفی ہوں میں نبی الرحمۃ ہوں میں نبی التوبہ ہوں میں نبی الملحمہ ہوں یہ حدیث بھی صحیح مسلم شریف میں ہے قرآن کریم میں ہے: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ...... (سورہ اعراف: ۱۵۷) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جنہیں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں تورات میں بھی اور انجیل میں بھی اور جگہ فرمان ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ...... (سورہ آل عمران: ۸۱) اللہ تعالیٰ نے جب نبیوں سے عہد لیا کہ جب بھی میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس میرا رسول آئے جو اسے پہنچاتا ہو جو تمہارے ساتھ تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے فرمایا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کوئی نبی اللہ تعالیٰ نے ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس سے یہ اقرار نہ لیا ہو کہ ان کی زندگی میں اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے جائیں تو وہ آپ کی تابعداری کرے بلکہ ہر نبی علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا رہا کہ وہ اپنی اپنی امت سے بھی یہ عہد لے لیں[1] ایک مرتبہ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں کچھ اپنے بارے میں بتائیے آپ نے فرمایا میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں میری والدہ کا جب پاؤں بھاری ہوا[2] تو خواب میں دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے شہر بصرہ کے محلات چمک اٹھے (ابن اسحٰق) اس کی سند عمدہ ہے اور دوسری سندوں سے اس کے شواہد بھی ہیں مسند احمد میں ہے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا درآنحالیکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندے ہوئے تھے میں تمہیں اس کی ابتداسناؤں میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں انبیاء کی والدہ عموماً اسی طرح کے خواب دیکھتی ہیں مسند احمد میں اور سند میں بھی اسی کے قریب روایت ہے مسند کی روایت اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاں بھیج دیا تھا ہم تقریباً اسی آدمی تھے ہم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جعفرؓ حضرت عبداللہ بن روحہؓ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت ابوموسیٰ وغیرہ بھی تھے ہمارے یہاں پہنچنے پر قریش نے یہ خبر پا کر ہمارے پیچھے اپنی طرف سے بادشاہ کے پاس دو سفیر بھیجے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید ان کے ساتھ دربار شاہی کے لئے تحفے بھی بھیجے جب یہ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا پھر دائیں بائیں گھوم کر بیٹھ گئے پھر اپنی درخواست پیش کی کہ ہمارے کنبے قبیلے کے چند لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر ہم سے بگڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں ہماری قوم نے ہمیں اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے نجاشی نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا یہیں اسی شہر میں ہیں حکم دیا کہ انہیں حاضر کرو چنانچہ یہ مسلمان صحابہؓ دربار میں آئے ان کے خطیب اس وقت حضرت جعفرؓ تھے باقی لوگ ان کے

---

[1] ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو یقیناً معلوم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کب مبعوث ہوں گے اور آپ کے دور میں کوئی بھی نبی نہ ہوگا تاہم محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور آپ کی عصمت کو ظاہر کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا جاتا رہا اور مزید اس میں مقصود یہ تھا کہ حضرات انبیاء کی وساطت سے ان کی امتوں سے عہد یہ جائے اور معلوم ہے کہ امتیں تو اب بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام کی موجود ہیں۔

[2] یعنی حمل کا استقرار ہوا۔

ماتحت تھے جب یہ آئے تو انہوں نے سلام کیا لیکن سجدہ نہیں کیا درباریوں نے کہا تم بادشاہ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف بھیجا اور اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نمازیں پڑھیں زکوۃ ادا کرتے رہیں اب عمرو بن عاص سے نہ رہا گیا کہ ایسا نہ ہو ان باتوں کا اثر بادشاہ پر پڑے درباریوں اور خود بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے وہ بیچ میں بول پڑا کہ حضور ان کے اعتقاد حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں آپ لوگوں سے بالکل مخالف ہیں اس پر بادشاہ نے پوچھا بتلاؤ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارا عقیدہ اس بارے میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں ہمیں تعلیم فرمایا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ ہیں روح اللہ ہیں جس روح کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم بتول کی طرف القا کیا جو کنواری تھیں کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقعہ تھا بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو اور اے واعظو عالمو اور درویشو ان کا اور ہمارا اس بارے میں ایک ہی عقیدہ ہے خدا کی قسم ان کے اور ہمارے عقیدہ میں اس تنکے جتنا بھی فرق نہیں اے جماعت مہاجرین تمہیں مرحبا ہو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا ہو جن کے پاس سے تم آئے ہو میری گواہی ہے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں وہی ہیں جن کی پیش گوئی ہم نے انجیل میں پڑھی ہے اور یہ وہی ہیں جن کی بشارت ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے میری سے طرف سے تمہیں عام اجازت ہے جہاں چاہو رہو سہو خدا کی قسم اگر ملک کے اس جھنجھٹ سے میں آزاد ہوتا تو میں قطعاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی جوتیاں اٹھاتا آپ کی خدمت کرتا اور آپ کو وضو کراتا اتنا کہہ کر حکم دیا کہ یہ دونوں قریشی جو تحفہ لے کر آئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیا جائے ان مہاجرین کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو جلدی ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے جنگ بدر میں بھی آپ نے شرکت کی اس شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگی یہ پورا واقعہ حضرت جعفرؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے چونکہ یہ الگ چیز ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں مختصراً ذکر کر دیا ہے مزید اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو ہمارا مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اگلے انبیاء کرام علیہم السلام برابر پیش گوئیاں کرتے رہے اور اپنی امت کو اپنی کتاب میں سے آپ کی صفتیں سناتے رہے اور آپ کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم کرتے رہے ہاں آپ کے امر کی شہرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی جو تمام انبیاء کے باپ تھے اسی طرح مزید شہرت کا باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی جس حدیث میں آپ نے سائل کے سوال پر اپنے امر نبوت کی نسبت دعا خلیل علیہ السلام اور نوید مسیح علیہ السلام کی طرف کی ہے اس سے یہی مراد ہے ان دونوں کے ساتھ آپ کا اپنی والدہ محترمہ کے خواب کا ذکر کرنا اس لئے تھا کہ اہل مکہ میں آپ کی شروع شہرت کا باعث یہ خواب تھا اللہ تعالیٰ عزوجل آپ پر بے شمار درود و رحمت بھیجے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت اور باوجود انبیاء کی متواتر پیش گوئیوں کے بھی جب آپ روشن دلیلیں لے کر آئے تو مخالفین نے اور کافروں نے کہا کہ یہ تو صاف صاف جادو ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٧﴾ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾

اور (واقعی) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا تو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس اتمام نور کے لئے) اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے (کہ یہی اتمام ہے) گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں ○

یہ کیسا ظلم؟

ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا باندھے اور اس کے شریک مقرر کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر یہ شخص بےخبر ہوتا جب بھی ایک بات تھی یہاں تو یہ حالت ہے کہ اس کو توحید اور اخلاص کی طرف بلایا جا رہا ہے بھلا ایسے ظالموں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ ان کفار کی تمنا تو یہ ہے کہ حق کو باطل سے رد کر دیں ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی سورج کو پھونک سے بےنور کرنا چاہے اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ خدا کا دین ان کفار سے رد ہو جائے اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کر کے ہی رہے گا کافر برا مانیں تو مانتے رہیں اس کے بعد اپنے دین کی حقانیت کو واضح فرمایا ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں گزر چکی ہے۔ فالحمدللہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو (جب ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو (جنت میں) ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور

عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں رہتے ہوں گے یہ بڑی کامیابی ہے اور (اس ثمرہ اخرویہ) کے علاوہ ایک اور (ثمرہ دنیویہ) بھی ہے کہ تم اس کو (بھی خاص طور پر) پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتحیابی اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مومنین کو بشارت دے دیجئے ○

ایک نہایت کارآمد سودا:

حضرت عبداللہ بن سلامؓ والی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنا چاہا کہ سب سے زیا محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو کون سا ہے؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں فرما رہا ہے کہ آؤ میں تمہیں ایک سراسر نفع و تجارت بتلاؤں جس میں نقصان کا کوئی امکان ہی نہیں جس سے مقصود حاصل اور ڈر زائل ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی وحدانیت اور ا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاؤ اپنا جان و مال اس کی راہ قربان کرنے پر تل جاؤ جان لو کہ یہ دنیا کی تجارت اور اس کے لئے کدوکاوش کرنے سے بہت ہی بہتر ہے اگر اس میری بتلائی ہوئی تجارت کے تم تاجر بن گئے تو تمہاری ہر لغزش سے ہر گناہ سے درگزر کرلوں گا اور جنتوں کے پاکیزہ محلات میں بلندو بالا درجوں میں تمہیں پہنچاؤں گا تمہارے بالا خانوں اور ان ہیشگی والے باغات درختوں تلے سے شفاف نہریں پوری روانی سے جاری ہوں گی یقین مان لو کہ زبردست کامیابی اور اعلیٰ مقصد یہی ہے اچھا اس سے زیا سنو تم جو ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد طلب کرتے رہتے ہو اور اپنی فتح چاہتے ہو تو میرا وعدہ ہے کہ یہ بھی تمہیں دوں گا ادھر مقا ہوا ادھر فتح ہوئی ادھر سامنے آئے ادھر فتح و نصرت نے رکاب بوسی کی اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد: ۷) اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کے مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قد عنایت فرمائے گا اور فرمان ہے: ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے د کی مدد کرے بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور غیر فانی عزت والا ہے یہ مدد اور یہ فتح دنیا میں اور وہ جنت اور نعمت آخرت میں ان لو کے حصے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگے رہیں اور دین خدا کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں ا لئے فرمایا کہ اے نبی ان ایمان والوں کو میری طرف سے یہ خوشخبری پہنچا دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿١٤﴾

اے ایمان والو تم اللہ کے دین کے) مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے (ان) حوارئین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں سو اس کوشش کے بعد بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان

لائے اور کچھ لوگ منکر رہے سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے ○

ابن مریم علیہ السلام کی آواز پر لبیک:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ جان و مال عزت و آبرو قول و فعل نقل و حرکت سے دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو قبول کرتے رہیں پھر مثال دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز پر فوراً لبیک پکار اٹھے اور ان کے اس کہنے پر کہ کوئی ہے جو خدا کی باتوں پر میری امداد کرے انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ ہم سب آپ کے ساتھی ہیں اور دین اللہ کی امداد میں آپ کے تابع ہیں چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلیوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر شام کے شہروں میں بھیجا حج کے دنوں میں سرور رسل صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے جگہ دے تاکہ میں خدا کی رسالت کو پہنچا دوں قریش تو مجھے رب کا پیغام پہنچانے سے روک رہے ہیں چنانچہ مدینہ کے اوس اور خزرج کو خدا تعالیٰ نے یہ سعادت ابدی بخشی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں قبول کیں اور مضبوط عہد و پیمان کئے کہ اگر آپ ہمارے ہاں آ جائیں تو پھر کسی سرخ و سیاہ کی طاقت نہیں جو آپ کو دکھ پہنچائے ہم آپ پر اپنی جانیں نثار کر دیں اور آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر ہجرت کر کے ان کے ہاں گئے تو فی الواقع انہوں نے اپنے کہنے کو پورا کر دکھایا اور اپنی زبان کی پاسداری کی اسی لئے انصار کے معزز لقب سے ممتاز ہوئے اور یہ لقب گویا ان کا امتیازی نام بن گیا اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں بھی راضی کرے آمین۔ اب جب کہ حواریوں کو لے کر آپ دین اللہ کی تبلیغ کے لئے کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو راہ راست پر آ گئے اور کچھ لوگ نہ آئے بلکہ آپ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ طاہری کو بدترین برائی کی طرف منسوب کیا ان یہودیوں پر خدا تعالیٰ کی پھٹکار پڑی اور ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ بن گئے پھر ماننے والوں میں سے بھی ایک جماعت ماننے کی حد سے گزر گئی اور انہیں ان کے درجہ سے بہت بڑھا دیا پھر اس گروہ میں بھی کئی گروہ ہو گئے بعض تو کہنے لگے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں بعض نے کہا تین میں کے تیسرے ہیں یعنی باپ بیٹا اور روح القدس اور بعضوں نے تو آپ کو خدا ہی مان لیا ان سب کا ذکر سورہ نساء میں مفصل ملاحظہ ہو سچے ایمان والوں کی جناب باری نے اپنے آخر الزماں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تائید کی ان کے دشمن نصرانیوں پر انہیں غالب کر دیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھائے آپ نہا دھو کر اپنے اصحاب کے پاس آئے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ بارہ صحابہ تھے جو ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے آتے ہی فرمایا تم میں وہ بھی ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں لیکن پھر میرے ساتھ کفر کریں گے اور ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بارہ بارہ مرتبہ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ وہ میرا ہم شکل کر دیا جائے اور اس طرح میرے بدلے قتل کیا جائے اور جنت میں میرے درجے میں میرا ساتھی بنے ایک نوجوان جوان سب میں کم عمر تھا اٹھ کھڑا ہوا اور خود کو پیش کیا آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ پھر وہی بات فرمائی اب کی مرتبہ بھی وہی کم عمر نوجوان صحابی کھڑے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اب کی مرتبہ بھی انہیں بٹھا دیا پھر تیسری مرتبہ بھی یہی سوال کیا اب کی مرتبہ بھی یہی نوجوان کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا بہت بہتر اسی وقت ان کی شکل وصورت بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی گھر کے ایک روزن سے آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے[1] اب یہودیوں کی دوڑ آئی اور

[1] یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ تو اس پر قادر تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیں اور چنانچہ اٹھا لیا پھر خواہ مخواہ ایک آدمی کی جان کیوں =

انہوں نے اس نوجوان کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کرلیا اور قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق ان باقی کے گیارہ لوگوں میں سے بعض نے بارہ بارہ مرتبہ کفر کیا حالانکہ اس سے پہلے ایماندار تھے پھر بنی اسرائیل کے ماننے والے گروہ کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے تو کہا کہ خود خدا ہمارے درمیان بصورت مسیح تھا جب تک چاہا رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا انہیں یعقوبیہ کہا جاتا ہے ایک فرقے نے کہا ہم میں خدا کا بیٹا تھا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اسے ہم میں رکھا اور جب چاہا اپنی طرف چڑھا لیا انہیں نسطوریہ کہا جاتا ہے تیسری جماعت حق پر قائم رہی ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کے بندے اور اس کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم میں تھے جب تک خدا کی مشیت رہی آپ ہم میں موجود رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا یہ جماعت مسلمانوں کی ہے پھر ان دونوں کافر جماعتوں کی طاقت بڑھ گئی اور انہوں نے ان مسلمانوں کو مار پیٹ کر قتل و غارت کرنا شروع کیا اور یہ مغلوب ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا پس بنی اسرائیل کی وہ مسلمان جماعت آپ پر بھی ایمان لائی اور ان کافر جماعتوں نے آپ سے کفر کیا پس ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب آجانا اور دین اسلام کا تمام ادیان کو مغلوب کر دینا ہی ان کا غالب آنا اور اپنے دشمنوں پر فتح پانا ہے ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر اور سنن نسائی پس یہ امت حق پر قائم رہ کر ہمیشہ تک غالب رہے گی یہاں تک کہ امر اللہ یعنی قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو کر مسیح دجال سے لڑائی کریں گے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔

تفسیر سورہ جمعہ مدنیہ

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورہ منافقون پڑھا کرتے تھے۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۙ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳

= لی گئی اصل میں بہت سی مصالح ہیں مثلاً یہی کہ کون اس صورت حال پر یقین لاتا ہے اور کون انکار کرتا ہے اور یہ کہ یہودیوں کی گمراہی میں اور اضافہ کی سمجھیں کہ ہم نے معاذ اللہ خدا کو ختم کر دیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں (قالاً و حالاً) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے (عیبوں سے) پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطل و اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں) سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ آپ کی (بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے اور علاوہ ان موجودین کے دوسروں کے لئے بھی ان میں سے جو ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ زبردست حکمت والا ہے یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آنا خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

النبی الامی:

ہر بے زبان اور ناطق چیز اللہ تعالیٰ عزوجل کی پاکیزگی بیان کرتی رہتی ہے جیسے اور جگہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو تمام مخلوق خواہ آسمان کی ہو خواہ زمین کی اس کی پاکیزگیوں کے بیان میں مصروف و مشغول ہے وہ آسمان و زمین کا بادشاہ اور ان دونوں میں اپنا پورا تصرف اور حکم جاری کرنے والا ہے وہ تمام تصرفات سے پاک اور بے عیب ہے تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے وہ عزیز و حکیم ہے اس کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے امیوں سے مراد عرب ہیں جیسے ارشاد ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ...... (سورہ آل عمران:۲۰) یعنی آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے؟ اور وہ مسلمان ہو جائیں تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ پھیر لیں تو آپ پر تو صرف اسلام کا پہنچا دینا ہے اور بندوں کی پوری دیکھ بھال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے یہاں عرب کا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ غیر عرب کی نفی ہو بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ان پر احسان و اکرام بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ہے[1] جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (سورہ زخرف:۴۴) یعنی یہ تیرے لئے بھی نصیحت ہے اور تیری قوم کے لئے بھی یہاں بھی قوم کی خصوصیت نہیں کیونکہ قرآن کریم سب جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے۔ اسی طرح اور جگہ فرمان ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (سورہ شعرا:۲۱۴) اپنی قرابت کنبہ والوں کو ڈرا دے یہاں بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کی تنبیہ صرف اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے بلکہ عام ہے ارشاد باری ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (سورہ اعراف:۱۵۸) لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور جگہ فرمان ہے لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (سورہ انعام:۱۹) یعنی اس کے ساتھ میں تمہیں خبردار کر دوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے اسی طرح قرآن کی بابت فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (سورہ ہود:۱۷) تمام گروہ میں سے جو بھی اس کا انکار کرے وہ جہنمی ہے اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کی طرف تھی کل مخلوق کے آپ پیغمبر تھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف آپ نبی ﷺ بنا کر بھیجے گئے تھے صلوات اللہ وسلامہ علیہ سورہ انعام کی تفسیر میں اس کا پورا بیان ہم کر چکے ہیں اور بہت سی آیات و احادیث ہم نے وہاں ذکر کی ہیں فالحمد للہ یہاں یہ فرمانا کہ ان پڑھوں یعنی عربوں میں اپنا رسول بھیجنا اس لئے ہے کہ حضرت خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت معلوم ہو جائے آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان ہی میں سے بھیجے جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائے انہیں پاکیزگی

[1] اس حیثیت سے کہ نبی آخر الزمان ﷺ انہیں میں مبعوث ہوئے انہیں کے خاندان قبیلہ سے تھے اور سب سے پہلے مخاطب بھی وہی تھے۔

سکھائے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جب کہ مخلوق کو نبی اللہ کی سخت حاجت تھی سوائے چند اہل کتاب کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم تھے اور افراط وتفریط سے الگ تھے باقی تمام دنیا دین حق کو بھلا بیٹھی تھی اور خدا تعالیٰ کی ناراضی کے کاموں میں مبتلا تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا آپ نے ان ناخواندہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے کلام کی آیتیں پڑھ کر سنائیں انہیں پاکیزگی سکھائی اور کتاب وحکمت کا معلم بنا دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے سینے عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے دعویدار تھے لیکن حالت یہ تھی کہ اصل دین کو خورد برد کر چکے تھے اس میں اس قدر تغیر وتبدل کر دیا کہ توحید کا عقیدہ شرک سے اور یقین شک سے بدل چکا تھا ساتھ ہی بہت ساری بدعتیں دین اللہ میں شامل کر دی تھیں اسی طرح اہل کتاب نے بھی اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا ان میں تحریف کر لی تھی اور متغیر کر دیا تھا ساتھ ہی معنی میں بھی الٹ پھیر کر لیا تھا پس اللہ پاک نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان شریعت اور کامل مکمل دین دے کر دنیا والوں کی طرف بھیجا کہ اس فساد کی اصلاح کریں اہل دنیا کو اصل احکام پہنچائیں خدا کی مرضی اور نامرضی کے احکام لوگوں کو معلوم کرائیں جنت سے قریب کرنے والے عذاب سے نجات دلانے والے تمام اعمال بتلائیں ساری مخلوق کے ہادی بنیں اصول وفروع سب سکھائیں کوئی چھوٹی بڑی بات باقی نہ چھوڑیں تمام شک شبے سب کے دور کر دیں اور ایسے دین پر لوگوں کو ڈال دیں جس میں ہر بھلائی موجود ہو اس بلند وبالا خدمت کے لئے آپ میں وہ برتریاں اور بزرگیاں جمع کر دیں جو نہ آپ سے پہلے کسی میں تھیں نہ آپ کے بعد کسی میں ہو سکیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ آپ پر درود وسلام نازل فرمائے آمین دوسری آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو لوگوں نے پوچھا کہ اخرین منھم سے کیا مراد ہے[1]؟ تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تب آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر رکھا اور اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس ہوتا تو بھی ان لوگوں میں سے ایک یا کئی ایک پا لیتے اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری تمام دنیا والوں کی طرف ہے صرف عرب والوں کے لئے مخصوص نہیں کیونکہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو بتایا اسی عام بعثت کی بنا پر آپ نے فارس وروم کے بادشاہوں کے نام اسلام قبول کرنے کے فرامین بھیجے حضرت مجاہد وغیرہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد عجمی لوگ ہیں یعنی عرب کے سوا کے لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کی وحی کی تصدیق کریں ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ اب سے تین پشتوں کے بعد آنے والے میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی وہ خدا عزت وحکمت والا ہے اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں غالب باحکمت ہے پھر فرمان ہے یہ اللہ کا فضل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی زبردست عظیم الشان نبوت کے ساتھ سرفراز فرمانا اور اس فضل عظیم سے بہرہ ور کرنا یہ خاص خدا کا فضل ہے اللہ اپنا فضل جسے چاہے دے وہ بڑا فضل وکرم والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

[1] صاف بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ''آخرین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے عہد مبارک میں نہیں تھے اور بعد میں آنے والے تھے گویا کہ قیامت تک ہونے والے تمام انسان۔ چنانچہ معالم التنزیل میں ابن زید کے حوالے یہ لکھا ہے: و قال ابن زید هم جميع من دخل في الاسلام بعد النبي الى يوم القيامة.

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ ع ۱

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (غرض) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے خدائی آیات کو جھٹلایا (جیسے یہود ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (توفیق) ہدایت (کی) نہیں دیا کرتا اور اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم باوجود اس حالت کے بھی اللہ کے مقبول ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلا شرکت غیرے اللہ کے مقبول (ومحبوب) ہو تو تم (اس کی تصدیق کے لئے) موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف سزا) اعمال (کفریہ) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ (موت) ایک روز تم کو آ پکڑے گی پھر تم پورے اور ظاہر جاننے والے (خدا) کے پاس لے جائے جاؤ گے پھر وہ تم کو سب کئے ہوئے کام بتا دے گا (اور سزا دے گا) ○

چار پایہ بر و کتابے چند:

ان آیتوں میں یہودیوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں تورات دی گئی اور عمل کرنے کے لئے انہوں نے اسے لیا پھر عمل نہ کیا فرمایا جاتا ہے کہ ان کی مثال گدھے کی سی[1] ہے کہ اگر اس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو اسے یہ تو معلوم ہے کہ اس پر کوئی بوجھ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے اسی طرح یہ یہود ہیں کہ ظاہری الفاظ تو خوب رٹے ہوئے ہیں لیکن مرتو یہ معلوم ہے کہ مطلب کیا ہے؟ نہ اس پر ان کا عمل ہے بلکہ اور تبدیل وتحریف کرتے رہتے ہیں پس دراصل یہ اس بے سمجھ جانور سے بھی بدتر ہیں کیونکہ اسے تو قدرت نے سمجھ ہی نہیں دی لیکن یہ سمجھ رکھتے ہوئے پھر بھی اس کا استعمال نہیں کرتے اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (سورہ اعراف: ۱۷۹) یہ لوگ مثل چوپایوں کے بلکہ ان سے زیادہ بہکے ہوئے یہ غافل لوگ ہیں یہاں فرمایا اللہ کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کی بری مثال ہے ایسے ظالم خدا کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں مسند احمد میں ہے جو شخص جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں بات کرے[2] وہ مثل گدھے کے ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور جو اسے کہے کہ چپ رہ اس کا بھی جمعہ[3] جاتا رہا

[1] جو قطعاً نفع اپنے بوجھ سے نہیں اٹھاتا اسی طرح یہ بھی اپنے علوم سے فائدہ حاصل نہیں کرتے گویا کہ تشبیہ غیر نافع ہونے میں ہے اور گدھے کا اس سے ذکر آیا کہ اس کی حماقت بالکل مسلم ہے چنانچہ امام رازی نے بھی لکھا ہے کہ و فی الحمار من الذل والحقارۃ مالا یکون فی غیرہ۔ =

پھر فرماتا ہے اے یہودیو اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم حق پر ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ناحق پر ہیں تو آؤ اور دعا ما
کہ ہم دونوں میں سے جو ناحق پر ہو خدا تعالیٰ اسے موت دے پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے جو اعمال آگے بھیج رکھے ہیں وہ ان
سامنے ہیں مثلاً کفر، فسق، فجور، ظلم، نافرمانی وغیرہ اس وجہ سے ہماری پیش گوئی ہے کہ وہ اس پر تیار نہ ہوں گے ان ظالموں کو خدا بخوبی جا
ہے سورہ بقرہ کی آیت: قُلْ اِنْ كَانَتْ...... (سورہ بقرہ:۹۴) کی تفسیر میں یہودیوں کے اس مباہلے کا پورا ذکر ہم کر چکے ہیں اور وہیں
بھی بیان کر دیا ہے کہ اپنے اوپر اگر خود گمراہ ہوں یا اپنے مقابل پر اگر وہ گمراہ ہوں تو موت کی بددعا کریں جیسے کہ نصرانیوں کے مباہلہ کا
ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت: فَمَنْ حَآجَّكَ...... (سورہ آل عمران:۶۱) مشرکین سے بھی مباہلہ کا اعلان کیا گ
تھا ملاحظہ ہو تفسیر سورہ مریم آیت: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ...... (سورہ مریم:۷۵) یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دے
جو گمراہی میں ہو رحمٰن اسے اور بڑھا دے مسند احمد میں ہے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں مح
صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو اس کی گردن ناپوں گا جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ا
کرتا تو سب دیکھتے کہ فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہود میرے مقابلہ پر آ کر موت طلب کرتے تو یقیناً وہ مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم د
لیتے اور اگر مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و عیال کو ہرگز نہ پاتے یہ حدیث بخاری ترمذی اور نسائی میں بھی موجود
پھر فرماتا ہے موت سے بچ ہی نہیں سکتا جیسے سورہ نسا میں ہے اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَ
(سورہ نساء:۷۸) یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں تمہیں موت پا ہی لے گی گو مضبوط محلوں میں ہو معجم طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں
موت سے بھاگنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک لومڑی ہو جس پر زمین کا کچھ قرض ہو وہ اس خوف سے کہ کہیں یہ مجھ سے یہ مانگ
بیٹھے بھاگتے بھاگتے جب تھک جائے تب اپنے بھٹ میں گھس جائے جہاں گھسی اور زمین نے اس سے تقاضا کیا کہ لومڑی میرا قر
ادا کر دو پھر وہاں سے دم دبائے تیزی سے بھاگی آ کر یوں ہی بھاگتے بھاگتے ہلاک ہوگئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا
کرو اور خرید و فروخت اور (اسی طرح) دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں چھوڑ دیا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ
سمجھ ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی اور بیع وغیرہ کا فانی پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو
اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اس میں بھی اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ ○

۲ جمعہ کا خطبہ سننا بے حد ضروری ہے احادیث میں شدید وعید ہے اس شخص کے لئے جو خطبہ کے درمیان گفتگو میں مصروف ہو۔
۳ اس لئے کہ ایک شخص کو اگرچہ اس نے روکا لیکن وہ بھی ایسے وقت میں بولا جب کہ بولنا قطعاً ممنوع ہے۔

صلوٰۃ جمعہ:

جمعہ کا لفظ جمع سے مشتق ہے وجہ استقاق یہ ہے کہ اس دن مسلمان بڑی بڑی مساجد میں خدا کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ بھی وجہ ہے کہ اسی دن تمام مخلوق کامل ہوئی چھ دن میں ساری کائنات بنائی گئی چھٹا دن جمعہ کا ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی دن جنت میں بسائے گئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے اسی دن قیامت قائم ہوگی اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے جو طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے عنایت فرماتا ہے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان سے پوچھا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا اسی دن تیرے ماں باپ آدم وحوا کو اللہ تعالیٰ نے جمع کیا[1] یا یوں فرمایا کہ تمہارے باپ کو جمع کیا اسی طرح ایک موقوف حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فالحمدللہ پہلے اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا پہلی امتوں کو بھی ہر سات دن میں ایک دن دیا گیا تھا لیکن جمعہ کی ہدایت انہیں نہ ہوئی یہودیوں نے ہفتہ پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش شروع بھی نہ ہوئی تھی نصاریٰ نے اتوار کو اختیار کیا جس میں مخلوق کی پیدائش کی ابتدا ہوئی ہے اور اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ پسند فرمایا جس دن میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پورا کیا تھا جیسے صحیح بخاری کی حدیث میں ہے ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی پھر ان کے اس دن کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ راست دکھائی پس لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہودی کل اور نصرانی پرسوں مسلم میں اتنا اور بھی ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق میں سے سب سے پہلے فیصلہ ہمارے بارے میں کیا جائے گا یہاں اللہ تعالیٰ مومنوں کو جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے رہا ہے سعی سے یہاں دوڑنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے قصد کرو چل پڑو کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جاؤ جیسے اس آیت میں سعی کوشش کے معنی میں ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (سورہ بنی اسرائیل:۱۹) یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے پھر اس کے لئے کوشش بھی کرے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے یہ یاد رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا منع ہے۔ صحیحین میں ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ چلو۔ دوڑو نہیں جتنی پاؤ پڑھ لو جو فوت ہو ادا کر لو ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نماز میں تھے تو لوگوں کی آہٹ زور زور سے سنی فارغ ہو کر فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت ہم جلدی جلدی نماز میں شامل ہوئے فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ جتنی پاؤ پڑھ لو جو چھوٹ جائے پوری کر لو حضرت حسنؒ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ[2] دوڑ کر نماز کی طرف آؤ یہ تو منع ہے بلکہ مراد دل اور نیت اور خشوع خضوع ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں اپنے دل اور اپنے عمل سے کوشش کرو جیسے اور جگہ ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (سورہ صافات:۱۰۲) حضرت ذبیح اللہ جب خلیل اللہ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے جمعہ کے لئے آنے والے کو غسل بھی کرنا چاہئے بخاری مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرے وہ غسل کر لیا کرے اور حدیث میں ہے کہ جمعہ کے

---

[1] جبکہ وہ آسمان سے علیحدہ علیحدہ اتارے گئے تو جمعہ ہی کے دن ایک دوسرے کے ساتھ ملے۔

[2] سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر فیض الباری میں ہے کہ بس ایسا اہتمام جمعہ کے دن ہونا چاہئے جس سے معلوم ہو کہ آج جمعہ کا دن ہے اور یہ مسلمان اس کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے اور ایسے ہی جمعہ کے نماز میں شرکت کے لئے چلنا چاہئے تیز تیز قدم سے جو دوڑنے کی حد تک نہ ہونا چاہئے اور جس میں وقار و سکون بھی باقی رہے یہی مطلب ہے سعی الی الجمعہ کا۔

دن غسل ہر بالغ پر واجب[1] ہے اور روایت میں ہے کہ ہر بالغ پر ساتویں دن سر اور جسم کا دھونا ہے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ دن جمعہ کا دن ہے سنن اربعہ میں ہے جو شخص جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے ہی مسجد کی طرف چل دے پیدل ہو سوار نہ ہو اور امام سے قریب ہو کر بیٹھے خطبے کو کان لگا کر سنے لغو نہ کرے تو اسے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور سال بھر کے قیام کا ثواب ہے بخاری و مسلم میں ہے جو شخص جمعہ کے دن جنابت کے غسل کی طرح غسل کر کے اول ساعت میں جائے اس نے گویا ایک اونٹ خدا کی راہ میں قربان کیا دوسری ساعت میں جانے والا مثل گائے قربانی کرنے والے کے ہے تیسری ساعت میں جانے والا بھیڑ کی قربانی کرنے والے جیسا ہے چوتھی ساعت میں جانے والا مرغ راہ خدا میں تصدق کرنے والے کی طرح ہے پانچویں ساعت میں جانے والا انڈا راہ اللہ دینے والے جیسا ہے پھر جب امام آ جائے فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں مستحب ہے کہ جمعہ کے دن اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنے خوشبو لگائے مسواک کرے اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لئے آئے ایک حدیث میں غسل کے بیان کے ساتھ ہی مسواک کرنا اور خوشبو ملنا بھی ہے مسند میں ہے جو جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے گھر والوں کو خوشبو ملے اگر ہو اور اچھا لباس پہنے اور مسجد میں آئے اور کچھ نوافل پڑھے اگر جی چاہے اور کسی کو ایذا نہ دے (یعنی گردنیں پھلانگ کر نہ آئے نہ بیٹھے ہوئے کو ہٹائے) پھر جب امام آ جائے اور خطبہ شروع ہو خاموشی سے سنے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے ہوں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے ابو داؤد و ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے روزمرہ کے محنتی لباس کے علاوہ وہ کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص کر رکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں پر وہی معمولی چادریں دیکھیں تو فرمایا اگر طاقت ہو تو ایسا کیوں نہ کر لو جس اذان کا یہاں ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد وہ اذان ہے جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی جب آپ گھر سے تشریف لاتے منبر پر جاتے اور آپ کے بیٹھ جانے کے بعد آپ کے سامنے یہ اذان ہوتی تھی اس سے پہلے کی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی اسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صرف لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر زیادہ کیا صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کی اذان صرف اسی وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر خطبہ کہنے کے لئے بیٹھ جائے حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے دوسری اذان ایک الگ جگہ پر کہلوانی شروع کی اس مکان کا نام زوراء تھا مسجد سے سب سے بلند یہی مکان تھا حضرت مکحول سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ اذان صرف ایک ہی تھی جب امام آتا تھا اس کے بعد صرف تکبیر ہوتی تھی جب نماز کھڑی ہونے لگے اسی اذان کے وقت خرید و فروخت حرام تھی حضرت عثمانؓ نے اس سے پہلے کی اذان کا حکم صرف اس لئے دیا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں جمعہ میں آنے کا حکم آزاد مردوں کو ہے عورتوں غلاموں اور بچوں کو نہیں مسافر مریض اور تیمار دار اور ایسے ہی اور عذر والے بھی معذور گنے گئے ہیں جیسے کہ کتب فقہ کا بیان موجود ہے پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ دو یعنی ذکر اللہ کے لئے چل پڑو تجارت کو ترک کر دو جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے علماء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے[2] اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ کی طرف تمہارا آنا ہی

[1] امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جمعہ کا غسل مستحب ہے۔

[2] خرید و فروخت کا ذکر صرف اس لئے آ گیا کہ عموماً یہی مصروفیات ہیں جو انسان کو ذکر اللہ سے روکتی ہیں ورنہ اصل مقصود تو ان تمام مشاغل کو ترک کرنا ہے جو کہ ذکر اللہ میں مانع ہوں۔

تمہارے حق میں دین و دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے اٹھ کر چلے جانا اور خدا کے فضل کی تلاش میں لگ جانا تمہارے لئے حلال ہے عراک بن مالکؒ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِيْ فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ یعنی اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم) اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا پھر فرماتا ہے کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اخروی نفع بھول جاؤ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی ضرورت سے بازار جائے[1] اور وہاں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جب کہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا رہے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲/۱۲

اور (بعضے لوگوں کا حال یہ ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب) خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے ○

تنبیہ:

مدینہ میں جمعہ کے دن تجارتی مال کے آجانے کی وجہ سے جو حضرات خطبہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ عتاب کر رہا ہے کہ یہ لوگ[2] کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف چل کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں یہ مال تجارت وحیہ بن خلیفہ کا تھا جمعہ کے دن آیا اور شہر میں خبر کے لئے طبل بجنے لگا حضرت وحیہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے طبل کی آواز سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے صرف چند آدمی رہ گئے مسند احمد میں ہے صرف بارہ آدمی رہ گئے باقی لوگ اس تجارتی قافلہ کی طرف چل دیئے جس پر یہ آیت اتری مسند یعلی میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے اور سب اٹھ کر چلے جاتے تو تم سب پر یہ وادی آگ بن کر بھڑک اٹھتی جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

[1] بازار میں خرید و فروخت کی مصروفیت زیادہ ہوتی ہے اس لئے عموماً آدمی ذکر اللہ اس وقت بھول جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ غفلت کے ایسے اوقات میں خدا تعالیٰ کو یاد رکھنا سب سے بڑا کمال اور عظیم اجر کا باعث ہے۔

[2] یہ نئے مسلمان تھے جو ابھی اسلام اور احکام اسلام سے ناواقف تھے یہ سمجھے کہ نماز تو آخر ہو ہی گئی اب بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔

سے نہیں گئے تھے ان میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر بھی تھے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کا خطبہ فارغ ہو کر پڑھنا چاہیے[۱] صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن دو خطبے پڑھتے تھے درمیان میں بیٹھ جاتے تھے قرآن شریف پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر و نصیحت فرماتے تھے یہاں یہ بات بھی معلوم رہنی چاہیئے کہ یہ واقعہ بہ قول بعض اس وقت کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے جیسے عیدین میں ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ خطبہ سنا رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ وحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آیا ہے یہ سن کر سوائے چند لوگوں کے اور سب اٹھ کھڑے ہوئے پھر فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خبر سنا دو کہ دار آخرت کا ثواب جو عند اللہ ہے وہ کھیل تماشے سے خرید و فروخت سے بہت ہی بہتر ہے توکل خدا پر کر کے طلب رزق اوقات اجازت میں جو کرے اللہ اسے بہترین طریق پر روزیاں دے گا۔

تفسیر سورۃ المُنٰفقون مدنیه

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۱۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور یہ تو

[۱] معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ آنحضور ﷺ خطبہ بیٹھ کر دیتے یا کھڑے ہو کر؟ اس پر ابن عمرؓ نے سائل سے دریافت فرمایا کہ یہاں کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت وتر کوک قائما نہیں پڑھی گویا کہ انہوں نے اس آیت سے سائل کو جواب دیا کہ آنحضور ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔

اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس میں تو ان کے قول کی تکذیب نہیں کی جاتی) اور (باوجود اس کے) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال بچانے کے لئے) بنا رکھا ہے پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک ان کے یہ اعمال بہت برے ہیں اور ہمارا یہ کہنا کہ ان کے اعمال بہت برے ہیں اس سبب سے ہے کہ یہ (اقوال ظاہر میں) ایمان لائے پھر (کلمات کفر یہ کہہ کر) کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو (شان و شوکت ظاہری کی وجہ سے) ان کے قد و قامت آپ کو خوش نما معلوم ہوں گے اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں سن لیں گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں ہر غل پکار کو (خواہ وہ کس وجہ سے ہو) اپنے اوپر (پڑنے والی) خیال کرنے لگتے ہیں یہی لوگ (تمہارے پورے) دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہئے خدا ان کو غارت کرے (دین حق سے) کہاں پھرے جا رہے ہیں ○

منافقانہ چالبازیاں:

اللہ تعالیٰ منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا ہے کہ گو یہ تیرے پاس آ کر قسمیں کھا کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور تیری رسالت کا اقرار کرتے ہیں مگر دل کے کھوٹے ہیں فی الواقع آپ رسول اللہ بھی ہیں ان کا یہ قول بھی ہے مگر چونکہ دل میں اس کا کوئی اثر نہیں لہٰذا یہ جھوٹے ہیں اس بات میں کہ یہ تجھے رسول اللہ مانتے ہیں یہ سچے ہونے کے لئے گو قسمیں کھائیں لیکن آپ یقین نہ کیجئے یہ قسمیں تو ان کا ایک معمولی مشغلہ ہے گویا کہ یہ اپنے جھوٹ کو سچ بنانے کا ایک ذریعہ ہیں مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان سے ہوشیار رہیں کہیں انہیں سچا ایماندار سمجھ کر کسی بات میں ان کی تقلید نہ کرنے لگیں اور پھر یہ اسلام کے رنگ میں ان سے کفر نہ کرا دیں یہ خدا کی راہ سے دور اور بد اعمال لوگ ہیں ضحاک کی قرأت میں ایمانھم الف کے زیر کے ساتھ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی ظاہری تصدیق کو اپنے لئے تقیہ بنا لیا ہے کہ قتل سے اور حکم کفر سے دنیا میں بچ جائیں یہ نفاق ان کے دلوں میں اس گناہ کی نحوست کے باعث رچ گیا ہے کہ ان کے دل ایمان سے گھوم کر کفر کی طرف اور ہدایت سے ہٹ کر ضلالت کی جانب آ گئے ہیں اب دلوں پر مہر خدا لگ چکی ہے اور بات کی تہ کو پہنچنے کی قابلیت سب سلب ہو چکی ہے بظاہر تو خوش رو خوش اس فصاحت اور بلاغت سے گفتگو کرتے ہیں کہ خواہ مخواہ دوسرے کا دل اٹکا لیں لیکن باطن میں بڑے کھوٹے بڑے کمزور دل نامراد اور بدنیت ہیں جہاں کوئی واقعہ بھی رونما ہوا اور سمجھ بیٹھے کہ ہائے مرے اور جگہ ہے: اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ...... (سورہ احزاب: ۱۹) تمہارے مقابلہ میں بخل کرتے ہیں پھر جس وقت خوف ہوتا ہے تو تمہاری طرف اس طرح آنکھیں پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں گویا کسی شخص پر موت کی بے ہوشی طاری ہے پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تمہیں اپنی بدکلامی سے چھید ڈالتے ہیں اور مال غنیمت کی حرص میں نہ کہنے کی باتیں کہہ گزرتے ہیں یہ بے ایمان ہیں ان کے اعمال غارت ہیں اللہ پر یہ امر نہایت ہی آسان ہے پس ان کی یہ آوازیں خالی پیٹ کے ڈھول کی بلند بانگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں یہی تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں اور مسکین صورتوں کے دھوکہ میں نہ آ جانا اللہ انہیں برباد کرے ذرا سوچیں تو کیوں ہدایت کو چھوڑ کر بے راہی پر چل رہے ہیں؟ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی بہت سی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں ان کا سلام لعنت ہے ان کی خوراک لوٹ مار ہے ان کی غنیمت حرام اور خیانت ہے وہ مسجدوں کی نزدیکی ناپسند کرتے ہیں وہ نمازوں کے لئے آخری وقت آتے ہیں تکبر اور نخوت والے ہوتے ہیں نرمی اور سلوک تواضع اور انکساری سے محروم ہوتے ہیں نہ خود ان کاموں کو کریں نہ دوسروں کے ان کاموں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں رات کی لکڑیاں اور دن کے شور و غل کرنے والے اور روایت میں ہے دن کو خوب کھانے پینے والے اور رات کو خشک لکڑیوں کی طرح پڑ رہنے والے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ۝۷ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۸

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر دیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح اور تحصیل استغفار سے) تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہو تو) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ ان کے لئے آپ استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت کی نہیں دیتا یہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے اور (ان کا یہ کہنا جہل محض ہے کیونکہ) اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں (اور یہ لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا اور یہ (کہنا جہل محض ہے بلکہ) اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) لیکن منافقین جانتے نہیں ○

منافقین کو دعوت لیکن اس کی قبولیت سے اعراض:

ملعون منافقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں پر جب ان سے سچے مسلمان کہتے ہیں کہ آؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا تو یہ تکبر کے ساتھ سر ہلانے لگتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور رک جاتے ہیں اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب ان کے لئے بخشش کے دروازے بند ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار بھی انہیں کچھ نفع نہ دے گا[1]۔ بھلا ان فاسقوں کی قسمت میں ہدایت کہاں؟ سورہ برأت میں بھی اس مضمون کی آیت گزر چکی ہے اور وہیں اس کی تفسیر اور ساتھ ہی اس کے متعلق کی حدیثیں بیان کر دی گئی ہیں ابن ابی حاتم میں ہے کہ سفیان منافق نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا تھا اور غضب و تکبر کے ساتھ ترچھی آنکھ سے گھورتا تھا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اور سلف میں سے اکثر حضرات کا فرمان ہے کہ سب کا سب بیان عبداللہ بن ابی کا ہے جیسے کہ عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی سلول اپنی قوم کا بڑا شخص تھا جب نبی صلی اللہ علیہ

[1] کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں اور نبی کا استغفار اسی کے حق میں مفید ہوتا ہے جو مومن عاصی ہو۔

وسلم جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تھے تو یہ کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا لوگو یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تم میں موجود ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارا اکرام کیا اور تمہیں عزت دی اب تم پر فرض ہے کہ تم آپ کی مدد کرو اور آپ کی عزت و تکریم کرو آپ کا فرمان سنو اور جو فرمائیں بجالاؤ یہ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا احد کے میدان میں اس کا نفاق کھل گیا اور یہ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کر کے تہائی لشکر کو لے کر واپس مدینہ لوٹ آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد سے فارغ ہو کر مدینہ میں بخیریت تشریف لائے جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر چڑھے اور حسب عادت یہ آج بھی کھڑا ہوا اور کہنا چاہتا تھا کہ بعض صحابہؓ ادھر ادھر سے کھڑے ہو گئے اور اس کے کپڑے پکڑ کہنے لگے دشمن خدا بیٹھ جا تو اب یہ کہنے کا منہ نہیں رکھتا تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں اب تو اس کا اہل نہیں کہ زبان سے جو جی میں آئے بکارے یہ ناراض ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا اور کہتا جاتا تھا کہ گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا میں تو اس کا کام اور مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا چند انصاری اسے مسجد کے دروازے پر مل گئے انہوں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہا کہ میں تو اس کا کام مضبوط کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا جو چند اصحاب مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے گھسیٹنے لگے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے گویا کہ میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا حالانکہ میری نیت یہ تھی کہ میں آپ کی باتوں کی تائید کروں انہوں نے کہا خیر اب تم واپس چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں گے آپ تمہارے لئے خدا سے بخشش چاہیں گے اس نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں حضرت قتادہ اور حضرت سدی فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری ہے واقعہ یہ تھا کہ اسی کی قوم کے ایک نوجوان مسلمان نے اس کی ایسی ہی چند بری باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلوایا تو یہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا انصاریوں نے اس صحابی کی ملامت کی اور ڈانٹ ڈپٹ کی اور اسے جھوٹا جانا اس پر یہ آیتیں اتریں اور اس منافق کی جھوٹی قسموں کا اور اس نوجوان صحابی کی صداقت کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اب اس سے کہا گیا کہ تو چل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کر تو اس نے انکار کے لہجے میں سر ہلا دیا اور نہ گیا ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جس منزل میں اترتے وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی کہہ رہا ہے کہ ہم عزت والے ان ذلت والوں کو مدینہ پہنچ کر نکال دیں گے پس آپ نے آخری دن اترنے سے پہلے ہی کوچ کر دیا اس سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اپنی خطا کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر اس کا بیان اس آیت میں ہے اس کی اسناد سعید بن جبیرؒ تک تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے اس میں تامل ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ عبداللہ بن ابی سلول تو اس غزوہ میں تھا ہی نہیں بلکہ لشکر کی ایک جماعت کو لے کر یہ تو لوٹ گیا تھا کتب سیر و مغازی کے مصنفین میں تو یہ مشہور ہے کہ یہ واقعہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنو المصطلق کا ہے چنانچہ اس قصہ میں حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر اور حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے منقول ہے کہ اس لڑائی کے موقعہ پر حضور کا ایک جگہ پر قیام تھا وہاں حضرت جہجاہ بن سعید غفاری اور حضرت سنان بن یزید کا پانی کے اژدحام پر کچھ جھگڑا ہو گیا جہجاہ حضرت عمرؓ کے کارندے تھے جھگڑے نے طول پکڑا سنان نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور جہجاہ نے مہاجرین کو اس وقت حضرت زید بن ارقم وغیرہ انصار کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی سلول کے پاس بیٹھی تھی اس نے جب یہ فریاد سنی تو کہنے لگا لو ہمارے شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیئے خدا کی قسم ہماری اور قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کرتا کہ تجھے ہی کاٹے خدا کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم ذی مقدور لوگ ان غیر مقدوروں کو وہاں سے نکال دیں گے پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے

پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا تم نے انہیں اپنے مالوں کا آدھوں آدھ حصہ دیا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آ کر مدینہ سے نکل بھاگیں گے حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ تمام باتیں سنیں آپ اس وقت بہت کم عمر تھے سیدھے سرکار نبوت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان فرمایا اس وقت آپ پاس کے حضرت عمرؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے غضب ناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد بن بشر کو حکم فرمائیے کہ اس کی گردن الگ کر دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو عبداللہ بن ابی سلول کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی گفتگو کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا ہے تو بہت سٹ پٹایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر معذرت اور حیلے حوالے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا چونکہ یہ شخص اپنی قوم میں قوی عزت اور باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس بچے نے ہی غلطی کی ہو اسے وہم ہو گیا ہو واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلدی ہی کوچ کے وقت سے پہلے ہی تشریف لے چلے راستے میں حضرت اسید بن حضیرؓ ملے اور آپ کی شان نبوت کے قابل باادب سلام کیا پھر عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کیا بات ہے جو وقت سے پہلے ہی جناب نے کوچ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ ابن ابی نے کیا کہا وہ کہتا ہے کہ مدینہ جا کر ہم عزیز ان ذلیلوں کو نکال دیں گے حضرت اسید نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے آپ ہیں اور ذلیل وہ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کی باتوں کا خیال بھی نہ فرمائیں دراصل یہ بہت جلا ہوا ہے سنیئے اہل مدینہ نے اسے سردار بنانے پر اتفاق کر لیا تھا تاج تیار ہو رہا تھا کہ اللہ رب العزت آپ کو لے آیا اس کے ہاتھ سے ملک نکل گیا پس یہ چراغ پا ہو رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہی رہے دوپہر کو ہی چل دیئے تھے شام ہوئی رات ہوئی صبح ہوئی یہاں تک کہ دھوپ میں تیزی آ گئی تب آپ نے پڑاؤ کیا تاکہ لوگ اس بات پر پھر نہ الجھ جائیں چونکہ تمام لوگ تھکے ہارے اور رات کے جاگے ہوئے تھے اترتے ہی سب سو گئے ادھر یہ سورت نازل ہوئی (سیرۃ ابن اسحاق) بیہقی میں ہے کہ ہم غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پتھر مار دیا اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں نے اپنی اپنی جماعت سے فریاد کی اور انہیں پکارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا جاہلیت کی بانگ لگانے لگے اس فضول خراب عادت کو چھوڑ دو عبداللہ بن ابی بن سلول کہنے لگا اب مہاجر یہ کرنے لگ گئے اللہ کی قسم مدینہ پہنچتے ہی ہم ذی عزت ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے اس وقت مدینہ شریف میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی گو بعد میں مہاجرین بہت زیادہ ہو گئے تھے حضرت عمرؓ کو جب ابن ابی کے اس قول کا علم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ نے روک دیا مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ غزوہ تبوک میں میں نے جب اس منافق کا یہ قول بیان کیا اور اس نے آ کر انکار کیا اور قسمیں کھا گیا اس وقت میری قوم نے مجھے بہت کچھ برا کہا اور ہر طرح ملامت کی کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر نازل فرمایا اور تیری سچائی ظاہر کی ہے اور یہ آیت اتری: **هم الذين......** یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں ہے مسند احمد میں حضرت زید بن ارقم کا یہ بیان اس طرح ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کی یہ دونوں باتیں سنیں میں نے اپنے چچا سے بیان کیں اور میرے چچا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیں جب آپ نے اسے بلایا اس نے انکار کیا اور قسمیں کھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سچا اور مجھے جھوٹا جانا میرے چچا

نے بھی مجھے بہت برا بھلا کہا اور مجھے اس قدر غم اور ندامت ہوئی کہ میں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ یہ سورت اتری اور آپ نے میری تصدیق کی اور مجھے یہ پڑھ کر سنائی مسند کی اور روایت ہے کہ ایک سفر کے موقعہ پر جب صحابہؓ کو تنگی پہنچی تو اس نے انہیں کچھ دینے کی ممانعت کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اس لئے بلوایا کہ ان کے لئے استغفار کریں تو انہوں نے اس سے بھی منہ پھیر لیا قرآن کریم نے انہیں ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں اس لئے کہا کہ یہ لوگ اچھے جمیل جسم والے تھے ترمذی وغیرہ میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ہمارے ساتھ کچھ بدوی بھی تھے پانی کی جگہ وہ پہلے پہنچنا چاہتے تھے اسی طرح ہم بھی اسی کی کوشش میں رہتے تھے ایک مرتبہ ایک اعرابی نے جا کر پانی پر قبضہ کر کے حوض پر کر لیا اور اس کے اردگرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا ایک انصاری نے آ کر اس حوض میں سے اپنے اونٹ کو پانی پلانا چاہا اس نے روکا انصاری نے پلانے پر زور دیا اس نے ایک لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا یہ چونکہ عبداللہ بن ابی کا ساتھی تھا سیدھا اس کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنانا عبداللہ بڑا بگڑا اور کہنے لگا ان اعرابیوں کو کچھ نہ دو یہ خود بھوکے مرتے بھاگ جائیں گے یہ کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جاتے تھے اور کھالیا کرتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے کہا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا لے کر ایسے وقت جاؤ جب یہ لوگ نہ ہوں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھالیں گے یہ رہ جائیں گے یوں ہی بھوکوں مرتے بھاگ جائیں گے اور اب ہم مدینہ جا کر ان کمینوں کو نکال باہر کریں گے میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا اور میں نے جب یہ سنا اپنے چچا سے ذکر کیا چچا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے اسے بلوایا یہ انکار کر گیا اور حلف اٹھالیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا قرار دیا میرے چچا میرے پاس آئے اور کہا تو نے یہ کیا حرکت کی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ناراض ہو گئے اور تجھے جھوٹا جانا اور دیگر مسلمانوں نے بھی تجھ کو جھوٹا سمجھا مجھ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا سخت غم کی حالت میں سر جھکائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی جو آپ میرے پاس آئے میرا کان پکڑا جب میں نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرائے اور چل دیئے اللہ کی قسم مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اگر دنیا کی ابدی زندگی مجھے مل جاتی جب بھی میں اتنا خوش نہ ہو سکتا تھا پھر حضرت صدیق اکبرؓ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا؟ میں نے کہا فرمایا تو کچھ نہیں مسکراتے ہوئے تشریف لے گئے آپ نے فرمایا بس پھر خوش ہو آپ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ تشریف لائے یہی سوال مجھ سے کیا اور میں نے یہی جواب دیا صبح کو سورہ منافقون نازل ہوئی دوسری روایت میں اس سورت کا الاذل تک پڑھنا بھی مروی ہے عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی اس حدیث کو مغازی میں بیان کیا لیکن ان دونوں کی روایت میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن افرم ہے جو قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں سے تھے تو ممکن ہے کہ زید بن ارقم نے بھی خبر پہنچائی ہو اور حضرت اوسؓ نے بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی سے نام میں غلطی ہو گئی ہو واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ واقع مریسیع کے غزوہ کا ہے یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضرت خالدؓ کو بھیج کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مناۃ بت کو تڑوایا تھا جو قفا مشلل اور سمندر کے درمیان تھا اس غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا اور ایک مہاجر تھا دوسرا قبیلہ بہز کا تھا اور قبیلہ بہز انصاریوں کا حلیف تھا بہزی نے انصاریوں اور مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی کچھ لوگ دونوں طرف سے کھڑے ہو گئے اور جھگڑا ہونے لگا جب ختم ہوا تو منافق لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں تو تم سے بہت کچھ امیدیں تھیں تم ہمارے دشمنوں سے ہمارا بچاؤ تھے اب تو تم بے کار سے ہو گئے نہ نفع کا خیال نہ نقصان کا تم نے ہی ان جلالیب کو اتنا چڑھا دیا کہ بات بات پر یہ ہم پر چڑھ دوڑیں نئے مہاجرین کو یہ

لوگ جلالیب کہتے تھے اس دشمن خدا نے یہ جواب دیا کہ اب مدینہ پہنچتے ہی ان سب کو وہاں سے دلیس نکالا دیں گے مالک بن وخش جو منافق تھا اس نے کہا میں تو تمہیں پہلے ہی سے کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چھوڑ دو خود بخود منتشر ہو جائیں گے یہ باتیں حضرت عمرؓ نے سن لیں اور خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر عرض کرنے لگے کہ اس بانی فتنہ عبداللہ بن ابی کا قصہ پاک کرنے کی مجھے اجازت دیجئے آپ نے فرمایا اچھا اگر اجازت دوں تو کیا تم اسے قتل کر ڈالو گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم ابھی اپنے ہاتھ سے اس کی گردن ماروں گا آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جاؤ اتنے میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی یہی کہتے ہوئے آئے آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا آپ نے انہیں بھی بٹھا لیا پھر تھوڑی دیر گزری ہو گی جو کوچ کرنے کا حکم دیا اور وقت سے پہلے ہی کوچ کیا وہ دن رات دوسری صبح تک برابر چلتے ہی رہے جب دھوپ میں تیزی آ گئی اترنے کو فرمایا پھر دو پہر ڈھلتے ہی جلدی سے کوچ کیا اور اسی طرح چلتے رہے تیسرے دن صبح کو قفا مشلل سے مدینہ شریف پہنچ گئے حضرت عمرؓ کو بلوایا ان سے پوچھا کہ اگر میں تم کو اس کے قتل کا حکم دیتا تو تم اسے مار دیتے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یقیناً میں اس کا سر تن سے جدا کر دیتا آپ نے فرمایا اگر تم اسے اس دن قتل کر دیتے تو بہت سے لوگوں کے ناک خاک آلود ہو جاتے کہ اگر میں انہیں کہتا تو وہ بھی اسے مار ڈالنے میں تامل نہ کرتے پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقعہ ملتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو بھی بے دردی سے مار ڈالتا ہے اسی واقعہ کا بیان ان آیتوں میں ہے یہ سیاق بہت غریب ہے اور اس میں بہت سی ایسی عمدہ باتیں ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہؓ جو سچے مسلمان تھے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سنا ہے کہ میرے باپ نے جو بکواس کی ہے اس کے بدلے میں آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اگر یونہی ہے تو اس کے قتل کا حکم کسی اور کو نہ کیجئے میں خود جاتا ہوں اور ابھی اس کا سر آپ کے قدموں تلے ڈالتا ہوں قسم خدا کی قبیلہ خزرج کا ایک ایک شخص جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے احسان و سلوک اور محبت اور عزت کرنے والا نہیں لیکن میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے پیارے باپ کی گردن مارنے کو تیار ہوں اگر کسی اور کو یہ حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں جوش انتقام میں میں اسے نہ ماردوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ حرکت مجھ سے ہو گئی تو میں ایک کافر کے بدلے مسلمان کا مار کر جہنمی ہو جاؤں گا آپ میرے باپ کے قتل کا مجھے حکم دیجئے آپ نے فرمایا نہیں میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا ہم تو اس سے اور نرمی برتیں گے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے حضرت عکرمہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکروں سمیت مدینے پہنچے تو اس منافق عبداللہ بن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہؓ مدینہ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تلوار کھینچ لی لوگ مدینہ میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا باپ آیا تو یہ فرمانے لگے پرے رہو مدینہ میں نہ جاؤ اس نے کہا کیا بات ہے؟ مجھے کیوں روکتے ہو؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا تو مدینہ میں نہیں جا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے اجازت نہ دیں عزت والے آپ ہی ہیں اور تو ذلیل ہے یہ رک کر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ لشکر کے آخری حصے میں ہوتے تھے آپ کو دیکھ کر اس منافق نے اپنے بیٹے کی شکایت کی آپ نے اس سے پوچھا کہ اسے کیوں روک رکھا ہے؟ انہوں نے کہا قسم ہے خدا کی جب تک آپ کی اجازت نہ ہو یہ اندر نہیں جا سکتا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اب حضرت عبداللہؓ نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا مسند حمیدی میں ہے کہ آپ نے اپنے والد سے کہا کہ جب تک تو اپنی زبان سے یہ نہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور میں ذلیل ہوں تو مدینہ

میں نہیں جا سکتا اور اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے میں نے آج تک نگاہ اونچی کر کے ان کے چہرے کو بھی نہیں دیکھا لیکن آپ اگر اس پر ناراض ہیں تو مجھے حکم دیجئے ابھی اس کی گردن حاضر کرتا ہوں کسی اور کو اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے (مراد اس سے مجموعہ دین ہے) غافل نہ کرنے پائے اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں اور (منجملہ طاعات کے) ایک اطاعت مالیہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (حقوق واجبہ) اس سے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو پھر وہ بطور تمنا وحسرت کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کی میعاد (عمر ختم ہونے پر) آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (ویسی ہی جزا کے مستحق ہو گے)۞

ذکر اللہ کا اہتمام:

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بکثرت ذکر اللہ کیا کریں اور تنبیہ کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو مال اولاد کی محبت میں پھنس کر ذکر اللہ سے غافل ہو جائیں پھر فرماتا ہے کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہو جائے اور دنیا کی زینت پر ریجھ جائے اپنے رب کی اطاعت میں سست پڑ جائے وہ اپنا نقصان آپ کرنے والا ہے پھر اپنی اطاعت میں مال خرچ کرنے کا حکم دے رہا ہے کہ اپنی موت سے پہلے خرچ کر لو موت کے وقت کی بے کسی دیکھ کر نادم ہونا اور امیدیں باندھنا کچھ نفع نہ دے گا اس وقت چاہے گا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے بھی اگر چھوڑ دیا تو جو کچھ نیک عمل ہو سکے کر لے اور اپنا دل کھول کر مال راہ اللہ دے لے لیکن آہ اب وقت کہاں؟ آنے والی مصیبت آن پڑی اور نہ ٹلنے والی مصیبت سر پر کھڑی ہو گئی اور جگہ فرمان ہے: وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ (سورہ ابراہیم:۱۴۴) یعنی لوگوں کو ہوشیار کر دو جس دن ان کے پاس عذاب آ جائے گا تو یہ ظالم کہنے لگیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت مل جائے تا کہ ہم تیری دعوت قبول کر لیں اور تیرے رسولوں کی اتباع اس آیت میں کافروں کی مذمت کا ذکر ہے دوسری آیت میں نیک عمل میں کمی کرنے والوں کے افسوس کا بیان اس طرح ہوا ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (سورہ مومنون:۹۹) یعنی جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب مجھے لوٹ دے تو میں نیک عمل کر لوں یہاں فرماتا ہے موت کا وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا خدا خود خبر

رکھنے والا ہے کہ کون اپنے قول میں صادق ہے اور اپنے سوال میں حق بجانب ہے یہ لوگ تو اگر لوٹائے جائیں تو پھر ان باتوں کو بھول جائیں اور وہی کچھ کرنے لگیں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اور اس نے حج نہ کیا ہو یا زکوۃ نہ دی ہو وہ موت کے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی آرزو کرتا ہے ایک شخص نے کہا حضرت اللہ کا خوف کیجئے واپسی کی آرزو تو کافر کرتے ہیں آپ نے فرمایا جلدی کیوں کرتے ہو؟ سنو قرآن فرماتا ہے پھر آپ نے یہ پورا رکوع تلاوت کر کے سنا اس نے پوچھا زکوۃ کتنے میں واجب ہے فرمایا دو سو اور زیادہ میں پوچھا حج کب فرض ہو جاتا ہے فرمایا جب راہ خرچ اور سواری خرچ کی طاقت ہو ایک مرفوع روایت بھی اسی طرح مروی ہے لیکن موقوف ہی زیادہ صحیح ہے ضحاک کی روایت ابن عباسؓ والی بھی منقطع ہے دوسری سند میں ایک راوی ابو جناب کلبی ہے وہ بھی ضعیف ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ نے زیادہ عمر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جب اجل آ جائے پھر موخر نہیں ہوتی زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نیک صالح اولاد دے جو اس کے لئے اس کے مرنے کے بعد دعا کرتی رہے اور وہ اسے اس کی قبر میں پہنچتی رہے۔

تفسیر سورہ تغابن مدنیہ

ابن عساکر کی ایک بہت ہی غریب بلکہ منکر حدیث[1] میں ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے جوڑوں میں سورہ تغابن کی پانچ آیتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۱۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

[1] دراصل یہ حدیث ہی نہیں اور نہ قابل قبول۔

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اللہ کی پاکی (قالاً وحالاً) بیان کرتی ہیں اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو باوجود اس کے بھی تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال (ایمانیہ وکفریہ) کو دیکھ رہا ہے اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا اور اسی کے پاس (سب کو) لوٹنا ہے (اور) وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○

خلاقِ عالم:

مسبحات کی سورتوں میں سب سے آخری سورت یہی ہے مخلوقات کی تسبیح الٰہی کا بیان کئی دفعہ ہو چکا ہے ملک اور حمد والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ہر چیز پر اس کی حکومت ہر کام میں اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے میں وہ سزاوار تعریف جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کرنے کی قدرت نہ کوئی اس کا مزاحم بن سکے نہ اسے کوئی روک سکے وہ اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو وہی تمام مخلوق کا خالق ہے اس کے ارادے سے بعض انسان کافر ہوئے بعض مومن وہ بخوبی جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے؟ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر شاہد ہے اور ہر ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا اس نے عدل وحکمت کے ساتھ آسمان وزمین کی پیدائش کی ہے اسی نے تمہیں پاکیزہ خوبصورت شکلیں دے رکھی ہیں جیسے اور جگہ ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ...... (سورہ انفطار:۶) اے انسان تجھے تیرے رب کریم سے کس نے غافل کر دیا اسی نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دی اور جگہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا...... (سورہ غافر:۶۴) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں صورتیں دیں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو عنایت فرمائیں آخر سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے آسمان وزمین اور ہر ہر نفس کل کائنات کا علم اسے حاصل ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی واقف ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۶

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے ان اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب دردناک ہونے والا ہے یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائل واضح لے کر آئے تو ان لوگوں نے (رسولوں کی نسبت) کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور خدا نے بھی ان کی کچھ پروا نہ کی اور اللہ سب سے بے نیاز (اور) ستودہ صفات ہے ○

پہلوں کی عبرتناک تاریخ:

یہاں پہلے کافروں کو کفر کا اور ان کی بری سزا اور بدترین بدلے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کیا تمہیں تم سے پہلے منکروں کا حال معلوم نہیں؟

کہ رسولوں کا مخالفت اور حق کی تکذیب کیا رنگ لائی؟ دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے یہاں بھی اپنے بدافعال کا خمیازہ بھگتنا اور وہاں کا بھگتان ابھی باقی ہے جو نہایت الم انگیز ہے اس کی وجہ سے وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ دلائل و براہین و روشن نشان کے ساتھ جو انبیاء اللہ ان کے پاس آئے انہوں نے انہیں نہ مانا اور اپنے نزدیک انہیں محال جانا کہ انسان پیغمبر ہو اور انہی جیسے ایک آدم زاد کے ہاتھ پر انہیں ہدایت دی جائے پس انکار کر بیٹھے اور عمل چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے بے پروائی برتی وہ تو غنی ہے اور ساتھ ہی سزاوار حمد ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۷ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۱۰

ع ۱۵

یہ کافر (مضمون عذاب آخرت کو سن کر) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تجھ کو سب جتلا دیا جائے گا اور اس پر سزا دی جائے گی اور یہ بعث (وجزا) اللہ کو بالکل آسان ہے سو تم (کو چاہئے کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن کریم پر) کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس دن کو یاد کرو) کہ جس دن تم سب کو ایک جمع ہونے کے دن جمع کرے گا یہی دن ہے سود و زیاں کا اور (بیان اس کا یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یہ (اور) بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہوگا ○

خیال باطل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار مشرکین ملحدین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر نہیں ہوگا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دو کہ ہاں ضرور ہوگا پھر تمہارے چھوٹے بڑے چھپے کھلے اعمال کا اظہار تم پر کیا جائے گا سنو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا تمہیں بدلے دینا وغیرہ تمام کام خدا تعالیٰ پر بالکل آسان ہے یہ تیسری آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کھا کر قیامت کی حقانیت کے بیان کرنے کو فرمایا

پہلی آیت تو سورہ یونس میں ہے وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (سورہ یونس: ۵۳) یعنی یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ حق ہے؟ تو کہہ میرے رب کی قسم وہ حق ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے دوسری آیت سورہ سبا میں ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سورہ سبا: ۳) کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی تو کہہ دے کہ ہاں میرے رب کی قسم یقیناً اور بالضرور آئے گی اور تیسری آیت بھی پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نور منزل پر یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ تمہارا کوئی خفیہ عمل بھی اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کرے گا اور اسی لئے اس کا نام یوم الجمع رکھا ہے جیسے اور جگہ ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (سورہ ہود: ۱۰۳) یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور ان کے حاضر باش ہونے کا دن ہے اور جگہ ہے قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ سورہ واقعہ: ۵۰-۴۹) یعنی قیامت والے دن تمام اولین اور آخرین جمع کئے جائیں گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت اہل دوزخ کو نقصان میں ڈالیں گے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے زیادہ تغابن کیا ہو گا کہ ان کے سامنے انہیں جہنم میں لے جائیں گے گویا اس کی تفسیر اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ ایماندار نیک اعمال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت میں اسے داخل کیا جائے گا اور پوری کامیابی کو پہنچ جائے گا اور کفر و تکذیب کرنے والے جہنم کی آگ میں جائیں گے جہاں پڑے جھلتے رہیں گے اس سے برا ٹھکانا اور کیا ہو سکتا ہے؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

کوئی مصیبت بدوں حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو (صبر و رضا کی) راہ دکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصائب بھی داخل ہیں اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصائب وغیرہ میں) توکل رکھنا چاہیے ○

مصائب کا فلسفہ:

سورہ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اس کی قدر و مشیت بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اب جس شخص کو کوئی تکلیف پہنچے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے مجھے یہ تکلیف پہنچی پھر صبر و تحمل کرے اور اللہ کی مرضی پر ثابت قدم رہے اور صفائی اور بھلائی کی امید رکھے رضا بہ قضا کے سوا لب نہ ہلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی رہبری کرتا ہے اور اسے بدلے کے طور پر ہدایت قلبی عطا فرماتا ہے یقین صادق کی چمک وہ دل میں رکھتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت کا بدلہ یا اس سے بھی بہتر دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اسے مصائب ڈھیلا نہیں

کر سکتے وہ جانتا ہے کہ جو پہنچا وہ خطا کرنے والا نہ تھا حضرت علقمہ کے سامنے یہ آیت پڑھی جاتی ہے اور آپ سے اس کا مطلب دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہر مصیبت کے وقت اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ منجانب اللہ اللہ تعالیٰ ہے پھر راضی خوشی اسے برداشت کرے یہی مطلب ہے کہ وہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ لے متفق علیہ حدیث میں ہے کہ مومن پر تعجب ہے ہر ہر بات میں اس کی بہتری ہوتی ہے ضرر اور نقصان پر صبر اور سہار کر کے نفع اور بھلائی پر شکر و احسان مندی کر کے بہتری سمیٹ لیتا ہے یہ دو طرفہ بھلائی مومن کے سوا کسی اور کے حصے میں نہیں مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی تصدیق کرنی اس کے راہ میں جہاد کرنا اس نے کہا حضرت میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فیصلہ قسمت کا تجھ پر جاری ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا گلہ شکوہ نہ کر اس کی رضا پر راضی رہ یہ اس کا حلقہ امر ہے پھر اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے کہ امور شرعی میں ان اطاعتوں سے سرمو تجاوز نہ کر جس کا حکم ملے بجا لاؤ جس سے روکا جائے رک جاؤ اگر تم اس کے ماننے سے اعراض کرتے ہو تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بوجھ نہیں ان کے ذمہ صرف تبلیغ تھی جو وہ کر چکے اب عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و صمد ہے اس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں یہ خبر معنی میں طلب کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید مانو اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادتیں کرو پھر فرماتا ہے چونکہ توکل اور بھروسے کے لائق بھی وہی ہے تم اسی پر بھروسہ رکھو جیسے اور جگہ ارشاد ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (سورہ مزمل: ۹) مشرق اور مغرب کا رب وہی ہے جو معبود حقیقی بھی اس کے سوا کوئی نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا لے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بخشنے والا (اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے اور (جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو اللہ کے پاس (اس کے لئے) بڑا اجر ہے تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو سنو اور مانو اور (بالخصوص مواقع حکم میں) خرچ

بھی کیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں فلاح پانے والے ہیں اور اگر تم اللہ کو اچھی (خلوص کے کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان ہے (کہ عمل صالح قبول فرماتا ہے اور) بربادہے پوشیدہ اور ظاہر عمل کو جاننے والا ہے (اور) زبردست (اور) حکمت والا ہے ○

فتنہ اموال واولاد:

ارشاد ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اپنے مردوں کو اور بعض اولاد اپنے ماں باپ کو یاد خدا اور نیک عمل سے روک دیتی ہیں جو درحقیقت دشمنی ہے جس سے پہلے بھی تنبیہ ہو چکی ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل کر دے اگر ایسا ہو گیا تو تمہیں بڑا نقصان رہے گا یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان سے ہوشیار رہو اپنے دین کی نگہبانی ان کی ضروریات اور فرمائشات کے پورا کرنے پر مقدم رکھو بیوی اور مال کی خاطر انسان قطع رحمی کر گزرتا ہے خدا کی نافرمانی پر تل جاتا ہے ان کی محبت میں پھنس کر احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بعض اہل مکہ اسلام قبول کر چکے تھے مگر زن و فرزند کی محبت نے انہیں ہجرت سے روک دیا پھر جب اسلام کا خوب افشا ہو گیا یہ لوگ حاضر حضور ہوئے دیکھا کہ ان سے پہلے کے مہاجرین نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے اب جی میں آیا کہ اپنے بال بچوں کو سزا دیں جس پر یہ فرمان ہوا کہ اِنْ تَعْفُوْا...... یعنی اب درگزر کرو آئندہ کے لئے ہوشیار رہو اللہ مال و اولاد دے کر انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں؟ اور اطاعت گزار کون ہیں؟ اللہ کے پاس جو اجر عظیم ہے تمہیں چاہئے اس پر نگاہیں رکھو جیسے اور جگہ فرمان ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ (سورہ آل عمران:۱۴) یعنی بطور آزمائش کے لوگوں کے لئے دنیوی خواہشات یعنی بیبیوں اور اولاد اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیر اور شائستہ گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی کی محبت کو زینت دی گئی ہے مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور ہمیشگی والا اچھا ٹھکانہ تو اللہ ہی کے پاس ہے مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ لانبے کرتے پہنے آ گئے دونوں بچے کرتوں میں الجھ الجھ کر گرتے پڑتے آ رہے تھے یہ کرتے سرخ رنگ کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں جب ان پر پڑیں تو منبر سے اتر کر انہیں اٹھا لائے اور اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ سچا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں ان دونوں کو گرتے پڑتے آتے دیکھ کر صبر نہ آ سکا آخرت خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانا پڑا مسند میں ہے حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کندہ قبیلے کے وفد میں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ سے پوچھا تمہاری اولاد بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں اب آتے ہوئے ایک لڑکا ہوا ہے کاش کہ اس کی بجائے کوئی درندہ ہوتا آپ نے فرمایا خبردار ایسا نہ کہو ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اگر انتقال کر جائیں تو اجر ہے پھر فرمایا ہاں یہی بزدلی اور غم کا سبب بن جاتے ہیں یہ بزدلی اور غم اور رنج بھی ہیں بزار میں ہے اولاد دل کا پھل ہے اور یہ بخل و نامرادی اور غمگینی کا باعث بھی ہے طبرانی میں ہے تیرا دشمن صرف وہی نہیں جو تیرے مقابلہ میں کفر پر جم کر لڑائی کے لئے آیا کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیرے لئے باعث نور ہے اور اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو تو قطعاً جنتی ہو گیا پھر فرمایا شاید تیرا پورا دشمن تیرا بچہ ہے جو تیری پیٹھ سے نکلا پھر تجھ سے دشمنی کرنے لگا پھر فرماتا ہے اپنے مقدور بھر اللہ کا خوف رکھو اس کے عذابوں سے بچاؤ مہیا کرو صحیحین میں ہے جو حکم میں کروں اسے مقدور بھر بجا لاؤ جس سے میں روک دوں رک جاؤ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ...... (سورہ آل عمران:۱۰۲) کی ناسخ یہ آیت ہے یعنی پہلے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈر جتنا اس سے ڈرنا

چاہئے لیکن اب فرمادیا کہ اپنی طاقت کے مطابق ڈر چنانچہ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں پہلی آیت لوگوں پر بڑی بھاری پڑی تھی اس قدر لمبے قیام کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا اور اتنے لمبے سجدے کرتے تھے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتی تھیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت اتار کر تخفیف کر دی اور بعض مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناسخ بتلایا ہے پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار بن جاؤ ان کے حکم سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو نہ آگے بڑھو نہ پیچھے سرکو اسی کے کسی امر کو نہ چھوڑو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرو جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے رشتہ داروں کو فقیروں کو مسکینوں کو اور حاجتمندوں کو دیتے رہو خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا تم دوسری مخلوق پر احسان کرو تا کہ اس جہان میں بھی خدا تعالیٰ کے احسان کے مستحق بن جاؤ اور اگر یہ نہ کیا تو دونوں جہان کی بربادی اپنے ہاتھوں مول لو گے آیت وَمَنْ يُّوْقَ...... (سورہ حشر: ۹) کی تفسیر سورہ حشر کی اس آیت میں گزر چکی ہے جب تم کوئی چیز راہ للہ دو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا ہر صدقے کی جزا عطا فرمائے گا تمہارا مسکینوں کے ساتھ سلوک کرنا گویا خدا تعالیٰ کو قرض دینا ہے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے کہ جو ایسے کو قرض دے جو نہ ظالم ہے نہ مفلس نہ نادہندہ پس فرماتا ہے وہ تمہیں بہت کچھ بڑھ چڑھا کر پھیر دے گا جیسے سورہ بقرہ میں بھی فرمایا ہے کہ کئی گنا بڑھا کر دے گا ساتھ ہی خیرات سے تمہارے گناہ معاف کر دے گا اللہ بڑا قدر دان ہے تھوڑی سی نیکی کا بہت بڑا اجر دیتا ہے وہ بردبار ہے درگزر کرتا ہے بخش دیتا ہے گناہوں سے اور لغزشوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے خطاؤں اور برائیوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ چھپے کھلے کا عالم ہے وہ غالب اور باحکمت ہے ان اسمائے حسنہ کی تفسیر کئی کئی مرتبہ اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

تفسیر سورہ طلاق مدنیہ

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو (ان کو زمانہ) عدت (یعنی

حیض) سے پہلے (یعنی طہور میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سُکنی مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی تجاوز کرے گا (مثلاً اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد (اس طلاق دینے) کے کوئی نئی بات (تیرے دل میں) پیدا کر دے ○

کچھ مسائل:

اولاً تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرامت کے طور پر خطاب کیا گیا پھر آپ کی امت سے خطاب کیا گیا اور طلاق کے مسئلہ کو سمجھا گیا ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو طلاق دی وہ اپنے میکے آ گئیں اس پر یہ آیت اتری اور آپ سے فرمایا کہ ان سے رجوع کرلو وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ یہاں بھی آپ کی بیوی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی ازواج میں داخل ہیں یہی روایت مرسلاً ابن جریر میں ہے اور سندوں سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دی پھر رجوع کرلیا صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ ناراض ہوئے اور فرمایا انہیں چاہئے کہ رجوع کرلیں پھر حیض سے پاک ہونے تک روکے رکھیں پھر دوسرا حیض آئے اور اس سے نہالیں پھر اگر جی چاہے طلاق دیں بہرحال پاکیزگی کی حالت میں طلاق ہونی چاہئے بات چیت کرنے سے پہلے یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ مذکور ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ریحانؒ جو عزہ کے مولیٰ ہیں حضرت ابوالزبیرؒ کے سنتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں طلاق دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے لوٹا لے چنانچہ ابن عمرؓ نے رجوع کرلیا اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اس کے پاک ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے خواہ طلاق دے خواہ نہ دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِيْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ (مسلم) دوسری روایت میں: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِمْ یعنی طہر کی حالت میں جماع سے پہلے بہت سے بزرگوں نے یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی حالت حیض میں طلاق نہ دو نہ اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع ہو چکا ہو بلکہ اس وقت چھوڑ دو جب حیض آ جائے پھر اس سے نہالے تب ایک طلاق دو[1]۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں عدت سے مراد طہر ہے قرو سے مراد حیض ہے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو جس طہر میں مجامعت کر چکا ہے اس میں طلاق نہ دے نہ معلوم حاملہ ہے یا نہیں یہیں سے باسمجھ علما نے احکام طلاق لئے ہیں اور طلاق کی دو قسمیں کی ہیں طلاق سنت اور طلاق بدعت طلاق سنت تو یہ ہے کہ طہر کی یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے یا حالت حمل میں طلاق دے اور بدعی طلاق یہ ہے کہ حالت حیض میں

[1] طلاق کے مسائل کو سمجھنے کے لئے یہ مختصر بات ذہن میں رکھئے کہ طلاق عنداللہ مباح ہونے کے باوجود شدید مبغوض حالہ ہے اس لئے اس میں شریعت نے اس قدر پابندیاں عائد کی ہیں جن کے نتیجہ میں طلاق کی صورت بہت ہی نادر ہو جائے اور ان تمام خطرات کا سد باب کیا ہے جن سے طلاق کے کثیر الوقوع ہونے کا امکان تھا مثلاً بعض اوقات شوہر جماع کا شائق ہوتا ہے عین اس وقت میں عورت کا عذر حیض کر دینا اس پر نہایت گراں گزرتا ہے اور شدت غضب میں وہ طلاق تک دے بیٹھتا ہے اس لئے شریعت نے ضروری قرار دیا کہ عورت حائضہ نہ ہو اگر کسی خاص وجہ سے طلاق دینا ہی ضروری ہو تو ابتداءً ایک دینے کا حکم ہوا تا کہ اگر رجوع کرنا چاہے تو اس کا امکان باقی رہے۔

طلاق دے یا طہر میں دے لیکن مجامعت کر چکا ہو اور معلوم نہ ہو کہ حمل ہے یا نہیں؟ طلاق کی تیسری قسم بھی ہے جو طلاق سنت ہے نہ طلاق بدعت اور وہ نابالغہ کی طلاق ہے اور اس عورت کی جسے حیض کے آنے سے نا امیدی ہو چکی ہو اور اس عورت کی جس سے جماع نہ ہوا ہو ان سب کے احکام اور تفصیلی بحث کی جگہ کتب فروع ہیں نہ کہ تفسیر واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر فرمان ہے عدت کی حفاظت کرو اس کی ابتدا انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معبود حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو عدت کے زمانے میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے فَاحِشَةٌ مُّبَيِّنَةٌ زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بے شک خاوند کو جائز ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کی شریعت اور اس کے بتلائے ہوئے احکام ہیں جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں بے حرمتی کے ساتھ توڑ دے ان کے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی ہی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں جان سکتا عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دینا اس مصلحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں طلاق دینے پر نادم ہو دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزارا کرنے لگیں نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گزارنے کے زمانہ تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے وارثوں پر نہیں ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہریہ والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفص نے ان کو تیسری اور آخری طلاق دے دی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے ہاں اپنی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہؓ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت گزارو وہ ایک نابینا آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا رہنا سہنا اور کھانا پینا میرے خاوند کے ذمے ہے اس نے انکار کیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو صحابہؓ کی آمد و رفت ہے تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گزارو وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے ...... طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلہ کے تھے طلاق کی خبر کے بعد ان کے نان نفقہ طلب کرنے پر ان کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا

ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ بھی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر قطعاً علیحدگی نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝۳

(مثلاً طلاق) میں ندامت ہو تو رجعی میں اس کا تدارک ہو سکتا ہے پھر جب وہ (مطلقہ) عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں (تو تم کو دو اختیار ہیں یا تو) ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو رہائی دو اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو (اے گواہو اگر گواہی کی حاجت پڑی تو) ٹھیک اللہ کے واسطے (بلا رو رعایت) گواہی دو اس مضمون سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے کہ اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہے) پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ اپنے علم میں مقرر کر رکھا ہے ○

اختتام عدت اور مستقبل کی باتیں:

ارشاد ہوتا ہے کہ عدت والی عورتوں کی عدت جب پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے تو ان کے خاوندوں کو چاہئے کہ دو باتوں میں سے ایک کر لیں یا تو انہیں بھلائی اور سلوک کے ساتھ اپنے ہی نکاح میں روک لیں یعنی طلاق جو دی تھی اس سے رجوع کر کے با قاعدہ اس کے ساتھ بود و باش رکھیں یا انہیں اور طلاق دے دیں لیکن برا بھلا کہے بغیر گالی گلوچ دیئے بغیر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کئے بغیر بھلائی اور اچھائی اور خوبصورتی کے ساتھ (یہ یاد رہے کہ رجعت کا اختیار اس وقت ہے جب ایک طلاق ہوئی یا دو ہوئی ہوں) پھر فرماتا ہے اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کر و یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی اب دوبارہ ایسا نہ کرنا حضرت عطاؒ فرماتے ہیں نکاح، طلاق، رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان خدا ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے کا اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں خدا کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں حضرت امام شافعی فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی منقول ہے اسی طرح نکاح

پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب بتلاتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے اس مسئلہ کو ماننے والی علما کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے
رجعت بغیر زبانی کہے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے پھر فر
ہے کہ جو شخص احکام خدا بجالاتا ہے اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلصی پیدا کرتا ہے اور ایسی جگہ
اس طرح رزق پہنچتا ہے کہ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ ہو مسند احمد میں ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں ایک مرتبہ میرے سامنے رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اے ابوذرؓ اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے۔ پھر آپ نے بار
اس کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ آنے لگی پھر آپ نے فرمایا ابوذر تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گ
جواب دیا کہ میں اور کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ شریف کو وہیں کا کبوتر بن کر رہ جاؤں گا آپ نے فرمایا پھر کیا کر
جب تمہیں وہاں سے نکال دیا جائے؟ میں نے کہا شام کی پاک زمین میں چلا جاؤں گا فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرو گ
میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے پھر تو اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ کر مقابلہ
جاؤں گا آپ نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر ترکیب بتلاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد ہو فرمایا بس سنتے ا
مانتے رہو اگرچہ تمہارا امیر احبشی غلام ہو ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت ہی جامع آیت
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ...... (سورہ نحل: ۹۰) ہے اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ ...... میں
مسند میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی دے گا
ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں کا اسے خیال وگمان تک نہ ہو گا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی کر
بے چینی سے نجات دے گا ربیع فرماتے ہیں لوگوں پر جو کام بھاری ہوں اس پر آسان ہو جائے گا حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ
کہ جو شخص اپنی بیوی کو خدا کے حکم کے مطابق طلاق دے گا اللہ تعالیٰ اسے مخلصی کی راہ اور نجات دے گا ابن مسعودؓ وغیرہ سے منقول ہے ک
جانتا ہے کہ اللہ چاہے دے اگر نہ چاہے نہ دے حضرت قتادہ فرماتے ہیں تمام امور کے شبہ سے اور موت کی تکلیف سے بچا لے گا اور روز
ایسی جگہ سے دے گا جہاں کا گمان بھی نہ ہو حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہاں اللہ سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنت کے مطابق طلاق د
اور سنت کے مطابق رجوع کرے آپ فرماتے ہیں حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ کے صاحبزادے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں
جیل خانے میں ڈال دیا ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور حاجت مصیبت اور تکلیف بیان
کرتے رہتے آپ انہیں صبر کی تلقین کرتے رہتے اور فرماتے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے جنات کی سبیل بنا دے گا تھوڑے دن گزر
ہوں گے جوان کے بیٹے کے دشمنوں میں سے نکل بھاگے راستے میں دشمنوں کی بکریوں کا ریوڑ مل گیا جسے اپنے ساتھ ہنکا لائے اور بکریاں
لئے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچے پس یہ آیت اتری کہ متقی لوگوں کو خدا تعالیٰ نجات دیتا ہے اور اس کا گمان بھی نہ ہو وہاں سے
انہیں روزی پہنچاتا ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہو جاتا
تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے[1] عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور خوش سلوکی ہے سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ حضر
عوفؓ کے لڑکے جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کہلوا دو کہ بکثرت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ

[1] اگرچہ یہ بھی تقدیر سے باہر امر نہیں یعنی تقدیر ہی میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کی دعائیں فلاں معاملہ میں مقدر کو یوں کر دیں گی۔

رہیں ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی قید کھل گئی اور وہاں سے نکل بھاگے ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہو گئے راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں اپنے ساتھ ہنکالائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی باپ نے آواز سن کر فرمایا خدا کی قسم یہ تو عوف ہے ماں نے کہا ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہو گا اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے حضرت عوفؓ اور تمام انگنائی اونٹوں سے بھری پڑی ہے پوچھا یہ اونٹ کیسے ہیں؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا اچھا ٹھہرو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت پوچھ آؤں[1]۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو اور یہ آیت اتری کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل خدا آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ اس کی ہر مشکل میں اسے کفایت کرتا ہے اور بے حساب روزیاں دیتا ہے اور جو خدا سے ہٹ کر دنیا ہی کا ہو جائے اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے جو آپ نے فرمایا میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں سنو تم اللہ تعالیٰ کی یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرو تو اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے جب کچھ مانگنا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے چاہو کہ تمام امت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو ذرا بھی نہیں پہنچا سکتے اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو قلمیں اٹھ چکی اور صحیفے خشک ہو گئے[2]۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند کی اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا جلدی اسی دنیا میں یا دیر کے بعد یعنی موت کے بعد[3] پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قضایا اور احکام جس طرح اور جیسے چاہے اپنی مخلوق میں پورے کرنے والا ہے اور اچھی طرح جاری رکھنے والا ہے ہر چیز کا اس نے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے جیسے اور جگہ ہے وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ (سورہ رعد: ۸) ہر چیز اس کے پاس ایک انداز سے ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ⑤

[1] یہ تھا احتیاط اور تقویٰ کا عالم۔

[2] یعنی جو تقدیر میں تھا وہ طے ہو چکا۔

[3] بہر حال جو بندہ کے مناسب اور اس کی بہترین مصالح کے مطابق ہو۔

(اور عدت کا اجمالاً ذکر تھا) اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں بوجہ زیادہ عمر کے حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان معاملات میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا (کہ مضرت عظمیہ کا سبب ہے اور اس کو بڑا اجر دے گا O

کہنہ عمر مستورات:

جن بڑھیا عورتوں کے بوجہ اپنی بڑی عمر کے ایام بند ہو گئے ہوں ان کی عدت یہاں بتلائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں حیض آئے ان کی عدت بھی تین مہینے رکھی اگر تمہیں شک ہو اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اپنا خون دیکھ لیں اور تمہیں شبہ گزرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا بیماری کا دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یاد رکھو یہ دوسرا قول ہی زیادہ واضح ہے اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی عورتوں کی عدت ابھی نہیں ہوئی کم سن عورتیں بڑی بوڑھی عورتیں اور حمل والی عورتیں اس کے جواب میں یہ آیت اتری پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا دیر بعد ہی ہو جائے جیسے اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علما سلف وخلف کا قول ہے ہاں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ پیدا نہیں ہوا تو بچے کے پیدا ہونے تک عدت ہے صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اسے گزارنی پڑے گی ابو سلمہ نے کہا قرآن میں جو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں بھی اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے حضرت ابن عباسؓ نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو حضرت سیدہ ام سلمہؓ کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہؓ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت حاملہ تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ پیدا ہو گیا اس وقت ان کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام بھیجنے والوں میں حضرت ابو السنابلؓ بھی تھے یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے حضرت عبداللہ بن عتبہؓ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہریؒ کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن دخولہؓ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر آراستہ ہو کر بیٹھ گئیں حضرت ابو السنابلؓ بن بعلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں میں یہ سن کر چادر اوڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو اپنا نکاح کر لو (مسلم) صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ بھی تھے جن کی تعظیم وتکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں میں کی میعاد بتلائی اس پر میں نے حضرت سبیعہؓ والی حدیث بیان کی اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹھوکے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرأت کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے میں تو حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملے انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا ہم حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورہ الطلاق سورہ نساء طولیٰ کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ملاعنہ کرنا جو بھی چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلے میں آئے اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کی دعا کرے میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی مدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ آیتیں ان عورتوں سے مخصوص ہو گئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند انتقال کر جائے اور وہ حاملہ ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے عدت سے نکل گئی ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنیٰ بن صباح ہے اور بالکل متروک الحدیث ہے لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر شکل میں آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اور چیزوں کے ڈر سے اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷

تم ان (مطلقہ) عورتوں کواپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہواوران کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں تکلیف مت پہنچاؤ) اوراگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (جب کہ پہلے ہی بچے والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوتی ہو تمہارے لئے (بچہ کو اجرت پر) دودھ پلائیں تو تم ان کو (مقررہ) اجرت دو اور اجرت کے بارے میں مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم باہم کش مکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی (آگے بچہ کے نفقہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ) پر خرچ کرنا چاہئے اور جن کی آمدنی کم ہو ان کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں خرچ کرے خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہو خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلد ہی فراغت بھی کرے گا (گو بقدر ضرورت حاجت ذاتی سہی) ○

حسن معاشرت:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے گزر جانے تک اس کے رہنے سہنے کو اپنا مکان دے یہ جگہ اپنی طاقت کے مطابق ہے یہاں تک کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو اپنے ہی مکان کا ایک کونہ اسے دے دے اسے تکلیفیں دے کر اس قدر تنگ نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھوٹنے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا اس طرح کی طلاق دی کہ دیکھا فقط دو ایک روز عدت کے رہ گئے ہیں رجوع کا اعلان کر دیا پھر طلاق دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجعت کر لی تا کہ وہ بے چاری نہ سہاگن رہے نہ رانڈ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت حمل سے ہو تو بچہ ہونے تک اس کا نان نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ ہے اکثر علما کا خیال ہے کہ یہ حکم خاص ان عورتوں کے لئے بیان ہو رہا ہے جنہیں آخری طلاق دے گئی ہو جس سے رجوع کرنے کا حق ان کے خاوندوں کو نہ رہا ہو اس لئے کہ جن سے رجوع ہو سکتا ہے ان کی عدت تک کا خرچ تو خاوند کے ذمے ہے ہی وہ حمل سے ہوں تب بھی اور بے حمل ہوں تب بھی اور حضرات علما فرماتے ہیں یہ حکم بھی انہیں عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن سے رجعت کا حق حاصل ہے کیونکہ اوپر بھی انہی کا بیان تھا اسے الگ اس لئے بیان کر دیا کہ عموماً حمل کی مدت لمبی ہوتی ہے تو کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ عدت کے زمانے جتنا نفقہ تو ہمارے ذمہ ہے پھر نہیں اس لئے صاف طور پر فرما دیا کہ رجعیت والی طلاق کے وقت اگر عورت حمل سے ہو تو جب تک بچہ نہ ہو اس کا کھانا پینا خاوند کے ذمہ ہے پھر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ خرچ اس کے لئے حمل کے واسطے سے ہے یا حمل کے لئے ہی۔ امام شافعیؒ وغیرہ سے دونوں قول مروی ہیں اور اس بنا پر بہت سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف ہوا ہے پھر فرماتا ہے کہ جب یہ مطلقہ عورتیں حمل سے فارغ ہو جائیں تو اگر تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تمہیں ان کے دودھ پلانے کی اجرت دینی چاہئے ہاں عورت کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے لیکن اول دفعہ کا دودھ اسے ضرور پلانا چاہئے گو پھر دودھ نہ پلائے کیونکہ عموماً بچے کی زندگی اس دودھ کے ساتھ وابستہ ہے تو اگر وہ بعد میں بھی دودھ پلاتی رہے تو ماں باپ کے درمیان جو اجرت طے ہو جائے وہ ادا کرنی چاہئے تم میں آپس میں جو کام ہوں وہ بھلائی کے ساتھ باقاعدہ دستور کے مطابق ہونے چاہئیں نہ یہ اس کے نقصان کے درپے رہے نہ وہ اسے ایذا پہنچانے کی کوشش کرے جیسے سورہ بقرہ میں فرمایا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (سورہ بقرہ: ۲۳۳) یعنی بچہ کے بارے میں نہ اس کی ماں کو ضرر پہنچانا چاہئے نہ اس کے باپ کو[1] پھر فرماتا ہے اگر باپ پر گراں ہے اور موافقت نہیں ہو سکتی دونوں کسی بات پر

[1] ضرر یہی کہ شوہر سوچے کہ بچے کی محبت تو ماں کو زیادہ ہوتی ہے اس لئے مجبوراً دودھ پلائے گی خواہ میں اجرت دوں یا نہ دوں یہ بچے کی وجہ......=

رضامند نہیں ہوتے تو اختیار ہے کہ کسی اور دایہ کو دے دیں ہاں جو اور دایہ کو دیا جانا منظور کیا جاتا ہے اگر اس پر اس بچہ کی ماں رضامند ہو جائے تو زیادہ مستحق یہی ہے پھر فرماتا ہے کہ بچے کا باپ یا ولی جو ہو اسے چاہئے کہ بچہ پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دے طاقت سے بڑھ کر تکلیف کسی کو اللہ نہیں دیتا تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کی بابت حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ موٹا پہنتے ہیں اور ہلکی غذا کھاتے ہیں آپ نے حکم دیا کہ انہیں ایک ہزار دینار بھجوا دو اور جس کے ہاتھ بھجوائے جائیں ان سے کہہ دیا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کو پا کر کیا کرتے ہیں؟ جب یہ اشرفیاں انہیں مل گئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہنے اور نہایت نفیس غذائیں کھانا شروع کر دیں قاصد نے واپس آ کر حضرت عمرؓ سے واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اس نے اس آیت پر عمل کیا کہ کشادگی والا اپنی کشادگی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی والا اپنی حالت کے موافق طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کے پاس دس دینار تھے اس نے ان میں سے ایک راہ خدا صدقہ کیا دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے اس میں سے ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم خرچ کئے تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے اس نے اس میں سے اللہ تعالیٰ کے نام پر دس اوقیہ خرچ کئے تو یہ سب اجر میں خدا تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں اس لئے کہ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ فی سبیل اللہ دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ سچا وعدہ دیتا ہے کہ وہ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا جیسے اور جگہ فرمایا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سورہ نشرح:۵) تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے مسند احمد کی حدیث اس جگہ ذکر کرنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا پہلے زمانہ میں ایک میاں بیوی تھے جو فقر و فاقہ سے اپنی زندگی گزار رہے تھے پاس کچھ نہ تھا ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے آیا اور سخت بھوکا تھا بھوک کے مارے بے تاب تھا آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ خوش ہو جائیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی ہمارے ہاں آ پہنچی ہے اس نے کہا پھر لاؤ جو کچھ ہو دے دو میں بہت بھوکا ہوں بیوی نے کہا اور ذرا سی دیر صبر کر لو اللہ کی رحمت سے ہمیں بہت کچھ امید ہے پھر جب کچھ دیر اور ہو گئی اس نے بے تاب ہو کر کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے دیتی کیوں نہیں؟ مجھے تو بھوک سے سخت تکلیف ہو رہی ہے بیوی نے کہا اتنی جلدی کیوں کرتے ہو اب تنور کھولتی ہوں تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب بیوی نے دیکھا کہ یہ اب پھر تقاضا کرنا چاہتے ہیں تو خود بخود کہنے لگیں اب اٹھ کر تنور کو دیکھتی ہوں اٹھ کر جو دیکھتی ہیں تو قدرت خدا سے ان کے توکل کے بدلے وہ بکری کے پہلو کے گوشت سے بھرا ہوا ہے اور دیکھتی ہیں کہ گھر کی دونوں چکیاں از خود چل رہی ہیں اور برابر آٹا نکل رہا ہے انہوں نے تنور میں سے سب گوشت نکال لیا اور چکیوں میں سے سارا آٹا اٹھا لیا اور جھاڑ دیں حضرت ابو ہریرہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر وہ آٹا لے لیتیں اور چکی نہ جھاڑتیں تو قیامت تک چلتی رہتیں اور روایت میں ہے کہ ایک شخص اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ بھوک کے مارے گھر والوں کا برا حال ہے آپ جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے یہاں ان کی نیک بخت بیوی صاحبہ نے جب دیکھا کہ میاں بھی پریشان ہیں اور یہ منظر دیکھ نہیں سکے اور چل دیئے تو چکی کو ٹھیک ٹھاک کیا تنور سلگایا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ ہمیں روزی دے دعا کر کے اٹھی تو دیکھا کہ ہنڈیا گوشت سے پر ہے تنور میں روٹیاں لگ رہی ہیں اور چکی سے برابر آٹا ابلا چلا آتا ہے اتنے میں میاں بھی تشریف لائے پوچھا کہ میرے بعد تمہیں کچھ ملا؟ بیوی صاحبہ نے کہا ہاں ہمارے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا اس نے جا کر چکی کے دوسرے پاٹ کو اٹھا لیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو

......= سے ماں کو نقصان پہنچانا ہو یا ماں سوچے کہ بچہ اس کا بھی ہے اور بعد پریشان ہو کر دودھ مجھ ہی سے پلوائے گا کیونکہ بچہ کسی اور کا دودھ پیتا نہیں یا اسے موافق نہیں آتا اور اس لئے معمول سے زیادہ اجرت بڑھا دے۔ ماں کی طرف سے باپ کو ایذا دی گئی محض باپ ہونے کی بنا پر۔

آپ نے فرمایا اگر وہ اسے نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چکی چلتی ہی رہتی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی سو ہم نے ان کے اعمال کا سخت حساب کیا اور ہم نے ان کو بھاری سزا دی (کہ وہ سزا ہلاک یا عذاب سے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور انجام کار خسارہ ہی ہوا (یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (اور جب انجام نافرمانی کا یہ ہے) تو اے سمجھدارو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور وہ نصیحت نامہ دے کر) ایک ایسا رسول بھیجا جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے (ایمان علم و عمل کے) نور کی طرف آئیں اور (آگے ایمان وغیرہ طاعت پر وعدے سے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور اچھے عمل کرے گا خدا اس کو (جنت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشک اللہ تعالیٰ نے (ان کو بہت) اچھی روزی دی ○

جدید محاسبہ:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے امر کا خلاف کریں اس کے رسول کو نہ مانیں اس کی شریعت پر نہ چلیں انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ دیکھو اگلے لوگوں میں سے بھی جو اس روش پر چلے وہ تباہ و برباد ہو گئے جنہوں نے سرتابی، سرکشی اور تکبر کیا حکم خدا اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پروائی برتی آخر انہیں سخت حساب دینا پڑا اور اپنی بدکاری کا مزہ چکھنا پڑا انجام کار نقصان اٹھایا اس وقت نادم ہونے لگے لیکن اب ندامت کس کام کی؟ پھر دنیا کے ان عذابوں سے ہی اگر معاملہ صاف ہو جاتا جب بھی ایک بات تھی نہیں پھر ان کے لئے آخرت میں بھی سخت عذاب اور بے پناہ مار ہے اب اسے سوچ سمجھ والو تمہیں چاہئے کہ ان جیسے نہ بنو اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو اے عقل مندو ایماندارو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف قرآن کریم نازل فرما دیا ہے ذکر سے مراد قرآن ہے جیسے اور جگہ فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ...... (سورہ حجر: ۹) ہم نے اس قرآن کریم کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ذکر سے مراد یہاں

رسول[1] ہے چنانچہ ساتھ ہی فرمایا رسولاً تو بدل اشتمال ہے چونکہ قرآن کے پہنچانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ کو لفظ ذکر سے یاد کیا حضرت امام ابن جریرؒ بھی اسی مطلب کو درست بتلاتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان فرمائی کہ وہ خدا کی واضح اور روشن آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں تا کہ لوگ اندھیروں سے نکل آئیں اور روشنیوں میں پہنچ جائیں جیسے اور جگہ ہے: کِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ...... (سورہ ابراہیم:۱) اس کتاب کو ہم نے تجھے دیا ہے تا کہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لائے دوسری جگہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... (سورہ بقرہ:۲۵۷) اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے وہ انہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف لاتا ہے یعنی کفر و جہالت سے ایمان و علم کی طرف چنانچہ ایک دوسری آیت میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ وحی کو نور فرمایا ہے کیونکہ اس سے ہدایت اور راہ راست حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام روح بھی رکھا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورہ شوریٰ:۵۲) یعنی ہم نے اسی طرح تیری طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور کر دیا جس کے ساتھ ہم اپنے جس بندے کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں یقیناً تو سچی راہ کی رہبری کرتا ہے پھر ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کا بدلہ بہتی نہروں والی ہمیشگی کی جنت بیان ہوا ہے جس کی تفسیر بارہا گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

(آگے اللہ کا واجب الاطاعت ہونا بیان کیا جاتا ہے یعنی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان کی ہی طرح زمین بھی (اور) ان سب میں (اللہ تعالیٰ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں (اور یہ اس لئے بتلایا گیا ہے) کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور اللہ ہر شے کو (اپنے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے ○

اُس کی قدرتیں:

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنی عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تا کہ مخلوق اس کی عظمت و عزت کا خیال کر کے اس کے فرمان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے اور اس پر عامل بن کر اسے خوش کر لے تو فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (سورہ نوح:۱۵) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ پاک نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اوپر تلے پیدا کیا ہے؟ اور جگہ ارشاد ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (سورہ بنی اسرائیل:۴۴) یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے سب اس خدا کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں پھر فرماتا ہے اسی کی مثال زمینیں ہیں جیسے کہ صحیحین کی صحیح حدیث میں ہے جو شخص ظلم کر[2] کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے

[1] چنانچہ روح المعانی میں بھی اس قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ هو النبیؐ عبر عنه لمواظبته علی تلاوة القران الذی هو ذکرا و تبلیغه و تذکیرة رسولا بدل منه لیکن اندلسی نے لکھا ہے کہ: والظاهر ان الذکر هو القرآن۔

[2] مطلب یہ ہے کہ ناحق طریقہ پر۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ﴿٢٨﴾

صحیح بخاری میں ہے اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا میں اس کی تمام سندیں اور کل الفاظ شروع ابتدا اور انتہا میں زمین کی پیدائش کے ذکر میں بیان کر دیئے ہیں فالحمدللہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہفت اقلیم ہے انہوں نے بے فائدہ دماغ سوزی کی ہے اور اختلاف بے جا میں پھنس گئے ہیں اور بلا دلیل قرآن وسنت کا صریح خلاف کیا ہے سورہ حدید میں آیت: ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ...... (سورہ حدید:۳) کی تفسیر میں ساتوں زمینوں کا اور ان کے درمیان کی مسافت کا اور ان کی موٹائی کا جو پانچ سو سال کی ہے پورا بیان ہو چکا ہے حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں بھی ہے ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں ان کے درمیان ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لمبے چوڑے بہت بڑے چٹیل میدان میں ایک چھلا پڑا ہوا ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر میں اس کی تفسیر تمہارے سامنے بیان کروں تو اسے نہ مانو گے اور نہ ماننا جھوٹا جاننا ہے اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں کیسے باور کرلوں کہ جو میں تجھے بتاؤں گا تو اس کا انکار نہ کرے گا[1]؟ اور روایت میں مروی ہے کہ ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کے ہے اور ابن مثنٰی والی اس روایت میں آیا ہے ہر آسمان میں مثل ابراہیم علیہ السلام کے ہے بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ساتوں زمینوں میں سے ہر ایک میں نبی ہے مثل تمہارے نبی کے اور آدم ہیں مثل آدم علیہ السلام کے اور نوح ہیں مثل نوح علیہ السلام کے ابراہیم ہیں مثل کے ابراہیم علیہ السلام کے اور عیسیٰ ہیں مثل عیسیٰؑ ابوالضحیٰ جو ایک راوی ہیں میرے علم میں تو ان کی متابعت کوئی نہیں کرتا واللہ اعلم۔ ایک مرسل اور بہت ہی منکر روایت ابن ابی الدنیا نے ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے دیکھا کہ سب کسی غور وفکر میں چپ چاپ ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ جواب ملا اللہ کی مخلوق کے بارے میں سوچ رہے ہیں فرمایا ٹھیک ہے مخلوقات کے بارے میں غور کرو لیکن کہیں خدا کے بارے میں غور وخوض میں نہ پڑ جانا سنو اس مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے اس کی سفیدی اس کا نور ہے یا فرمایا اس کا نور اس کی سفیدی ہے سورج کا راستہ چالیس دن کا ہے وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس نے ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اس کی نافرمانی نہیں کی صحابہؓ نے کہا پھر شیطان ان سے کہاں ہے؟ فرمایا انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ شیطان پیدا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ پوچھا کیا وہ بھی انسان ہیں فرمایا انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا بھی علم نہیں۔

تفسیر سورہ تحریم مدنیہ

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع:۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات:۱۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ

[1] گویا کہ یہ بات انہوں نے اسی جذبہ سے کہی جو عام طور پر سوتنوں میں ہوتا ہے۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (قسم توڑ کر توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرما دیا ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے اور جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی) کو بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس ظاہر کر دینے والی بی بی کو تھوڑی سی بات تو بتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے سو پیغمبر نے اس بی بی کو وہ بات بتلائی وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی خبر کس نے کر دی آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے خبر رکھنے والے (یعنی خدا) نے خبر کر دی اے (پیغمبر کی) دونوں بیبیو اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو) پیغمبر کا رفیق اللہ اور جبرائیل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور (ان کے علاوہ) فرشتے آپ کے مددگار ہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام والیاں ایمان والیاں فرمانبرداری کرنے والیاں توبہ کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں:

اس سورت کی ابتدائی آیتوں کے شان نزول میں مفسرین کے قوال یہ ہیں:

① بعض تو کہتے ہیں یہ حضرت ماریہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں نسائی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے کہنے سننے سے ایسا ہوا تھا کہ ایک لونڈی کی نسبت آپ نے یہ فرمایا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ابن جریر میں ہے کہ ام ابراہیم کے ساتھ آپ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کے

گھر میں بات چیت کی جس پر انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں؟ اور میرے بستر پر[1]؟ چنانچہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلال آپ پر حرام کیسے ہو جائے گا؟ تو آپ نے قسم کھائی کہ اب ان سے اس قسم کی بات چیت نہ کروں گا۔ اس پر یہ آیت اتری حضرت زید فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا یہ کہہ دینا کہ تو مجھ پر حرام ہے لغو اور فضول ہے حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تو مجھ پر حرام ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں تجھ سے صحبت نہ کروں گا حضرت مسروق فرماتے ہیں پس حرام کرنے کے باب میں تو آپ پر عتاب کیا اور قسم کے کفارے کا حکم ہوا ابن جریر میں کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا عائشہؓ اور حفصہؓ اور ابتدائے قصہ ام ابراہیم قبطیہؓ کے بارے میں ہوئی حضرت حفصہؓ کے گھر میں ان کی باری والے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مل لئے تھے جس پر حضرت حفصہؓ کو رنج ہوا کہ میری باری کے دن میرے گھر میں اور میرے بستر پر؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رضامند کرنے منانے کے لئے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اب تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا لیکن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے واقعہ کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اطلاع اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور یہ کل آیتیں نازل فرمائیں آپ نے کفارہ دے کر قسم توڑ دی اور اس لونڈی سے ملے جلے اسی واقعہ کو دلیل بنا کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ جو کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے اسے قسم کا کفارہ دے کر اپنی قسم کا کفارہ دینا چاہئے ایک شخص نے آپ سے یہی مسئلہ پوچھا کہ میں اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں تو آپ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام نہیں کفارہ سب سے زیادہ سخت تو راہ اللہ غلام آزاد کرنا ہے امام احمد اور بہت سے فقہا کا فتویٰ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی یا لونڈی یا کسی کھانے پینے اوڑھنے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے تو اس کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں صرف بیوی اور لونڈی کے حرام کرنے پر کفارہ ہے کسی اور پر نہیں اور اگر حرام کہنے سے نیت طلاق کی رکھی ہے تو بے شک طلاق ہو جائے گی اسی طرح لونڈی کے بارے میں اگر آزاد کرنے کی نیت حرام کہنے سے رکھی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت اس عورت کے باب میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا لیکن یہ غریب ہے بالکل صحیح بات یہ ہے کہ ان آیتوں کا اترنا آپ کے شہد حرام کر لینے پر تھا۔

(۳) صحیح بخاری میں اس آیت کے موقعہ پر ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد پیتے تھے اور اس کی خاطر ذرا سی دیر وہاں ٹھہرتے بھی تھے[2]۔ اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئیں وہ کہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج تو آپ کے منہ سے گوند کی سی بو آتی ہے شاید آپ نے کھایا ہوگا چنانچہ ہم نے یہی کیا آپ نے فرمایا نہیں میں نے تو زینب کے شہد پیا ہے اب قسم کھاتا ہوں کہ نہ پیوں گا یہ کسی سے کہنا مت امام بخاریؒ اس حدیث کو کتاب الایمان والنذور میں بھی لائے ہیں کچھ زیادتی کے ساتھ جس میں ہے کہ دونوں عورتوں سے یہاں مراد عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں اور چپکے سے بات کہنا یہی تھا کہ میں نے شہد پیا ہے کتاب الطلاق میں امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں پھر

---

[1] آپ کو اس وقت ان کے اس ٹوکنے سے اتنا تاثر ہوا کہ اس طرح کا آپ نے عہد فرمایا لیا کیونکہ آپ جیسا رحیم انسان اس کو خوب محسوس کرتے تھے کہ سوتن کے سامنے دوسری سوتن سے اس طرح کا معاملہ اس کے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا۔

[2] کیونکہ آپ ﷺ کو شہد بہت مرغوب تھا۔

فرمایا ہے مغافیر گوند کے مشابہ ایک چیز ہے جو شور گھاس میں پیدا ہوتی ہے اس میں قدرے مٹھاس ہوتی ہے صحیح بخاری شریف کی کتاب الطلاق میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹھاس اور شہد بہت پسند تھا عصر کی نماز کے بعد اپنی بیویوں کے گھروں میں آتے اور کسی سے نزدیکی کرتے ایک مرتبہ آپ حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور جتنا وہاں رکتے تھے اس سے زیادہ رکے مجھے غیرت سوار ہوئی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کی ایک عورت ایک کپی شہد کی انہیں بطور ہدیہ کے بھیجی ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد کا شربت پلایا اور اتنی دیر روک رکھا میں نے کہا خیر اسے کسی حیلہ سے ختم کر دوں گی چنانچہ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جب آئیں اور قریب ہوں تو تم کہنا کہ آج کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے آپ فرمائیں گے نہیں تم کہنا پھر یہ بدبو کیسی آتی ہے؟ آپ فرمائیں گے مجھے حضرت حفصہؓ نے شہد پلایا تھا تو تم کہنا شاید شہد کی مکھی نے عرفط نامی خاردار درخت چوسا ہو میرے پاس آئیں گے میں بھی یہی کہوں گی پھر اے صفیہ تمہارے پاس جب آئیں تو تم بھی یہی کہنا حضرت سودہ فرماتی ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر آئے ابھی تو دروازے پر ہی تھے جو میں نے ارادہ کیا کہ تم نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے میں آپ سے کہہ دوں کیونکہ میں تم سے بہت ڈرتی تھی لیکن اس وقت تو خیر میں خاموش رہی جب آپ میرے پاس آئے تو میں تمہارا کہنا پورا کر دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے میں نے بھی کہا پھر حضرت صفیہؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی یہی کہا پھر جب حضرت صفیہؓ کے پاس گئے تو حضرت صفیہؓ نے شہد کا شربت پلانا چاہا آپ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں حضرت سودہؓ فرمانے لگیں افسوس ہم نے اسے حرام کرا دیا میں نے کہا خاموش رہو صحیح مسلم کی اس حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبو سے سخت نفرت تھی اس لئے ان بیویوں نے کہا تھا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے اس میں قدرے بو ہوتی ہے جب آپ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے شہد پیا ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ پھر اس شہد کی مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہوگا جس کے گوند کا نام مغافیر ہے اور اس کے اثر سے اس شہد میں اس کی بو رہ گئی ہوگی اس روایت میں لفظ جرست ہے جس کے معنی جوہری نے کئے ہیں کھایا اور شہد کی مکھیوں کو بھی جوارس کہتے ہیں اور جرس مدھم ہلکی آواز کو بھی کہتے ہیں عرب کہتے ہیں: سَمِعْتُ جَرْسَ الطَّيْرِ جب کہ پرندوانہ چگ رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دیتی ہو ایک حدیث میں ہے پھر جنتی پرندوں کی ہلکی اور میٹھی سہانی آوازیں سنیں گے یہاں بھی عربی میں لفظ جرس ہے اصمعی کہتے ہیں میں حضرت شعبہؒ کی مجلس میں تھا وہاں انہوں نے اس لفظ جرس کو جرش کو بڑے شین کے ساتھ پڑھا میں نے کہا چھوٹے سین سے ہے حضرت شعبہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا یہ ہم سے زیادہ اسے جانتے ہیں یہ ٹھیک ہے تم اصلاح کر لو الغرض شہد نوشی کے واقعہ میں شہد پلانے والیوں میں دو نام ہیں ایک حضرت حفصہؓ کا دوسرا حضرت زینبؓ کا بلکہ اس امر پر اتفاق کرنے والیوں میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کا نام ہے پس ممکن ہے یہ دو واقعے ہوں یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن ان دونوں کے بارے میں اسی آیت کا نازل ہونا ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

آپس میں اس قسم کا مشورہ کرنے والی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں یہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے مدتوں سے آرزو تھی کہ حضرت عمرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں بیوی صاحبان کا نام معلوم کروں جن کا ذکر آیت: اِنْ تَتُوْبَآ...... میں ہے پس حج کے سفر میں خلیفۃ الرسول چلے تو میں بھی ہم رکاب ہو گیا ایک راستے میں حضرت عمرؓ راستہ چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے میں ڈولچی لے کر پیچھے پیچھے گیا آپ حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آئے میں نے پانی ڈالا

اور وضو کرایا اب موقعہ پا کر سوال کیا اے امیر المومنین جن کے بارے میں یہ آیت ہے وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ابن عباسؓ افسوس۔ حضرت زہری فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کو ان کا یہ دریافت کرنا برا معلوم ہوا لیکن چھپانا جائز نہ تھا اس لئے جواب دیا اس سے مراد حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریشی تو اپنی عورتوں کو اپنے زیر حکم رکھتے تھے لیکن مدینہ والوں پر عموماً ان کی عورتیں حاوی تھیں جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہماری عورتوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ہم پر غلبہ حاصل کرنا چاہا میں مدینہ شریف کے بالائی حصہ میں حضرت امیہ بن زید کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا ایک مرتبہ میں اپنی بیوی سے کچھ ناراض ہوا اور کچھ کہنے سننے لگا تو الٹ کر اس نے مجھے جواب دینے شروع کئے مجھے نہایت برا معلوم ہوا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ یہ نئی بات کیسی؟ اس نے میرا تعجب دیکھ کر کہا کہ آپ کس خیال میں ہیں؟ اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں اور بعض مرتبہ تو دن دن بھر بول چال چھوڑ دیتی ہیں اب میں تو ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا سیدھا اپنی بیٹی حفصہؓ کے گھر گیا اور دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے؟ کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو اور کبھی کبھی سارا سارا دن روٹھی رہتی ہو؟ جواب ملا کہ سچ ہے میں نے کہا کہ وہ برباد ہوئی اور نقصان میں پڑی جس نے ایسا کیا کیا تم اس سے غافل ہو گئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی وجہ سے ایسی عورت پر خدا ناراض ہو جائے اور وہ کہیں کی نہ رہے؟ خبردار آئندہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی جواب نہ دینا نہ آپ سے کچھ طلب کرنا جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر تم ان کی حرص نہ کرنا وہ تم سے اچھی اور تم سے بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظور نظر ہیں اب اور سنو میرا پڑوسی ایک انصاری تھا اس نے اور میں نے باریاں مقرر کر لی تھیں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارتا اور ایک دن وہ میں اپنی باری والے دن تمام حدیثیں آیتیں وغیرہ انہیں آ کر سناتا اور یہ مجھے یہ بات ہم میں اس وقت مشہور ہو رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے فوجی گھوڑوں کے نعل لگوا رہا ہے اور اس کا ارادہ ہم پر چڑھائی کرنے کا ہے ایک مرتبہ میرے ساتھی اپنی باری والے دن گئے ہوئے تھے عشا کے وقت آ گئے اور میرا دروازہ کھٹکھٹا کر مجھے آوازیں دینے لگے میں گھبرا کر باہر نکلا کہ خیریت تو ہے؟ اس نے کہا آج تو بڑا برا کام ہو گیا میں نے کہا غسانی بادشاہ آ پہنچا؟ اس نے کہا اس سے بڑھ کر میں نے پوچھا وہ کیا؟ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی میں نے کہا افسوس حفصہؓ برباد ہو گئی اور اس نے نقصان اٹھایا مجھے پہلے ہی سے اس امر کا کھٹکا تھا صبح کی نماز پڑھتے ہی کپڑے پہن کر میں چلا سیدھا حفصہؓ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی؟ جواب دیا یہ تو کچھ معلوم نہیں آپ ہم سے الگ ہو کر اپنے بالا خانہ تشریف فرما ہیں میں وہاں گیا دیکھا کہ ایک حبشی غلام پہرے پر ہے میں نے کہا جاؤ میرے لئے اجازت طلب کرو وہ گیا پھر آ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا میں وہاں سے واپس چلا آیا مسجد میں گیا دیکھا کہ منبر کے پاس ایک گروہ صحابہ کا بیٹھا ہوا ہے اور بعض کے تو آنسو نکل رہے ہیں میں تھوڑی سی دیر بیٹھا لیکن چین کہاں پھر اٹھ کر کھڑا ہوا اور وہاں جا کر غلام سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو اس نے پھر آ کر کہا کہ کچھ جواب نہیں ملا میں دوبارہ مسجد چلا گیا پھر وہاں سے گھبرا کر نکلا یہاں آیا پھر غلام سے کہا غلام گیا اور آیا اور وہی جواب دیا میں واپس مڑا ہی تھا جو غلام نے مجھے آواز دی کہ آیئے آپ کو اجازت مل گئی میں گیا دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر ظاہر ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر[1]۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات یہ ہے کہ ہم قوم قریش تو اپنی بیویوں کو اپنے دباؤ میں رکھا کرتے تھے

[1] یہ خوشی سے نعرہ بلند کیا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ کی نظر میں آپ ﷺ کا طلاق دینا ایک حادثہ عظیم تھا۔

لیکن مدینہ والوں پر ان کی بیویاں غالب ہیں یہاں آ کر ہماری عورتوں نے بھی دیکھا دیکھی یہی حرکت شروع کر دی پھر میں نے اپنی بیوی کا واقعہ بیان کیا اور میرا یہ خبر پا کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی ایسا کرتی ہیں یہ کہنا بھی بیان کیا کہ کیا انہیں ڈر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کی وجہ سے خدا بھی ان سے ناراض ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے میں نے پھر اپنا حفصہؓ کے پاس جانا اور انہیں حضرت عائشہؓ کی حرص کرنے سے روکنا بیان کیا اس پر دوبارہ مسکرائے میں نے کہا اگر اجازت ہو تو ذرا سی دیر اور رک جاؤں آپ نے اجازت دی میں بیٹھ گیا اب جو سر اٹھا کر ہر طرف نظریں دوڑائیں تو آپ کی بیٹھک (دربار خاص) میں سوائے خشک کھالوں کے اور کوئی چیز نہ دیکھی آزردہ دل ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر کشادگی کرے دیکھئے تو فارسی اور رومی جو اللہ کی عبادت ہی نہیں کرتے انہیں کس قدر دنیا کی نعمتوں میں وسعت دی گئی ہے؟ یہ سنتے ہی آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے اے ابن خطاب کیا تو شک میں ہے؟ اس قوم کی اچھائیاں انہیں بہ عجلت دنیا ہی میں دے دی گئیں میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے[1] بات یہ تھی کہ آپ نے بوجہ سخت ناراضگی قسم کھائی تھی کہ مہینہ بھر تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ کی یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی ہے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ موقعہ ملے تو حضرت عمر سے ان دونوں کے نام دریافت کروں لیکن ہیبت فاروقی سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج کی واپسی میں پوچھا پھر پوری حدیث بیان کی جو اوپر گزر چکی صحیح مسلم میں ہے کہ طلاق کی شہرت کا واقعہ پردہ کی آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ جس طرح حضرت حفصہؓ کے پاس جا کر انہیں سمجھا آئے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس بھی ہو آئے تھے اور یہ بھی ہے کہ اس غلام کا نام جو ڈیوڑھی پر پہرہ دے رہے تھے حضرت رباح تھا یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ عورتوں کے بارے میں اس مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپ انہیں طلاق بھی دے دیں تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فرشتے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام ہیں میں اور ابوبکر اور جملہ مومن۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ الحمدللہ میں اس قسم کی جو بات کہتا مجھے امید لگی رہتی کہ اللہ تعالیٰ میری بات کی تصدیق نازل فرمائے گا پس اس موقعہ پر بھی آیت تخییر یعنی: عَسٰى رَبُّهٗ...... اور: وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ...... آپ پر نازل ہوئیں مجھے جب آپ سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی تو میں نے مسجد میں آ کر دروازے پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے سب کو اطلاع دے دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی اس کے بارے میں آیت: وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ (سورہ نساء:۸۳) آخر تک اتری یعنی جہاں انہیں کوئی امن کی یا خوف کی خبر پہنچی کہ یہ انہیں شہرت دینے لگتے ہیں اگر یہ اس خبر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا ذی عقل و علم مسلمانوں تک پہنچا دیتے تو بے شک ان میں سے جو لوگ محقق ہیں وہ اسے سمجھ لیتے حضرت عمرؓ یہاں تک اس آیت کو پڑھ کر فرماتے پس اس امر کا استنباط کرنے والوں میں میں ہی ہوں اور بھی بہت سے بزرگ مفسرین سے منقول ہے کہ صالح المومنین سے مراد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ ہیں بعضوں نے حضرت عثمانؓ کا نام بھی لیا ہے بعض نے حضرت علیؓ کا بھی ایک ضعیف حدیث میں مرفوعاً حضرت علی کا نام ہے لیکن سند ضعیف ہے اور بالکل منکر ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ آپ کی بیویاں غیرت میں آ گئیں جس پر میں نے ان سے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] گویا کہ حضرت رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ میں نے آپ سے ایسی غلط بات کہی حالانکہ کوئی غلط بات نہ تھی لیکن آپ ان حضرات کو تو زہد و تقویٰ اسی درجہ کا تھا کہ وہ معمولی باتوں کو بھی بہت اہمیت دیتے۔

تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں آپ کو دے گا پس میرے لفظوں ہی میں قرآن کی یہ آیت اتری پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بہت سی باتوں میں قرآن کی موافقت کی جیسے پردے کے بارے میں بدری قیدیوں کے بارے میں مقام ابراہیم کو قبلہ ٹھہرانے کے بارے میں ابن ابی حاتم میں ہے کہ مجھے جب امہات المومنین کی اس شکررنجی کی خبر پہنچی تو ان کی خدمت میں میں گیا اور انہیں بھی کہنا شروع کیا یہاں تک کہ آخری ام المومنین کے پاس پہنچا تو مجھے جواب ملا کہ کیا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود نصیحت کرنے کے لئے کم ہیں جو تم آگئے؟ اس پر میں تو خاموش ہو گیا لیکن قرآن میں آیت: عَسٰی رَبُّہٗ...... نازل ہوئی صحیح بخاری میں کہ جواب دینے والی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ تھیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو بات چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی صاحبہ سے کہی تھی اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کے گھر میں آپ تھے وہ جب تشریف لائیں اور حضرت ماریہؓ سے آپ کو مشغول پایا تو آپ نے فرمایا تم (حضرت عائشہؓ کو خبر نہ کرنا میں تمہیں ایک بشارت سناتا ہوں میرے انتقال کے بعد میری خلافت پر حضرت ابوبکرؓ کے بعد تمہارے والد آئیں گے حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خبر کر دی پس حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس کی خبر آپ کو کس نے پہنچائی؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر خدا نے خبر پہنچائی صدیقہؓ نے کہا میں آپ کی طرف نہ دیکھوں گی جب تک کہ آپ ماریہ کو اپنے اوپر حرام نہ کر لیں آپ نے ایسا ہی کیا اس پر آیت: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ نازل ہوئی (طبرانی) لیکن اس کی سند مخدوش ہے مقصد یہ ہے کہ ان تمام روایات سے ان پاک آیتوں کی تفسیر تو ظاہر ہی ہے سٰٓئِحٰتٍ کی تفسیر ایک تو یہ ہے کہ روزے رکھنے والیاں ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے یہی تفسیر اس لفظ کی آئی ہے جو سورہ برأت میں اس لفظ کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ اس امت کی سیاحت روزے رکھنا ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ مراد اس سے ہجرت کرنے والیاں لیکن پہلا قول زیادہ صالح ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ان میں سے بعض بیوہ ہوں گی اور بعض کنواریاں اس لئے کہ جی خوش رہے قسموں کی تبدیلی نفس کو بھی معلوم ہوتی ہے معجم طبرانی میں ابن زید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد بیوہ ہے تو حضرت آسیہؑ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور کنواری سے مراد (حضرت مریم) ہیں جو حضرت عمران کی بیٹی تھی ابن عساکر میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت حضرت خدیجہؓ آپ کے پاس آئیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں خوشی ہو جنت کے ایک چاندی کے گھر کی جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف ہے نہ شوروغل جو چھدے ہوئے موتی کا بنا ہوا ہے جس کے دائیں بائیں مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ بنت مزاحمؑ کے مکانات ہیں اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے خدیجہؓ اپنی سوکنوں سے میرا سلام کہنا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجھ سے پہلے بھی آپ نے کسی سے نکاح کیا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمرانؑ اور آسیہؑ زوجہ فرعون اور کلثوم بہن موسیٰ علیہ السلام کی ان تینوں کو میرے نکاح میں دے رکھا ہے یہ حدیث بھی ضعیف ہے حضرت ابوامامہ سے ابو یعلیٰ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارکباد ہو یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور ساتھ مرسل بھی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا

مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے ایمان والوتم اپنے کواور اپنے گھر والوں کو(دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو(اور) مضبوط فرشتے متعین ہیں جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جوان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو (فوراً) بجالاتے ہیں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کرتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ اے کافرو تم آج عذر (و معذرت) مت کرو (کہ بے سود ہے) بس تم کو تو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم دنیا میں کیا کرتے تھے اے ایمان والوتم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) امید (یعنی وعدہ ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور یہ اس روز ہوگا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو مسلمان (دین کی رو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا (اور) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھئے (یعنی راہ میں گل نہ ہو جائے) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے آپ ہر شے پر قادر ہیں ۝

جہنم اور اُس کے شدائد:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ اپنے گھرانے کے لوگوں کو علم و ادب سکھاؤ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کے فرمان بجالاؤ اس کی نافرمانیاں مت کرو اپنے گھر کے لوگوں کو ذکر اللہ کی تاکید کرو تا کہ اللہ تمہیں جہنم سے بچا لے مجاہد فرماتے ہیں اللہ سے ڈرو اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تلقین کرو قتادہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت کا انہیں حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو ان پر اللہ کے حکم قائم رکھو اور انہیں احکام خدا بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور برے کاموں پر انہیں تنبیہ کرو ضحاکؒ و مقاتلؒ فرماتے ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور اپنے لونڈی غلام کو اللہ تعالیٰ کے فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کی تعلیم دیتا رہے مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچے سات سال کے ہو جائیں انہیں نماز پڑھنے کو کہتے سنتے رہا کرو جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز میں سستی کریں تو انہیں مار کر دھمکا کر پڑھاؤ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں

بھی ہے فقہا کا فرمان ہے کہ اسی طرح روزے کی بھی تاکید اور تنبیہ اس عمر سے شروع کر دینی چاہئے تاکہ بالغ ہونے تک پوری طرح نماز روزے کی عادت ہو جائے اطاعت کے بجالانے اور معصیت سے بچے رہنے اور برائی سے دور رہنے کا جذبہ پیدا ہو جائے ان کاموں میں تم اور وہ جہنم کی آگ سے بچ جاؤ گے جس آگ کا ایندھن انسانوں کے جسم اور پتھر ہیں ان چیزوں سے یہ آگ سلگائی گئی ہے پھر خیال کر لو کہ کس قدر تیز ہوگی؟ پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن کی دنیا میں پرستش ہوتی رہی جیسے اور جگہ ہے : وَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورہ انبیاء:۹۸) تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہوں گے یا گندھک کے نہایت ہی بدبودار پتھر ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اس وقت آپ کی خدمت میں بعض اصحابؓ تھے جن میں سے ایک شیخ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں جیسے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جہنم کا ایک پتھر دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہے انہیں یہ سن کر غشی آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل پر ہاتھ رکھا تو دل دھڑک رہا تھا آپ نے انہیں آواز دی کہ اے شیخ کہو لا الہ الا اللہ اس نے اسے پڑھا پھر آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی تو آپ کے اصحابؓ نے کہا کیا ہم سب کے درمیان صرف اس کو خوشخبری دی جا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا دیکھو قرآن میں ہے ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (سورہ ابراہیم:۱۴) یہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے اور میری دھمکیوں کا ڈر رکھتا ہو یہ حدیث غریب ہے اور مرسل ہے پھر ارشاد ہوتا ہے اس آگ سے عذاب کرنے والے فرشتے سخت طبیعت کے ہیں جن کے دلوں میں کافروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے رحم رکھا ہی نہیں اور جو خوفناک طریقہ سے سخت سزائیں دیتے ہیں جن کے دیکھنے سے بھی پتہ پانی اور کلیجہ چھلنی ہو جائے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں جب جہنمیوں کا پہلا جتھا جہنم کو چلے گا تو وہ دیکھے گا کہ پہلے دروازے پر چار لاکھ فرشتے عذاب کرنے والے تیار ہیں جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور نہایت سیاہ ہیں کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں سخت بے رحم ہیں ایک ذرے کے برابر بھی خدا نے ان کے دلوں میں رحم نہیں رکھا اس قدر جسیم ہیں کہ اگر کوئی پرند ان کے ایک کھوے سے اُڑ کر دوسرے کھوے تک پہنچنا چاہے تو دو مہینے گزر جائیں پھر وہ دروازہ پر انیس فرشتے پائیں گے جن کے سینوں کی چوڑائی ستر سال کی راہ ہے پھر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کو دھکیل دیئے جائیں گے پانچ سو سال گزرتے رہنے کے بعد دوسرا دروازہ آئے گا وہاں بھی اسی طرح ایسے ہی اور اتنے ہی فرشتوں کو موجود پائیں گے اسی طرح ہر ہر دروازے پر یہ فرشتے خدا تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں ادھر فرمایا گیا ادھر انہوں نے عمل شروع کر دیا ان کا نام زبانیہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے پناہ دے آمین قیامت کے دن کفار سے فرمایا جائے گا کہ آج تم بے کار عذر نہ کرو کوئی معذرت ہمارے سامنے چل نہ سکے گی تمہارے کرتوت کا مزہ تمہیں چکھنا پڑے گا پھر ارشاد ہے کہ اے ایمان والو تم سچی اور خالص توبہ کرو جس سے تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں میل کچیل دھل جائے یہ برائیوں کی عادت چھوٹ جائے حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے خطبے میں بیان فرمایا کہ لوگو میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا ہے کہ خالص توبہ یہ ہے کہ انسان گناہ کی معافی چاہے اور پھر اس گناہ کو نہ کرے حضرت عبداللہ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے جو ضعیف ہے اور ٹھیک یہی ہے کہ وہ بھی موقوف ہی ہے واللہ اعلم۔ علمائے سلف فرماتے ہیں توبہ خالص یہ ہے کہ گناہ کو اسی وقت چھوڑ دے جو ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے نہ کرنے کا پختہ عزم ہو اور گناہ میں اگر کسی انسان کا حق ہے تو چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حق باقاعدہ ادا کر دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نادم ہونا بھی توبہ کرنا ہے حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس وقت امت کے آخری لوگ قیامت کے قریب کیا کام کریں گے؟ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے اس کے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے گا جو اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق حرام کر دیا ہے اور جس فعل پر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہوتی ہے اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کریں گے جو حرام اور باعث ناراضگی خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان لوگوں کی نماز بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں جب تک کہ یہ توبہ نصوح نہ کریں حضرت زر نے حضرت ابیؓ سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا غلطی سے گناہ ہو گیا پھر اس پر نادم ہونا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اور پھر اس گناہ کی طرف مائل نہ ہونا حضرت حسنؒ فرماتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ جیسے گناہ کی محبت تھی ویسا ہی بغض دل میں بیٹھ جائے اور جب وہ گناہ یاد آئے اس سے استغفار ہو جب کوئی شخص توبہ کرنے پر پختگی کر لیتا ہے اور اپنی توبہ پر جمار ہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام اگلی خطائیں مٹا دیتا ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کی تمام برائیاں اسلام فنا کر دیتا ہے اور توبہ سے پہلے کی تمام خطائیں توبہ سوخت کر دیتی ہے اب رہی یہ بات کہ توبہ نصوح میں یہ شرط بھی ہے کہ توبہ کرنے والا پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جیسے کہ احادیث اور آثار ابھی بیان ہوئے ہیں جن میں ہے کہ پھر کبھی نہ کرے یا صرف اس کا عزم راسخ کافی ہے کہ اسے اب کبھی نہ کروں گا گو پھر بہ مقتضائے بشریت بھولے چوکے ہو جائے جیسے کہ ابھی حدیث گزری ہے کہ توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے تو مجرد توبہ کے ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا پھر مرتے دم تک اس کام کا نہ ہونا گناہ کی معافی کی شرط کے طور پر ہے؟ پس پہلی بات کی دلیل تو یہ حدیث ہے کہ جو شخص اسلام میں نیکیاں کرے وہ اپنی جاہلیت کی برائیوں پر پکڑا نہ جائے گا اور جو اسلام لا کر بھی برائیوں میں مبتلا رہے وہ اسلام کی اور جاہلیت کی دونوں برائیوں میں پکڑا جائے گا پس اسلام جو کہ گناہوں کو دور کرنے میں توبہ سے بڑھ کر ہے جب اس کے بعد بھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے پہلی برائیوں میں بھی پکڑ ہوئی تو توبہ کے بعد تو بطور اولیٰ ہونی چاہئے واللہ اعلم۔ لفظ عسیٰ گو تمنا امید اور امکان کے معنی دیتا ہے لیکن کلام اللہ میں اس کے معنی تحقیق کے ہوتے ہیں پس فرمان ہے کہ خالص توبہ کرنے والے قطعاً اپنے گناہوں کو معاف کروالیں گے اور سرسبز و شاداب جنتوں میں جائیں گے پھر ارشاد ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو ہرگز شرمندہ نہ کرے گا انہیں خدا کی طرف نور عطا ہوگا جو ان کے لئے آگے آگے اور دائیں طرف ہوگا اور سب اندھیروں میں ہوں گے اور یہ روشنی میں ہوں گے جیسے کہ پہلے سورہ حدید کی تفسیر میں گزر چکا ہے جب یہ دیکھیں گے کہ منافقوں کو جو روشنی ملی تھی عین ضرورت کے وقت وہ ان سے چھین لی گئی اور وہ اندھیروں میں بھٹکتے رہ گئے تو دعا کریں گے کہ خدایا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو ہماری روشنی تو آخر وقت تک ہمارے ساتھ ہی رہے ہمارا نور ایمان بجھنے نہ پائے بنو کنانہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے میں نے نماز پڑھی تو میں نے آپ کی اس دعا کو سنا: اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ میرے اللہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کرنا ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے سجدے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور اسی طرح سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھ ہی کو مرحمت ہوگی میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظر ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا ایک صحابیؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیسے پہچانیں گے؟ وہاں تو بہت سی امتیں ہوں گی آپ نے فرمایا میری امت کے لوگوں کی ایک نشانی تو یہ ہوگی کہ ان کے اعضائے وضو منور ہوں گے چمک رہے ہوں گے کسی اور امت میں یہ بات نہ ہوگی دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے تیسری نشانی یہ ہوگی کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہوں گے میں پہچان لوں گا چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

الْمَصِیْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝۱۰

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار (سے بالسنان) اور منافقین سے (باللسان) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو اس کے مستحق ہیں) اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح علیہ السلام کی بی بی اور لوط علیہ السلام کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو ان عورتوں نے دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں بندے اللہ کے مقابلے میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے اور ان دونوں عورتوں کو بوجہ کافر ہونے کے حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ ○

حکم جہاد:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ کافروں سے جہاد کرو ہتھیاروں کے ساتھ اور منافقوں سے جہاد کرو حدود خدا جاری کرنے کے ساتھ ان پر دنیا میں سختی کرو آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین بازگشت ہے پھر مثال دے کر سمجھایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا خلط ملط رہنا انہیں ان کے کفر کے باوجود خدا تعالیٰ کے ہاں کچھ نفع نہیں دے سکتا دیکھو دو پیغمبروں کی عورتیں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی ہر وقت ان نبیوں کی صحبت میں رہنے والی اور دن رات اٹھنے بیٹھنے والی اور ساتھ ہی کھانے پینے والی بلکہ سونے جاگنے والی تھیں لیکن چونکہ ایمان میں ان کی ساتھی نہ تھیں اور اپنے کفر پر قائم تھیں پس پیغمبروں کی آٹھ پہر کی صحبت انہیں کچھ کام نہ آئی انبیاء اللہ انہیں اخروی نفع نہ پہنچا سکے نہ اخروی نقصان سے بچ سکے بلکہ ان عورتوں کو بھی جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں جانے کو کہہ دیا گیا یہ یاد رہے کہ خیانت کرنے سے مراد یہاں بدکاری نہیں انبیاء علیہم السلام کی حرمت و عصمت اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ ان کی گھر والیاں فاحشہ ہوں ہم اس کا پورا بیان سورۂ نور کی تفسیر میں کر چکے ہیں بلکہ یہاں مراد خیانت فی الدین ہے یعنی دین میں اپنے خاوندوں کی خیانت کی ان کا ساتھ نہ دیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ان کی خیانت زنا نہ تھی بلکہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تو لوگوں سے کہا کرتی تھی کہ یہ مجنون ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی جو مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آتے تو کافروں کو خبر کر دیتی تھی یہ دونوں بددین تھیں حضرت نوح علیہ السلام کی رازداری اور پوشیدہ طور پر ایمان لانے والوں کے نام کافروں پر ظاہر کر دیا کرتی تھی اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے خاوند خدا کے رسول کی مخالف تھی اور جو لوگ آپ کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرتے یہ جا کر اپنی کافر قوم سے خبر کر دیتی جنہیں بدعمل کی عادت تھی بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ کسی پیغمبر کی کسی عورت نے بھی بدکاری نہیں کی اسی طرح حضرت عکرمہؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ضحاکؒ وغیرہ سے بھی مروی ہے اس سے استدلال کر کے بعض علما نے کہا ہے کہ وہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی ایسے کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے ہاں ایک بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں گراب میں کہتا ہوں۔[1]

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع

اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی (تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) کا حال بیان کرتا ہے جب ان کی بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قریب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون (کے شر) سے اور اس کے عمل (کفر کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھیئے اور تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں سے محفوظ رکھئے اور (نیز مسلمانوں کی تسلی) کے لئے عمران کی بیٹی (حضرت) مریم علیہا السلام کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے (پیغاموں کی جوان کو ملائکہ کے ذریعے پہنچے تھے) اور اس کی کتابوں کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں ○

فرعون کی بیوی کا واقعہ:

یہاں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے مثال بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ اپنی ضرورت پر کافروں سے خلط ملط ہوں تو انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ...... (سورہ آل عمران: ۲۸) ایمانداروں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا اوروں سے دوستیاں نہ کریں جو ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی بھلائی میں نہیں ہاں اگر بطور بچاؤ اور دفع الوقتی کے ہو تو اور بات ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے سرکش فرعون تھا لیکن اس کے کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے زبردست ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور ہیں جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا[2] حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا سخت گرمیوں میں انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا لیکن پروردگار اپنے فرشتوں کے پروں کا سایہ ان پر کر دیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچالیتا بلکہ انہیں ان کی جنتی مکان کو دکھا دیتا جس سے ان کی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہو جاتی فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ دریافت کرتی رہتی تھیں کہ کون غالب رہا تو ہر وقت یہی سنتیں کہ موسیٰ علیہ السلام غالب رہے بس یہی ان کے ایمان کا باعث بنا اور یہ پکار اٹھیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لائی فرعون کو جب معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ جو بڑی سے بڑی پتھر کی چٹان تمہیں ملے اسے اٹھوالاؤ

[1] اور ظاہر ہے کہ خواب کو وہ درجہ حاصل نہیں جو جنات کے ارشادات کو حیات مبارکہ میں تھا اول تو یہی معلوم نہیں کہ کون بخشا ہوا ہے اور کون نہیں نیز خود جن بزرگوں نے یہ خواب دیکھا ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ کون تھے اور کون نہیں اس طرح کے خوابوں کو معتبر حیثیت کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

[2] بجز اس کے کہ خود کوئی کسی کے گناہ میں شریک ہو گیا مثلاً ترغیب ہی دی ہو یا راہیں ہموار کی ہوں تو ایسی صورت میں دونوں پر عذاب ہوگا۔

اسے چت لٹاؤ اور اسے کہو کہ اپنے اس عقیدے سے باز آ جائے اگر باز آ جائے تو تو میری بیوی ہے عزت و حرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو وہ چٹان اس پر گرا دو اور اس کا قیمہ کر ڈالو جب یہ لوگ پتھر لائے انہیں لے گئے لٹایا اور پتھر ان پر گرانے کے لئے اٹھایا تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پروردگار نے حجاب ہٹا دیئے اور جنت کو اور وہاں جو جو مکان ان کے لئے بنایا گیا تھا اسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اسی میں ان کی روح پرواز کر گئی جس وقت پتھر پھینکا گیا اس وقت ان میں روح تھی ہی نہیں اپنی شہادت کے وقت دعا مانگتی ہیں کہ خدایا جنت میں اپنے قریب کی جگہ مجھے گھر عنایت فرما اس دعا کی باریکی پر بھی نظر ڈالئے کہ پہلے خدا تعالیٰ کا پڑوس مانگا جا رہا ہے پھر گھر کی درخواست کی جا رہی ہے[1]۔ اس واقعہ کے بیان میں مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے پھر دعا کرتی ہیں کہ مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے میں اس کی کافرانہ حرکتوں سے بےزار ہوں مجھے اس ظالم قوم سے عافیت میں رکھ ان بیوی صاحبہ کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا ان کے ایمان لانے کا واقعہ حضرت ابو العالیہؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی عورت کا ایمان ان کے ایمان کا باعث بنا وہ ایک روز فرعون کی لڑکی کا سر گوندھ رہی تھیں اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں اس پر فرعون کی لڑکی نے کہا کہ کیا میرے باپ کے سوا تو کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے اس نے غصہ میں آ کر انہیں خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اس کی خبر کر دی فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو؟ جواب دیا کہ ہاں میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ تعالیٰ ہے فرعون نے کہا کہ انہیں چت لٹا کر ان کے ہاتھ پیروں پر میخیں گڑوا دو اور سانپ چھوڑ دیئے جو انہیں کاٹتے رہے پھر ایک دن اور کہا اب بھی تیرے خیالات درست ہوئے؟ وہاں سے جواب ملا کہ میرا اور تیرا اور تمام مخلوق کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آ جا انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر ڈال اس ظالم نے ان کے لڑکے کو پکڑوا کر منگوایا اور ان کے سامنے اسے مار ڈالا جب اس بچہ کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں خوش ہو جا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کر رکھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی انہوں نے اس روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بقضا ہو کر بیٹھ رہیں فرعون نے پھر انہیں اسی طرح باندھ کر ڈلوا دیا اور سانپ چھوڑ دیئے پھر ایک دن آیا اور اپنی بات دہرائی بیوی صاحبہ نے پھر نہایت صبر و استقلال سے جواب وہی دیا اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے ہی قتل کرا دیا اس کی روح نے اسی طرح اپنی والدہ کو خوشخبری دی اور صبر کی تلقین کی فرعون کی بیوی نے بڑے بچے کی روح کی خوشخبری سنی تھی اب اس چھوٹے بچے کی بھی خوش خبری سنی اور ایمان لے آئیں ادھر ان بیوی صاحبہ کی روح اللہ تعالیٰ نے قبض کر لی اور ان کی منزل و مرتبہ جو خدا کے ہاں تھا وہ حجاب ہٹا کر فرعون کی بیوی کو دکھا دیا گیا یہ ایمان و یقین میں بہت بڑھ گئیں یہاں تک کہ فرعون کو بھی ان کے ایمان کی خبر ہو گئی اس نے ایک روز اپنے درباریوں سے کہا تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسے کیا جانتے ہو؟ سب نے بڑی تعریف کی اور ان کی بھلائیاں بیان کیں فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم؟ وہ میرے سوا دوسرے کو خدا مانتی ہے پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کر دیا جائے چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا اس وقت حضرت آسیہؓ نے اپنے رب سے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب اٹھا کر انہیں ان کا جنتی

[1] صاحب مدارک نے آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ تمام مصائب میں خدا تعالیٰ سے استعاذہ اور استغفار اور گلوخلاصی کے لئے صرف خدا تعالیٰ ہی سے دعا صالحین کی خاص عادت ہے: و دلیل علی ان الاستعاذة باللہ والالتجاء الیہ س مسئلة الخلاص منه عند المحن والنوازل من سیر الصالحین۔

درجہ دکھا دیا جس پر یہ ہنسنے لگیں ٹھیک اسی وقت فرعون آ گیا اور انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا؟ کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے یقیناً اس کا دماغ ٹھکانے نہیں الغرض انہیں عذابوں میں یہ شہید ہوئیں ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

پھر دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہ السلام کی بیان کی جاتی ہے کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں ہم نے اپنے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت ان میں روح پھونکی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو انسانی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ اپنے منہ سے ان کے گریبان میں پھونک ماریں اسی سے حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پس ارشاد ہے کہ ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی پھر حضرت مریم علیہ السلام کی اور تعریف ہو رہی ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں اور پوری فرمانبردار تھیں[1] ۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور صحابہ سے دریافت کیا کیا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پورا علم ہے آپ نے فرمایا تمام جنتی عورتوں میں سے افضل خدیجہؓ بنت خویلد ۔ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مریم بنت عمران اور آسیہؓ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں صحیح بخاری صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں تو صاحب کمال بہت سارے ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف حضرت آسیہؓ ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں اور حضرت مریم علیہ السلام ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور حضرت عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے سالن میں چوری ہوئی روٹی کی فضیلت باقی کھانوں پر ہم نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے بیان کے موقعہ پر اس حدیث کی سند اور الفاظ بیان کر دیئے ہیں ۔

پارہ ۲۹

تفسیر سورہ ملك مكيه

فضائل سورہ ملک ☆

مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرتی رہے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے وہ سورت: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ...... ہے ابوداؤد نسائی ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں تاریخ ابن عساکر میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امت میں ایک شخص مر گیا جس کے ساتھ کتاب اللہ میں سے سوائے سورہ تبارک الذی کے اور کوئی چیز نہ تھی جب اسے دفن کیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا تو یہ سورت اس کے سامنے کھڑی ہو گئی فرشتے نے کہا تو کتاب اللہ ہے میں تجھے ناراض کرنا نہیں چاہتا تجھے معلوم ہے کہ تیرے یا اپنے یا اس معیب کے کسی نفع نقصان کا مجھے اختیار نہیں اگر تو یہی چاہتی ہے تو تو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر اس کی سفارش کر چنانچہ یہ سورت اللہ عزوجل کے پاس جائے گی اور کہے گی خدایا تیری کتاب میں سے مجھے فلاں شخص نے سیکھا پڑھا اب کیا تو اسے آگ میں جلائے گا؟ کیا باوجودیکہ میں اس کے سینے میں

---

[1] گویا مریم علیہا السلام کی تعریف میں دو جامع کلمات استعمال فرمائے ایک صادقہ جس سے ان کے عقائد کی صحت کی اطلاع ہے دوسرا ارشاد ان کے بارے میں قانت ہے جو ان کے حسن سیرت کی شہادت ہے کلمات سے مراد سابق شریعتیں بھی لی گئی ہیں مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے سابقہ تمام شرائع کی تصدیق فرمائی تھی چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے: الكلمات الشرائع التي شرع بها دون القول فكان المعنى صدقت الشرائع و اخذت بها

محفوظ ہوں تو اسے عذاب کرے گا؟ اگر یہی کرنا ہے تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا ڈال اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس وقت سخت غضبناک ہے یہ کہے گی مجھے حق ہے کہ میں اپنی ناراضگی ظاہر کروں پس جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ جا میں نے اسے تجھے دیا اور تیری سفارش قبول کی اب یہ سورت اس کے پاس آئے گی اور عذاب کے فرشتے کو ہٹائے گی اور اس کے منہ سے اپنا منہ ملا کر کہے گی اس منہ کو مرحبا ہو یہی میری تلاوت کیا کرتا تھا اس سینے کو صد شاباش ہو اس نے مجھے یاد کر رکھا تھا ان دونوں قدموں کو مبارک ہو یہی کھڑے ہو کر راتوں کو میری قرأت کے ساتھ قیام کرتے تھے اور یہ سورت قبر میں اس کی مونس اور غم خوار بن جائے گی اور کوئی دہشت اور خوف اسے نہیں پہنچنے دے گی اس حدیث کے سنتے ہی تمام چھوٹے بڑے آزاد اور غلام نے اسے سیکھ لیا اس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجیۃ رکھا یعنی نجات دلوانے والی سورت لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے[1] اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمدؒ امام یحییٰ بن معینؒ امام بخاریؒ امام ابو حاتمؒ امام دار قطنیؒ وغیرہ ضعیف کہتے ہیں اور دوسری سند سے ہے کہ یہ قول امام زہری کا ہے مرفوع حدیث نہیں امام بیہقی نے کتاب اثبات عذاب قبر میں حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث مرفوع بھی بیان کی ہے اور موقوف بھی اس میں بھی جو مضمون ہے وہ اس کی شہادت میں کام دے سکتا ہے ہم نے اسے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے وللہ الحمد۔ طبرانی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے خدا سے لڑ جھگڑ کر اسے جنت میں داخل کرایا وہ سورت تبارک الذی ہے ترمذی شریف میں ہے کہ کسی صحابیؓ نے جنگل میں ایک ڈیرا لگایا جہاں ایک قبر بھی تھی لیکن اسے علم نہ تھا اس نے سنا کہ کوئی شخص سورہ ملک پڑھ رہا ہے اور اس نے پوری پڑھی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے یہ سورت نجات دلوانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلواتی ہے یہ حدیث غریب ہے ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے سورہ: الٓمّٓ تَنْزِیْلُ ...... اور سورہ تبارک الذی ضرور پڑھ لیا کرتے تھے حضرت طاؤس کی روایت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کی دوسری سورتوں پر ستر فضیلت رکھتی ہیں طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرا دلی منشا ہے کہ یہ سورت میری امت میں سے ہر ایک کے دل میں رہے یعنی سورہ الملک یہ حدیث بھی غریب ہے اور اس کا راوی ابراہیم ضعیف ہے اور اسی جیسی روایت سورہ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے مسند عبد بن حمید میں ذرا بسط کے ساتھ بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک شخص سے فرمایا کہ آ میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں کہ تو خوش ہو جائے تبارک الذی ...... پڑھا کر اور اسے اپنے اہل و عیال کو گھر کے بچوں کو اور پڑوسیوں کو سکھا یہ سورت نجات دلوانے والی اور شفاعت کرنے والی ہے قیامت کے دن اپنے پڑھنے والی کی طرف سے خدا تعالیٰ سے سفارش کرے گی اور اسے عذاب آگ سے بچالے گی اور عذاب قبر سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ایک ایک امتی کے دل میں یہ ہو۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۳۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

[1] اور خود اس روایت کے الفاظ یہی بتا رہے تھے۔

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۗ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

وہ (خدا) بڑا عالیشان ہے جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو (اب کی بار) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو خلل نظر آتا ہے (یعنی بار تامل تو نے بہت بار دیکھا ہوگا اب کی بار تامل سے نگاہ ڈال) پھر بار بار نگاہ کو ڈال کر دیکھ (آخرکار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے (ان ستاروں) کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور ہم نے ان (شیاطین) کے لئے (آخرت میں بوجہ ان کے کفر کے) دوزخ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے ○

بڑی بابرکت ہے اُس کی ذات:

اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرما رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے کوئی اس کا حکم ٹال نہیں سکتا اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے پھر اپنا موت[1] و حیات کا پیدا کرنا بیان فرما رہا ہے اس آیت سے ان لوگوں کے لئے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا کی ہوئی ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کی عدم سے وجود میں لایا تا کہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (سورہ بقرہ: ۲۸) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا ہے اور اس کی پیدائش کو حیات کہا گیا ہے اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (سورہ بقرہ: ۲۸) وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی آدم موت کی ذلت میں تھے دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقا کا لیکن یہی روایت ایک دوسرے موقعہ پر حضرت قتادہ کا قول بیان کیا گیا ہے آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا

[1] یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ حیات تو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے لیکن موت شیطان نے نافرمانی کر کے پیدا کرا دی آیت میں صاف اس عقیدہ کی تردید ہے بتایا کہ حیات اور موت دونوں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

نہیں بلکہ بہتر عمل والا وہ باوجود غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے جب رجوع کریں اور توبہ کریں معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے جس نے ساتھ آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ سے ہے زیادہ صحیح یہی قول ہے اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے پیدائش پروردگار میں تو کوئی کمی وعیب نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے نہ کمی اور عیب اور خلل ہے اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال[ل] اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بھی اگر شک رہے تو دوبارہ دیکھ لے کوئی کمی نظر نہ آئے گی تو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ شکست وریخت نظر آئے تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی کمی کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے تو فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعضے چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جگہ ٹھہرے رہنے والے ہیں پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے واللہ اعلم۔شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے جیسے سورہ صافات کے شروع میں ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں کی حفاظت انہیں کر دی ہے وہ بلند و بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور ہر طرف کی مار سے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک لے کر بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں آسمان کی زینت شیطانوں کی مار اور راہ پانے کے نشانات جس شخص نے اس کے سوا اور کوئی بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور بوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا۔ (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾

[ل] پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف ظاہری حسن دیکھتے ہیں دوسری محققین کی نظر ہے جو مخلوق کے مصالح پر نظر رکھتے ہیں اور تیسری نظر عارفین کی ہے جو سب دیکھنے کے بعد اپنے جہل و عجز کا اعتراف کرتے ہیں۔

اور جولوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی جب اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں آیا تھا وہ (بطور اعتراف) کے کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا پیغمبر آیا تھا سو (یہ ہماری شامت تھی کہ) ہم نے (اس کو) جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے (از قبیل احکام کتب) کچھ نازل نہیں کیا اور تم بڑی غلطی میں پڑے ہو اور کافر فرشتوں سے یہ بھی کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اعتراف کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے ○

اور کفار:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے وہ جہنمی ہے اس کا انجام اور جگہ بد سے بدتر ہے یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے اور جوش اور غضب سے اس طرح دانت بھینچ رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی ان دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا خدا کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور خدا کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا اب عدل خدا ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورہ بنی اسرائیل: ۱۵) ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے: حتی اِذَا جَاؤُهَا (سورہ زمر: ۷۱) جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے تو کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے اور ڈرایا بھی تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب ثابت ہو گیا اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے اپنے مالک و خالق کے ساتھ کفر نہ کرتے نہ رسولوں کو جھٹلاتے نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ جب دنیا میں اپنے آپ میں غور نہ کر لیں اور اپنی برائیوں کو آپ دیکھ نہ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے مسند احمد اور حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں۔ (مسند احمد)

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (مقرر) ہے اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات

کہو یا پکار کہو (اس کو سب خبر ہے کیونکہ) وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین (اور) پورا باخبر ہے وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے (جو زمین سے پیدا کی ہے) کھاؤ پیو اور کھا پی کر اس کو یاد رکھو کہ اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے ○

خشیت الٰہی:

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں تاہم خوف خدا سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت و عبادت سے جی چراتے ہیں ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دے گا اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جن سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن کوئی سایہ اس کے سوا نہ ہوگا ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زناکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے مسند بزار میں کہ صحابہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی آپ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا ظاہر باطن اللہ ہی کو رب مانتے ہیں آپ نے فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں پھر فرماتا ہے کہ تمہاری کھلی چھپی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے آگاہ ہوں یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو اور نہ یہ کہ مخلوق سے خالق بے خبر ہو وہ بڑا باریک بین ہے اور بے حد خبر رکھنے والا ہے ازاں بعد اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے مسخر کر دیا وہ کون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے ہل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو طرح طرح کی لمبی سود مند تجارتیں کر رہے ہو تمہاری کوشش وہ بار آور کرتا ہے اور تمہیں تمہاری روزیاں ان اسباب سے دے رہا ہے معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اگر تم خدا کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح روزیاں دے کہ جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس آتے ہیں پس ان کا صبح شام آنا اور جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی خدائے واحد ہے اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ تو مناکب سے مراد راستے کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں اور قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں حضرت بشیر بن کعبؒ اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مناکب کی صحیح تفسیر تم بتا دو تو تم آزاد ہو اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں آپ نے حضرت ابو درداء سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں بھی اپنا حکم ونصرت رکھتا ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرا (کر الٹ پلٹ ہونے) لگے یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے جو کہ آسمان میں بھی اپنا حکم وتصرف رکھتا ہے کہ وہ تم پر (مثل دعا کے) ایک ہوائے تند بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ) سو عنقریب (مرتے ہی) تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (صحیح) تھا اور ان سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے (دین کو) جھٹلایا تھا سو دیکھ لو ان میں میرا عذاب کیسا (واقعہ) ہوا کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے (اڑتے پھرتے ہیں) اور (کبھی اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں بجز خدائے رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے (اور جس طرح چاہے اس میں تصرف کر رہا ہے)○

یہ کیسا خیال باطل؟

ان آیتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطف ورحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر وشرک کی بنا پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذابوں پر بھی قادر ہے لیکن ان کا حلم وعفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتے جیسے اور جگہ فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ...... (سورہ فاطر: ۴۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتے تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتے لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہیں جب ان کا وہ وقت آ جائے گا تو خدا تعالیٰ ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لیں گے یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی اور ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے جیسے اور جگہ ہے: اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۶۸) یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے جائیں اور کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے یہاں بھی ارشاد ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈرانے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ تم آپ دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرتناک انجام ہوا تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ نہیں کر دیکھ رہے ہو کہ پرندے تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں کبھی دونوں پروں سے کبھی کسی کو روک کر پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں یہ بھی میرا لطف وکرم اور رحمت ونصرت ونعمت ہے مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگران اور کفیل میں ہی ہوں جیسے اور جگہ فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ...... (سورہ نحل: ۷۹) کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں جن کا تھامنے والا بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا

فِي عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿٢١﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾

ہاں رحمٰن کے سوا کون ہے وہ کہ وہ تمہارا لشکر بن کر (آفات سے) تمہاری حفاظت کر سکے اور کافر (جو اپنے معبودوں کی نسبت ایسا خیال رکھتے ہیں تو وہ) بڑے دھوکے میں ہیں اور ہاں (یہ بھی بتلاؤ کہ) وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر لے (مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت (عن الحق) پر جم رہے ہیں سو (جس کافر کا حال اوپر سنا ہے اس کو سن کر سوچو کہ) کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہے وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہو گا یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا رہا ہو آپ (ان سے) کہئے کہ وہی (ایسا قدر و منعم) ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے (مگر) تم لوگ بہت کم شکر گزار ہو (اور) آپ یہ بھی کہئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اسی کے پاس (قیامت کے روز) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ یہ (تعین کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں محض (علی الاجمال مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس (عذاب) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو (اس وقت مارے غم کے) کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور (ان سے) کہا جائے گا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے (کہ عذاب لاؤ عذاب لاؤ) ○

پھر کون مددگار ہو:

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں تو فرماتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے اب اگر اللہ تبارک و تعالیٰ روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا دینے لینے پر پیدا کرنے اور فنا کرنے پر رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لاشریک لہ کو ہی قدرت ہے یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں ان کی

طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی بغاوت بیٹھ چکی ہے یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو درکنار؟ پھر مومن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران پریشان راہ بھولا اور ہکا بکا ہے اور مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص تو اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر چل رہا ہے یہی حال ان کا قیامت کے دن ہوگا کہ کافر تو اوندھے جہنم میں جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (سورہ صافات:۲۲) الایہ ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے معبودوں کو جو خدا کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھاؤ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح حشر کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر قادر ہے صحیحین میں بھی یہ روایت ہے خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو یعنی اپنی ان قوتوں کو خدا تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے پر بہت ہی کم خرچ کرتے ہو خدا تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا تمہاری زبانیں جداگانہ تمہارے رنگ روپ جداگانہ تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے لا کھڑے کر دیئے جاؤ گے اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا پھر بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتا دو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ انہیں جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی اسے تو صرف وہی علام الغیوب ہی جانتا ہے ہاں اتنا مجھے بتایا گیا ہے کہ قیامت آئے گی ضرور میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں میرا فرض تو صرف تمہیں پہنچا دینا تھا جسے میں بحمد اللہ ادا کر چکا پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اب وہ قریب آ گئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آ کر ہی رہتی ہے گو دیر سویر میں آئے جب یہ اسے آئی ہوئی پالیں گے جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھنے لگیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور ذلیل کرنے کے کہا جائے گا جس کی تم جلدی کر رہے تھے آج اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ

مَّعِیْنٍ ۝

آپ (ان سے) کہئے کہ بتاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو (موافق تمہاری تمنا کے) ہلاک کر دے یا (موافق ہماری امید اور اپنے وعدے کے ہم پر رحمت فرمادے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچائے گا (اور) آپ (ان سے یہ بھی) کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں سوعنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے (یعنی تم جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم جیسا کہ کہتے ہو) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے (جو کنوؤں میں ہی نیچے کو اتر کر) غائب ہو جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (یعنی کنوئیں کی سوت جاری کر دے) ۝

ایمان اور اِس کی برکات‘ کفر اور اُس کی نحوستیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ان مشرکوں سے کہو جو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم جو اس بات کی تمنا میں ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نقصان پہنچا یا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا تمہاری نجات کی صورت تو یہ نہیں؟ نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے پر خدا کی طرف جھکنے پر اس کے دین کو مان لینے پر ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن ورحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی ذات پر ہے جیسے ارشاد ہے: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (سورہ ہود: ۱۲۳) اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اب تم عنقریب جان لو گے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟ رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟ خدا کا غضب کس پر ہے؟ اور بری راہ پر کون ہے؟ پھر فرماتا ہے اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسان کی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہ گو تم کھوتے کھوتے تھک جاؤ تو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا اور ابلنے والا جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے پاک صاف نتھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے ضرورت کے مطابق ہر جگہ بآسانی مہیا ہو جاتا ہے۔

تفسیر سورہ القلم مکیہ

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۵۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان‘ نہایت رحم والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ

لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

نٓ قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی جو کہ کاتب اعمال ہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں (جیسا کہ منکرین نبوت کہتے ہیں) اور بے شک آپ کے لئے (اس تبلیغ احکام پر) ایسا اجر ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں سو (ان کے مہملات کا غم نہ کیجئے کیونکہ) عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا آپ کا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ (راست) پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے ۝

آپ بڑے فرزانہ ہیں:

نون وغیرہ جیسے حروف تہجی کا بیان مفصل سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہا گیا ہے کہ یہاں نٓ سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر پر لکھ ڈال پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا پھر خدا تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم) مطلب یہ ہے کہ یہاں نٓ سے مراد یہ مچھلی ہے طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا قلم نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی پس نون سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر نو یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ لے اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل رزق عمر موت وغیرہ پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا یہی مراد ہے اس آیت میں پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کہاں تک پہنچا دوں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ مشہور تھا کہ نون سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے بغویؒ وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی جسامت آسمان وزمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان کی تمام مخلوق ہے واللہ اعلم۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آ گئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے کہا کہ میں وہ سوالات اور باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا کوئی نہیں جانتا بتلایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی طرف کھنچتا ہے کبھی ماں کی طرف؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی

جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتا دیں ابن سلامؓ کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے آپ نے فرمایا کہ سنو قیامت کی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آئے تو لڑکا ہوتا ہے اور عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا؟ فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا پوچھا انہیں پانی کون سا ملے گا؟ فرمایا سلسبیل نامی نہر کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد نٓ سے نور کی تختی ہے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا قلم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے ابن جریج فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طولانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نٓ سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے حسن اور قتادہؒ بھی یہی فرماتے ہیں ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نٓ کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر فرمایا لکھو اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا جو قیامت تک ہونے والا ہے اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام پھر یہ بھی کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی کس قدر رہے گی کیسے نکلے گی؟ پھر خدا تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے محافظ فرشتے ہر دن کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظ فرشتے داروغہ کے فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کا کیا سامان ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم عرب ہو کیا تم نے قرآن میں محافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورہ جاثیہ:۲۹) مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے اعمال کو اصل سے نقل کر کے لکھ لیا کرتے ہیں یہ تو تھا لفظ نٓ کے متعلق بیان اب قلم کی سنیئے بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالی شان ہے: اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (سورہ علق:۴) یعنی اس خدا نے قلم سے لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کی رسائی ہو سکے اسی لئے اس کے بعد فرمایا وَمَا يَسْطُرُوْنَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ اس چیز کو جو جانتے ہیں سدیؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں آسمان و زمین سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں ذکر کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں موجود ہیں حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا ہے پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو بحمد اللہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو نہ ٹوٹے نہ کٹے کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب اجر دیں گے تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے حضرت عائشہؓ سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ کا خلق قرآن تھا سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے اور حدیث میں ہے کہ صدیقہؓ نے پوچھا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ سائل حضرت سعید بن ہشامؒ نے کہا ہاں پڑھا ہے آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا مسلم میں یہ حدیث پوری پوری ہے جسے ہم سورہ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے یہی سوال کیا تھا تو

آپ نے یہی فرما کر پھر آیت اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تلاوت فرمائی اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سنو! ایک مرتبہ میں نے بھی آپ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہؓ نے بھی میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھ میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آ جائے تو تو گرا دینا[1] چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد) مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے کہ ایک تو آپ کی جبلت اور پیدائش میں ہی خدائے عالم نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہر حکم کو بجالانے اور ہر ممنوع چیز سے رک جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہی ہے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ درجہ کی ناراضی کا اظہار تک نہیں فرمایا کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کو کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کیا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش خلق تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک نہ عطر (صحیحین) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت براء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے آپ کا قد نہ تو لمبا بہت تھا نہ آپ پست قامت تھے اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں شمائل ترمذی میں ہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو ہاں خدا کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے جب کبھی دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند فرماتے جو زیادہ آسان ہوتا ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کوئی گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ کی حرمتوں کو توڑتا ہو تو آپ خدا کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور[2] انتقام لیتے مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل گمراہ کون ہے؟ جیسے اور جگہ ہے سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (سورہ قمر: ۲۶) انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز شرارتی کون تھا؟ جیسے اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی پر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی آپ سے مروی ہے کہ مفتون مجنون (دیوانے) کو کہتے ہیں مجاہد وغیرہ کا بھی قول یہی ہے قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کوئی شیطان سے قریب تر ہے؟ مفتون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے ایکم پر ب کو اس لئے داخل کیا گیا کہ دلالت ہو جائے کہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے کہ اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی مفتون کی خبر دیں گے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب خدا پر ظاہر ہیں اسے خوب

---

[1] وہی کیفیت اس کا باعث بنی جو دو سوتنوں میں ہوتی ہے اور جس سے دنیا کی کوئی عورت خالی نہیں خواہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہو یا کسی عامی کے۔

[2] انتقام کے ساتھ تو اس کی تعبیر غلط ہے یوں کہنا چاہئے کہ آپ ناراض ہوتے۔

معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

تو آپ ان تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے (جیسا اب تک بھی نہیں مانا) یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے (منصبی کام یعنی تبلیغ میں) ڈھیلے ہو جائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ (بالخصوص) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو بے وقعت ہو طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو اور اعتدال سے گزرنے والا ہو گناہوں کا کرنے والا ہو اور سخت مزاج ہو (اور) اپنے کو دوسرے خاندان سے منسوب کرتا ہو اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے ○

ایسے لوگوں سے آپ ﷺ کا تعلق نہ ہونا چاہئے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نعمتیں ہم نے تجھے دی ہیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا اب تجھے چاہئے ہے کہ ہمارے نہ ماننے والوں کی تو نہ مان ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھیل کھیلیں اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں حق سے ذرا تو ادھر ادھر ہو جائیں پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ناموں کو بے موقع استعمال کرتا پھرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مھین سے مراد کاذب ہے مجاہد کہتے ہیں ضعیف دل والا حسن کہتے ہیں حلاف مکابرہ کرنے والا اور مھین ضعیف کمزور۔ ھماز غیبت کرنے والا چغل خور جو ادھر کی ادھر لگائے اور ادھر کی ادھر تاکہ فساد ہو جائے طبیعتوں میں بل اور دل میں بیر آ جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دو قبریں آ گئیں آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں بلکہ ایسے امور پر جو بظاہر بہت ہلکے معلوم ہوتے ہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا دوسرا چغل خور تھا (بخاری و مسلم) فرماتے ہیں چغل غور جنت میں نہ جائے گا (مسند) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث اس لئے سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے[1] مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں نہ

[1] خفیہ پولیس کی ملازمت کے سلسلہ میں اصل مسئلہ تو کسی مفتی سے ہی معلوم کیا جائے لیکن اتنی بات تو بہرحال یہاں بھی جان لینا چاہئے کہ اس طرح کی ملازمتوں سے حتی الامکان دامن بچانا چاہئے خصوصاً جب کہ کسی مسلمان کے خلاف یا کسی اسلامی ادارہ کے خلاف کوئی کام کرنا پڑے تو یقیناً اس طرح کی ملازمتیں ایک بڑا گناہ بن جاتی ہیں۔

بتاؤں کہ تم میں سے سب سے بھلا شخص کون ہے لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایا جائے فرمایا کہ جب اسے دیکھا جائے خدا یاد آ جائے اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے پھر ان بدلوگوں کے اور ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری میں پڑتا ہے گنہگار بدکردار محرمات کو استعمال کرنے والا بدخو' بدگو' جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگ عاجز وضعیف ہیں[1] جو خدا کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھالیں تو خدا تعالیٰ پوری کر دے[2] اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور ع خودبین ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق! ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا : عتل زنیم کون ہے؟ فرمایا بدخلق خوب کھانے پینے والا لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی۔ لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے اور حدیث میں ہے اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے تندرستی دی پیٹ بھر کر کھانے کو دیا مال و جاہ بھی عطا فرمائی پھر بھی لوگوں پر ظلم وستم کررہا ہے یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے غرض عتل کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زوردار[3] شخص ہو زنیم سے مراد بدنام ہے جو برائی سے مشہور ہو لغت عرب میں زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کا سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو عرب شاعروں نے اسے اس معنی میں لیا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنوزہرہ کا حلیف تھا اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے عکرمہ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو وہ ایک نگاہ میں پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مومنوں میں پہچان لیا جاتا ہے اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن سب کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو برائی میں مشہور ہوا ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ زنا کی اولاد جنت میں نہیں[4] جائے گی۔[5] اور روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے ہماری اس نعمت کا کن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں اور جگہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے : ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا...... (سورہ مدثر:۱۱) مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکہ و تنہا پیدا کیا ہے اور بہت سا مال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں بعض بہت کشائش دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں۔ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے میں اسے عنقریب مصیبت میں ڈالوں گا اس نے غور و خوض کر کے اندازہ لگایا یہ تباہ ہو کتنی بری تجویز اس نے سوچی میں پھر کہتا ہوں یہ برباد ہو اس نے کسی بری تجویز کی اس نے پھر

---

[1] یعنی ایسے ہی عموماً جنت میں جائیں گے جن کو ہم اپنی حماقت سے ذلیل کمزور بے بس گردانتے تھے جن کو دنیاوی زندگی میں نہ کوئی وقار حاصل تھا اور نہ آرام و راحت۔

[2] کیونکہ وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔

[3] یعنی جس کا سارا فکر ہی اکل و شرب ہے۔

[4] کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ تخم تاثیر اور صحبت اثر اور ظاہر ہے کہ جس کے باپ نے زنا جیسے شدید جرم کا ارتکاب کیا تو اس کی اولاد کیسی ہوگی۔

[5] اس حدیث کو بعض لوگ موضوع بتاتے ہیں۔

نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا پھر منہ پھیر کر اینٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے اس کی اس بات پر میں بھی اسے سقر میں ڈالوں گا تجھے کیا معلوم کہ سقر کیا ہے؟ نہ وہ کسی کو باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے پنڈے پر لپٹ جاتی ہے اس پر انیس فرشتے متعین ہیں اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اس کا ناک پر ہم داغ[1] لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے گی ہر ایک اسے جان پہچان لے گا جیسے نشان دار داغ والے کو ایک نگاہ میں ہزاروں آدمیوں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے چھپ نہ سکے گا یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا امام ابو جعفر ابن جریر نے ان تمام اقوال کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ امام امور اس میں جمع ہو جائیں گے یہ بھی ہوگا اور وہ بھی ہوگا دنیا میں بھی رسوا ہوگا سچ مچ ناک پر نشان لگے گا آخرت میں بھی نشان دار مجرم بنے گا فی الواقع یہ ہے بھی بہت درست ابن ابی حاتم میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بندہ ہزار ہا پھر ہزار ہا برس تک خدا کے ہاں مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ خدا اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ خدا کے ہاں کافر ہزار ہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت خدا تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے[2] جو شخص عیب... اور چغل خوری کی حالت میں مرے گا اور جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہوگا تو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے گا جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا

[1] کیونکہ کبر و غرور ہی کی وجہ سے اس نے ہماری آیات کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا محاورہ عموماً ناک کا لفظ تکبر اور غرور کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

[2] یعنی مومن بدقسمتی سے اگر کافر ہو کر مرے تو ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے شدید ناراض ہے اور کافر اگر خوش قسمتی سے ایمان پر جان دے تو یقیناً خدا تعالیٰ اس سے بے حد خوش ہوں گے۔

اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے (یعنی اکثر یا بعض نے) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے اور (ایسا وثوق ہوا کہ) انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اور وہ سو رہے تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے) سو صبح کے وقت (سو کر جب اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور (بزعم خود) اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے پھر جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم بے شک راستہ بھول گئے بلکہ (جگہ تو وہی ہے لیکن) ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ باغ کا یہ حال ہو گیا) ان میں جو کسی قدر اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا اب (توبہ اور تسبیح کیوں نہیں کرتے سب توبہ کے طور پر کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم قصوروار ہیں پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے (پھر سب متفق ہو کر) کہنے لگے بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے (سب مل کر توبہ کر لو) شاید (توبہ کی برکت سے) ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلے میں دے دے (اب اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب اس (عذاب دنیوی) سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ (اس بات کو) جان لیتے (تا کہ ایمان لے آتے) ○

ایک عبرت انگیز داستان:

یہاں ان کافروں کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور خدا تعالیٰ کے عذاب میں اپنے آپ کو ڈال دیا یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے تو فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بھی آزما لیا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح ہونے سے پہلے ہی پھل توڑ لیں گے تا کہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو دینا پڑے بلکہ تمام پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں بڑا اعتماد تھا اور خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے یہاں تک کہ خدا کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو گناہوں سے بچو گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ گناہ کی وجہ سے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے محروم ہو گئے (ابن ابی حاتم) صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ باغ انگور کا تھا اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تا کہ کوئی سن نہ لے اور غریب غربا کو

پتہ نہ چل جائے چونکہ ان کی سرگوشیاں اس خدا تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتیں جو دل کے بھیدوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آ نہ جائے ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دو اب قوت و شدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے سدیؒ فرماتے ہیں کہ حروان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ کچھ زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا یہ جانتے تھے کہ اب ہم پھلوں پر قابض ہیں ابھی اتار کر سب لے آئیں گے لیکن جب وہاں پہنچے تو حیران و پریشان رہ گئے دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور تمام باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے کوئی پھل نہیں رہا ساری تروتازگی پیوست سے بدل گئی ہے باغ سارے کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹنڈ کھڑے ہوئے ہیں تو پہلے تو سمجھے کہ ہم راستہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا نتیجہ یہ ہے پھر بغور دیکھنے سے جب یہ یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن بدقسمت ہیں ہم ہمارے نصیب میں ہی اس کا فائدہ اور پھل نہیں ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ سدی فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی انشاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہی انشاء اللہ کہنے کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے نیک شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم خدا کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثنا نہیں کرتے یہ سن کر اب وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اطاعت بجا لائے جب کہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دی گئی اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور خدا کی فرمانبرداری سے رک گئے پھر سب نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے یہ عذاب آیا پھر کہتے ہیں کہ شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیا میں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو واللہ اعلم۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعا سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثہ میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع خدا کے نام پر صدقہ کر دیتا تھا اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر صدقہ کر دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں گے یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر یہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے پھر فرماتا ہے جو شخص بھی خدا تعالیٰ کے حکموں کے خلاف کرے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں بخل کرے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں بیہقی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا

تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں سے برابر کر دیں گے؟ تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز رکھی ہو جو کہ تم پسند کرتے ہو کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں پڑی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں اور قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں جن کا مضمون یہ ہو کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کر رہے ہو (یعنی جنت) ان سے پوچھئے کہ ان میں اس کا کون ذمہ دار ہے کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں سو ان کو چاہئے کہ یہ اپنے شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں ○

تقویٰ کی برکات:

اور چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اس حکم کے خلاف کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر تھا اس لئے اب ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ گھٹیں گی نہ ختم ہوں گی نہ سڑیں گی نہ گلیں گی پھر فرماتا ہے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزا میں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا کیا ہو گیا ہے تم کس طرح یہ چاہتے ہو؟ کیا تمہارے ہاتھوں میں خدا کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور اگلوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری تمنا ہو اور جو تم کہہ رہے ہو؟ یا ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ہو گا اور تمہاری یہ بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟ ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کو کون ضامن ہے اور کس کے ذمہ یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے گا سو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے (یعنی اس پر قادر تھے) تو مجھ کو اور جو اس کام کو جھلاتے ہیں ان کو (اس حال موجودہ پر) رہنے دیجئے ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں عذاب نازل کرڈالنے سے) مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جا رہے ہیں (اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت ہے) یا ان کے پاس کے (غیب کا علم) ہے کہ یہ (اس کو) لکھ لیا کرتے ہیں ○

کشف ساق:

اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیز گاروں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے بیان ہو رہا ہے کہ یہ نعمتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی[1]۔ یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا زلزلوں والا امتحان والا اور آزمائش والا ہے اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہے صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت سجدے میں گر پڑے گی وہاں دنیا میں جو لوگ دکھانے سنانے کے لئے سجدے کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی یعنی سجدہ نہ کر سکیں گے یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے الفاظ کے تھوڑے تغیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث طویل ہے اور مشہور ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کشف ساق (جو پنڈلی کے کھل جانے) سے مراد یہ ہے کہ یہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہوگا جس کو یہاں محاورہ میں بیان کیا گیا ہے (ابن جریر) اور ابن جریرؒ اسے دوسری سند سے شک کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ یا ابن عباسؓ سے: يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں بہت بڑا عظیم الشان امر منقول ہے جیسے شاعر کا قول ہے: شَالَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یہاں بھی عظمت اور بڑائی بیان کی گئی ہے مجاہد سے بھی یہی منقول ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کو یہ گھڑی بہت سخت ہوگی آپ فرماتے ہیں کہ یہ امر بہت سخت بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت امر کھول دیا جائے گا اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آفت کا آ جانا ہے یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا مراد بہت بڑا نور ہے لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے یہ حدیث ابو یعلی میں بھی ہے کہ اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا آج کے دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی وہ ذلیل اور پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں

---

[1] جب کہ قرآن مجید میں ہے خدا تعالیٰ کے لئے وجہ (چہرہ) ید (ہاتھ) اور احادیث میں جل (پیر استعمال ہوا ہے ایسے ہی یہ لفظ یہاں استعمال ہوا ہے اس لفظ کے معنی تو پنڈلی ہی کے ہیں لیکن پنڈلی سے کیا مراد ہے اس میں کافی قیل قال ہوئی ہے محققین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور ان کے شایان شان ہوگی ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے اور نہ جاننے کی ضرورت گویا کہ وہ اس کو متشابہات میں سمجھتے ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ محاورہ عرب میں کہ ''کشف ساق'' کا مطلب کسی (دشوار گزار معاملہ کا پیش آ جانا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ عن ساق ای عن شدۃ اور مدارک نے بھی اسی محاورہ کو پیش نظر رکھا ہے کہ یوم یشتد الامر الصعب ولا کشف ثم لا ساق بعض اہم تر مفسر شخصیتیں بھی اسی کی قائل ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے: الی ھذا ذھب مجاھد ابراھیم النخعی عکرمہ و جماعۃ و قدروی ایضا عن ابن عباس۔

جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے تھے لیکن پہلے کم نہیں کرتے تھے خدا تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مومن سب سجدہ میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کرسکیں گے کمر تختہ ہو جائے گی جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے یہاں بھی ان کی حالت مومنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کے جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ تو دے اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نمٹ لوں گا دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں یہ اپنی سرکشی اور غرور میں بڑھتے جائیں گے میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دن پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور ان میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا میں انہیں بڑھاتا رہوں گا یہ بدمست ہوتے چلے جائیں گے وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ ہوگی وہ اہانت جیسے اور جگہ ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ..... (سورہ مومنون: ۵۵) یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں اور جگہ فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ..... (سورہ انعام: ۴۴) جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ میں انہیں ڈھیل دوں گا بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا یہ میری تدبیر ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے بخاری مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (سورہ ہود: ۱۰۲) یعنی اس طرح ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی دردناک اور بہت سخت ہے پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہے اور جس کے تاوان سے یہ جھکے جاتے ہیں نہ ان کے کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں ان دونوں جملوں کی تفسیر سورہ والطور میں گزر چکی ہے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں عزوجل کی طرف بغیر اجرت کے اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی خواہش کے بلا رہے ہیں آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں تو اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور سرکشی کی وجہ سے آپ کو جھٹلا رہے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٢﴾ ع ۲

تو آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور (تنگدلی میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے پیغمبر یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیے جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے اگر خداوندی احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ (جس) میدان (میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے اسی) میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے دستگیری سے مراد قبول توبہ ہے پھر ان کے

رب نے ان کو (اور زیادہ برگزیدہ کرلیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو (شدت عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کے گرادیں گے (یہ ایک محاورہ ہے) اور اسی عداوت سے آپ کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے حالانکہ یہ قرآن (جس کے ساتھ آپ تکلم فرماتے ہیں) تمام جہان کے واسطے نصیحت ہے ○

تلقین صبر:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی ایذا اور ان کے جھٹلانے پر صبر و تحمل کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے آخر کار آپ اور آپ کے متبعین کا ہی غلبہ ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا اس سے مراد یونس بن متی علیہ السلام ہیں جب کہ وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہ میں بیٹھ جانا اور ان تہ بہ تہ اندھیروں میں اس قدوس نے آپ کا سمندر کو خدائے تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا اور : لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سورہ انبیاء: ۸۷) پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اور اس سے نجات پانا وغیرہ جس کا واقعہ کا بیان مفصل پہلے گزر چکا ہے کہ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں اور فرماتا ہے کہ اگر وہ تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں پڑے رہتے یہاں بھی فرمان ہے کہ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں پکارا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا

ا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ قوم پر جب وقت موعود آ جانے کے باوجود عذاب نہیں آیا تو وہ اپنی فضیحت کے خیال سے ملول ہو کر بلا اجازت صریح نینوا چل دیئے تھے اس وقت آپ متعدد غموں میں مبتلا تھے ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا دوسرا غم یہ کہ یونس علیہ السلام عذاب کی اطلاع دے چکے تھے اور پھر عذاب نہ آیا تیسرا غم یہ کہ بلا اجازت چلے آئے تو اب اس پر مواخذہ اور محاسبہ کا فکر اور چوتھا رنج مچھلی کے پیٹ میں قید ہونے کا مفسر ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت جو فوائد درج کئے ہیں عام مفسرین اس کا ذکر نہیں کرتے قاضی بیضاویؒ نے تو لکھا ہے کہ لیزلقونك بابصارهم ایک محاورہ ہے جس کو اردو میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ تم تو مجھ کو اس طرح دیکھ رہے ہو کہ جیسے کھا ہی جاؤ گے قاضی کے الفاظ یہ ہیں والمعنى انهم اشد في عداوتهم ينظرون اليك علما بعيث يكادون يزنون قدمك او يهلكونك رہا نظر لگنے کا معاملہ سو وہ فی الواقع حدیث سے ثابت ہے اور اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اسی طرح آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ آنحضور ﷺ نے امراض اور بیماریوں کے متعدی ہونے سے انکار فرمایا ہے اور آج کل ڈاکٹر آپ سے بیماریوں کے متعدی ہونے کا پرزور مطالبہ کر رہے ہیں اور کچھ مشاہدات بھی آپ کو اسی کا یقین دلا رہے ہوں گے اس سلسلے میں کچھ اصولی باتیں بھی ذہن میں آپ رکھ لیجئے تو پھر آنحضور ﷺ کے ارشادات اور موجودہ سائنس کے مطالبات میں آپ کو تضاد نظر نہیں آئے گا اسلام اسباب کو اختیار کرنے پر زور دیتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی یہ تعلیم ہے کہ اسباب خود کوئی تاثیر نہیں رکھتے بلکہ موثر دراصل خدا تعالیٰ ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ معاشرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی مواخات غمخواری کے معاملات رہیں اسلام نے تیمارداری ایک مستقیم مسلمان کا فریضہ قرار دیا ہے صرف خدا تعالیٰ سے ڈرو بیماریوں کا خطرہ اور امراض کا خوف اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اب ان بنیادوں پر غور کرنے کے بعد آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ وبائی امراض کو مستقل طور پر متعدی سمجھنا صحابہ پر تمام تر اعتماد کی غلط راہ ہے یا نہیں جس کو بند کرنے کے لئے اسلام آیا تھا اگر بیماریوں کو متعدی مان لیا جائے تو پھر بعض اوقات بیماریاں متعدی کیوں نہیں ہوتیں حالانکہ طبی نقطہ نظر سے اس سے بچاؤ کا کوئی اہتمام بھی نہیں ہوتا یہ کھلی علامت ہے کہ خود بیماریاں متعدی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا حکم اصل ہے اگر بیماریاں متعدی مان لی جائیں تو کوئی بیمار کے پاس بھی نہ پھٹکے اور اس طرح بیمار سسک سسک کر جان دے دے اور انسانی ہمدردی جو اسلام کا مطالبہ ہے ختم ہو کر رہ جائے ہاں اگر آپ بچاؤ کے سامان کرنا چاہتے ہیں اسلام اس سے قطعا روکتا نہیں بلکہ بعض مواقع پر اس نے ایسے اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ برگزیدہ تو وہ پہلے ہی سے تھے اب ان مصائب اور مسائب میں صبر و انابت میں مزید درجات بلند ہو گئے۔

فرشتوں نے کہا خدایا اس کمزور غیر معروف شہر کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ ہر روز آسمانوں پر چڑھتے رہے جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے فرشتوں نے کہا پھر اے ارحم الرحمٰن ان کی راحتوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے کنارے پر آ کر اگل دیا یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ خدا نے انہیں برگزیدہ بنالیا اور نیک کاروں میں کر دیا مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس علیہ السلام بن متی سے افضل بتائے صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض وحسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے حمایت اور تحفظ نہ ہوتا تو یقیناً یہ تو ایسا کر گزرتے اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا خدا تعالیٰ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں بھی ہے جو کئی سندوں سے مروی ہے ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جھاڑ پھونک صرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف اور ترمذی میں بھی ہے ایک غریب حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ نظر بحکم خدا انسان کو گرا دیتی ہے مسند احمد میں ہے کہ الو اور نظر میں کچھ بھی حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں اور روایت میں ہے کہ کوئی ڈر خوف الو اور نظر میں نہیں اور نیک فال سب سے زیادہ سچا فال ہے ایک اور روایت میں ہے کہ نظر حق ہے نظر حق ہے وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد) صحیح مسلم میں ہے نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ وَهَآمَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّآمَّةٍ یعنی تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو انہی الفاظ سے خدا کی پناہ میں دیا کرتے تھے یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے ابن ماجہ میں ہے کہ سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ کہنے لگے کہ میں نے تو آج تک ایسی پنڈلی کسی پردہ نشین کی بھی نہیں دیکھی یہ کہنا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خبر لیجئے یہ تو بے ہوش ہو گئے آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے لوگوں نے عرض کیا ہاں عامر بن ربیعہ پر آپ نے فرمایا تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا کہ تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھو ڈالو دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے جب سورہ معوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا (ابن ماجہ ترمذی نسائی) مسند وغیرہ میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ

اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّ عَيْنٍ وَّاللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ بعض روایات میں کچھ الفاظ کا تغیر بھی ہے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ یقیناً نظر کا لگ جانا برحق ہے مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے کہ اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے: گھر' گھوڑا' عورت تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کہوں گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہا ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے سچا شگون نیک فال ہے اور نظر کا لگنا حق ہے ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت اسماء نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفرؓ کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرالیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر ہوتی حضرت عائشہؓ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے (ابن ماجہ) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جسے نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا (احمد) اور حدیث میں ہے نہیں ہے الو اور نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون فال ہے مسند احمد میں بھی ہے حضرت سہلؓ اور حضرت عامرؓ والا قصہ جو اوپر بیان ہوا ہے قدرے بسط کے ساتھ مروی ہے بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامرؓ پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہلؓ کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا آپ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں گھنچ گھنچ کرتے ہوئے تہہ اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی: اللهم اصرف عنه حرها وبردها ووصبها اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کردے مسند بزار میں ہے کہ میری امت کی قضا وقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہوگی فرماتے ہیں نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو ہانڈی تک میری امت کی اکثر ہلاکی اسی میں ہے ایک اور صحیح سند سے بھی یہ روایت مروی ہے فرمان رسالت ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کرلینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کی کوئی چیز ہے ہاں نظر سچ ہے ابن عساکر میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے آپ اس وقت غمزدہ تھے سبب پوچھا تو فرمایا حسنؓ اور حسینؓ کو نظر لگ گئی ہے فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا کہو: اَللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ ذَا الْمَنِّ الْقَدِيْمِ ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَلِيَّ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْيُنِ الْاِنْسِ یعنی اے اللہ! اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسنؓ اور حسینؓ کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسانوں کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور ﷺ نے فرمایا لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں پھر فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ قرآن تو خدا کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔

تفسیر سورہ حاقہ مکیہ

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۵۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝١١ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢

وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (یہ استفہامات تہویل کے لئے ہیں) ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کی تکذیب کی سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد جو تھے سو وہ ایک تند و تیز ہوا سے ہلاک کئے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر دیا تھا (سوائے مخاطب اگر) تو (اس وقت وہاں موجود ہوتا تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (یعنی بالکل استیصال ہو گیا) اور (اسی طرح) فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی کفر و شرک) اس پر ان کے پاس رسول بھیجے گئے سو انہوں نے اپنے رب کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سخت پکڑا (یعنی) ہم نے جبکہ (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کی طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا (اور باقیوں کو غرق کر دیا) تاکہ ہم معاملہ کو تمہارے لئے یادگار اور عبرت بنائیں اور یاد رکھنے والے اس کو یاد رکھیں ۝

ایک نفس الامری چیز:

حاقہ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعد نے وعید کی حقانیت اور حقیقت کا دن وہی ہے اسی لئے دن کی ہولنا کی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس حاقہ کی صحیح کیفیت سے بےخبر ہو پھر ان لوگوں کا بیان فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا تھا اور پھر اپنے اس انکار کا خمیازہ اٹھایا تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف تو فرشتے کے دھاڑنے کی کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے دوسری جانب سے زمین میں غضب کا بھونچال آتا ہے اور سب تہ و بالا ہو جاتے ہیں پس بقول حضرت قتادہ طاغیہ کے معنی میں چنگھاڑنے کے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کی خاطر برباد کر دیئے گئے ربیع بن انس اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے ابن زید نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی : كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ (سورہ شمس:۱۱) یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں اور عادی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے جنھوں نے ان کے دل زخمی کر دیئے تہس نہس کر دیئے گئے یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی تھیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھیں برابر پے در پے لگا تار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں ان دونوں میں ان کے لئے سوائے نحوست کے اور بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی جیسے اور جگہ ہے : فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (سورہ حم سجدہ:۱۶) حضرت ربیع کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں کہ بدھ کو ان ہواؤں کو عرب اعجاز اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے ان عادیوں کی حالتیں اعجاز یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئیں دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو اور یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عادیوں کی ایک بڑھیا غار میں گھس گئی تھی جوان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں واللہ اعلم۔ خاویہ کے معنی ہیں خراب سڑا گلا کھوکھلا مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا دے پٹخا کر ان کے سر پھٹ گئے سروں کا چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درخت کا سرا پتوں والا کاٹ کر ٹنڈ رہنے دیا ہو بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مدد کی گئی صبا کے ساتھ یعنی پروا ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور یعنی پچھوا ہوا سے[1]۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور وہ پہلے گاؤں اور دیہات والوں پر آئیں ان تمام مردوں عورتوں کو چھوٹے بڑوں کو ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دیا شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم دینے لگا کہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے تمام کو ان شہریوں میں پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے پر اور دم تھی[2]۔ پھر فرماتا ہے بتلاؤ تو ان میں سے یا ان کی نسل میں سے ایک کو بھی تم دیکھ رہے ہو؟ یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے کوئی نام لیوا پانی دیوا بھی باقی نہ رہا پھر فرمایا فرعون اور اس کے اگلے خطا کار نافرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی انجام ہوا قبلہ کی دوسری قرأت قبلہ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے

---

[1] یعنی غزوہ خندق کے واقعہ کے موقع پر جب تیز آندھی چلی اور اس کے نتیجہ میں تمام اعدائے اسلام منتشر ہو گئے وہی ایک تیز آندھی تھی جس نے بحکم خدا اس وقت مخالفین کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر کے مسلمانوں کی حمایت کی۔

[2] اور یہ یوں ہی ایک قول ہے زیادہ بھروسہ کے قابل بھی نہیں اس طرح کے مواقع پر حیرت انگیز اقوال سننے میں آتے ہیں اور ان کو نقل کرنے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا۔

پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعون قبطی کفار مؤتفکٰت سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی امتیں ہیں خاطئہ سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی جیسے ایک دوسرے موقعہ پر ہے :اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ (سورہ ق:۱۴) یعنی ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب آپہنچے اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے جیسے قرآن نے فرمایا : كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ (سورہ شعراء:۱۰۵) اور فرمایا : كَذَّبَتْ قَوْمُ عَادِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ (سورہ شعراء:۱۲۳) اور فرمایا : كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ (سورہ شعراء:۱۴۱) یعنی قوم نوح علیہ السلام نے عادیوں نے ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ایک امت کے پاس ایک ہی رسول علیہ السلام آیا تھا یہ مطلب ہے یہاں بھی کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغمبر کی نافرمانی کی پس خدا تعالیٰ نے انہیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا اس کے بعد اپنے احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا چاروں طرف سیلاب ٹھاٹھیں مارنے لگا اور نجات کی کوئی جگہ نہ رہی اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قوم نوح نے اپنے نبی علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایذا رسانی شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کی ہلاکت کی دعا کی جسے خدا تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مشہور طوفان نوح نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ پانی کا ایک ایک قطرہ بہ اجازت خدا تعالیٰ پانی کے داروغہ فرشتے کے ناپ تول سے برستا ہے اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپ تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوح پر جو طوفان آیا وہ تو بے حد اور بے شمار اور بغیر ناپ تول کے تھا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی اسی لئے قرآن میں طَغَا الْمَآءُ اور بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کے الفاظ ہیں اسی لئے اس اہم احسان کو خداوند تبارک وتعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پر خطر موقعہ پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پر سوار کرا دیا تا کہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو جیسے اور جگہ ہے : وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ...... (سورہ زخرف:۱۲) یعنی تمہاری سواری کے لئے کشتیاں چوپائے جانور بنائے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور سوار ہو کر اپنے رب کی نعمت یاد کرو اور جگہ فرمایا : وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا...... (سورہ یٰسین:۴۱) یعنی ان کے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھا لیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں حضرت قتادہ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح باقی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا لیکن زیادہ واضح مطلب پہلا ہی ہے پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کر لے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو خدا تعالیٰ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پروائی اور لا ابالی پن نہیں برتتے ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحول فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی (کرم اللہ وجہہ) کو ایسا ہی بنا دے چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے ابن ابی حاتم میں ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں دور نہ کروں اور تجھے

تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہئے اس پر یہ آیت اتری یہ آیت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

پھر جب صور میں یک بارگی پھونک ماری جائے گی (مراد نفخہ اولی سے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے اٹھالئے جائیں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ (آسمان) اس روز بالکل بودا ہوگا اور فرشتے (جو آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں) اس کے کنارے پر آجائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے جس روز (خدا کے روبرو حساب کے واسطے) تم پیش کیے جاؤ گے (اور) تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) پوشیدہ نہ ہوگی ○

صور قیامت:

قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے سب سے پہلی گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سب کے دل ہول جائیں گے پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرما دیا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب خدا تعالیٰ کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے لیکن واضح قول وہی ہے جو ہم نے پہلے لکھا ہے اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ زمین و آسمان اٹھالئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا جیسے سورہ نبا میں ہے : وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (سورہ نباء:۱۹) یعنی آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہو جائیں گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں آسمان میں سوراخ اور غار پڑ جائیں گے اور شق ہو جائے گا عرش اس کے سامنے ہو جائے گا فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی پر پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے پھر فرمایا قیامت والے آٹھ فرشتے خداوند تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے[1] پس یا مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد

[1] عرش الٰہی کی کیا صورت اور کیفیت ہے انسان کی عقل اور اس کے علوم جاننے سے قطعاً قاصر ہیں بس مختصر طور پر ایمان اجمالی ان پر کافی ہے ہاں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس وقت عرش کو چار چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں تو یہ صرف خدا تعالیٰ کی شوکت و سطوت کا اظہار کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ عرش الٰہی کو کوئی......

ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے تشریف فرما ہوں گے واللہ اعلم بالصواب ۔ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے[۱] ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث ہے کہ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے تک کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والے پرند سات سو سال تک اڑتا چلا جائے اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اسے امام ابوداؤدؒ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ منقول ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرستوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں جنوں سب فرشتوں کے برابر ہے پھر فرمایا قیامت کے دن تم اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدگی کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اسی طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے اسی لئے فرمایا کہ تمہارا کوئی بھید اس سے چھپ نہ سکے گا حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے کہ لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تاکہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کہ تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور ایک بڑی پیشی میں خود خدائے جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا ٹنٹا کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہو گی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں موجود ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسل منقول ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ ﴿٢١﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

پھر نامہ اعمال جس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو میرا

...... بوجھ یا ثقل رکھتا ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ نور کی ہیبت اور ثقل اس میں ضرور موجود ہے اور چونکہ قیامت میں خدا تعالیٰ کے جبروت وغلبہ کا اظہار ہو گا اس لئے چار اور بڑھ جائیں گے کہ فرشتوں کا عرش الٰہی کو تھامنا خدا تعالیٰ کی قبولیت کے قطعاً منافی نہیں وہ کام ہے تمام فرشتوں سے لے لیتے ہیں اور ایسے ہی ان تمام احادیث پر یقین اجمالاً رکھنا چاہئے جن میں ان فرشتوں کے خاص خاص احوال درج ہوئے ہیں۔

[۱] مطلب یہ ہے کہ بہت بڑے ہوں گے۔

تو پہلے ہی سے اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا جس کے میوے (اس قدر) جھکے ہوں گے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہوگا کہ) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ ایام (یعنی زمانہ قیام دنیا) کیے ہیں ○

سرخرو جماعت:

یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جن خوش نصیب لوگوں کو قیامت کے دن ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بے حد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو[1] اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئے تھے وہ ان کی توبہ کی وجہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کی بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور کے ساتھ اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں ھآ کے بعد لفظ وَمُ زیادہ ہے لیکن صحیح یہ بات ہے ھآؤم معنی میں ھاکم کے ہے حضرت ابوعثمان فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مومن کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے وہ اسے پڑھتا ہوگا اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اڑ جاتے ہوں گے چہرے سے رنگت اڑتی ہوگی اتنے میں اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑ جائے گی جب انہیں پڑھنے لگے گا تب انہیں چین آئے گا ہوش وحواس درست ہوں گے اور چہرہ کھل جائے گا پھر نظریں جما کر پڑھے گا تو اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے اب تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوگا اور جو بھی ملے گا اس سے کہے گا کہ ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھو حضرت عبداللہ بن حنظلہ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا ان کے لڑکے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنے بندے کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا اور نہ فضیحت کی اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں جب یہ اس سے فارغ ہوگا تب اپنا نامہ اعمال لے کر بادل شاد ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا حضرت عمرؓ والی صحیح حدیث جو پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا؟ فلاں گناہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا اب میں ہلاک ہو گیا اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا کہ اے میرے بندے دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اب آج تجھے کیا رسوا کروں[2] جا میں نے تجھے بخش دیا پھر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کہا لوگو سنو! ان ظالموں پر خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے پھر یہ فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے جیسے اور جگہ فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ

---

[1] جیسا کہ ہم کبھی کسی مسرت انگیز مکتوب کو پا کر جوش مسرت سے اسے پڑھواتے پھرتے ہیں تفسیر کبیر میں ہے کہ: ذلك على انه بلغ الغاية فى السرور۔

[2] حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ معاملہ تمام ہی گنہگار بندوں کے ساتھ ہوگا بلکہ شاید یہ کوئی ایک ہی مخصوص خوش قسمت شخص ہوگا جس کے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہ معاملہ حکمت اس کی خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ (سورہ بقرہ:۴۶) یعنی انہیں کامل یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے جس کی حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہوں گی وہ گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ختم ہونے والی بلکہ محفوظ کمی سے بھی ہوں گی ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اونچے نیچے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ نے فرمایا ہاں بلند مرتبہ والے لوگ کم مرتبہ کے لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتریں گے اور خوب محبت و اخلاص کے ساتھ سلام مصافحے اور خاطر مدارات ہوگی ہاں البتہ نیچے والے بسبب اپنے اعمال کے کمی کے اوپر نہ چڑھ سکیں گے ایک اور حدیث میں ہے کہ جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں پھر فرماتا ہے کہ اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کو خدا کی طرف سے لکھا ہوا ایک پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہوگا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ اَدْخِلُوْهُ جَنَّةً عَالِيَةً قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ یعنی خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع یہ اجازت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے اسے بلند و بالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھدے خوشبو والی خوشگوار جنت میں جانے دو[1] (طبرانی) بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف و کرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہوگی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہاری نیک اعمالیوں کا بدلہ[2] ہے اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف و کرم کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں لوگوں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بھی نہیں فرمایا نہ میرے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ

[1] اے ارحم الراحمین کاتب الحروف اور جمعہ ناظرین کو بھی اپنی ان بے کراں نعمتوں سے محض اپنی رحمتوں کی وجہ سے بلا استحقاق مشرف فرمانا آمین ثم آمین۔

[2] طاعات پر نیک صلہ تو ملتا ہی ہے اور اہل جنت کو جو صلہ ملے گا وہ اس کے مستحق ہیں امام رازی نے لکھا ہے یدل علی انهم انما اسحقوا ذالك الثواب بسبب عملهم۔

بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾

اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ (نہایت حسرت سے) کہے گا کیا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کیا اچھا ہوتا کہ (موت اولیٰ) ہی خاتمہ کر چکتی (افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے گیا گزرا (ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑ لو اور اس کے طوق پہنا دو پھر دوزخ میں اس کو داخل کر دو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔ یہ شخص خدائے بزرگ و برتر پر ایمان نہ رکھتا تھا اور خود تو کسی کو کیا دیتا اوروں کو (بھی) غریب آدمی کے کھانے کی ترغیب نہ دیتا تھا (اس لئے مستحق عذاب ہوا) سو آج اس شخص کا نہ کوئی دوستدار ہے نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے جس کو بجز بڑے گنہگاروں کے کوئی نہ کھاوے گا ○

اور یہ بدقسمت:

یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت و افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہ[1] اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے کاش کہ موت نے ہی ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی ہمیں ملتی ہی نہ جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے یہ عذاب ہم سے نہ ہٹائے تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آ پڑے نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے نہ اس سے محفوظ رہنے کی صورت کوئی دکھائی دیتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو حضرت منہال بن عمروؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے ایک فرشتے کو بھی اللہ حکم کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو بھی پکڑ کر جہنم میں پھینک دے ابن ابی الدینار میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے یہ کہے گا تمہیں مجھ سے کیا تعلق؟ وہ کہیں گے خداوند تبارک و تعالیٰ تجھ پر غضب ناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے صادر ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہوگا پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبارؓ دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریج فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے[2]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے

[1] قیاس نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقصود صرف زنجیر کا طول بتانا ہو کوئی خاص اور متعین پیائش کا اظہار رائے نہ ہو چنانچہ اندلسی نے بحر المحیط میں لکھا ہے کہ لیس الفرض التقدیر بهذا المقدار بل الوصف بالطول کما قال ان تستغفر سبعین مرة یرد مرات کثیرة۔

[2] قرآن عام انسانوں تک دو ذریعوں سے پہنچا ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام جو اسے آنحضورﷺ پر لے کر نازل ہوئے اور فرشتہ ہونے کی وجہ سے کسی کو نظر نہ آئے دوسرے حضورﷺ جو انسان ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے لئے مرئی تھے اس لئے اس موقعہ پر دکھائی دی جانے والی اور نہ دیکھنے میں آنے والی چیزوں کی قسم کتنی مناسب اور اعجاز کلام کی دلیل ہے۔

کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرودی جائیں گی پاخانے کے راستے سے ڈالی جائیں گی اور منہ سے نکال لی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے میں کباب اور تیلی میں ٹڈی یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی جس سے وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اسی کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے پر پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا یعنی نہ تو خدا کی اطاعت و عبادت کرتا تھا نہ مخلوق خدا کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا خدا کا حق تو مخلوق پر یہ ہے کہ اس کی توحید کو مانیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں ایک دوسرے کو امداد پہنچاتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں سے نیک سلوک کرو پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بھسی بے کار چیز کے جس کا نام غسلین ہے یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو اور غسلین کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

پھر (بعد یہ یہ مضمون مجازاۃ کے) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ یہ قرآن (اللہ تعالیٰ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا (پس جس پر آیا وہ ضرور رسول ہے) اور کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر) تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (جیسا بعض کفار آپ کو کہتے تھے) تم بہت کم سمجھتے ہو رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا (کلام ہے) ○

یہ عظیم صحیفہ آسمانی:

اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اپنی مخلوق میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے اور اپنے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرمایا ہے رسول کریم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں اس کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپ ہی ہیں اسی لئے لفظ رسول لائے کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والے کا پہنچاتا ہے گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورہ تکویر میں اس کی نسبت اس رسول کی طرف گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہے فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ...... (سورہ تکویر:۱۹) یعنی یہ قول اس بزرگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو قوت والا اور مالک عرش کے پاس رتبے والا ہے وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے اور ہے بھی وہ امانت دار اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون (دیوانے) نہیں بلکہ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف اس لئے کہ یہ ان کے پہنچانے والے اور لانے والے اور اس پر امین ہیں ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟ اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا دیکھا کہ آپ حرم میں پہنچ گئے ہیں میں بھی گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پرشوکت نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان کم ہی ہے تو میں نے خیال کیا کہ اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے ادھر آپ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت کم ہی لی ہے اب آپ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی فرماتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور رونگٹے رونگٹے میں اسلام کی سچائی گھس گئی پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمرؓ میں لکھ دی ہے وللہ الحمد والمنۃ۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

اور اگر یہ (پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں (پس) ہم ان کو اس کی سزا دیں گے اور (اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت

ہے اور یہ (قرآن) تحقیقی یقینی بات ہے سو (جس کا یہ کلام ہے) اپنے (اس) عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ○

اگر وحی میں کچھ تصرف کیا جائے؟

یہاں فرمان باری ہو رہا ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ بیشی کر ڈالتے یا نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دایاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آ سکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے پس مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سچے پاک باز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ کو عنایت فرما رکھی ہیں پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے جیسے اور جگہ ہے کہ کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا جیسا کہ ایک دوسرے موقعہ پر ہے کہ اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے دوسری جگہ ہے : وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ (سورہ سبا:۵۴) ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے پھر فرمایا یہ خبر بالکل سچ حق اور بے شک و شبہ ہے پھر اپنے نبی کا حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگیاں اور پاکیزگیاں بیان کرتے رہو۔

تفسیر سورہ معارج مکیہ

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع:۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات:۴۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾

ایک درخواست کرنے والا (براہ انکار) اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور) یہ اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (اہل ایمان کی) روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں اور وہ عذاب ایسے دن ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کی (برابر) ہے سو آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو یہ لوگ اس دن کو (بوجہ اعتقادنفی کے وقوع سے) عبید دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کو (وقوع سے) قریب دیکھ رہے ہیں ○

ایک سوال:

بعذاب میں جو 'ب' ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں جیسے اور جگہ ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (سورہ حج: ۴۷) یعنی یہ عذاب کے مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ کافروں نے عذاب خدا مانگا جو ان پر یقیناً آنے والا ہے یعنی آخرت میں ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ منقول ہیں کہتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورہ انفال: ۳۲) یعنی خدایا اگر یہ دعوت اسلام وغیرہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب لا[1]۔ ابن زید وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہہ نکلے گی لیکن یہ قول ضعیف ہے اور اس سے کوئی مطلب ہی واضح نہیں ہوتا صحیح قول پہلا ہی ہے جس پر روش کلام کی دلالت بھی ہے پھر فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے جب آ جائے گا تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے ذی المعارج کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں قتادہ کہتے ہیں فضل وکرم اور نعمت ورحم والا یعنی یہ عذاب اس خدا کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں روح کی تفسیر میں حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسان سے بالکل مشابہ ہے میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہوں اور عطف ہوں عام پر خاص کا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہوں جیسے کہ حضرت براء کی طویل حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسا کہ پہلے یہ روایت مسند احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں گزر چکی ہے جس کی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط کے مطابق ہیں پہلی حدیث بھی مسند ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ہے ہم نے اس کے الفاظ اور اس کے طرق کا بسیط بیان آیت: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... (سورہ ابراہیم: ۲۷) کی تفسیر میں کر دیا ہے پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے اس میں چار قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلیٰ تک ہے اور اس طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلیٰ سرخ

[1] کیونکہ ہم حق کا انکار کر رہے ہیں اور انکار حق کی سزا عذاب ہے گویا کہ کفار یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ جس کا ہم انکار کر رہے ہیں وہ حق ہی نہیں اگر حق ہوتا تو ہمارے مسلسل انکار پر عذاب آ جانا چاہئے تھا۔

یاقوت کا ہے جیسے کہ امام ابن شیبہ نے اپنی کتاب صفت العرش میں ذکر کیا ہے ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہا نیچے زمین سے سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے اس لئے کہ زمین و آسمان کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہد کے قول سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ ہر زمین کی جسامت پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے تو سات ہزار یہ ہو گئے اسی طرح آسمان تو چودہ ہزار سال یہ ہوئے اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے یہی معنی ہیں خداوند تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا تب سے لے کر قیامت تک کی اس کے بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت سے مراد لیا گیا ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے بجز اللہ تبارک وتعالیٰ کے تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلہ کا ہے حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی کمزور ہے چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بسند صحیح مروی ہے حضرت عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا مسند کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مومن پر اس قدر آسان ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہو گا یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلے میں سب سے بڑا مالدار ہے آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا واقعہ میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ قسم قسم کے غلام اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے وغیرہ ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا دیکھو خبردار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا[1] ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم کرے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ بھی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں سے بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ کا نہ ہو گا عامری نے پوچھا اے حضرت ابو ہریرہؓ فرمائیے اونٹوں میں خدا کا حق کیا ہے؟ فرمایا مسکینوں کو سواری کے لئے تحفۃً دینا غرباء کے ساتھ سلوک کرنا دودھ پینے کے لئے جانور دینا ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہو انہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند

[1] یعنی ان میں واجب زکوٰۃ نہ نکالے گا اور وہ تمام حقوق جو آئندہ صفحہ پر خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ فرما رہے ہیں۔

سے مذکور ہے مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادا نہ کرے گا اس کا سونا چاندی تختیوں کی صورت میں بنایا جائے گا اور جہنم کی آگ میں تپا کر اس کی پیشانی کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی یہاں تک کہ خداوند تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کرلے اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہوگی پھر وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف دیکھ لے گا پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے کہ اوپر گزرا اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں ایک قسم کے تو اجر دلانے والے دوسرے قسم کے پردہ پوشی کرنے والے تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے ان راویوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوۃ ہے یہاں ان کے بیان کرنے کی ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ دن کیا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ دن کیا جو پچاس ہزار سال کا ہے؟ اس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا سنو یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنی قوم کے جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر وتحمل کرو جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا...... (سورہ شوریٰ: ۱۸) یعنی بے ایمان تو قیامت کے جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانیں کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آپڑیں کیونکہ اس کے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا پس ہر وہ چیز جس آنے اور ہونے میں کوئی شک نہیں اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے واقع ہونے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

وہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس دن کہ آسمان تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور (اس روز) پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنی ہوئی ہو) ہو جائیں گے (یعنی اڑتے پھریں گے اور اس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی

دیئے جائیں گے (اور اس روز) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے پھر یہ (فدیہ میں دینا) اس کو (عذاب سے) بچالے یہ ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال (تک) اتار دے گی اور وہ اس شخص کو خود بلائے گی جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیر لی ہوگی اور اطاعت سے بے رخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا رکھا ہوگا○

قیامت کی ہولناکیاں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے گا یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسی دھنی ہوئے روئی یہی فرمان اور جگہ ہے: وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (سورہ قارعہ:۵) پھر فرماتا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے کچھ معلوم تک نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں رہے گا سب اپنی ہی فکر میں پڑے رہیں گے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھے گا پہچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا جیسے اور جگہ ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (سورہ عبس:۳۷) یعنی ہر ایک شخص اپنے ایسے مشغلے میں لگا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ دے گا اور جگہ فرمان ہے کہ لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے ماں باپ کو کچھ کام نہ آئے گی ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ گو قرابت دار ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور جگہ فرمان ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (سورہ مومنون:۱۰۱) یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناطے اور ایک دوسرے کی غمخواری ختم ہو جائے گی ایک اور فرمان ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ...... (سورہ عبس:۳۴) یعنی اس دن انسان اپنے بھائی سے ماں باپ سے بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا ہر شخص اپنی پریشانیوں کی وجہ سے دوسرے سے غافل ہوگا یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن ہر گنہگار چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم سے چھوٹ جائے اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتہ دار کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلہ کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے آہ کیا ہی دلگداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو اور سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تا کہ خود بچ جائے فیصلہ کے ایک معنی مال بھی کئے گئے ہیں غرض کہ تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے فدیہ کے طور پر دینے میں رضا مند ہوگا لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی کوئی بدلہ کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا کوئی عوض اور کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈال دیا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز شعلے پھینکنے والی سخت بھڑکنے والی ہے جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں چہرہ بگڑ جاتا ہے ہر ہر عضو بگڑ جاتا ہے چیخ و پکار کرتا رہتا ہے ہڈیوں کا چورا چورا کرتی رہتی ہے کھالیں جلائی جاتی ہیں یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور خدا کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی طرح میدان محشر میں سے ایسے بدکردار لوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے یہ مال کو جمع کرنے والے اور سربلند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے حدیث شریف میں ہے کہ سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک

لے گا حضرت عبداللہ بن حکیمؒ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ بند کرتے تھے امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان خدا ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (یعنی) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (حد اباحت سے زیادہ) جزع فزع کرتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی (یعنی مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اور جن لوگوں کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی (شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس) ایسے لوگ بہشتوں عزت سے داخل ہوں گے ○

انسان کی جلد بازی:

یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ بڑا ہی بے صبرا ہے مصیبت کے وقت تو گھبراہٹ اور پریشانی کی وجہ سے دیوانہ ہو جاتا ہے گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی نہیں دیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بدترین چیز انسان میں بخل اور اعلیٰ درجہ کی کنجوسی ہے (ابوداؤد) پھر فرمایا کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ الگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے والے واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے والے سکون اطمینان اور خشوع خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے ہیں جیسے فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ...... (سورہ مومنون:۱) ان ایمان داروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف خدا سے ادا کرتے ہیں ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب مَاء دائم کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے[1] جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ وہ نہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے کہ خدا کو سب سے پسندوہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر مداومت فرماتے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال پیغمبر نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو نہ ڈوبتی اور اگر قوم عاد کی ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا پس اے لوگو نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو مومن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے پھر فرماتا ہے کہ ان کے مالوں میں حاجتمندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے: سَآئِلِ اور مَحْرُوْمِ (سورہ ذاریات:۱۹) کی پوری تفسیر سورہ ذاریات میں گزر چکی ہے یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں پھر ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے خدا امن دے اور یہ لوگ اپنی شرم گاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں خدا کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور اعتراض نہیں لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا کسی طرح اپنی شہوت رانی کرے[2] وہ یقیناً حدود خدا سے تجاوز کرنے والا ہے ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں گزر چکی ہے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے وعدوں اور قول کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کرتے ہیں یہ سب صفتیں مومنوں کی ہیں اور ان کے خلاف عمل کرنے والا منافق ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین خصلتیں ہیں ایک جب کبھی بات کرے تو جھوٹ بولے دوسرے جب کبھی وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور تیسرے یہ بات کہ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے اور ایک روایت میں ہے

---

[1] لیکن اس کے ترک سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا تاہم احادیث میں بے رغبتی اور التفاتی سے نماز پڑھنے پر شدید وعید آئی ہے روایت غالباً واعظانہ ہے جس میں اصلیت کم اور ترغیب وترتیب کا مضمون زیادہ ہوتا ہے۔

[2] مثلاً مشت زنی جلق لواطت یا تہذیب جدید کی زنجیری جیسی تسکین وغیرہ۔

جب بھی عہد کرے تو اسے توڑ دے اور جب جھگڑے تو گالیاں دے یہ اپنی شہادتوں کے بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کرتے ہیں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگتے ہیں نہ اسے چھپاتے ہیں جو چھپا لے وہ دل کا گنہگار ہے پھر فرمایا کہ وہ اپنی نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا اس سے معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے اس کا ادا کرنا سخت ضروری ہے اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے : قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا کہ یہی لوگ جنتی ہیں اور وہاں قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت واقبال کے ساتھ مسرور محفوظ ہوں گے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

تو کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ (ان مضامین کی تکذیب کرنے کے لئے) آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑے آرہے ہیں کیا ان میں ہر شخص ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا یہ ہرگز نہ ہوگا ہم نے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا جس کی ان کو خبر بھی ہے پھر (دوسرے طور پر وقوع قیامت کے لئے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو جھکی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی (بس) یہ ہے کہ ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو کہ اب واقع ہوا)○

قادر و توانا:

اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں کے متعلق کہہ رہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپ جو ہدایت لے کر آئے تھے وہ ان کے سامنے تھی اور یہ آپ کے کھلے معجزے بھی اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ جاتے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے یہ مضمون ایک اور جگہ ہے: فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ...... یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں؟...... یہاں بھی اسی طرح فرمایا کہ ان کفار کو کیا ہو گیا یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیوں دائیں بائیں سرکتے جا رہے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والے کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے بہ روایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پروائی کے ساتھ دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادرگرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی تمنا ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد) ابن جریر میں اور سند سے بھی منقول ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا ان کی آرزو ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟ ایسا ہرگز نہ ہوگا یعنی جب ان کی حالت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں پھر ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی بلکہ وہ جہنمی گروہ ہے اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا ہے جیسے اور جگہ ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (سورہ مرسلات: ۲۰) کیا ہم تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ارشاد ہے: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ...... (سورہ طارق: ۵) انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً وہ خدا جس نے اس کو پیدا کیا اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل پڑیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق و مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں متعین کیں مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہوگا نہ حشر نشر ہوگا بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں اسی لئے قسم سے ان باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور ان میں حیوانات اور جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی جیسے اور جگہ ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ مومن: ۵۷) یعنی آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہ ہو جیسے اور جگہ ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورہ احقاف: ۳۳) یعنی کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں عاجز نہ ہوا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

بے شک وہ قادر ہے اور ایک اسی پر کیا ہر ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے اور جگہ ارشاد ہے: اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ...... یعنی کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ان جیسا پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا جیسا کہ ارشاد ہے: اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ...... (سورہ قیامہ:۳) کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم ہڈیاں نہ جمع کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے اور جگہ فرمایا: نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ...... (سورہ واقعہ:۶) ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسوں کو بدل ہی ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کر دیں جسے تم جانتے بھی نہیں پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے دوسرا مطلب امام ابن جریر نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہم اس امر پر قادر ہیں کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رک کے رہنے والے ہوں جیسے اور جگہ ہے: وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا...... (سورہ محمد:۳۸) یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو خدا تعالیٰ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہو گی لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے صاف زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے جھٹلانے اور کفر کرنے اور سرکشی میں پڑھنے میں ہی چھوڑ دو جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے جس دن خداوند تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم کو یا تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں مارے شرم کے اور ندامت کے نگاہیں زمین پر گڑی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار پڑی ہو گی یہ ہے دنیا میں خدا کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اور کلام خدا کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی؟ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

تفسیر سورہ نوح مکیہ

سُوۡرَۃُ نُوۡحٍ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ ثَمَانٍ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰیَۃً وَّفِیۡہَا رُکُوۡعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کُل آیات: ۲۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴

ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو (وہاں کفر سے) ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار) کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو وقت مقرر (یعنی وقت موت) تک (بلا عقوبت) مہلت دے گا اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آئے گا تو ٹلے گا نہیں کیا خوب ہوتا کہ تم (ان باتوں کو) سمجھتے ○

خدا تعالیٰ کا مقدس انسان ہجوم خلائق میں:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے لگیں گے تو عذاب خدا ان سے اٹھ جائیں گے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ پیغام اپنی امت کو پہنچایا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں آگاہ کئے دیتا ہوں میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا ڈر اور اس کی عبادت اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں[1] جو کام تمہارے رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو گناہ کے کاموں سے الگ رہو جو کچھ کہوں بجا لاؤ[2] جس سے روکوں رک جاؤ میری رسالت کی تصدیق کرو تو خدا تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا : يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں لفظ مِنْ یہاں زائد ہے اثبات کے موقع پر بھی کبھی لفظ من زائد آ جاتا ہے جیسے عرب کے مقولے قَدْ كَانَ مِنْ مَّطَرٍ میں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عن کے معنی میں ہو بلکہ ابن جریر تو اسی کو پسند فرماتے ہیں اور یہ قول بھی ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور بڑے بڑے گناہ ہیں اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جن عذابوں سے وہ تمہیں اب تمہاری خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت خدا اور نیکی سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے[3] حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی سے عمر بڑھ جاتی ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ خدا کا عذاب آ جائے اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے اس خدائے اعظم واکبر کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے اس کی عزت وعظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝۵ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا

[1] نبی علیہ السلام کی اطاعت خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے اس کی اطاعت سے جدا اور علیحدہ کوئی چیز نہیں۔

[2] کیونکہ میں وہی کہوں گا جو خدا تعالیٰ پسندیدہ اور اس کا منتخب ہو۔

[3] یعنی تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے ہوگی گویا کہ تقدیر سے باہر کوئی چیز نہیں۔

فِرَارًا ⑥ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ⑪ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ⑫ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ⑬ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ⑭ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ⑮ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ⑯ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ⑰ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ⑱ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ⑲ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ⑳

(جب مدت ہائے دراز تک ان نصائح کا کچھ اثر نہ ہوا قوم پر تو نوح علیہ السلام نے (حق تعالیٰ سے) دعا کی اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی (دین کی حق کی طرف) بلایا سو میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور (وہ بھاگنا یہ ہوا کہ) میں نے جب کبھی ان کو دین حق کی طرف بلایا تاکہ (ان کے ایمان کے سبب) آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تاکہ حق بات کو سنیں ہی نہ) اور (نیز زیادتی کراہت سے) اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور (میری اطاعت سے) غایت درجہ کا تکبر کیا پھر (بھی) میں نے ان کو باآواز بلند بلایا پھر میں نے ان کو (خطاب خاص کے طور پر) اعلانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی سمجھایا اور (اس سمجھانے میں) میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا (میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو (ورنہ شرک نہ کرتے) حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور ان میں چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور سورج کو (مثل) چراغ (روشن کے) بنایا اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاص

طور سے پیدا کیا پھر تم کو (بعد مرگ) زمین ہی میں لے جائے گا اور (قیامت میں پھر اسی زمین سے) تم کو باہر لے آئے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا تا کہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلو ○

ایک ہزار سالہ مسلسل تبلیغ:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا قوم نے کس طرح اعراض کیا اور کیا کیا تکلیفیں خدا تعالیٰ کے اس بزرگ پیغمبر کو پہنچائیں اور اپنی ضد پر اڑ گئے حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ خدایا میں نے تیرے حکم کی پوری طرح تعمیل کی تیرے فرمان عالی شان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بلکہ ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن اسے کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا کہ آؤ رب تعالیٰ کی سنو تا کہ رب بھی تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارہ نہ کیا کان بند کر لئے یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جیسے ارشاد ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (سورہ فصلت: ۲۶) یعنی کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور و غل کرو تا کہ تم غالب رہو قوم نوح علیہ السلام نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تا کہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ مصر ہو گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پروائی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پشت پھیر لی حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا با آواز بلند بھی ان کے کان کھول دیئے اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا غرض کہ تمام طریقے اختیار کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور یوں نہیں تو یوں راہ راست پر آ جائیں میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو وہ غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بدتر سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور درد دکھ سے بچالے گا وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقع پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں اس کی ایک دلیل تو یہی ہے دوسرے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا فعل بھی یہی ہے آپ سے نقل ہے کہ بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی جن میں ایک آیت یہ بھی تھی پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں جن سے خدا بارش نازل فرمایا کرتا ہے حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تم استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے کھیتیاں خوب ہوں گی جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے مال و اولاد میں ترقی ہو گی قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھندے باغات تمہیں ملیں گے جن کے درمیان ہر طرف صاف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہو گی ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے[1] اس طرح رغبتیں دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اطاعت و عبادت دنیا میں بھی راحت و آسودگی کا غالباً باعث ہوتی ہے لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں جس کے خلاف ہی نہ ہو بعض خدا تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے دنیاوی زندگی میں سخت پریشانیاں اٹھاتے ہیں جیسا کہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام اور کافر دنیا میں مزے اڑاتے ہیں بہر حال خدا تعالیٰ اپنی مصلحت و علم کے مطابق بندوں کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ خاصان خدا کو پریشانیوں میں قلبی اطمینان حاصل رہتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی راحت نہیں۔

کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم خدا کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذاب سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس لوٹ پھیر کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کو بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور صورت وغیرہ اسی طرح دیکھو کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گہن) سے سمجھی جاسکتی ہیں جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے[1] گو اس میں بھی ان کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں ایک ایک کو بے نور کر دیتا ہے سب سے قریب آسمان دنیا میں تو چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے تیسرے آسمان پر زہرہ ہے چوتھے آسمان پر سورج ہے پانچویں آسمان پر مریخ ہے چھٹے آسمان میں مشتری ہے ساتویں آسمان میں زحل ہے اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں آسمان میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو شروع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں اور نواں فلک ان کے اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال میں اور افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور حرکتوں کا مبدا ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا چکر خدا تعالیٰ کی تعیین کے مطابق کرتا ہے چاند تو ہر ماہ میں ایک بار سورج ہر سال میں ایک بار زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ مدت کی یہ کمی بیشی باعتبار آسمان کی چوڑائی لمبائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے یہ ہے خلاصہ ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے نہ ہم اسے یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق تفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے مقصد صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں پھر ان میں سورج چاند کو پیدا کیا دونوں کی روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور بروج ہیں پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ وَ ضِیَآءً...... (سورہ یونس:۵) خدا وہ ہے جس نے سورج چاند خوب روشن اور چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں ان کی پیدائش حق ہی کے ساتھ ہے عالموں کے سامنے قدرت خدا کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں پھر فرمایا خدا تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے اس تعبیر نے مضمون کو بے حد لطیف کر دیا پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹا لے جائے گا پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے فرش راہ بنا دیا اور وہ ہلے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو اسی پر رہتے سہتے ہو ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو غرض حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ہے کہ عظمت خدا اور قدرت خدا کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں آمادہ کر رہے ہیں کہ زمین و آسمان کی برکتوں کے دینے والے ہر چیز کے پیدا کرنے والے عالی شان رکھنے والے رازق خالق خدا کا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسی کی عبادت کرو اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبیؐ کی راہ اختیار کرو تمہیں چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو معبود برحق نہ جانو اس جیسا اس کا شریک اس کا ساجھی اس کا مثیل کسی کو نہ جانو

---

[1] جدید علم ہیئت کے یکسر مختلف حقائق کا نتیجہ کچھ مختلف نہیں۔

اسے جورو جاتے سے بیٹوں پوتوں وزیر ومشیر سے عدیل ونظیر سے پاک جانو اسی کو بلند و بالا اور عظیم و اعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾

(اور یہ بہ نسبت حکایت عرض کر کے) نوح علیہ السلام نے (یہ) کہا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی کہ جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا اور (انہوں نے جن کا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں کہ) جنہوں نے (حق مٹانے میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنہوں نے (اپنے تابعین سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (بالخصوص) ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا اور ان (رئیس) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کر دیا اور اب (آپ) ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے ○

قوم کی سرکشی اور خدا کے پیغمبر علیہ السلام کے تاثرات:

حضرت نوح نبی علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جوان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا ہاں اپنے مالداروں اور عیش پرستوں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھے گوفی الواقع وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھی کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور خدا تعالیٰ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے وکدہ کی دوسری قرأت ولدہ بھی ہے اور ان رئیسوں نے جو مال و جاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی کبار کبار دونوں معنی میں کبیر کے ہیں یعنی بہت بڑا قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تمہارا کام دن رات مکاری سے ہمیں کفر و شرک کا حکم کرنا تھا اور ان بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہو ہرگز نہ چھوڑنا صحیح بخاری میں ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد اور پھر قبیلہ بنو غطیف جو صرف کے رہنے والے تھے یہ شہر سبا تی کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتے تھے ہمدان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا[1]۔ آل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا یہ سب بت قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنا دیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا جب تک یہ لوگ زندہ رہے

[1] بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ وہ مردانہ قوت، عشق و محبت کا دیوتا تھا اہل عرب اس سے خاص دلچسپی رکھتے تھے اور اس کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے چنانچہ عبدود کا نام خاص طور پر اکثر کا ہوتا سواع محبوبیت اور جمال کی دیوی تھی اس کی تصویر بھی عورت ہی کی شکل وصورت میں تیار کی گئی تھی یغوث یہ قوت جسمانی کا دیوتا تھا شیر اور بیل کی شکل میں اس کا بت تیار کیا گیا تھا یعوق یہ دوڑ بھاگ کا دیوتا تھا اس کی صورت گھوڑے کی شکل میں بنائی گئی تھی۔

تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کے مرجانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے بوجہ جہالت کے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کر دی حضرت عکرمہؒ حضرت ضحاک حضرت قتادہؒ حضرت ابن اسحٰقؒ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں یہ بزرگ عابد اللہ والے اولیاء اللہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ وفات پا گئے تو ان کے معتقدوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا دیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور شوق عبادت ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا جب یہ لوگ بھی ختم ہو گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ تمہارے بڑے تو ان کی پوجا کرتے رہے اور انہیں سے بارش وغیرہ کی دعا مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی حافظ ابن عساکرؒ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں ان میں ہابیل قابیل صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبتہ اللہ بھی کہا جاتا ہے تمام بھائیوں نے سرداری انہی کو دے رکھی تھی ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع یغوث یعوق اور نسر حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کے وقت ان کی اولاد یغوث یعوق سواع اور نسر تھی ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک تھا ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفرؒ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار و ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا یہ لوگ مجاور بن کر ان کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے ابلیس لعین نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آ کر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو سب نے اس رائے کو پسند کیا ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا کہ تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہے کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں رکھ لو وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا اب تک تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادوں کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے ان کا نام ود تھا اور یہی وہ پہلا بت تھا جس کی پرستش خدا کے سوا کی گئی انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا اس وقت سے لے کر اب تک عرب عجم میں خدا کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور مخلوق خدا بہک گئی چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا خدایا انہوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بددعا کرتے ہیں[2] کیونکہ ان

---

[1] آنکھیں کھول کر پڑھیں اس واقع کو ہمارے عقیدت میں گمراہ بھائی واقعہ یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرات علماء کی مسلسل کوششیں ان بدعات کے خلاف جاری نہ رہتیں تو یقیناً کم از کم برصغیر میں مسلمانوں کا گمراہ اس حد تک ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔

[2] یہ بددعا اس وقت کی گئی تھی جب آپ کو وحی کے ذریعے بتا دیا گیا تھا کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائے گی پھر حضرت نوح علیہ السلام کی نظر میں عضو فاسد تھا جس کا جسم سے کاٹنا اور علیحدہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

کی سرکشی ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ خدایا انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی کہ اے میرے پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں چنانچہ نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوتی ہے اور قوم بہ سبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيٓـٰٔتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا۟ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى ٱلْأَرْضِ مِنَ ٱلْكَـٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا۟ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا۟ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّـٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًۢا ﴿٢٨﴾ ع۱

(ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) اپنے انہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر (بعد غرق کے) دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا ان کو کوئی حمایتی بھی میسر نہ ہوئے اور نوح علیہ السلام نے (یہ بھی) کہا کہ اے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (کیونکہ) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو آپ کے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور (آگے بھی) ان سے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی اے میرے رب مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر داخل ہیں ان کو (یعنی اہل وعیال باستثنار وجہ و کنعان) اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھائیے ○

خَطِیْئٰتِهِمْ کی دوسری قرأت خطایاھم بھی ہے فرماتا ہے کہ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان کی سرکشی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول علیہ السلام حد سے گزر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم یعنی آج کے دن عذاب خدا سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات پائے گا جس پر خدا رحم کرے نوح نبی علیہ السلام ان بدنصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال کی ڈیوڑھی پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اسی مالک سے ان پر آفت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اب تو ان ناشکروں میں سے خدایا ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرقاب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا لیکن وہ پانی تو نہ تھا عذاب الٰہی تھا وہ تو غضب خدا تھا وہ تو بددعائے نوح علیہ السلام تھا اس سے کون بچ سکتا تھا؟ پانی اسے وہیں جا لیتا ہے اور وہ اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتا کرتا ڈوب مرتا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر طوفان نوح علیہ السلام میں کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہو گئی تھی اور پہاڑ پر چڑھ گئی تھی جب پانی وہاں بھی جا چڑھا تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو اس کو سر پر بٹھا لیا جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند اٹھا لیا لیکن آخر کار پانی وہاں تک پہنچ گیا اور ماں بیٹا ڈوب گئے پس اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی قابل رحم ہوتا تو یہ تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ بچا سکی یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور بحکم خدا حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت ترین تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدایا میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے ان میں سے جو بھی باقی بچ رہے گا وہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر دل ہو گی ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے میرے رب مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آ جائے اور ہو بھی وہ باایمان گھر سے مراد مسجد بھی لی گئی ہے لیکن عام مراد یہی ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن ہی کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہ سہہ اور صرف پرہیز گار ہی تیرا کھانا کھائیں یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام ایماندار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مومنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا بھی ہو اور ان حدیثوں پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آ جائیں جو منقول ہیں پھر دعا کے خاتمہ پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی بربادی ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ دنیا و آخرت میں وہ برباد ہی رہیں۔

تفسیر سورہ جن مکیہ

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | کُل آیات: ۲۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤ وَّاَنَّا

ظَنَنَّآ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا كَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم (اب) رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور (انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ) ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے اور بہت سے لوگ آدمیوں میں سے ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کو پناہ دیا کرتے تھے ان آدمیوں نے ان جنات کی بددماغی اور بڑھا دی اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی دوبارہ زندہ نہ کرے گا○

رسول الثقلین ﷺ کی تبلیغی کوشش اور جنات کا قبول اسلام:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دیجئے کہ جنوں نے قرآن کریم سنا اسے سچا مانا اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے تو فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہو میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر کی کہ آج ہم نے عجیب وغریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتلاتی ہے ہم تو اسے مان چکے ناممکن ہے کہ اب ہم خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کریں یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے: وَاِذۡ صَرَفۡنَآ اِلَيۡكَ...... (سورہ احقاف: ۲۹) یعنی ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا تا کہ وہ قرآن سنیں اور اس کی تفسیر احادیث کی روشنی میں وہیں ہم بیان کر چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں پھر یہ جنات اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کی قدرت اور اس کا امر بہت بلند و بالا ہے بڑا ذی شان اور ذی عزت ہے اس کی نعمتیں قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت ہیں اس کی جلالت وعظمت بلند پایہ ہے اس کا جلال و اکرام بہت بڑھا چڑھا ہوا ہے اس کا ذکر بلند رتبہ ہے اس کی شان اعلیٰ ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جد کہتے ہیں باپ کو اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسان میں جدّ ہوتا ہے تو وہ خدا کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن اس کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے کہ اس کے کچھ اجزا چھوٹ گئے ہوں واللہ اعلم۔ پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان خدا پر جھوٹ تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہے جھوٹ بکتا ہے باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں دراصل خدا تعالیٰ کی ذات اس عیب سے پاک ہے پھر کہتے ہیں کہ جناب کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے ہیں کہ جب کبھی انسان کسی جنگل میں یا ویرانے میں جاتے ہیں تو اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں جیسے کہ

جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھ تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لیتے تا کہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذا نہ دیں جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کر دیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا تو وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں یا ہماری اولاد و مال کو ضرر پہنچے اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت اور بڑھ گئی اور اب انہوں نے طرح طرح سے ڈرانا ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا وہ گناہ میں خوف میں اور طغیانی میں اور سرکشی میں اور بڑھ گئے کروم بن ابو سائب انصاری کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا چرواہا اس کے پیچھے بھاگا اور پکار کر کہنے لگا کہ اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے تیری پناہ میں آیا ہوا شخص لٹ گیا ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیے اس بکری کو چھوڑ دے تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہیں آیا تھا یہی بیان اس آیت میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے ایسا ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو[1] اور بکری کے بچے کو پکڑ کر لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تا کہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آ جانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہوں اور خدا کے دین سے خارج ہو جائیں واللہ اعلم۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔[2]

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿٨﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

اور ہم نے آسمان (کی خبروں کی) تلاشی (موافق عادات سابقہ کے) لینا چاہا سو ہم نے اس کو سخت پہروں (یعنی محافظ فرشتوں) اور

[1] اور زیادہ صحیح یہ کہ شیطان ہو کیونکہ یہ ملعون انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اس طرح کی صورتیں اختیار کرتا ہے۔

[2] یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا کسی دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا اور حساب کتاب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور اس کے قبل ہم آسمان کی (خبریں سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے ○

جنات پر پابندیاں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے کسی جگہ بیٹھتے اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر اور ایک میں سو جھوٹ ملا کر اپنے جاننے والوں سے کہتے اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو آسمانوں پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اڑا لانے کا موقع نہ رہا تاکہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک میں لگے ہوئے ہیں ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا میں کرتے جلا جھلسا دیتے ہیں اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟ اہل زمین کی کوئی بڑائی چاہی گئی ہے یا ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے خیال کیجئے کہ مسلمان جن کس قدر ادب دان تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت خداوند تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس حفاظت سے کیا مطلب ہے؟ اسے ہم نہیں جانتے اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدایا تیری طرف سے شر اور برائی نہیں ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت کے لئے ہوا تھا چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ جھڑا اور بڑی روشنی ہوگئی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی بڑے تولد پر جھڑتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے یہ حدیث پورے طور پر سورہ سبا کی تفسیر میں گزر چکی ہے دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا جنات کا ان سے ہلاک ہونا آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چاروں طرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہو گیا چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی ہماری بندش کا سبب بنے پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے باقی اور جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا سورہ احقاف میں آیت: وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (سورہ احقاف:۲۹) میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے ستاروں کا جھڑنا آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناک علامت تھی وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کیا نتیجہ ہو؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس میں باتیں اڑا لایا کرتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جا رہے ہیں انہوں نے غلام آزاد کرنے اپنے جانور راہ اللہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبد یالیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے

طائف والو تم کیوں اپنے مال تباہ کر رہے ہو؟ تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں ہیں تو بے شک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی جگہ پر نظر آئے تب انہیں چین آیا شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقے کی مٹی لاؤ تو مٹی لائی گئی اس نے سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث مکہ میں ہے سات جنات نصیبین میں رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر ان کے دل نرم ہو گئے بہت ہی قریب ہو کہ قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی[1]۔ الحمد للہ ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

اور ہم میں (پہلے سے بھی) بعضے نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعضے اور طرح کے (ہوتے آئے) ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے اور ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین (کے کسی حصہ) میں (جاکر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اس کا یقین کر لیا سو (ہماری طرح) جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا اور ہم میں بعضے تو مسلمان ہو گئے ہیں اور بعضے ہم میں (بدستور سابق) بے راہ ہیں سو جو شخص مسلمان ہو گیا انہوں نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا اور جو بے راہ ہیں دوزخ کا ایندھن ہیں اور (منجملہ ان مضامین کے بھی (نفی ہوئی کہ) اگر یہ (مکہ والے) لوگ (سیدھے) رستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کی فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد (یعنی ایمان واطاعت) سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا○

[1] قرآن کریم کے متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہیں اپنی قوم سے نہیں ہاں البتہ سورہ احقاف میں جو جنوں کا ذکر ہے اس میں ان کے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے اس سے اگلا مضمون بھی ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مختلف فرقے:

جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیکوکار بھی ہیں اور بدکار بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کون سا کھانا پسند ہے؟ اس نے کہا چاول میں نے لا دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا وہ تم میں بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ اس نے کہا بدترین حافظ ابوالحجاج مزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عباس بن احمد دمشقی فرماتے ہیں کہ میں نے رات کے ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ دل خدا کی محبت میں پر ہو گئے ہیں یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں اور وہ حیران و پریشان ادھر ادھر خدا کی محبت میں پھر رہے ہیں جوان کا رب ہے انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات خدا سے وابستہ کر لئے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہو چکا کہ خدا کی قدرت ہم پر حاکم ہے ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں گے نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں گے اب فخر یہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامہ کو سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوراً اثر کرے پھر کہتے ہیں کہ مومن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوتے ہیں اور نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں گی جیسے اور جگہ ہے: فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا (سورہ طٰہٰ:۱۱۲) یعنی نیکوکار مومن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں پھر کہتے ہیں کہ ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے ہیں اور عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں مسلمان نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں ہیں اور ایندھن ہیں اس کے بعد کی آیت: وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا...... کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت خدا پر جم جاتے تو ہم ان پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزیاں دیتے جیسے اور جگہ ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ...... (سورہ مائدہ:۶۶) یعنی اگر یہ توراۃ وانجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان و زمین سے روزیاں ملتیں اور فرمان ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (سورہ اعراف:۹۶) یعنی اگر بستی والے ایمان لے آتے اور اس طرح متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں نازل فرماتے اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جب کہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں اور خدا کو بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں جیسے فرمان باری ہے: فَلَمَّا نَسُوْا...... (سورہ انعام:۴۴) یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ سے بالکل غافل ہو گئے اور ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ پھر مایوس ہو گئے اسی طرح کی آیت: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ...... (سورہ مومنون:۵۵) بھی ہے پھر فرماتا ہے کہ جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پروائی برتے گا اس کا رب اسے دردناک سخت اور مہلک عذاب میں مبتلا کرے گا حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صعد جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ جہنم کے ایک کنوئیں کا نام ہے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴿٢٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾

اور (ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ) جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو اور جب خدا کا خاص بندہ (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو (یہ کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا آپ کہہ دیجئے کہ اگر خدانخواستہ میں ایسا کروں تو مجھ کو خدا (کے غضب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا یہ میرا کام ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (لیکن یہ کفار اس جہالت سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے ○

مساجد اور اُن کی تعمیر کے مقاصد:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں نہ کسی اور کو خدا کی عبادت واطاعت میں شریک کریں حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جا کر خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور امت بھی سب توحید والے رہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام تھیں حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بھی بیان کی ہے کہ جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں تو گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز ادا کریں لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا ہے اور صرف خدا ہی کی عبادت بجا لانا ہے خواہ کہیں ہو حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور تمام مساجد کو شامل ہے حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضائے سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر

ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا اور دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے آیت: لما قام کا ایک مطلب یہ ہے کہ جنات نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر جھکنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کی اطاعت کی حالت یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت واقتدا میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے تیسرا قول یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خدا تعالیٰ کو توحید کا اعلان کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں جنات وانسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹا دیں اور اس کی روشنی کو چھپا دیں مگر خدا تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ میں تو صرف اپنے رب کا نام پکارتا ہوں اور کسی کی عبادت نہیں کرتا یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے ان کے لئے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذا رسانی مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی اور حق کو مٹا دینا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اجماع کر لیا اس وقت ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت میں مشغول ہوں میں اسی کی پناہ میں ہوں اسی پر میرا توکل ہے وہ ہی میرا سہارا ہے مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں میں تم جیسا انسان ہوں تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں ہوں میں تو خدا کا ایک غلام ہوں اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں[1] تمہاری ہدایت ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں سب چیزیں خدا کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں اگر میں خود بھی خدا کی معصیت کروں تو خدا مجھے ضرور عذاب دے گا اور پھر کوئی مجھ کو نہ بچا سکے گا مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر نہیں آتی میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے بعض تو کہتے ہیں کہ الا کا استثناء لا املك ہے یعنی میں نفع نقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پہنچانے والا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ لن یجیرنی سے یہ استثناء ہو یعنی خدا کے عذاب سے مجھے صرف رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے جیسے اور جگہ ہے: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ...... (سورہ مائدہ: ۶۷) یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا لے گا نافرمانوں کے لئے ہمیشگی والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے وہ نہ نکل سکیں گے اور نہ بھاگ سکیں گے جب یہ مشرکین جن و انس قیامت کے دن خوفناک عذاب کو دیکھ لیں گے اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کمزور مددگاروں والا اور بے وقعت گنتی والا کون ہے؟ یعنی مومن موحد یا مشرک حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا اس دن نہ ہوگا اور خدا تعالیٰ کے لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی گویا نہ ہوگی۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾
عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ

[1] آیت اہل بدعت کے لئے خصوصی مطالبہ کی مستحق ہے جو کہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام بلکہ اپنے جیسے ہی انسانوں کو کارساز مشکل کشا قاضی الحاجات اور خدا جانے کیا کیا سمجھ بیٹھتے ہیں۔

رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا
لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ
شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک آنے والی ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تا کہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے (اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے ○

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں قیامت کب ہوگی اس کا علم مجھے نہیں بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے اس آیہ کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹی اور بالکل بے اصل روایت ہے ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کے معین وقت سے لاعلمی ظاہر کرتے تھے اعرابی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آ کر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرما دیا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے اور نہ اسے ہے جس سے پوچھا جاتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے نے با آواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آئے گی ضرور۔ اور بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت نہیں البتہ اللہ و رسول کی محبت ہے آپ نے فرمایا پھر تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے ہوئے اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھا ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اگر تم کو کچھ علم ہے تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کیا کرو خدا کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے یہاں بھی اس کا کوئی مقررہ وقت نہیں بتلاتے ابو داؤد میں کتاب الملاحم کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ اس امت کو کیا عجب ہے کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے ایک اور حدیث میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پانچ سو سال فرماتا ہے خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسے چن لے اس کو مطلع کر دیتا ہے جیسے اور جگہ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (سورہ بقرہ: ۲۵۵) یعنی اس کے علم میں سے کسی چیز کو نہیں گھیر سکتے (یعنی معلوم نہیں کر سکتے) مگر جو خدا چاہے یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے خدا جتنا چاہتا ہے بتلا دیتا ہے

وہ اتنا ہی جانتے ہیں پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو خدا نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے رہتے ہیں لیعلم کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت خدا ادا کر دی یعنی رسولوں کے جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں ذرا نظر ہے یعقوب علیہ السلام کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور خدا جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی جیسے فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كنت عَلَيْهَا ..... (سورہ بقرہ:۱۴۳) یعنی جس قبلہ پر تو تھا اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے تابعداروں اور مرتدوں کو جان لیں اور جگہ ہے: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا..... (سورہ عنکبوت:۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان کر رہے گا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون ہیں اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ خدا پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی خدا تعالیٰ کے علم کے احاطہ میں ہے۔

تفسیر سورہ مزمل مکیہ

مسند بزار میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ آؤ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا نام تجویز کریں کہ سب کی زبان سے وہی نکلے تاکہ باہر کے لوگ ایک ہی آواز سن کر جائیں تو بعضوں نے کہا ان کا نام کاہن رکھو دوسروں نے کہا کہ درحقیقت وہ کاہن تو نہیں کہا اچھا پھر ان کا نام مجنون رکھو اس پر اوروں نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں پھر بعضوں نے کہا ساحر نام رکھو لیکن کچھ بولے کہ وہ ساحر یعنی جادوگر بھی نہیں غرض وہ کوئی نام برا تجویز نہ کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو اور یہ مجمع یوں ہی اٹھ کھڑا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر منہ لپیٹ کر کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہے۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اسی طرح یعنی اسے کپڑا لپیٹ کر اوڑھنے والے کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا اس روایت کے ایک راوی معلی بن عبدالرحمٰن سے گو اہل علم کی جماعت روایت لیتی ہے اور وہ اس سے حدیثیں نقل کرتے ہیں لیکن ان کی روایتوں میں بہت سی ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر ان کی مطابقت نہیں کی جاتی۔

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۲۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات (کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو) یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) یعنی ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں (مراد قرآن مجید ہے) بے شک رات کے اٹھنے میں دل اور (بان کا خوب میل ہوتا ہے اور (دعا ہو یا قرأت) بات خوب ٹھیک نکلتی ہے بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیوی بھی اور دینی بھی) اور آپ اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو وہ مشرق و (مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنے کام سپرد کر دینے کے لئے قرار دیئے رہو ○

کملی والے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑ دیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں جیسے فرمان ہے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ...... (سورہ سجدہ:۱۶) ان کی کروٹیں بستروں سے الگ ہوتی ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے دیتے رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری عمر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی امت پر واجب نہیں ہے[1] جیسے اور جگہ ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ...... (سورہ بنی اسرائیل:۷۹) راتوں کو تہجد پڑھا کرو یہ حکم نفل کے طور پر صرف تجھے ہے تیرا رب تجھے مقام محمود پر پہنچانے والا ہے یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرما دی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش مزمل کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے[2] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے اچھی طرح لینے والے تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر یا کچھ بڑھا چڑھا دیا کر اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تا کہ خوب سمجھا جائے اس حکم کے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عامل تھے حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرتؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی کیفیت معلوم کی گئی تو آپ فرماتے تھے کہ خوب مد کھینچ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ

[1] واجب نہ ہونے کے باوجود تہجد کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب سے احادیث بھری پڑی ہیں جیسا کہ جصاص نے لکھا ہے: و قد روی عن النبی اثار فی الحث علیه والترغیب فیه

[2] کیونکہ کفار و مشرکین کی ان ہرزہ سرائیوں سے قدرتی طور پر آپ کو رنج ہوا غم و الم میں آپ اس طرح لیٹ گئے

اللہ پر لفظ رحمٰن پر لفظ رحیم پر مد کیا ابن جریج میں ہے کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا وقف فرمایا کرتے تھے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر وقف کرتے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر وقف کرتے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھ کر ٹھہرتے یہ حدیث مسند احمد ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو یہ حدیث ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث ذکر کر دی ہیں جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو اور وہ شخص ہم میں سے نہیں (مسلمان نہیں) جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے[1] اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابوموسیٰؓ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا اور عبدالرحمٰن بن مسعودؓ کا یہ فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے تہذیبی سے نہ پڑھو اس کے عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کہ جلد سورت ختم ہو (بغوی) ایک شخص نے آ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں آپ نے فرمایا کہ پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا مجھے وہ برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تجھ پر عنقریب ایک عظیم بات اتاریں گے[2] یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں تو ڈرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو اس وقت میں خاموش ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے کہ حضرت حارث بن ہشام پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بھاری پڑتی ہے اور جب وہ گنگناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو اس دوران میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتر چکتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر آپ سوار ہوتے اور اسی حالت میں آپ پر وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہو جاتی اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا اور نہ اس کی گردن اونچی ہوتی مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجا لانا اور ان کا عامل ہونا بھی ایسا ہی تھا یہی قول امام ابن جریر کا ہے حضرت عبدالرحمٰن

[1] یعنی کوشش کرے اور اچھی طرح پڑھنے کی سعی کرے لیکن یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ قرآن مجید کو شاعروں یا فلم ستاروں کی طرح گا گا کر پڑھنے لگے کہ یہ تو سخت گناہ ہے۔

[2] یعنی قرآن مجید کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ مزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے بہت مختصر وحی آپ پر نازل ہوئی تھی۔

سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بھاری ملے گا پھر فرماتا ہے کہ رات کا اٹھنا نفس کو مغلوب کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے نشاء کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں رات بھر میں جب اٹھے اسے نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کہتے ہیں تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گڑ جاتے ہیں اور یہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنی مطلب خوب ذہن نشین ہوتا جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھڑ کے کا شور وغل کا کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے حضرت انسؓ نے اَقْوَمُ قِيْلًا کو اَصْوَبُ قِيْلًا پڑھا تو لوگوں نے کہا ہم تو اقوم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا اقوم اِصْوَبُ اَهْيَاء اور ان جیسے سب الفاظ ہم معنی ہیں پھر فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے نیند کر سکتے ہو نوافل بکثرت ادا کر سکتے ہو اپنے دنیوی کام کاج پورے کر سکتے ہو پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو اس بنا پر یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات قیام کیا کرو اس فرمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے اِنَّ رَبَّكَ سے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ تک پڑھا اور آیت :وَمِنَ الَّيْلِ...... کی بھی تلاوت کی آپ کا قول یہ ہے ٹھیک مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعید بن ہشامؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت نصیب ہو جائے مدینہ شریف میں اپنی قوم سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی قوم میں سے چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ اللہ میں کھڑے ہو جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جس طرح میں کرتا ہوں اسی طرح کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبردار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ یہ حدیث سن کر حضرت سعید نے بھی اپنا ارادہ بدل لیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اب حضرت سعید چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت کو دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ اس مسئلے کو سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ بتلا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ ان ہی سے دریافت کرو اور ان سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا میں حضرت حکیم بن افلح کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا کہ تم مجھے ام المومنینؓ کی خدمت میں لے چلو انہوں نے کہا کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان دونوں آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علیؓ اور ان کے مقابلوں کے بارے میں آپ کچھ دخل نہ دیجئے لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا میں نے قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے خیر بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں ان کے ساتھ گیا ام المومنین نے حضرت حکیم کی آواز پہچان لی اور فرمایا کیا حکیم ہے جواب دیا گیا کہ ہاں حضورؓ میں حکیم بن افلح ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا سعد بن ہشام پوچھا ہشام کون؟ عامرؓ کے لڑکے؟ کہا ہاں عامرؓ کے لڑکے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت عامرؓ کے لئے دعائے رحمت کی اور فرمایا عامرؓ بہت اچھے آدمی تھے خدا ان پر رحم کرے میں نے عرض کیا ام المومنینؓ مجھے بتلایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارک کیا تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں فرمایا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اب میں اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا حال دریافت کر لوں اس سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کیا تم نے سورہ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہا ہاں پڑھی ہے فرمایا سنو اس سورت کے اول حصے میں قیام لیل فرض

اور سال بھر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور خداوند تعالیٰ نے تخفیف کر دی فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کرلوں تو میں نے کہا ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمائیے آپ نے فرمایا ہاں سنو ہم آپ کی مسواک وضو کا پانی وغیرہ تیار کر کے ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی خدا چاہتا اور آپ کی آنکھ کھلتی اٹھتے مسواک کرتے وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ التحیات میں بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں پھر بیٹھے ہی بیٹھے دو رکعتیں اور ادا کرتے اور ایک وتر پڑھتے بیٹا یہ سب مل کر گیارہ رکعتیں ہوئی پھر جب آپ عمر رسیدہ ہو گئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں ادا کیں بس بیٹا یہ نو رکعتیں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو اس پر مداومت کرتے ہاں اگر شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیا کرتے میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی ور مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں اب میں ام المومنین سے رخصت ہو کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال و جواب دہرائے آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد و رفت ان کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سے سن آتا یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے ابن جریر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز ادا کر لیا کرتے لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ برہم ہو کر باہر تشریف لائے چونکہ آپ کو امت سے شفقت و رحمت تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نماز فرض ہو جائے لہٰذا آپ ان سے فرمانے لگے کہ لوگو ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہے اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو سکے اور انسان اسے نبھا سکے ادھر قرآن کریم کی یہ آیتیں اتریں اور صحابہ نے قیام الیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر خدا نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشا کی طرف لوٹا دیا اور قیام لیل چھوڑ دیا گیا یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن صید زبیدی ضعیف ہے اصل حدیث بغیر سورہ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کے الفاظ سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں یہ قول بھی غریب ہے صحیح وہ ہے جو کہ بحوالہ مسند پہلے گزر چکا ہے کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورہ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ مثل رمضان شریف کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخر کی آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال کا فاصلہ تھا حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اسی طرح مروی ہے حضرت ابوعبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں ورم آ گئیں پھر : فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نازل ہوئی اور لوگوں نے راحت پائی حسن بصریؒ اور سدی کا بھی یہی قول ہے ابن ابی حاتم میں بروایت حضرت عائشہؓ سولہ مہینے کی مدت منقول ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال یا دو سال تک قیام

فرماتے رہے قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں پھر آخری آیتیں اتریں اور تخفیف ہوگئی حضرت سعید بن جبیرؒ دس سال کی مدت بتاتے ہیں (ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام لیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور: علم ان سیکون سے ما تیسر منہ تک کی آیتیں نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی فلہ الحمد پھر فرمان ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ بکثرت اس کا ذکر کر اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا جیسے اور جگہ ہے: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (سورہ انشراح: ۷) یعنی جب اپنے شغل سے فارغ ہو جاؤ تو ہماری عبادت محنت سے بجالاؤ اخلاص فارغ البالی کوشش اور ایک سوئی سے خدا کی طرف جھک جا ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق (دنیوی) سے کٹ کر خدا کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کر وہ مالک ہے وہ متصرف ہے مشرق مغرب سب اسی کے قبضہ میں ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں تو جس طرح صرف اسی خدا کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ جیسے اور آیت میں ہے: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (سورہ ہود: ۱۲۳) اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ یہی مضمون: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (سورہ فاتحہ: ۴) میں بھی ہے اسی معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت اطاعت توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اسی کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾

اور یہ لوگ باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ اور ہم کو اور ان جھٹلانے والوں ناز و نعمت میں رہنے والوں کو (حالت موجودہ پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو) اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دے دو ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے جس روز کہ زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ریگ رواں ہو جائیں گے بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے جیسا ہم نے

فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑنا پکڑا سو اگر تم نہ بھی بعد پہنچے رسول کے نافرمانی اور کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو (غایت درجہ اشتداد اور امتداد سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا جس میں آسمان پھٹ جائے گا بے شک اس کا وعدہ ضرور ہو کر رہے گا ○

صبر و ثبات کا حکم:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طعن آمیز باتوں صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہیں ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دیجئے میں خود ان سے نپٹ لوں گا میرے غصے اور غضب کے وقت دیکھ لوں گا کہ کیسے یہ لوگ نجات پاتے ہیں ہاں ان کے مالدار اور خوشحال لوگوں کو جو بے فکر ہے ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں جن پر دہرے حقوق ہیں مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے کچھ بھی ادا نہیں کرتے تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان سے کیا کرتا ہوں؟ تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھالیں مگر انجام کار عذاب میں پہنچیں گے اور عذاب بھی کیسے؟ سخت قید و بند کے اور بدترین بھڑکتی ہوئی نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور اس کھانے کے جو حلق میں جا کر اٹک جائے گا نہ نگل سکیں گے نہ اگل سکیں گے اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے پھر وہ وقت بھی وہ ہوگا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ پڑا ہوگا اور سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہوں گے جیسے ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا ادھر سے ادھر لے جائے گی اور نام و نشان تک مٹا دے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی پھر فرماتا ہے کہ اے لوگو اور خصوصاً اے کافرو ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا صادق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس ہم نے اپنے احکام پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول علیہ السلام کو بھیجا تھا اس نے جب اس رسول علیہ السلام کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کر دیا اور سختی سے پکڑ لیا اسی طرح یاد رکھو اگر اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری بھی خیر نہیں عذاب خدا تم پر بھی آئیں گے اور تہس نہس کر دیئے جاؤ گے کیونکہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار ہیں ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہوگا اس کے بعد کی آیت کے دو حصے ہیں ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذاب سے کیسے نجات حاصل کرو گے جس دن کی ہیبت خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور خدا کا ڈر کیسے حاصل ہوگا؟ گو یہ معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن پہلے معنی زیادہ بہتر ہیں واللہ اعلم۔

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کو الگ کرو وہ پوچھیں گے خدایا کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے چہروں کو یوں دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو بنو آدم بہت سے ہیں یا جوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ایک ایک اپنے پیچھے خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں سے اور ان جیسوں میں مل کر جہنمیوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے یہ حدیث غریب ہے اور سورہ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے اس دن کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے آسمان بھی پھٹ جائے گا بعض مفسرین نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن وہ قوی نہیں اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

یہ ایک (وعظ) نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعضے آدمی (کبھی دو تہائی کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے اس کو معلوم ہے کہ تم اس (تقدیر وقت) کو ضبط نہیں کر سکتے تو ان وجوہ سے اس تمہارے حال پر عنایت کی سو (اب) تم لوگ سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہوں گے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا) سو (اس لئے بھی تم کو اجازت ہے کہ (اب) تم لوگ سے جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو اور نماز (فرض) کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص سے) قرض دو اور نیک عمل اپنے لئے آگے (ذخیرہ آخرت بنا کر) بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو بے شک اللہ غفور رحیم ہے ○

تذکرہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت وعبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضی مولا سے ہدایت کا راستہ پا لے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کر لے گا جیسے دوسری سورت میں فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (سورہ دہر: ۳۰) تمہاری خواہش کام نہیں آتی وہی ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ چاہے صحیح علم والا اور پوری حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا اور آپ کے اصحابؓ کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام لیل میں مشغول رہنا اور کبھی آدھی رات اسی میں گزارنا کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا کبھی دن چھوٹا رات بڑی خدا جانتا ہے کہ اس کو نبھانے کی طاقت تم میں نہیں تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی با آسانی پڑھ سکو کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت لگانا ہی ہوگا یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرأت سے کی ہے جیسے سورہ سبحان ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۱۱۰) یعنی اپنی قدرت نہ تو بلند کر نہ بالکل پست کر پھر فرماتا ہے کہ خدا کو معلوم ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام لیل کے ترک پر معذور ہیں مثلاً بیمار جنہیں اس کی طاقت نہیں مسافر کہ ادھر ادھر جا رہے ہیں مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں یہ آیت بلکہ پوری سورت مکی ہے مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں آنا کہ مسلمانِ کو جہاد میں پوری مشغولی ہوئی یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے تو ان مجبوریوں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے با آسانی کیا جا سکے کر لیا کرو حضرت ابو رجاء محمد نے حسن سے پوچھا اے ابوسعید اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف نماز فرض پڑھتا ہے آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنالیا اس پر خدا کی لعنت ہو[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا تھا اور فرمایا تم کو وہ کچھ سکھایا گیا جسے تم نہ جانتے تھے نہ تمہارے آبا و اجداد میں نے کہا ابوسعید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو فرمایا ہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو پس بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کا رات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرنا امام حسنؒ بصری کے نزدیک حق و واجب ہے ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا کہ جو صبح تک سویا رہتا ہے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے اس کا ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشا کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے سنن کی حدیث میں ہے اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو دوسری روایت میں ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں حسن بصریؒ کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبل کا ہے جو کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے کا قیام فرض ہے واللہ اعلم۔ یہ یاد رہے کہ صحیح مسلک تو یہی ہے کہ تہجد کی نماز نہ تو رمضان میں واجب ہے نہ غیر رمضان میں رمضان شریف کی بابت بھی حدیث شریف میں صاف آ چکا ہے کہ وقیام لیلہ تطوعاً یعنی خدا نے اس کے قیام کو نفلی قرار دیا ہے وغیرہ مترجم طبرانی کی حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں مرفوعاً مروی ہے کہ گو سو ہی آیتیں ہوں لیکن یہ حدیث بہت غریب ہے صرف معجم طبرانی میں ہی میں نے اسے دیکھا ہے پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائے؟ نصاب کیا ہو؟ وغیرہ یہ سب مدینہ شریف میں بیان ہوا واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، حسنؒ، قتادہؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو منسوخ کر دیا ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا ہے صحیحین

[1] لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ حافظ کے لئے تہجد فرض ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کم از کم حافظ کو تو تہجد پڑھنا چاہئے جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ عالم دین اگر تلاوت نہ کرے تو اس پر لعنت ظاہر ہے کہ عالم دین پر تلاوت فرض نہیں تاہم اگر وہ نہ کرے تو پھر کون کرے گا۔

کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں اس نے پوچھا کہ اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ اللہ صدقہ وخیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا پورا بدلہ دے گا جیسے اور جگہ ہے ایسا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے اور خدا تعالیٰ اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر وثواب میں بہت ہی زیادہ ہے ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ انہوں نے کہا حضور ﷺ ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں آپ نے فرمایا اور سوچ لو انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی بات ہے فرمایا سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ للہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تو تمہارے وارثوں کا مال ہے یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی موجود ہے پھر فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو جو استغفار کرے وہ مغفرت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ خدا مغفرت کرنے والا اور مہربانیوں والا ہے۔

تفسیر سورہ مدثر مکیہ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۵۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو یا یہ کہ مستعد ہو) پھر (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب الگ ہو اور کسی کو اس غرض سے موت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو اور (پھر اس انداز میں جو ایذا پیش آئے اس پر) اپنے رب (کی خوشنودی) کے واسطے کیجئے پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی ○

تبلیغ کیجئے:

حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی

لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقع پر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ یحییٰ بن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کون سی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا لوگ تو اقراء باسم بتلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حراء میں یاد خدا کی جب میں وہاں سے فارغ ہوا اور اترا تو میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا اور مجھے نظر پڑا میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا مجھے اڑھادو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو انہوں نے ایسا ہی کیا اور یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری) صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے صدا سنائی دی میں نے نگاہ اٹھائی اور دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اڑھا دیئے اور سورہ مدثر کی فاھجر تک کی آیتیں اتریں ابوسلمہ فرماتے ہیں رجز سے مراد بت ہیں پھر وحی برابر آنے لگی یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپ کا وہ فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام جب کہ غار حرا میں سورہ اقراء کی آیتیں مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھائے گئے تھے پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی اس میں سب سے پہلے وحی سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور اسی طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلی وحی تو اقرا کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد سب سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس سورت کی ابتدائی آیتیں ہیں طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی جب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعضوں نے کہا جادوگر ہے بعض نے کہا نہیں ہے بعضوں نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے چنانچہ اس پر اجماع ہوا کہ انہیں منقول جادو کہا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں فاصبر تک اتریں پھر فرماتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ یعنی عزم اور قوی ارادہ کے ساتھ کمر بستہ اور تیار ہو جاؤ اور لوگوں کو ہماری ذات سے جہنم سے ان کے بداعمال کی سزا سے ڈراؤ پہلی وحی سے نبوۃ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپ رسول بنائے گئے اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت بدعہدی وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے کہ بحمداللہ میں فسق وفجور کے لباس سے اور غدر کے رومال سے عاری ہوں عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو اعمال کی اصلاح کرلو یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ پرواہ بھی نہ کریں عربی محاورے میں جو معصیت آلود بدعہد ہوا سے میلے اور گندے کپڑوں والا کہتے ہیں اور عصمت مآب پابندہ وعدہ ہوا سے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں شاعر کہتا ہے

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ یَدْنَسْ مِنَ اللُّؤْمِ عِرْضُهٗ ٭ فَکُلُّ رِدَآءٍ یَرْتَدِیْهِ جَمِیْلٌ

یعنی انسان جب کہ سیہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو۔ کپڑوں کو معصیت آلود نہ کیا جائے کپڑے پاک صاف رکھو میلوں کو دھوڈالا کرو مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں[1] یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور ساتھ ہی دل بھی ہو دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے جیسے امراۃ القیس کے شعر میں ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو محمد بن کعب قرظیؒ اور حضرت حسن سے مروی یہ بھی ہے کہ اپنے اخلاق اچھے رکھو پھر فرماتا ہے گندگی کو چھوڑ دو یعنی بتوں کو اور نافرمانی خدا کو چھوڑ دو جیسے اور جگہ فرمان ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ (سورہ احزاب:۱) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارون علیہ السلام میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ پر نہ لگو پھر فرماتا ہے کہ عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو ابن مسعودؓ کی قرأت میں اَنْ تَسْتَكْثِرُ ہے یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ نیک اعمال کا احسان خدا پر طلب زیادتی کے ساتھ نہ رکھو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیر کی طلب کی کثرت سے کمزوری نہ برتو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو یہ چار قول ہوئے لیکن اول اولیٰ ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کی ایذا پر جو راہ خدا میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و تحمل کر اللہ تعالیٰ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جما رہ۔ ناقور سے مراد صور ہے مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم خدا کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں کیا ارشاد ہے فرمایا کہو: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پھر صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر کہ جب صور پھونکا جائے گا پھر فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہو گا جو کسی طرح آسان نہ ہو گا جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے کہ: یَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ (سورہ قمر:۸) یہ آج کا دن تو بے حد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے حضرت زرارہ بن اوفیٰ جو بصرے کے قاضی تھے وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اسی سورت کی تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے لوگوں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ

[1] لیکن ابوبکر جصاص صاحب احکام القرآن نے صرف کپڑوں کی پاکی اور پاکیزگی کے علاوہ باقی معنی کا انکار کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ: هذا الكلام شديد الاحتمال والفساء بلا تناقض۔

بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

(آگے بعض کفار کا ذکر ہے یعنی) مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا اور کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے (دیئے) اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اس کو زیادہ دوں ہرگز زیادہ دینے کا اہل نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے اس کو عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی (اور) پھر مکرر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت نفرت ہے) اور زیادہ منہ بنایا اور پھر منہ پھیرا اور تکبر کیا پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے) بس یہ تو آدمی کا کلام ہے اس کو جلدی دوزخ میں داخل کروں گا اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (مقصود اس سے تہویل ہے وہ ایسی ہے کہ) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی اور اس پر انیس فرشتے جو اس پر خازن ہیں اور جن میں سے ایک مالک ہے مقرر) ہوں گے ○

ایک خاص اعلان:

جس خبیث شخص نے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن مجید کو انسان کا قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا مال اولاد کچھ ساتھ نہ تھا پھر خدا تعالیٰ نے اسے مالدار بنا دیا ہزاروں لاکھوں دینار زر زمین وغیرہ عنایت فرمائی اور باعتبار اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے نوکر چاکر لونڈی کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کے ساتھ گزارتا غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی[1] پھر بھی خواہش نفس پوری نہ ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ خدا اور بڑھا دے حالانکہ ایسا اب نہ ہو گا یہ ہماری باتوں کے بعد کفر اور سرکشی کرتا ہے اسے تو صعود پر چڑھایا جائے گا مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا ستر سال تک چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا ستر سال تک لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار ہو گا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے غریب کہتے ہیں ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ صعود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا کہ اس پر چڑھے ہاتھ رکھتے ہی گھل جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ہو جائے گا اسی طرح پاؤں بھی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صعود جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو منہ کے بل گھسیٹا

[1] امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ دنیا والوں کے نزدیک مال اور مرتبہ دو ہی دنیا کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں گویا کہ اس ملعون کو یہ دونوں چیزیں دے کر کامل درجہ میں دنیادی گئی تھی: ای اتممت علیه نعمتی الجاه والمال و اجتماعهما هو الکمال عند اهل الدنیا

جائے گا سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ پتھر بڑا چکنا ہے جس پر آدمی پھسل جاتا ہے مجاہد کہتے ہیں کہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب کریں گے قتادہ کہتے ہیں کہ ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت حاصل نہ ہو امام ابن جریر اسی توجیہ کو پسند فرماتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا وہ سوچ سوچ کر جھوٹ گھڑ رہا تھا کہ وہ قرآن کو کیا کہے اور کیا بات بنائے پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورہ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمات کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے یہ برباد کر دیا جائے کتنا بد کلام سوچا اور کتنی بے حیائی کی جھوٹ بات گھڑ نکالی بار بار کے غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال ڈال کر منہ بگاڑ بگاڑ کر حق سے ہٹ کر بھلائی سے منہ موڑ کر اطاعت خدا سے سر پھیر کر دل کڑا کر کے صاف کہہ دیا کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے لوگوں کا جادو یا منتر وغیرہ نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں یہ کلام خدا کا کلام نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو قریش کا سردار تھا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ یہ ولید حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو ان سے کہنے لگا لوگو تعجب کی بات ہے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن پڑھتے ہیں خدا کی قسم نہ تو وہ شعر ہے نہ جادو منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے قریشیوں نے یہ سن کر سر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی اسلام لائے بغیر باقی نہ رہے گا ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سا مال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال واولاد والا کوئی نہیں ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابوبکرؓ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو ولید نے کہا اوہو میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مجھے مطلق معلوم نہ تھا اچھا اب قسم خدا کی نہ میں ابوبکر کے پاس جاؤں گا نہ عمر کے پاس جاؤں گا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا اور وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذرنی سے لا تذر تک حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس نے کہا تھا کہ میں قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے اس میں چمک ہے یہ غالب ہے مغلوب نہیں لیکن ہے یقیناً جادو اس پر یہ آیتیں اتریں ابن جریر میں ہے کہ ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ مسلمان نہ ہو جائے اسے بھڑ کانے جھوٹ بولنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ آپ کو دیں اور آپ کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چھڑائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں اس نے غصہ میں آ کر کہا کیا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟ ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں[1] اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے

[1] خاکسار محشی کو اس روایت کے قبول کرنے میں کچھ تردد ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس مال و دولت کہاں دھری تھی کہ ......

دلوں میں اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں ہے اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے خدا کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ اور رجز ہے نہ جنات کا قول اور ان کے اشعار میں تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے میں خود نامی شاعر ہوں کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں اللہ جانتا ہے اس میں عجیب حلاوت اور مٹھاس لذت شیفتگی اور دلبری ہے کہ وہ تمام کلاموں کا سردار ہے اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں وہ سب پر چھا جاتا ہے اس میں کشش بلندی اور جذب ہے اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا ہوں؟ ابوجہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ نہ یاد کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے اس نے کہا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا چنانچہ سوچ سوچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے اس پر ذرنی سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک کی آیتیں اتریں سدی کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر لوگ بہ کثرت آئیں گے تو بتلاؤ انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی بات تجویز کرو کہ سب بیک زبان وہی بات کہیں تا کہ عرب بھر میں اور پھر اور جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا کسی نے جادوگر کسی نے کاہن اور نجومی کہا کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور وفکر کر کے دیکھ بھال کر تیوری چڑھا کر اور منہ بنا کر کہا اگلے جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے قرآن کریم میں اور جگہ ہے: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فضلوا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (سورہ فرقان ۹) یعنی ذرا دیکھ تو سہی تیری کیسی کیسی مثالیں گھڑتے ہیں لیکن بہک بہک کر رہ جاتے ہیں اور کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں اسے جہنم کی آگ میں غرق کر دوں گا جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے جو گوشت پوست کو رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے پھر یہ سب نئے آتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں نہ موت آئے گی نہ راحت والی زندگی ملے گی کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے جو ایک ہی لپیٹ میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی ہے جسم و جلد کو بھون جھلس دیتی ہے انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ چند یہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا بتلاؤ تو جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں پھر کسی شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا اسی وقت آیت: تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی آپ نے صحابہؓ کو سنا دی اور فرمایا تم ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ میں ذرا ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ فرمایا سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے پھر یہودی آپ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس۔ پھر آپ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلامؓ سے کہا آپ ہی کہیے ابن سلام نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے آپ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو (ابن ابی حاتم) مسند بزار میں ہے کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آ کر کہا تھا کہ آج تو آپ کے صحابہ ہار گئے فرمایا کیسے؟ اس نے کہا ان سے جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ

..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اس طرح تقسیم فرماتے اس لئے کسی شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے حصول دولت کا طعنہ [illegible] آنے والی بات نہیں ہے تاہم اگر کسی صحیح روایت یا واقعی تاریخی استفاد اس روایت کو حاصل ہو تو پھر ہمارے قیاسات سب غلط ہیں اور بات [illegible] و روایت سے ثابت ہے۔

پس آپ نے فرمایا بھلا وہ بھی ہارے ہوئے کہے جا سکتے ہیں جن سے وہ بات پوچھی جاتی ہے جسے وہ نہیں جانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر جواب دیں گے ان یہودیوں کو دشمنان خدا کو ذرا میرے پاس تو لاؤ وہاں انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے خدا کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا اب یہود بلوائے گئے جواب دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر یہ بڑے چکرائے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

اور ہم نے دوزخ کے کارکن (جو آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو ان کی تعداد ذکر و حکایت میں صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو تو اس لئے تا کہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون میں اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے (جس طرح اس خاص باب میں خدا تعالیٰ نے کافروں کو گمراہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جس کو گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے اور یہ (انیس فرشتوں کا مقرر ہونا کسی حکمت سے ہے ورنہ) تمہارے رب کے لشکروں (یعنی فرشتوں کی تعداد) کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور دوزخیوں کا حال بیان کرنا صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے (یعنی تم میں جو آگے کی طرف) کو بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے ہٹے ○

آزمائش:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب کے دینے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو رحم نہ کرنے والے بلکہ سخت کلامی[1] کرنے والے ہیں اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی تعداد بتلائی گئی تو ابوجہل نے کہا اے قریشیو اگر یہ انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہیں ہرا دیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں انہیں نہ تم ہرا سکو گے نہ تھکا سکو گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوالاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس تعداد کو سن کر کہا کہ قریشیو! تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا تھا کہ آپ مجھ سے آ کر کشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کشتی لڑی اور کئی بار اس کو گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا امام ابن اسحٰق نے کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن عبدالمطلب کا بتایا ہے میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ منافات نہیں (ممکن ہے اس سے اور اس سے دونوں سے کشتی لڑی ہو واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے ایک طرف کافروں کا کفر کھل پڑا دوسری طرف اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا کہ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں کامل ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھا اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہا بیمار دل منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتلاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل ڈانواں ڈول ہو جاتے ہیں خدا تعالیٰ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے پر ہیں تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھو کہ بس انیس ہی ہیں جیسے یونانی فلسفیوں نے اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشر اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ صرف ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں افسوس کہ اس آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو سوا اس کے کوئی نہیں جانتا پھر انیس صرف کے کیا معنی؟ صحیحین کی معراج والی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر فرشتے جاتے ہیں اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتے کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آئے گی مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہوا گر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پا سکتے بلکہ فریاد زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذرؓ کی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ

[1] یہ سخت کلامی ایسی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں کی پولیس مجرمین کے ساتھ کرتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات مجرم کے لئے سب سے بڑی سزا ایسی تلخ کلامی ثابت ہوتی ہے۔

میں بھی ہے۔ اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے طبرانی میں ہے کہ ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا رکوع یا سجدے کی حالت میں نہ ہو پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہمیں جس طرح تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اتنی ہم سے نہ ہو سکی البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا آسمانوں کا چرچرا بولنا میں سن رہا ہوں اور ان کی چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں[1] کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں دوسری روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (سورہ صافات: ۱۶۸) یعنی ہم میں سے ہر ایک کے لئے جگہ مقرر ہے اور ہم صفیں باندھنے والے اور خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے والے ہیں اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی مشتبہ ہے دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا بیان کیا گیا ہے ایک اور سند سے روایت حضرت علا بن سعدؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہ۔ لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں کا ایک ابوجحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑے ہو جاؤ تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابوجحش کہنے لگا اگر کوئی شخص آئے جو طاقت و قوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آجا میں تیار ہوں چنانچہ کشتی ہونے لگی اور میں نے اسے پچھاڑا اور اس کا منہ مٹی میں ملا دیا اتنے میں حضرت عثمانؓ آ گئے اور میرے ہاتھ سے چھڑا دیا میں بڑا بگڑا اور اسی غصہ کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ابوحفصؓ آج کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر عمرؓ اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا ہوتا یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ یوں ہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے خاصی دور نکل چکے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ خدا تعالیٰ ابوجحش کی نماز سے بالکل بے نیاز تھے آسمان دنیا میں خشوع و خضوع والے بے شمار فرشتے خدا کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت تک سر ہی نہیں اٹھانے کے قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تسبیح کیا ہے؟ آپ نے فرمایا آسمان دنیا والے فرشتے تو کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ اور تیسرے آسمان والے کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ عمرؓ تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے جو پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہو گا؟ فرمایا

[1] گویا کہ یہ چرچراہٹ بکثرت اجتماع کی وجہ سے تھی جیسا کہ کسی جگہ بہت سے آدمی جمع ہو جائیں تو وہ چارپائی چھت وغیرہ ان کی کثرت کی وجہ سے بولنے لگتی ہے۔

کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ یعنی خدایا تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں تیرا چہرہ جلال والا ہے اور اسحٰق مروزی جو راوی حدیث ہے اس سے حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبانؒ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن حضرت امام داؤد امام نسائیؒ امام عقیلی اور امام قطنیؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں تھے تو یہ سچے مگر نابینا ہو گئے تھے اور کبھی کبھی تلقین قبول کر لیا کرتے تھے ہاں ان کی کتابوں کی روایات صحیح ہیں ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ مضطرب ہیں اور ان کے استاد عبدالملک بن قدامہ ابوقتادہ میں بھی کلام ہے تعجب ہے کہ امام محمد بن نصرؒ نے ان کی اس حدیث کو کیسے روایت کر دیا؟ اور نہ تو اس پر کلام کیا نہ اس کے حال کو معلوم کرایا نہ اس کے بعض راویوں کے ضعف کو بیان کیا ہاں اتنا تو کیا ہے کہ اسے دوسری سند سے مرسلاً روایت کر دیا ہے اور مرسل کی دو سندیں لائے ہیں ایک حضرت سعید بن جبیرؒ سے دوسری حضرت حسن بصریؒ پھر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت بدری بن ارطاۃؓ نے مدائن کی جامع مسجد میں اپنے خطبے میں فرمایا کہ میں نے ایک صحابی سے سنا ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت خدا کے خوف سے کپکپاتے رہتے ہیں ان کے آنسو گرتے رہتے ہیں اور وہ ان فرشتوں پر ٹپکتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو ابتداء دنیا سے رکوع میں ہی ہیں اور بعض سجدے میں ہی ہیں قیامت کے دن اپنی پیٹھ اور سر اٹھائیں گے اور نہایت عاجزی سے جناب باری میں عرض کریں گے کہ خدایا تو پاک ہے ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا اس حدیث کی اسناد میں کوئی حرج نہیں پھر فرماتا ہے کہ یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ وہ آگ ایک بہت بڑی اور زبردست چیز ہے جو اس کی اطلاع عذاب کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے جو چاہے باوجود اس کے بھی حق کو پیٹھ ہی دیتا رہے اور اس سے دور بھاگتا رہے اور اسے رد کرتا رہے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ۙ۳۸ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ۛ۳۹ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ۙ۴۰ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ۙ۴۱ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝۴۲ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ۙ۴۳ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ۙ۴۴ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝۴۵ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ۙ۴۶ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ؕ۴۷ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ؕ۴۸ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ۙ۴۹ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ۙ۵۰ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ؕ۵۱ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ۙ۵۲ كَلَّا ۭ بَلْ

لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَنْ يَشَآءَ اللّٰهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

اس کے لئے بھی ہر شخص اپنے اعمال (کفریہ) کے بدلے میں (دوزخ میں) محبوس ہوگا مگر داہنے والے کہ وہ بہشتیوں میں ہوں گے (اور) مجرموں (یعنی کفار) کا حال (خود ان کفار ہی سے) پوچھتے ہوں گے (یعنی مومنین کفار سے پوچھیں گے) کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا وہ کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو (جس کا حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ (اس حالت میں) ہم کو موت آ گئی (سو اس حالت مذکورہ میں) ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (اور جب کفر و اعراض کی بدولت ان کی یہ گت بننے والی ہے) تو ان کو کیا ہوا کہ اس نصیحت (قرآنی) سے روگردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے رہتے ہیں بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ان کو کھلے ہوئے (آسمانی) نوشتے دیئے جائیں گے (آگے اس بے ہودہ درخواست کا رد ہے کہ یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا) بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے (پس یہ) ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن (ہی) بانصیحت کے لئے کافی ہے سو جس کا جی اس سے نصیحت حاصل کرے اور بدوں خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ وہی ہے جس (کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے ○

انسان اور اس سے محاسبہ:

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہوگا لیکن جن[1] کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھے ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا[2] بغیر علم کے جو زبان پر آیا بکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آ گئی یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (سورہ حجر:۹۹) یعنی موت کے وقت تک خدا کی عبادت میں لگا رہ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے اب خدائے عالم فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہوتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم بھی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے ہاویہ میں گئے پھر فرماتا ہے کیا بات ہے کیا وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن و حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری سے فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی زبان میں اسد کہتے ہیں اور حبشی زبان میں قسورۃ کہتے ہیں اور نبطی زبان میں اویا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان کے ہر ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے: حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ...... (سورہ انعام:۱۲۴) یعنی جب ان کے پاس

[1] لیکن سے جو کلام شروع ہوا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اصحاب یمین محاسبہ کے قانون سے مستثنیٰ ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصحاب یمین پر وہ عذاب نہ ہوگا جو بائیں ہاتھ میں اعمال نامے رکھنے والوں پر ہوگا۔

[2] یعنی نہ تو حقوق اللہ ہی ادا کئے اور نہ حقوق العباد بلکہ سب سے بڑی حقیقت یعنی قیامت ہی کے منکر رہے۔

کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے ہم کو بغیر عمل کے چھوڑ دیا جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین ہی نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اس کو جھٹلاتے ہیں تو ڈرتے کیوں ہیں پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت وموعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کر لے اور نصیحت پکڑ لے جیسے فرمان ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (سورہ تکویر: ۲۹) یعنی تمہاری تمنائیں خدا تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں پھر فرمایا اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول کر لے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں سہیل اس کا راوی قوی نہیں۔

تفسیر سورہ قیامہ

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۴۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (آگے منکرین بعث پر رد ہے یعنی) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز نہ جمع کریں گے ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا ہم کو کچھ دشوار نہیں) کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کر دیں بلکہ بعض آدمی (قیامت کا منکر ہو کر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف وخطر ہو کر) فسق وفجور کرتا رہے (اس لئے بطور انکار کے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا سو جس وقت (مارے حیرت کے) آنکھیں خیرہ ہو جاویں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور (چاند کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند دونوں ایک حالت کے ہو جاویں گے (یعنی دونوں بے نور ہو جاویں گے) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں (ارشاد باری ہو رہا ہے) ہرگز بھاگنا ممکن نہیں (کیونکہ) پناہ کی جگہ نہیں اس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا (جانے کا) ہے اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا (اور انسان کا اپنے اعمال سے آگاہ ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا) بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو (باقتضاء طبیعت اس وقت بھی) اپنے حیلے (حوالے) پیش لاوے ○

بقسم ذرا سنو تو سہی:

یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ کس چیز پر قسم کھائی جائے، اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر کہ قیامت نہ ہوگی، قسم کھائی جا رہی ہے تو فرماتا ہے کہ قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی۔ حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں کہ قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہی دونوں کی قسم ہے حسن اور اعوج کی قرأت: فَاُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَه ہے۔ اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔ نفس لوامہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھالیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے۔ اسے کیا پڑی ہے جو اپنے نفس کو روکے۔ یہ بھی مروی ہے کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق اپنے آپ کو ملامت کرے گی۔ خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہو جانے پر۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو۔ فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نفس والا وہ ہے جو نیکی کی کمی پر برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے پھر فرماتا ہے کہ کیا انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کر دیں گے اور اس کی پور پور بنا دیں گے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے ہم اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنا دیں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے آیت کے لفظوں سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قٰدِرِيْنَ حال ہے نَجْمَعُ سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس ہڈیوں نہ جمع کریں گے ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے برابر کر کے ابن قتیبہ اور زجاج کے قول کے یہی معنی ہیں پھر فرماتا ہے کہ انسان اپنے آگے فسق وفجور کرنا چاہتا ہے قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے امیدیں باندھے ہوئے ہے کہا جاتا ہے کہ گناہ کر لوں مضائقہ کیا ہے توبہ بھی ہو جائے گی ایک ایک قدم اپنے نفس کو خدا کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے

مگر جن پر رب کا رحم ہے اکثر سلف کا قول اس آیت میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یوم حساب سے انکاری ہے ابن زید بھی یہی کہتے ہیں اور یہی ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہوگی؟ اس کا یہ سوال بطور انکار کے ہے، یہ تو جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے جیسے اور جگہ ہے: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ...... (سورہ سبا: ۳۰-۲۹) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی جیسے اور جگہ ہے: لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ (سورہ ابراہیم: ۴۳) یعنی پلکیں جھپکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں برق کی دوسری قرأت برق بھی ہے دونوں کے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں اور چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور سورج چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا جیسے فرمایا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (سورہ تکویر: ۲-۱) حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں: وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرُ (سورہ القیامہ: ۹) ہے انسان جب یہ پریشانی، شدت، ہول، گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگتا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ، بھاگنے کی جگہ کہاں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ کوئی پناہ نہیں رب کے سامنے، اور اور اس کے پاس ٹھیرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں جیسے اور جگہ ہے: مَالَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَالَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ (سورہ شوریٰ: ۴۷) یعنی آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان بن جاؤ آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا جیسے فرمان ہے: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (سورہ کہف: ۴۹) یعنی جو کیا تھا، پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے اپنے اعمال کو بخوبی جانتا ہے اپنے اعمال کا خود آئینہ دار ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے جیسے فرمان ہے: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (سورہ بنی اسرائیل: ۱۴) اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے، اور اپنے آپ کو آپ ہی جانچ لے اس کے کان آنکھ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا ہی اس پر شہادت دینے کو کافی ہیں، لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصان کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابن آدم! تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے جھائی نہیں دیتا قیامت کے دن گو انسان فضول بہانے بنائے اور جھوٹی دلیلیں دے اور بے کار عذر پیش کرے ایک بھی قبول نہیں کیا جائے گا اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے اہل یمن پردے کو عذار کہتے ہیں لیکن صحیح معنی پہلے ہیں جیسے اور جگہ ہے کہ کوئی معقول عذر نہ پا کر اپنے شرک کا سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ خدا کی قسم ہم مشرک تھے ہی نہیں اور جگہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن خدا پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے گو وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے رہیں غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کار آمد نہ ہوگی جیسے اور جگہ فرماتا ہے: لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (سورہ مومن: ۵۲) ظالموں کو ان کی معذرت کچھ کار آمد نہ ہوگی یہ تو اپنے شرک کے ساتھ ہی اپنی بداعمالیوں کا انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ

الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾

اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں (کیونکہ) ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو ہم اسے پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیے پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے اے منکرو (قیامت کی بابت جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں بلکہ تصرف بات یہ ہے کہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے (یہ تو مومنین کا حال ہے) اور بہت سے چہرے اس روز بےرونق ہوں گے (اور وہ لوگ) خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○

ایک حکم:

یہاں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح لیں آنحضورؐ اس کے لینے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرأت میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو آپ سنتے رہیں پھر جس اندیشہ کی بابت آپ ایسا کرتے تھے اس کی بابت تسلی دیتا ہے کہ آپ کے سینے میں اسے جمع کر دینا اور بروقت آپ کی زبان سے اسے پڑھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے اور اسی طرح اس کو واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہیں پس پہلی حالت تو یاد کرانا دوسری تلاوت کرانا تیسری تفسیر مضمون اور توضیح مطلب کرانا، تینوں کی کفالت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی جیسے اور جگہ ہے: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (سورہ طٰہٰ:۱۱۴) یعنی جب تک تیرے پاس وحی پوری نہ آئے تو پڑھنے میں جلدی نہ کیا کر ہم سے دعا کیا کر کہ میرے رب میرے علم کو زیادہ کرتا رہ پھر فرماتا ہے کہ اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھیں، یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو تو پڑھ، ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد نکلے گا اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کے معانی مطالب تبیین وتوضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے مسند میں ہے کہ حضورؐ کو اس سے پہلے وحی لینے میں سخت تکلیف ہوتی تھی اس خطرہ سے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں، فرشتے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ مبارک ہلتے جاتے تھے ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھائے کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعیدؒ نے بھی اپنے استاد کی طرح ہونٹ ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنیے اور چپ رہیے جبرائیل کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھانا بھی ہمارے سپرد ہے بخاری مسلم میں بھی یہ ہے کہ پھر جب وحی اترتی تو آپ نظریں نیچی کر لیتے اور وحی جب چلی جاتی آپ پڑھتے ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت ابن عباسؓ یہ روایت مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عونی فرماتے ہیں، اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حرام حلال کا واضح کرنا حضرت قتادہ کا قول بھی یہی

ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار کرنے اور خدا کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور خدا کے عظیم الشان رسول کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز جب دنیا اور ترک آخرت ہے حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے اس دن بہت سے لوگ وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش تروتازہ خوش خرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے بہت سی صحیح حدیثوں سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں، ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے ان حدیثوں کو نہ کوئی ہٹا سکے گا نہ ان کا کوئی انکار کر سکے گا صحیح بخاری صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گیں؟ آپ نے فرمایا، سورج اور چاند کو جب کہ آسمان صاف اور بے ابر ہو، دیکھنے میں تمہیں کوئی چیز مانع ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے صحیحین میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح سستی نہ کرو[1] حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن بھانڈے سے ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں ان کے برتن بھانڈے اور ہر چیز چاندی ہی کی ہے ان جنتیوں اور خدا کے دیدار کے درمیان سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کچھ آڑ نہیں یہ جنت عدن کا ذکر ہے صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو خدائے تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کچھ چاہتے ہو کہ بڑھادوں تو وہ کہیں گے خدایا تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیئے ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے اسی وقت حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور ان اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں سرور ولذت حاصل ہوگی وہ کسی چیز میں حاصل نہ ہوگی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہوگا اسی کو اس لفظ زِيَادَة سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (سورہ یونس: ۲۶) یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار خدا تعالیٰ بھی صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ والی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلّی فرمائے گا پس معلوم ہوا کہ ایماندار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار خدا سے مشرف کئے جائیں گے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکے درجے کا جنتی اپنے ملک اور اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور کی اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف اور ہر جگہ اس کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے اعلیٰ درجے کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے باعظمت چہرے کو دیکھیں گے ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے یہ حدیث بہ روایت ابن عمرؓ مرفوعاً بھی مروی ہے اگر ہم اس قسم کی تمام حدیثیں اور روایتیں اور ان کی سندیں اور ان کے مختلف الفاظ یہاں جمع کریں گے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا بہت ہی صحیح اور حسن حدیثیں

[1] بہت ممکن ہے کہ دو وقت کی نماز کو خدا تعالیٰ کے دیدار سے کوئی خاص مناسبت ہو کیونکہ صبح کا وقت غفلت کا ہے آدمی سوتا ہے آرام میں ہوتا ہے اس وقت نماز کا اہتمام ایمان کی خاص علامت ہے اور ایسے ہی عصر کا وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے آدمی سودا وغیرہ لینے کے لئے نکلتے ہیں دوکاندار خرید وفروخت میں مصروف ہوتے ہیں ایسی گہما گہمی کے وقت نماز کا اہتمام خدا تعالیٰ کو بے حد پسندیدہ ہے جس نے یہ اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارے جزا کے طور پر ان کے لئے اپنا دیدار جو سرمایہ دین ودنیا ہے عنایت فرمایا عاجز راقم السطور کو اس نعمت عظمیٰ یعنی دیدار الٰہی سے خود رب العالمین بلا استحقاق مشرف فرمائے آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بہت سی مسند اور سنن کی کتابوں میں بھی مروی ہیں جن میں کئی اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات پر آ گئی ہیں ہاں توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے خدا کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں یعنی خدا تعالیٰ کا دیدار مومنوں کو قیامت کے دن نصیب ہونے میں صحابہؓ تابعینؒ اور سلف امتؒ کا اتفاق اور اجماع ہے ائمہ اسلامؒ سب اس پر متفق ہیں جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے خدا تعالیٰ کی نعمتیں دیکھنا ہے جیسے مجاہدؒ اور ابو صالح سے تفسیر ابن جریر میں مروی ہے ان کا قول حق سے دور ہے اور سراسر تکلف سے معمور ہے ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جہاں بدکاروں کی نسبت فرمایا گیا ہے : كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (سورہ مطففین: ۱۵) یعنی فاجر قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیکوکار لوگ دیدار الٰہی سے سیراب کئے جائیں گے اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کے الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ ایماندار دیدار باری سے محفوظ ہوں گے حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ چہرے حسن وخوبی والے ہوں گے کیونکہ دیدار رب پر ان کی نگاہیں پڑتی ہوں گی پھر بھلا یہ منور وحسین کیوں نہ ہوں اور بہت سے منہ اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے بدشکل ہو رہے ہوں گے بے رونق اور اداس ہوں گے انہیں یقین ہو گا کہ ہم پر اب کوئی ہلاکت اور خدا کی پکڑ آئی ابھی ہمیں جہنم میں جانے کا حکم ہوا جیسے اور جگہ ہے : يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (سورہ آل عمران: ۱۰۶) یعنی اس دن بعض چہرے گورے چٹے خوبصورت اور حسین ہوں گے اور بعض کالے منہ والے ہوں گے اور جگہ ہے : وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ...... (سورہ غاشیہ: ۲) یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے خوف زدہ دہشت اور ڈر والے بدرونق اور ذلیل ہوں گے جو عمل کرتے رہے اور تکلیف اٹھاتے رہے لیکن آج بھڑکتی ہوئی آگ میں جا گھسے...... پھر فرمایا : وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ...... (سورہ غاشیہ: ۸) یعنی بعض منہ اس دن نعمتوں والے خوش وخرم چمکیلے اور شاداں وفرحاں بھی ہوں گے جو اپنے گزشتہ اعمال سے خوش ہوں گے اور بلند وبالا جنتوں میں اقامت رکھتے ہوں گے اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ٳلْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور (نہایت حسرت سے اس وقت) کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑ نے والا ہے اور (اس وقت) وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت (دنیا) کا وقت ہے اور (شدت سکرات موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے تو اس نے نہ تو (خدا اور رسول) کی تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن (خدا اور رسول کی) تکذیب کی تھی اور احکام سے منہ موڑا پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر (مکرر سن لے کہ) تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (کیا یہ شخص (ابتدا میں محض) ایک قطرہ منی نہ تھا جو عورت کے رحم میں ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے (اس کو انسان) بنایا پھر اعضا درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت (تو) کیا وہ (خدا جس نے ابتداء میں اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کیا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ (قیامت) میں مردوں کو زندہ کر دے ○

موت اور اس کی بے چینیاں:

یہاں پر موت کا اور سکرات کے عالم کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے کلّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے وہ درست نہیں بلکہ ان مقدمات تو تو روز مرہ دیکھ رہا ہے اور اگر اس لفظ کو حَقًّا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے تَرَاقِيَ جمع ہے تَرْقُوَۃ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہنسلی کی ہڈی کہتے ہیں جیسے اور جگہ ہے :فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ...... صٰدِقِيْنَ (سورہ واقعہ ۸۳-۸۷) تک فرمایا ہے یعنی جب کہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے؟ اس مقام میں اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن حجاج کی روایت سے سورہ یٰسٓ کی روایت میں گزر چکی ہے تَرَاقِيَ جو جمع ہے تَرْقُوَۃ کی، ان ہڈیوں کو کہتے ہیں، جو حلقوم کے قریب ہیں اس وقت آہ و زاریاں ہوتی ہیں کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے اور پنڈلی کے پنڈلی سے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے۔ جس سے سختی پر سختی ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو، دوسرا مطلب حضرت عکرمہؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بہت بڑا امر دوسرے بڑے امر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ خود مرنے والے کی بے قراری اور شدت درد سے پاؤں پر پاؤں چڑھ جانا مراد ہے پہلے تو یہ ان پاؤں پر چلتا تھا لیکن اب ان میں جان کہاں؟ اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی کا مل جانا مراد ہے چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد

[1] عرب کے ماحول کے پیش نظر دور میں آخری وقت جھاڑ پھونک کا جو رواج تھا اسی کو بیان کیا ظاہر ہے کہ ہمارے زمانہ کی وہ تمام کوششیں جو زندگی کو باقی رکھنے کے لئے ڈاکٹری یا طبی اصول کے تحت کی جاتی ہے عرب والوں سے ان کا تذکرہ بے سود ہوتا تا ہم بقول مفسر ابن کثیر جب اس آیت میں مطلق علاج معالجہ مراد ہے تو اس دور ترقی کے تمام سامان ترقی تحفظ جان کے بھی آ گئے صاحب روح المعانی نے بھی کہا ہے کہ لعلہ ارید مطلق الطبیب۔

خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم دھام کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت برائی اور بدتر حالت کے ساتھ اب لوٹنے اور قرار پانے کی جگہ رہنے سہنے اور پہنچ جانے کی جگہ کھچ کر جانے اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے روح آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف پھیر لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا اسی میں ہوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا جیسے کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں آیا ہے یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے : وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ...... (سورہ انعام:۶۱) وہی اپنے بندوں پر غالب ہے وہی تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے پاس فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوئی قصور نہیں کرتے پھر سب کے سب اپنے سچے مولیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یقین مانو کہ حکم اسی کا چلتا ہے اور وہ سب سے جلد حساب لینے والا ہے پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور عقیدے سے حق کو جھٹلانے والا اور اپنے عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی نہ وہ خدا کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت خدا بجالاتا تھا یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بدعملی کے ساتھ اپنوں میں جاملتا تھا جیسے اور جگہ ہے : وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ (سورہ مطففین:۳۱) یعنی جب اپنے اعزہ و اقارب کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں اور جگہ ہے : اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا...... (سورہ انشقاق:۱۳) یعنی اپنے گھرانے میں شادمان تھا اور سمجھ رہا تھا کہ خدا کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں ہے اس کا یہ خیال محض غلط تھا اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں پھر اسے اللہ تبارک وتعالیٰ دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے کہ خرابی ہو تجھے خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے جیسے اور جگہ ہے : ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (سورہ دخان:۴۹) یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ کے حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت والا اور بزرگی والا تھا اور فرمان ہے : كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ (سورہ مرسلات:۴۶) کچھ کھا پی لو، آخر تم بدکار و گنہگار ہو اور جگہ ہے : فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (سورہ زمر:۱۵) جاؤ خدا کے سوا جس کی چاہو، عبادت کرو وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں حضرت جبیرؓ سے یہ آیت اَوْلٰى لَكَ...... کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ابوجہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے کہ حضور کے اس فرمان پر اس دشمن خدا نے کہا کہ تو مجھے دھمکاتا ہے خدا کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں فرماتا ہے کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یوں چھوڑ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اعمال کے موجب جزا و سزا ضرور ملے گی مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا پانی کا ایک ذلیل قطرہ تھا، جو پیٹھ سے رحم میں آیا پھر خون کی پھٹکی بنی پھر گوشت کا لوتھڑا بنا پھر خدا تعالیٰ نے شکل و صورت دے کر روح پھونک دی اور سالم اعضا والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا کیا وہ خدا جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر

ہے یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا جیسے فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (سورہ روم: ۲۷) اس نے ابتداء پیدا کیا وہی پھر لوٹائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورہ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گزر چکی ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر باآواز بلند قرآن پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت تلاوت کی تو فرمایا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰی یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور بے شک قادر ہے لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے ابوداؤد میں بھی یہی حدیث ہے لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابیؓ کا نام نہیں گو یا یہ نام نہ ہونا مضر نہیں ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص تم میں سے سورہ التین کی آخری آیت: اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِیْنَ پڑھے[1] وہ: بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں اور جو شخص سورہ قیامت کی آخری آیت: اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِ یَ الْمَوْتٰی پڑھے تو کہے بَلٰی اور جو شخص سورہ والمرسلات کی آخری آیت: فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ پڑھے وہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے ابن جریر میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی اس آخری آیت کے بعد فرماتے، سُبْحَانَكَ وَبَلٰی حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔

تفسیر سورہ دھر مکیہ

صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورہ: الٓمّٓ تَنْزِیْلُ..... اور سورہ: هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ...... قرأت فرماتے تھے ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری اور حضور علیہ السلام نے اس کی تلاوت کی اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جب جنت کی صفتوں کا ذکر آیا تو ان کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی اور تمہارے بھائی کی جان، جنت کے شوق میں نکل گئی۔

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع: ۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کل آیات: ۳۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ

[1] لیکن امام نماز میں یہ آیات پڑھے تو پھر مقتدی یہ عبارت نہ کہے کیونکہ حالت نماز میں سکوت کے ساتھ امام کی قرأت سننا فرض ہے۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اسے مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سنتا (دیکھتا سمجھتا) بنایا ہم نے اس کو (بھلائی برائی پر مطلع کر کے) رستہ بتلایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو شکر گزار (اور مومن) ہو گیا یا ناشکرا (اور کافر) ہو گیا ۝

انسان کی ابتدا:

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی بے مائیگی اور اپنے ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا ذکر کیا جائے اسے مرد وعورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجیب وغریب تغیرات کے بعد یہ موجودہ شکل وصورت اور ہیئت پر آیا ہم اسے آزمار ہے ہیں جیسے اور جگہ ہے :لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک:۲) تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ پس اس نے تمہیں کان اور آنکھیں عطا فرمائیں تا کہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو ہم نے اسے راہ دکھا دی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا جیسے اور جگہ ہے :وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (سورہ حم سجدہ:۱۷) یعنی ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور جگہ ہے :وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (سورہ بلد:۱۰) یعنی ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی برائی کی اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ ابو صالحؒ ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے شاکراً اور کفوراً کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال کی ضمیر ہے جو :اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ میں ہے یعنی وہ اس حالت میں یا تو شقی ہے یا سعید جیسے صحیح مسلم میں ہے کہ ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید وفروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے حضرت کعبؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقے پر چلیں گے پس وہ لوگ ان کے جھوٹ پر عمل کریں اور ان کے ظلم کی تصدیق اور امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آسکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے اے کعبؓ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو ختم کر دیتا ہے اور نماز قرب خدا تعالیٰ کا سبب ہے یا فرمایا دلیل نجات ہے اے کعبؓ وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو وہ جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے اے کعبؓ لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید وفروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے سورہ روم کی آیت :فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (سورہ روم:۳۰) کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو خدا تعالیٰ کا پسندیدہ ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈا لگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ

شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾

ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ ایسے جام شراب سے (شرابیں) پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (یعنی ایسے چشمہ سے پئیں گے) جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے (اور) جس کو وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ (صرف) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم تم کو محض خداوندی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے (اس کا فعلی) بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا قولی) شکریہ چاہیں ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان کو (اس) اطاعت اور (اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور قلوب میں خوشی دے گا) اور ان کی پختگی (یعنی استقامت فی الدین) کے بدلے میں ان کو جنت اور ریشمی لباس دے گا○

کفار اور عذاب الٰہی:

یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے جیسے اور جگہ ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (سورہ مومن: ۷۱) جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں ہوں گی اور یہ حمیم میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم میں جلائے جائیں گے ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش کافور نامی نہر کے پانی کی ہوگی ذائقہ بھی اعلیٰ خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر کافور کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سی خوشبو کافور ایک نہر کا نام ہے جس سے خدا تعالیٰ کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے 'ب' سے

متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عیناً پر نصب دیا یہ پانی اپنی خوشبو میں کافور ہے عیناً کا زبر یشرب کی وجہ سے ہے اس نہر کو جہاں بھی چاہیں گے وہ لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی تفجیر کے معنی روانگی اور اجرا کے ہیں جیسے آیت: حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا (سورہ بنی اسرائیل:۹۰) میں اور : فَجَّرْنَا خِلٰلَھُمَا (سورہ کہف:۳۳) میں پھر ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادتیں خدا تعالیٰ کی طرف ان کے ذمہ تھیں وہ تو بجا ہی لاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے تھے اسے بھی بجالاتے تھے یعنی نذر بھی پوری کرتے حدیث میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پوری نہ کرے امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر خدا تعالیٰ کا رحم و کرم ہو زمین و آسمان تک کانپ رہے ہوں گے استطار کے معنی ہی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی کے یہ نیکو کار اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے اور ہ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے غلام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے یعنی باوجود طعام کی خواہش و ضرورت کے راہ اللہ غربا اور حاجتمندوں کو دے دیتے ہیں جیسے اور جگہ ہے : وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ (سورہ بقرہ:۱۷۷) یعنی مال کی خواہش و تمنا کے باوجود اسے راہ اللہ دیتے رہتے ہیں اور فرمان ہے : لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (سورہ آل عمران:۹۲) یعنی تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزیں راہ اللہ خرچ نہ کرو حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار پڑے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور پکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں تو آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگائے آدمی جو لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں حضرت عبداللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو چنانچہ دے دیئے گئے پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دے دیئے گئے لیکن اب کی باری حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگائے گئے (بیہقی) اور صحیح حدیث میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں باوجود مال کی محنت کے باوجود امیری کی تمنا اور افلاس کے خوف کے راہ اللہ دے یعنی مال کی حرص بھی ہو حب بھی ہو اور حاجت و ضرورت بھی ہو پھر بھی راہ اللہ اسے قربان کر دے یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ وغیرہ اس کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے قیدی کی نسبت حضرت سعیدؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ مسلمان اہل قبلہ سے مراد ہے لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحابؓ کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھاتے پیتے میں صحابہؓ خود اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں امام ابن جریرؒ آیت کے عام ہونے کی وجہ سے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان و سلوک کرنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے بلکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اپنی امت کو یہی ہے کہ نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں ہم تمہیں صرف راہ اللہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم خدا تعالیٰ کو ہے تو خدا تعالیٰ نے اسے ظاہر فرما دیا کہ لوگوں کی رغبت کا باعث بنے یہ پاک

باز جماعت خیرات وصدقات کر کے اس دن کے عذاب اور ہولنا کیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ و تاریک اور طول وطویل ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر خدا تعالیٰ اس بنا پر خدا تعالیٰ ہم پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہمیں ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی حضرت ابن عباسؓ سے عبوس کے معنی تنگی والا اور قمطریر کے معنی طول طویل مروی ہے عکرمہؒ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کی تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہوگا مجاہد فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ گھبراہٹ کے اور ہولنا کیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی ابن زید فرماتے ہیں برائی والا اور سختی والا دن ہوگا لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب ٹھیک قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے **قمطریر** کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے لئے ہیں یعنی بہت سختی والا ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچالیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولنا کی کے اطمینان وسرور قلب عطا فرمایا خیال کیجئے کہ یہاں عبادت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے اور جگہ ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (سورہ عبس: ۳۸-۳۹) اس دن بہت سے چہرے چمکیلے ہوں گے جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہوگا تو چہرہ کھلا ہوا ہوگا حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے چہرہ مبارک خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کے لئے وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کے لئے ریشمی لباس ملا ابن عساکر میں ہے کہ ابو سلیمان واوائی کے سامنے اس سورت کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ رکھا تھا پھر یہ اشعار پڑھے

كَمْ قَتِيْلٍ لَّشَهْوَةٍ وَاَسِيْرٍ ❁ اُفٍّ مِّنْ مُّشْتَهِيْ خِلَافَ الْجَمِيْلِ
شَهَوَاتُ الْاِنْسَانِ تُوْرِثُهُ الذُّلَّ ❁ بَلْ تُلْقِيْهِ فِي الْبَلَاءِ الطَّوِيْلِ

''افسوس شہوات نفس نے اور بھلائیوں کے خلاف برائیوں کے ارتکاب نے بہت سوں کا گلا گھونٹ دیا اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت و رسوائی اور بلا مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔''

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ

وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۚ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا كَبِيۡرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ ۡ وَّحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۲۲﴾

اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر (آرام اور عزت سے) تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش (اور گرمی) پائیں گے اور نہ جاڑا (بلکہ فرحت بخش موسم ہوگا) اور یہ حالت ہوگی کہ (وہاں یعنی جنت کے) درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت لے سکیں گے) اور ان کے پاس چاندی کے برتن اور آبخورے لائیں جائیں گے جو خوشے گچھے ہوں گے (اور) وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز میں بھرا ہوگا اور وہاں ان کو (علاوہ جام شراب مذکور کے) ایسا جام شراب پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمے سے ان کو پلایا جائے گا جو وہاں ہوگا جس کا نام (وہاں) سلسبیل مشہور ہوگا اور ان کے پاس (یہ چیزیں لے کر) ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور اس قدر حسین ہیں کہ ہمارے مخاطب اگر تو ان کو چلتے پھرتے دیکھے تو سمجھے موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں اور اے مخاطب اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے (اور) ان جنتیوں پر باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (کیونکہ ہر لباس میں جدا لطف ہے) اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا (جس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو دنیا میں کرتے تھے) مقبول ہیں ○

نعمت ہائے آخرت:

جنتیوں کی نعمتوں اور راحتوں کا ان کے ملک و مال اور جاہ و منال کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ با آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بےفکری سے تکئے لگائے سرور و راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے سورہ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گزر چکی ہے وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ارائک چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ سورج کی تیز شعاعوں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے گی نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گزریں گی بلکہ بہار کا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہے گا گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ دیں گے جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے چاہے لیٹے لیٹے توڑ کر کھالیں چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں چاہے کھڑے ہو کر لے لیں درختوں پر چڑھنے کی تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں سروں پر میوے دار گچھے اور لدے ہوئے لچھے لٹک رہے ہوں گے توڑا اور کھالیا اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے ہیں تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ اور نہ دوری کی دردسری ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں ڈالیاں لولو زبرجد اور یاقوت کی ہیں ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں چاہو بیٹھے بیٹھے توڑ لو چاہو

کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے ایک طرف خوش خرام خوش دل خوبصورت باادب سلیقہ شعار فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے کھڑے ہیں دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ہوئے ساقیان مہوش اشارے کی منتظر کھڑے ہیں یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے گی جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلوریں گلاسوں کی کوئی مثال نہیں ملتی ہاں یہ یادر ہے کہ پہلے کے لفظ قواریر پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر پھر یہ جام نپے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والے کی حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی ہے بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی جیسا اوپر گزر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہوا کہ کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے اور یہ نیک لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے سلسبیل بقول عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے مہریا چال بہہ رہا ہے اس کا پانی بہت ہلکا نہایت شیریں خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے جو آسانی سے پیا جاتا ہے اور سہتا پچتار ہے ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے گی یہ نفیس پوشاکیں اور بیش قیامت جڑاؤ زیور پہنے ہوئے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑے مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہوگا گویا سفید آبدار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں حقیقت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال اور خوش خصال ہونے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے ہوئے زیورات سے لدے ہوئے[1] اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے جیسے سچے جا... پر نفیس فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہر ایک جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی سلطنت نظر آئے گی تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو جہنم سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک وتعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال کی مسافت ہوگا ہر قریب و بعید کی چیز پر اس کی بیک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہوگا اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی اے خدا اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی والحاح تیری پاک جناب میں عرض گزار ہیں کہ تو ہماری للچائی ہوئی طبیعت کے ارمانوں کو پورا کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقوف نہیں آمین مترجم و محشی و کاتب و قاری) طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ایک حبشی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا آپ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھنا ہو

---

[1] عرب کے ماحول کے پیش نظر گفتگو ہے جہاں مردوں میں بھی زیورات کا استعمال ریاست و وجاہت کا جزو سمجھا جاتا تھا۔

پوچھ لو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت شکل میں رنگ وروپ میں نبوت ورسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب تو فرما دیجئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا جو ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ...... کہے اس کے لئے خدا کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہوگا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے اس وقت یہ سورت ملکا کبیرا تک اتری تو اس حبشی نے کہا اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے دفن کیا[1] (رضی اللہ عنہ) پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کے مہین اور چمکدار ریشم ہوگا سندس اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہوگا استبرق عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہوگی جو اوپر پہنا جائے گا ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھ میں ہوں گے یہ لباس ابراء کا ہے اور مقربین خاص کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے: يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (سورہ حج: ۲۳) انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے ہوئے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہوگا ان ظاہری جسمانی استعمال نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف بالذات سرور والی پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائی جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے گی حسد کینہ بدخلقی غصہ وغیرہ سب دور کر دے گی جیسے امیر المومنین حضرت علیؓ ابن ابو طالبؓ سے منقول ہے کہ جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہوگا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے تروتازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے کے لئے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے بار بار کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوششوں کی قدردانی ہے جیسے اور جگہ ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (سورہ حاقہ: ۲۴) دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب سہنا پچتا بہ آرام واطمینان کھاتے پیتے رہو اور فرمان ہے: وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورہ اعراف: ۴۳) یعنی آواز دی جائے گی کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہاری نیک کرداریوں کی بنا پر بنایا گیا ہے[2] یہاں بھی فرمایا ہے کہ تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے کرے۔ آمین۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ

[1] روایات مجروح ناقابل اعتبار اور پایہ اعتماد سے بالکل ساقط ہے۔

[2] اصلی تو رحمت ہے بظاہر مؤمنین کے اعمال وجہ دخول جنت قرار دیئے گئے ہیں اور غور سے کام لیا جائے تو خود نیک عملی خدا تعالیٰ کی رحمت پر توفیق اس کی موقوف ہے اس لئے رحمت ہی آخری سہارا ٹھہرا۔

اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ﴿۲۴﴾ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ﴿۲۷﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ‌ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ‌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۳۰﴾ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ‌ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾

ع ۲ / ۲۰

ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ اس میں تبلیغ بھی داخل ہے) مستقل رہئے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے اور آگے عبادت لازمہ کا امر ہے یعنی اپنے پروردگار کا صبح وشام نام لیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی نماز فرض پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجئے (اس سے مراد تہجد ہے علاوہ فرائض کے) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور (نیز) جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں یہ (سب جو کچھ مذکور ہوا کافی) نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے اور بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے) خدا کے چاہتے ہیں بعض حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ بڑا علم وحکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور (جس کو چاہے کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے پھر) ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا خاص کرم جو کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر وسہار سے کام لے میری قضا وقدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنے حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا لوگوا ور یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا بلا رورعایت بغیر مایوسی اور تکان کے ہر وقت وعظ ونصیحت ارشاد تلقین سے غرض رکھو میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذا سے بچاؤں گا تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں فاجر کہتے ہیں بداعمال عاصی کو اور کفو کہتے ہیں دل کے منکر کو دن کے اول آخر کے حصے میں رب کا نام لیا کرو راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک خدا کی تسبیح پڑھو جیسے اور جگہ فرمایا: وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹) رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا سورہ مزمل کے شروع میں فرمایا اے لحاف اوڑھنے والے رات کے قیام کیا کر مگر تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو وہ بڑا بھاری دن ہے اس فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو

جانا عقل مندی کا کام نہیں پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی قوی ہم نے ہی بنائے اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں یہاں ابتداء آفرینش ان کے اعادہ کی دلیل بنائی ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں جیسے اور جگہ ارشاد ہے :اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ...... (سورہ نساء:۱۳۳) اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اے لوگو تم سب کو برباد کر دے اور دوسرے لائے اللہ تعالیٰ اس پر ہر آن قادر ہے اور جگہ فرمایا اگر چاہے تمہیں فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے خدا پر یہ گراں نہیں پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خدا تعالیٰ سے ملنے کی راہ پر چلنے لگ جائے جیسے اور جگہ فرمان ہے :وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ...... (سورہ نساء:۳۹) ان پر کیا بوجھ پڑ جاتا اگر یہ خدا کو قیامت کو مان لیتے؟ پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک خدا نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت ہی نہ ہو گی اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے مستحقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنالیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت تامہ ہے جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے گا نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے گا اس کے عذاب گناہ گاروں ظالموں اور ناانصافوں کے لئے ہی مخصوص ہیں۔

تفسیر سورہ مرسلات مکیہ

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے غار میں تھے جب یہ سورت اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ سے سن کر یاد کر رہا تھا کہ ناگہاں ایک سانپ ہم پر حملہ آور ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے مارو ہم جھپٹے لیکن وہ نکل گیا تو آپ نے فرمایا تمہاری سزا سے وہ بچ گیا جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری مسلم) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی قرأت کرتے ہوئے سنا ہے دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر امّ فضلؓ نے فرمایا میرے عزیز آج تم نے تو یاد دلا دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے۔

(مسند احمد و صحیحین)

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۵۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳ فَالْفٰرِقٰتِ

فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں (جس سے خطرات کا احتمال ہوتا ہے) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو (اٹھا کر) پھیلاتی ہیں پھر ان ہواؤں کو جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں (جیسا کہ بارش کے بعد ہوتا ہے پھر ان ہواؤں کی جو (دل میں) اللہ کی یاد (یعنی توبہ کا یا) ڈرانے کا القا کرتی ہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے سو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب پیغمبر وقت مقرر پر جمع کئے جائیں گے کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے (آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے دن کے لئے (ملتوی رکھا گیا ہے اور (آگے اس فیصلہ کے دن کی تہویل ہے کہ) آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ (مراد قیامت کا دن ہے جو کیسا کچھ ہے (یعنی بہت سخت ہے اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ○

قیامت یقینی ہے:

بعض اکبر صحابہؓ تابعینؒ وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں بعض کہتے ہیں پہلی کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے بعض نے کچھ نہیں کہا کہ آیا والمرسلات سے مراد فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں ہاں وَالْعٰصِفٰتِ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہیں بعض عاصفات میں یہ فرماتے ہیں اور ناشرات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے یہ بھی مروی ہے کہ ناشرات سے مراد بارش ہے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہیں جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے: وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ...... (سورہ حجر:۲۲) یعنی ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والیاں ہیں اور جگہ ہے يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا...... (سورہ اعراف:۵۷) اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے عاصفات سے مراد بھی ہوائیں ہیں وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں ناشرات سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو ہر چہار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر خدا کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں فارقات اور ملقیات سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق و باطل میں حلال و حرام میں ضلالت و ہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ دیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دیئے جاؤ گے یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے اس دن ستاروں کا نور اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی جیسے فرمایا: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (سورہ تکویر ۲)

اور جگہ فرمایا : وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ (سورہ انفطار:۲) ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا جیسے اور جگہ ہے : وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ...... (سورہ طٰہٰ:۱۰۵) اور جگہ فرمایا : وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ...... (سورہ کہف:۴۷) یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے اور اس دن وہ چلنے لگیں گے بالکل نام ونشان مٹ جائے گا اور زمین ہموار بغیر اونچ نیچ کے رہ جائے گی اور رسولوں کو جمع کیا جائے گا اس وقت مقررہ پر انہیں لایا جائے گا جیسے اور جگہ ہے یوم یجمع اللہ الرسل...... اس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے شہادتیں لے گا جیسے اور جگہ ہے : وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ...... (سورہ زمر:۶۹) زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے جیسے فرمایا : فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ...... (سورہ ابراہیم:۴۷) یہ خیال نہ کر کہ خدا تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بڑے غلبہ والا ہے جس دن یہ زمین بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا اور سب کے سب اللہ واحد وقہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے اسی دن کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہو سکتے اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے سخت خرابی ہے ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۸ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۹ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۲۰ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝۲۱ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۲ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝۲۳ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۲۴ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝۲۵ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝۲۶ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝۲۷ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۲۸

(آگے عذاب کی تنذیر ہے یعنی) کیا ہم اگلے (کافر) لوگوں کو (عذاب سے) ہلاک نہیں کر چکے پھر پچھلوں کو بھی (عذاب میں) ان (پہلوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں (یعنی ان کے کفر پر سزا دیتے ہیں) اس روز (حق کے) حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (آگے قدرت علی البعث کی تقریر ہے یعنی) کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا غرض ہم نے (ان تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں (اس روز حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی کیا ہم

نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا[1] اور ہم نے اس زمین پر او نچے نیچے پہاڑ بنائے ہیں (جس سے بہت منافع متعلق ہیں) اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ○

عبرت انگیز معاملات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں تہس نہس کر دیا پھر ان لوگوں کے بعد اور آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے انہیں بھی اسی طرح غارت کر دیا ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہوگی پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم نے اسے حقیر و ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کے سامنے ناچیز محض تھا جیسے سورہ یاسین کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اے ابن آدم بھلا تو مجھے عاجز کر سکے گا میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے مدت مقررہ تک وہ وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے ہمارے اس انداز ے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو گے تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت سخت افسوس ہوگا پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی کہ وہ زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر تمہیں چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا بلکا زود ہضم خوشگوار پانی ہم نے تمہیں پلایا ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت و افسوس کرو گے جو کچھ کام نہ آئے گی۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٣٤﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ لَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ فَكِیْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿٤٠﴾

ع ۲۱

[1] جصاص فقیہ نے ارض (زمین) کے ذکر کے بعد الموت (مردوں) کا ذکر ہونے سے استدلال کیا ہے کہ مردہ کو زمین ہی دفن کرنا چاہئے الفاظ جصاص کے یہ ہیں: وهذا یدل علی وجوب صلوة الست و دفنه و دفن شعره و سائر ما یزایله

تم اس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ گرمی سے بچاتا ہے وہ انگارے برسا دے گا جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر کی) ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے۔ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (ان لوگوں سے کہا جائے گا) یہ ہے فیصلے کا دن (جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے) ہم نے (آج) تم کو اور اگلوں کو (فیصلہ کے لئے) جمع کر لیا سو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی) کی کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلاؤ اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ○

اور اب یہ مشاہدات:

جو کفار قیامت کے دن کو اور جزا سزا کو جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے اس میں جاؤ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے اونچے ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے یہ جہنم اتنی تیز و تند سخت اور بکثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ مثل قلعہ کے اور تناور درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں اور دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی اونچی قد آدم ہو جاتی ہیں اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے ان جھٹلانے والوں پر حسرت و افسوس ہے آج نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی ہے اور ظالموں پر خدا کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا ان کا انکار کرنا چھپانا اور عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہوں گی کسی وقت یہ کسی وقت وہ اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ فیصلہ کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی اور مکاری سے ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو خیال فرمائیے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ چلت پھرت چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا ہے آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کوتاہی نہ کرو جیسے اور جگہ ہے : یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... (سورہ رحمٰن: ۳۳) () یعنی اے جن و انس کے گروہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے (اور وہ تم میں نہیں) اور جگہ ہے : وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا (سورہ ہود: ۵۷) یعنی تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو حضرت عبداللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ

میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت کعب احبارؒ بیٹھے ہیں باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک صاف چٹیل میدان میں جمع کرے گا آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر و سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذاب سے نجات پا سکتا ہے حضرت عبداللہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر با آواز بلند کہے گی اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے میں نہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہو گا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے ایک تو وہ جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں سے چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نگل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے)۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ ع ۲ ۲۲

پرہیزگار لوگ سایوں میں چشموں میں اور مرغوب میووں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) اپنے اعمال کے (نیک صلہ میں) خوب مزے دے کھاؤ پیو ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کفار نعماء جنت کی بھی تکذیب کرتے ہیں) سو سمجھ رکھیں کہ (اس روز حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی تم (دنیا میں) تھوڑے دن اور کھا لو برت لو (عنقریب کم بختی آنے والی ہے کیونکہ) تم بے شک مجرم ہو اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی اور (ان کافروں کی سرکشی) اور جرم کی حالت یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف جھکو تو نہیں جھکتے اس روز (حق کے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی تو پھر اس (قرآن بلیغ الالفاظ والانذار) کے بعد اور پھر کون سی بات پر ایمان لائیں گے ○

نیکو کار اور خدا کی رحمتیں:

اور چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا حکم ہوا تھا یہاں نیکوکاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیزگار تھے خدا کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں گنہگار سیاہ بدبودار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پرکیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری روانی سے جاری ہوں گے قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں دموجود ہوں گے جسے جب جی چاہے کھائیں گے نہ روک ٹوک ہوگی نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہوگا پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوش ہونے کو دوبالا کرنے کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمان ہوگا کہ اے میرے پیارے بندو! اے جنتیو! تم یہ خوشی اور بافراغت سہتا پچتا خوب کھاؤ پیو ہم ہر نیک پرہیزگار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں ہاں جھٹلانے والوں کی تو آج بڑی خرابی ہے ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو برت برتا لو فائدے اٹھا لو عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے تمہاری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں قیامت کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے ہمارے پاس تیار ہے کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں قیامت کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہوگا اس کی سخت خرابی ہوگی جیسے اور جگہ ارشاد ہے: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (سورہ لقمان: ۲۴) دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے اور جگہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (سورہ یونس: ۷۰) یعنی خداوند تبارک وتعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے دنیا میں معمولی اور فانی فائدہ اٹھا لیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے پھر فرمایا ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ خدا کے سامنے جھک تو جاؤ جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا اسے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گزار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہوگی پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے؟ جیسے اور جگہ ہے: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (سورہ جاثیہ: ۶) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ پر اور اس کی آیتوں پر جب ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے؟

ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے اس کے جواب میں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا اَنْزَلَ کہنا چاہیے[1] یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا یہ حدیث سورہ قیامہ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔

---

[1] تاکہ ان منکرین سے قطعاً آپ ممتاز ہو جائیں جو کہ خدا تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر یقین نہیں رکھتے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار سے عملاً تو جدا ہونا ہی ہے قولاً بھی علیحدگی پسندی اسلام میں مطلوب ہے۔

پارہ: ۳۰

تفسیر سورہ نبا مکیہ

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کُل رکوع: ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیت: ۴۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝١٥ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝١٦

یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں[1] اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کرر ہے ہیں ہرگز ایسا نہیں (بلکہ قیامت آئے گی اور ان کو بھی معلوم ہوا جاتا ہے[2] مکرر کہتے ہیں) کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں ہرگز ایسا نہیں (بلکہ آئے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا اور اس کے علاوہ ہم نے اور بھی اپنی قدرت ظاہر فرمائی (چنانچہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد عورت) بنایا اور ہم ہی نے سونے کو راحت کی چیز بنایا[3] اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا[4] اور ہم ہی نے تمہارے

---

[1] گویا کہ ان سوالات کس سلسلہ قطعاً اور انکار کی راہ سے اہل حق سے تھا سوال کئے منکرین محشر اہل جاہلیت وغیرہ نے جس طرح دوسری زبانوں میں سوالیہ کلمات سے خطبات کو ابتداء انشاء کی جان سمجھی جاتی ہے ایسے ہی عربی میں بھی یہ اسلوب نہایت پرشوکت سمجھا جاتا ہے۔
[2] جوش کے موقع پر جملوں کا یہ تکرار بلاغت کی یہ جان ہے۔ [3] کہ یہ پہاڑ اپنے ثقل سے زمین کو ڈانواں ڈول ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں۔
[4] کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک نعمت خود نیند ہے نیند کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھئے جو بے خوابی کے شکار ہیں اور جن کی راتیں بے قراری سے کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ دن ہی میں انسان کاروایت کرتا ہے بلکہ جانور تک دن کو روشنی میں اپنی غذا تلاش کرتے ہیں۔

اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے آسمان میں ایک روشن چراغ بنایا (مراد آفتاب ہے) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے مینہ برسایا تا کہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں ○

یہ کیسے سوالات:

جو مشرک لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلانے کی راہ سے آپس میں سوالات کرتے تھے یہاں خدا تعالیٰ ان کے ان سوالات کا جواب اور ان کی حقیقت بیان فرما کر ان کی تردید کرتا ہے کہ یہ لوگ آپس میں کس بارے میں سوالات کر رہے ہیں؟ یعنی کس چیز کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں کیا قیامت کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں حالانکہ وہ تو ایک بہت بڑی خبر ہے یعنی ہولناک اور بری خبر ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے حضرت قتادہؒ اور ابن زیدؒ نے اس بناء عظیم (بہت بڑی خبر) سے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا مراد لیا ہے مگر حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے لیکن پہلی بات ٹھیک زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا مراد ہے پھر اس آیت: اَلَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (جس میں یہ لوگ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں) میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اس کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک تو اس کو مانتے ہیں کہ وہ ہو کر رہے گی اور دوسرے اس کو نہیں مانتے پھر خداوند تعالیٰ ان منکرین قیامت کو دھماتے ہوئے فرماتا ہے کہ یقیناً ان کو اس کی حقیقت بہت جلد معلوم ہو جائے گی ان کو خدا تعالیٰ نے یہ بہت سخت دھمکی اور وعید سنائی ہے پھر خدا تعالیٰ اپنی عجیب وغریب مخلوقات کی باریکیاں بتلا کر اپنی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں بیان فرماتا ہے جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں بغیر کسی نمونہ اول مرتبہ پیدا کر سکتا ہے تو ان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ چنانچہ فرماتا ہے کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے لئے فرش اور بچھونا نہیں بنایا ہے؟ یعنی تمام مخلوق کے لئے اس کو ہموار کر کے نہیں بچھا دیا اس طرح کہ وہ تمہارے آگے پست و فرمانبردار ہے بغیر کسی ملنے جلنے کے خاموشی کے ساتھ جمی ہوئی پڑی ہے اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں بنایا ہے یعنی ان کو اس کی میخیں بنا کر اس میں گاڑ دیا ہے تا کہ وہ ان سے جمی اور تھمی رہے اور پہلے کی طرح ہلے جلے نہیں اور اپنے اوپر بسی ہوئی مخلوق کو پریشان نہ کرے پھر فرمایا کہ اس کے بعد اپنے آپ کو دیکھو کہ ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنا کر پیدا کیا ہے (یعنی نر و مادہ اور مرد و عورت جو آپس میں ایک دوسرے متمتع ہو کر اپنی خواہش پوری کرتے ہیں اور اس طرح ان کی نسل بڑھتی رہتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا...... (سورہ روم:۲۱) یعنی خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمہیں میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اس نے اپنی مہربانی سے تم میں آپس میں محبت اور رحم ڈال دیا پھر فرماتا ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو حرکت کے کٹ جانے کا سبب بنایا تا کہ آرام اور اطمینان حاصل کر لو اور دن بھر کی تکان کسل اور ماندگی دور ہو جائے اس معنی کی اور ایک آیت سورہ فرقان میں گزر چکی ہے رات کو ہم نے لباس بنایا کہ اس کا اندھیرا اور سیاہی سب لوگوں پر چھا جاتی ہے جیسا کہ ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے کہ: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا (سورہ شمس:۴) قسم ہے رات کی جبکہ وہ ڈھک لے عرب شاعر بھی اپنے شعروں میں رات کو لباس کہتے ہیں حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ رات سکون کا باعث بن جاتی ہے اور برخلاف رات کے دن کو ہم نے روشن اجالے والا اور منور بنایا ہے تا کہ تم کاروبار اس میں کر سکو جا آ سکو بیوپار تجارت لین دین کر سکو اور اپنی روزیاں اور رزق حاصل کر سکو اور ہم نے جہاں تمہیں رہنے سہنے کو زمین بنا دی وہاں ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے جو بڑے لمبے چوڑے مضبوط پختہ عمدہ اور زینت والے ہیں تم دیکھتے ہو کہ ان میں ہیروں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے لگ رہے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں اور بعض ایک جگہ قائم ہیں پھر فرماتا ہے کہ ہم نے سورج کو چمکتا چراغ بنایا جو تمام جہان کو روشن کرتا ہے ہر چیز کو چمکا دیتا ہے اور دنیا کو منور کر دیتا ہے اور دیکھو ہم

نے پانی کی بھری بدلیوں سے بکثرت پانی برسایا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں اور پھر ان دلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ معصرات سے مراد بعضوں نے تو ہوا لی ہے اور بعضوں نے بادل جو ایک ایک قطرہ برساتے ہیں مراۃ معصرۃ عرب میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہو لیکن اب تک حیض نہ جاری ہوا ہو حضرت حسن اور قتادہ نے فرمایا ہے معصرات سے مراد آسمان ہے لیکن یہ قول غریب ہے سب سے زیادہ واضح قول یہ ہے کہ مراد اس سے بادل ہیں جیسا کہ ایک اور موقع پر ہے: اَللّٰهُ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ...... (سورہ روم: ۴۸) اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں اور انہیں پروردگار کی منشا کے مطابق آسمان پر پھیلا دیتی ہیں اور انہیں وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے پانی نکلتا ہے ثجاجا کے معنی خوب لگاتار بہنے کے ہیں جو بکثرت بہہ رہا ہو اور خوب برس رہا ہو ایک حدیث میں ہے افضل حج وہ ہے جس میں لبیک خوب پکاری جائے اور خون بکثرت بہایا جائے یعنی قربانیاں زیادہ کی جائیں اس حدیث میں بھی لفظ ثج ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ استحاضہ کا مسئلہ پوچھنے والی ایک صحابیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم روئی کا پھایہ رکھ لو اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو بہت زیادہ ہے میں تو ہر وقت خون بکثرت بہاتی رہتی ہوں اس روایت میں بھی لفظ اثج ثجا ہے یعنی بے روک برابر خون آتا رہتا ہے تو یہاں اس آیت میں بھی مراد یہی ہے کہ پانی ابر سے بے روک بکثرت ستا ہی رہتا ہے واللہ اعلم۔ پھر ہم اس پانی سے جو پاک صاف بابرکت نفع بخش ہے اناج اور دانے پیدا کرتے ہیں جو انسان اور حیوان ب کے کھانے میں آتے ہیں اور سبزیاں اگاتے ہیں جو تر و تازہ کھائی جاتی ہیں اور اناج کھلیان میں رکھا جاتا ہے اور باغات اس پانی میں سے پھلتے پھولتے ہیں اور قسم قسم کے ذائقوں رنگوں خوشبوؤں والے میوے اور پھل پھول ان سے پیدا ہوتے ہیں گو کہ زمین کے ایک ہی ٹکڑے پر وہ ملے جلے ہیں الفافا کے معنی جمع کے ہیں اور جگہ ہے: وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ...... (سورہ رعد: ۴) زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو آپس میں ملے جلے ہیں اور انگور کے درخت ہیں کھیتیاں ہیں کھجوروں کے درخت ہیں بعض شاخ دار بعض بغیر زیادہ شاخوں کے اور وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب کئے جاتے ہیں اور ہم ایک سے ایک کو میوہ میں زیادہ کرتے ہیں یقیناً عقلمندوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَىْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

بے شک فیصلہ کا دن ایک وقت معین ہے یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور اپنی جگہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے (آگے اس یوم الفصل میں جو فیصلہ ہوگا اس کا بیان ہے) یعنی بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ بے انتہا زمانوں (پڑے) رہیں گے (اور) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو کہ مسکن عطش ہو) بجز گرم پانی کے اور پیپ کے اور (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے یہ ہیں کہ وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامہ اعمال میں) لکھ کر ضبط کر رکھا ہے سو مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے جائیں گے ○

فیصلے کا دن:

یعنی قیامت کا دن ہمارے علم میں متعین ہے نہ وہ آگے ہوگا نہ پیچھے ٹھیک وقت پر آ جائے گا کب آئے گا اس کا صحیح وقت اور علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں جیسے اور جگہ ہے :وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (سورہ ہود:۱۰۴) نہیں ڈھیل دیتے ہم انہیں لیکن وقت مقرر کے لئے اس دن صور میں پھونک لگائی جائے گی اور لوگ جماعتیں جماعتیں بن کر آئیں گے ہر ہر امت اپنے اپنے نبی کے ساتھ الگ الگ ہوگی جیسے فرمایا :يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل:۷۱) جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں صوروں کے درمیان مدت چالیس ہوگی لوگوں نے پوچھا چالیس دن فرمایا میں نہیں کہہ سکتا پوچھا چالیس مہینے فرمایا مجھے خبر نہیں پوچھا چالیس سال فرمایا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور جس طرح درخت اگتے ہیں لوگ زمین سے اگیں گے انسان سارا کا سارا گل سڑ جاتا ہے لیکن ایک ہڈی باقی رہ جائے گی اور وہ کمر کی ریڑھ کی ہڈی ہے اسی سے قیامت کے دن مخلوق مرکب کی جائے گی آسمان کھول دیئے جائیں گے اور اس میں فرشتوں کے اترنے کے راستے اور دروازے بن جائیں گے پہاڑ چلائے جائیں گے اور بالکل ریت کے ذرے بن جائیں گے جیسے اور جگہ ہے :وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً...... (سورہ نمل:۸۸) یعنی تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو جان رہے ہیں کہ وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرف چلنے پھرنے لگیں گے ایک اور جگہ ہے :وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (سورہ قارعہ:۴) پہاڑ دھنی ہوئی اون کے مثل ہو جائیں گے یہاں فرمایا پہاڑ سراب ہو جائیں گے یعنی دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کچھ ہے حالانکہ دراصل کچھ نہیں آخر میں بالکل برباد ہو جائیں گے نام و نشان تک نہ رہے گا جیسے اور جگہ ہے :وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا...... (سورہ طٰہٰ:۱۰۵) لوگ تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ انہیں میرا رب پراگندہ کر دے گا اور زمین بالکل ہموار میدان رہ جائے گی جس میں نہ کوئی موڑ ہوگا نہ ٹیلا اور جگہ ہے :يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (سورہ کہف:۴۷) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے پھر فرماتا ہے سرکش نافرمان مخالفین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاک جہنم لگی ہوئی ہے یہی ان کے لوٹنے کی اور رہنے سہنے کی جگہ ہے اس کے معنی حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ نے یہ بھی کئے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا جب تک کہ جہنم پر سے نہ گزرے اگر اعمال ٹھیک ہیں تو نجات پا لی اور اگر برے اعمال ہیں تو روک لیا گیا اور جہنم میں جھونک دیا گیا حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس پر تین پل ہیں پھر فرمایا اس میں مدتوں اور قرنوں پڑے رہیں گے ۔ احقاب جمع ہے حقب کی ایک لمبے

زمانے کو حقب کہتے ہیں بعض کہتے ہیں حقب اسی سال کا ہوتا ہے سال بارہ مہینے کا مہینہ تیس دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا بہت سے صحابہؓ اور بہت سے منقول ہے بعض کہتے ہیں ستر سال کا حقب ہوتا ہے کوئی کہتا ہے چالیس سال کا جس میں سے ہر دن ایک ہزار سال کا بشیر بن کعب تو کہتے ہیں ایک ایک دن اتنا بڑا اور ایسے تین سو سال کا ایک حقب ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حقب مہینہ مہینہ تیس دن کا سال بارہ مہینوں کا سال کے دن تین سو ساٹھ ہر دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا (ابن ابی حاتم) لیکن یہ حدیث موضوع ہے اور غیر معتبر ہے اس کے راوی قاسم جو جابر بن زبیر کے لڑکے ہیں یہ دونوں متروک ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ ابو مسلم بن علاء نے سلیمان تیمی سے پوچھا کہ کیا جہنم میں سے کوئی نکلے گا بھی؟ تو جواب دیا کہ میں نے نافعؒ سے انہوں نے ابن عمرؓ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم جہنم میں سے کوئی بغیر مدت دراز رہے نہ نکلے گا پھر فرمایا اسی کے کچھ اوپر سال کا حقب ہوتا ہے اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا جو تم گنتے ہو سدی کہتے ہیں سات حقب رہیں گے ہر حقب ستر سال کا ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر کا۔ حضرت مقاتل بن حبانؒ فرماتے ہیں یہ آیت فذوقوا کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور آیت :اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ (سورہ ہود: ۱۰۷) یعنی جہنمی جب تک خدا چاہے گا جہنم میں رہیں گے یہ دونوں توحید والوں کے بارے میں ہیں امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ احقاب تک رہنا متعلق ہو آیت :حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا کے ساتھ یعنی وہ ایک ہی عذاب گرم پانی اور بہتا پیپ کا مدتوں رہے گا پھر دوسری قسم کا عذاب شروع ہو گا لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ عذاب جہنم شروع ہو کر ختم نہ ہو گا[1] حضرت حسنؒ سے جب یہ سوال ہوا تو کہا کہ احقاب سے مراد ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے لیکن حقب کہتے ہیں ستر سال کو جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ احقاب کبھی ختم نہیں ہوتے ایک حقب ختم ہوا دوسرا شروع ہو گیا ان احقاب کی صحیح مدت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہاں یہ سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہر دنیا کے ایک ہزار سال کا ان جہنمیوں کو نہ تو کلیجے کی ٹھنڈک نصیب ہو گی نہ کوئی اچھا پانی پینے کو ملے گا ہاں ٹھنڈک کے بدلے گرم گھولتا ہوا پانی ملے گا اور کھانے پینے کی چیز بہتی ہوئی پیپ ملے گی حمیم اتنے سخت گرم کو کہتے ہیں جس کے بعد حرارت کا کوئی درجہ نہ ہو اور غساق کہتے ہیں جہنمی لوگوں کے لہو پیپ پسینہ آنسو اور زخموں سے بہے ہوئے خون پیپ وغیرہ کو۔ اس گرم چیز کے مقابلہ میں یہ اس قدر سرد ہو گی جو بجائے خود عذاب ہے اور بے حد بدبودار ہے سورہ ص میں غساق کی پوری تفسیر بیان ہو چکی ہے اب یہاں دوبارہ اس کے بیان کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ذریعہ ہمیں اپنے عذاب سے بچائے بعضوں نے کہا ہے کہ برد سے مراد نیند ہے عرب شاعروں کے شعروں میں برد کے معنی نیند کے پائے جاتے ہیں پھر فرمایا کہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے ان کی بداعمالیاں بھی تو دیکھو کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حساب کا کوئی دن آنے ہی کا نہیں ہم نے جو دلیلیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں یہ ان سب کو جھٹلاتے تھے کذابا مصدر ہے اس وزن پر اور مصدر بھی آتے ہیں پھر فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں کے تمام اعمال و افعال کو گن رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں اور سب کا بدلہ بھی ہمارے پاس تیار ہے ان جہنمیوں سے کہا جائے گا کہ اب ان عذابوں کا مزہ چکھو ایسے ہی اور اس سے بھی بدترین عذاب تمہیں زیادتی کے ساتھ ہوتے رہیں گے حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جہنمیوں کے لئے اس سے زیادہ سخت مایوس کن اور کوئی آیت نہیں ان کے عذاب ہر وقت بڑھتے ہی رہیں گے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے دریافت کیا گیا کہ جہنمیوں کے لئے سب سے زیادہ سخت

---

[1] اور یہ اس لئے بھی کہ جب حقب کو جمع کے طور پر استعمال کیا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عذاب جہنم کفار کے لئے شروع ہو کر پھر ختم ہی نہ ہو گا چنانچہ تفسیر مدارک میں ہے کہ :ولم یرد بہ عدد محصور بل الابد کلما معنی حقب تبعہ آخر غیر النہاء لا یستعمل الحقب والحقیقت الا اذا رید تتابع الا تعتدو ترابھد

آیت کون سی ہے تو فرمایا حضور علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ ان لوگوں کو خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں نے تباہ کر دیا لیکن اس حدیث جر بن فرقد بالکل ضعیف ہیں۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بے شک کامیابی ہے (یعنی کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور اور (دل بہلانے کو) نوخواستہ ہم عمر عورتیں اور (پینے) کو لبالب بھرے ہوئے جام شراب (اور) وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ کیونکہ یہ باتیں وہاں محض معدوم ہیں یہ ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا ○

اتقیاء پر خدا تعالیٰ کی نعمتیں:

نیک لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ کی جو نعمتیں رحمتیں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کامیاب ہیں کہ جہنم سے نجات پائی اور جنت میں پہنچ گئے حدائق کہتے ہیں کھجور وغیرہ کے باغات کو انہیں نوجوان کنواری حوریں بھی ملیں گی جو ابھرے ہوئے سینے والیاں اور ہم عمر ہوں گی جیسے کہ سورہ واقعہ کی تفسیر میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے ایک حدیث میں ہے کہ جنتیوں کے لباس ہی خدا تعالیٰ کی رضامندی کے ہوں گے بادل ان پر آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ بتلاؤ ہم تم پر کیا برسائیں؟ پھر جو فرمائیں گے بادل ان پر برسائیں گے یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسیں گی (ابن ابی حاتم) انہیں شراب طہور کے چھلکتے ہوئے پاس صاف بھرپور جام پر جام ملیں گے جس میں نشہ نہ ہوگا کہ بے ہودہ گوئی اور لغو باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں جیسے اور جگہ ہے: لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ (سورہ طور: ۲۳) اس میں نہ لغو ہوگا نہ برائی اور نہ گناہ کی باتیں کوئی بھی بات غلط اور فضول نہ ہوگی وہ دارالسلام ہے جس میں کوئی عیب کی اور برائی کی بات نہ ہوگی یہ جو کچھ بدلے ان پارسا لوگوں کو ملے ہیں یہ ان کے نیک اعمال کے نتیجے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے احسان و انعام کی بنا پر انہیں ملے ہیں جو بے حد کافی وافی ہیں جو بکثرت اور بھرپور ہیں عرب کہتے ہیں اَعْطَانِي فَاَحْسَبَنِي انعام دیا اور بھرپور دیا اسی طرح کہتے ہیں حَسْبِيَ اللّٰهُ یعنی اللہ مجھے ہر طرح کافی ووافی ہے۔

رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ

یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

(آپ کے) رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمٰن ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل اختیار نہ ہوگا کہ (اس کے سامنے عرض ومعروض کر سکے) جس وقت تمام فرشتے اور ذی ارواح (خدا کے روبرو) صف بستہ (خضوع خشوع کے ساتھ) کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس کے جس کو رحمٰن اجازت دے دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے یہ (دن جس کا اوپر ذکر ہوا) یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے (اس کے حالات سن کر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے (جو کہ ایسے دن واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے حاضر) دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں کئے ہوں گے اور کافر (حسرت سے) کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا (تا کہ عتاب سے بچتا) ○

عظمتِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت وجلال کی خبر دے رہا ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان کی تمام مخلوق کا پالنے والا وہی ہے وہ رحمٰن ہے جس کے رحم نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے جب تک اس کی اجازت نہ ہو کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا جیسے اور جگہ ہے: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (سورہ بقرہ: ۲۵۵) یعنی کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش لے جا سکے اور جگہ ارشاد ہے: یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (سورہ ہود: ۱۰۵) جس دن وہ وقت آ جائے گا کہ کوئی بھی بلا اجازت اس سے بات نہ کر سکے گا روح سے مراد یا تو تمام انسانوں کی روحیں ہیں تمام انسان ہیں یا ایک قسم کی خاص مخلوق ہے جو انسانوں کی سی صورتوں والے ہیں کھاتے پیتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں نہ وہ انسان یا مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اور جگہ بھی روح کہا گیا ہے ارشاد ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ...... (سورہ شعراء: ۱۹۳) اسے امانت دار روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تا کہ تو ڈرانے والا بن جائے یہاں روح سے مراد یقیناً حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ تمام فرشتوں سے معزز ومکرم اور خدا تعالیٰ سے بہت ہی نزدیک اور وحی لے کر آنے والے یہی ہیں یا مراد روح سے قرآن ہے اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (سورہ شوریٰ: ۵۲) یعنی ہم نے اپنے حکم سے تیری طرف روح اتاری یہاں روح سے مراد قرآن ہے چھٹا قول یہ ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتہ تمام فرشتوں سے بہت بڑا ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے تمام آسمانوں کل پہاڑوں اور سب فرشتوں سے بڑا ہے ہر دن بارہ ہزار تسبیحیں پڑھتا ہے ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے قیامت کے دن اکیلا وہ ہی ایک صف بن کر آئے گا لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے طبرانی میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں ایک فرشتہ وہ بھی ہے کہ اگر اسے حکم ہو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو لقمہ بنا لے تو وہ ایک لقمہ میں سب کو لے لے گا اس کی تسبیح یہ ہے سُبۡحَانَكَ حَیۡثُ كُنۡتَ خدایا تو جہاں کہیں بھی ہے پاک ہے یہ حدیث بھی بہت غریب ہے بلکہ اس کے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے میں بھی کلام ہے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہو اور وہ بھی بنی اسرائیل سے لیا ہو واللہ اعلم۔ امام ابن جریر نے یہ سب اقوال ذکر کئے ہیں لیکن کوئی فیصلہ نہیں کیا میرے نزدیک تو ان تمام اقوال سے بہتر قول یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد کل انسان ہیں واللہ اعلم۔ پھر فرمایا صرف وہی اس دن بات کر سکے گا جسے وہ رحمٰن اجازت دے جیسے فرمایا: یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (سورہ ہود: ۱۰۵) یعنی جس دن وہ وقت آئے گا کوئی نفس بغیر اس کی اجازت کے کلام بھی نہ کر سکے گا صحیح حدیث

میں بھی ہے کہ اس دن سوائے رسولوں کے اور کوئی بات نہ کر سکے گا پھر فرمایا کہ اس کی بات بھی درست ہو سب سے زیادہ حق بات لا الٰہ الا اللہ ہے پھر فرمایا کہ یہ دن حق ہے یقیناً آنے والا ہے جو چاہے اپنے رب کے پاس لوٹنے کی جگہ اور راستہ بنا لے جس پر چل کر وہ اس کے پاس سیدھا جا پہنچے ہم نے تمہیں قریب آئی ہوئی آفت سے آگاہ کر دیا ہے آنے والی چیز کو تو آئی ہوئی سمجھنا چاہئے اس دن نئے پرانے چھوٹے بڑے اچھے برے تمام اعمال انسان کے سامنے ہوں گے جیسے فرمایا : وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (سورہ کہف:۴۹) جو کیا ہوگا اسے سامنے پالیں گے اور جگہ ہے : يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (سورہ قیامہ:۱۳) ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال سے متنبہ کر دیا جائے گا اس دن کافر آرزو کرے گا کہ کاش وہ مٹی ہوتا پیدا ہی نہ کیا جاتا وجود میں ہی نہ آتا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو آنکھ سے دیکھ لے گا اپنی بدکاریاں سامنے ہوں گی جو پاک فرشتوں کے منصف ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں پس ایک معنی تو یہ ہوئے کہ دنیا میں ہی مٹی ہونے کی یعنی پیدا نہ ہونے کی آرزو کرے گا دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کے قصاص دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ اگر بے سینگ والی بکری کو سینگ والی نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے اس وقت یہ کافر انسان بھی کہے گا کہ ہائے ہائے کاش کہ میں بھی حیوان ہوتا اور اب مٹی بن جاتا صور کی لمبی حدیث میں بھی یہ مضمون آیا اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔

تفسیر سورہ نازعات مکیہ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

کل رکوع:۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات:۴۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝۱۲ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝۱۳ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝۱۴

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو (مسلمانوں کی) آسانی سے نکالتے ہیں گویا ان کا بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (۱۔۵) سب کی قسمیں کھا کر ہم

نام بھی ہے اس کے نام بہت سے ہیں جیسے جحیم سقر جہنم ہاویہ حافرۃ لظی حطمہ وغیرہ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس چیز کو وہ بڑی بھاری اور ان ہونی اور ناممکن سمجھے ہوئے ہیں وہ ہماری قدرت کاملہ کے تحت ایک ادنیٰ سی بات ہے ادھر ایک آواز دی اور زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو گئے یعنی اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا حکم دے گا وہ صور پھونک دیں گے پس ان کے صور پھونکتے ہیں تمام اگلے پچھلے جی اٹھیں گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے ایک ہی میدان میں کھڑے ہو جائیں گے جیسا کہ ایک دوسرے موقعہ پر ہے: یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ...... (سورہ بنی اسرائیل:۵۲) جس دن وہ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور جان لو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے اور جگہ فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (سورہ قمر:۵۰) ہمارا حکم بس ایک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا اور جگہ ہے: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ (سورہ نحل:۷۷) قیامت کا معاملہ بس آنکھ جھپکنے کے مانند ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ صرف ایک آواز ہی کی دیر ہے اس دن پروردگار سخت غضب ناک ہوگا یہ آواز بھی غصہ کے ساتھ ہوگی یہ آخری نفخہ ہوگا جس کے پھونکے جانے کے بعد ہی تمام لوگ زمین کے اوپر آ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے نیچے ہوں گے ساھرۃ روئے زمین کو کہتے ہیں اور سیدھے صاف میدان کو بھی کہتے ہیں ثوری کہتے ہیں مراد اس سے شام کی زمین ہے عثمان بن ابو العالیہ کا قول ہے مراد بیت المقدس کی زمین ہے وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے ایک طرف یہ ایک پہاڑ ہے قتادہ کہتے ہیں کہ جہنم کو بھی ساہرہ کہتے ہیں لیکن اقوال سب کے سب غیر مشہور ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی روئے زمین سب لوگ زمین پر جمع ہو جائیں گے جو سفید ہوگی اور بالکل صاف اور خالی ہوگی جیسے میدے کی روٹی ہے اور جگہ ہے: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ...... (سورہ ابراہیم:۴۸) یعنی جس دن یہ زمین بدل کر دوسری زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب مخلوق اللہ تعالیٰ واحد و قہار کے روبرو ہو جائے گی اور جگہ ہے لوگ تجھ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ انہیں میرا رب ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور زمین بالکل میدان ہموار بن جائے گی جس میں نہ کوئی موڑ توڑ ہوگا نہ اونچی نیچی جگہ ایک اور جگہ ہے کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین صاف ظاہر ہو جائے گی غرض ایک بالکل نئی زمین ہوگی جس پر نہ کبھی کوئی خطا ہوئی ہوگی نہ قتل و گناہ۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ع

کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان طویٰ (یہ اس کا نام ہے) میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اس سے جا کر کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست

ہو جائے اور (تیری دوستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (ذات وصفات) کی رہنمائی کروں تو تو (یہ سن کر) اس سے ڈرنے لگے پھر جب اس نے دلیل نبوت طلب کی تو اس کو بڑی نشانی (نبوت کی) دکھلائی تو اس (فرعون) نے ان کو جھٹلایا اور ان کا کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ علیہ السلام سے) جدا ہو کر ان کے خلاف کوشش کرنے لگا پھر (ان کے سامنے با آواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں) سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا بے شک (اس واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے ○

وادیٔ طویٰ:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات سے ان کی تائید وامداد کی لیکن باوجود اس کے فرعون اپنی سرکشی اور کفر سے باز نہ آیا بالآخر خدا کا عذاب آ گیا اور وہ برباد ہو گیا اسی طرح اے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخالفین کا بھی حشر ہو گا اسی لئے اس واقعہ کے خاتمہ پر فرمایا ڈرنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے پس فرماتا ہے کہ تجھے خبر بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے آواز دی جب کہ وہ ایک مقدس میدان میں تھے جس کا نام طویٰ ہے اس کا تفصیلی بیان سورہ طٰہٰ میں گزر چکا ہے آواز دے کر فرمایا کہ فرعون نے سرکشی تکبر تجبر اور تمرد اختیار کر رکھا ہے تم اس کے پاس پہنچو اور اسے میرا یہ پیغام دو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میری بات مان کر اس راہ پر چلے جو پاکیزگی کی راہ ہے میری سن میری مان سلامتی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر لے گا میں تجھے خدا تعالیٰ کی عبادت کے وہ طریقے بتلاؤں گا جس سے تیرا دل نرم اور روشن ہو جائے گا اس میں خشوع وخضوع پیدا ہو جائے گا اور دل کی سختی اور قساوت دور ہو گی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے خدا تعالیٰ کا فرمان اس تک پہنچایا حجت پوری کی دلائل بیان کئے یہاں تک کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں معجزات بھی دکھائے لیکن وہ برابر حق کی تکذیب کرتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی پر جمارہا چونکہ دل میں کفر جاگزیں ہو چکا تھا اور باوجود حق واضح ہو جانے کے ایمان وتسلیم نصیب نہ ہوئی یہ اور بات ہے کہ دل سے جانتا تھا کہ یہ نبی واقعی ہیں اور ان کی تعلیم بھی صحیح ہے لیکن دل کی معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے دل کی معرفت پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے کہ حق کا تابع فرمان بن جائے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے جھک جائے پھر اس نے حق سے منہ موڑ لیا اور خلاف حق کوشش کرنے لگا جادوگروں کو جمع کر کے ان کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نیچ دکھانا چاہا اپنی قوم کو جمع کیا اور اس میں منادی کی کہ تم سب کا بلند وبالا رب میں ہی ہوں اس سے چالیس سال پہلے وہ کہہ چکا تھا کہ: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (سورہ قصص: ۳۸) یعنی میں نہیں جانتا کہ تمہارا معبود میرے سوا کوئی اور بھی ہے اس کی طغیانی حد سے بڑھ گئی اور صاف کہہ دیا کہ میں ہی رب ہوں بلندیوں والا اور سب پر غالب میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بھی اس سے وہ انتقام لیا جو اس جیسے تمام سرکشوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سبب عبرت بن جائے دنیا میں بھی اور آخرت کے بدترین عذاب تو ابھی باقی ہیں جیسے فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (سورہ قصص: ۴۱) یعنی ہم نے انہیں جہنم کی طرف بلانے والے پیش رو بنایا قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ کر سکے گا پس صحیح ترمعنی آیت کے یہی ہیں کہ آخرت اور اولیٰ سے مراد دنیا و آخرت ہے بعضوں نے کہا کہ اول آخر سے مراد اس کے دونوں قول ہیں یعنی پہلے کہنا کہ تمہارا سب کا بلند رب میں ہوں بعض کہتے ہیں کہ مراد کفر ونافرمانی ہے لیکن صحیح قول پہلا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو نصیحت حاصل کریں اور باز آ جائیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ؕ

بھلاتمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا (اس طرح سے کہ) اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہ کہیں اس میں طبور وشقوق نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ○

بعث ونشر اور اس کے کچھ دلائل:

جولوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے انہیں پروردگار دلیلیں دیتا ہے کہ تمہاری پیدائش سے تو بہت زیادہ مشکل پیدائش آسمانوں کی ہے جیسے اور جگہ ہے : لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (سورہ غافر:۵۷) یعنی زمین وآسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل ہے اور ایک جگہ ہے : اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (سورہ یٰسین:۸۱) کیا جس نے زمین وآسمان پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ ضرور قادر ہے اور وہ ہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے آسمان کو اس نے بنایا یعنی بلند وبالا خوب چوڑا اور کشادہ اور بالکل برابر بنایا پھر اندھیری راتوں میں خوب چمکنے والے ستارے اس میں جڑ دیئے رات سیاہ اور اندھیرے والی بنائی اور دن روشن کیا اور نور والا بنایا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا یعنی چارہ اور پانی نکالا سورہ حٰم سجدہ میں یہ بیان گزر چکا ہے اور پہاڑوں کو اس نے خوب مضبوط گاڑ دیا ہے وہ حکمتوں والا صحیح علم والا ہے اور ساتھ ہی اپنی مخلوق پر بے حد مہربان ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی فرشتوں کو اس سے تعجب ہوا اور وہ پوچھنے لگے خدایا تیری مخلوق میں سے ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ پوچھا اس سے بھی سخت؟ فرمایا پانی پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھی بھاری کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی[1]۔ ابن جریرؒ میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جب زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو کانپنے لگی اور کہنے لگی کہ مجھ پر تو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو اپنی گندگی مجھ پر ڈالیں گے اور میری پیٹھ پر تیری نافرمانیاں کریں گے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو گاڑ کر زمین کو ٹھہرا دیا ہے بہت سے پہاڑ تم دیکھ رہے ہو اور بہت سے تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہیں زمین کا پہاڑوں کے بعد سکون حاصل کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے

[1] کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سختی سے اس حدیث میں غالباً مفید اور کارآمد ہونا مراد ہے کہ لوہا پہاڑوں سے زیادہ کارآمد ہوائیں اور زیادہ مفید اور پانی کا فائدہ پختہ مسلم اسی طرح وہ انسان سب سے زیادہ کارآمد جو خرچ کرتا ہو اور پورے اخلاص کے ساتھ یاد رکھنا چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے خرچ کرنا اور بائیں ہاتھ کو اس کی اطلاع تک نہ ہونا اخلاص کے ساتھ خرچ کرنے کی ایک علامت ہے۔

اونٹ کو ذبح کرتے ہی اس کا گوشت تھر کتا رہتا ہے پھر کچھ دیر بعد ٹھہر جاتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے ہے یعنی زمین سے چشموں کا اور نہروں کا جاری کرنا زمین کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنا کھیتیاں اور درخت اگانا پہاڑوں کا گاڑنا تا کہ زمین سے پورا پورا فائدہ تم اٹھا سکو یہ سب باتیں انسانوں کے فائدے کے لئے ہیں اور ان کے جانوروں کے فائدے کے لئے کہ بعض کا گوشت کھاتے ہیں بعض پر سواریاں کرتے ہیں اور اپنی عمر اس دنیا میں سکھ چین سے بسر کر رہے ہیں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع

سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی تو (اس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور (آخرت کا منکر ہو کر) دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ (اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اخبار اجمالی سے) ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں ۝

ہنگامے کا دن:

طَآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے[1] اس لئے کہ وہ ہولناک اور بڑے ہنگامے کا دن ہوگا جیسے اور جگہ ہے: وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (سورہ قمر: ۴۶) یعنی قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے اس دن ابن آدم اپنے بھلے برے اعمال کو یاد کرے گا اور پھر خوب

[1] زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ طامہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیزوں پر غالب آ جائے چنانچہ لکھتے ہیں: الطامه الداهية التى تعلم على المد واهيای تعلقد تغلب اور قیامت چونکہ دنیا پر غالب آ جائے گی اس کا نام طامہ بھی ہوا یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے مختلف پہلو سامنے رکھ کر خدا تعالیٰ نے اس کے بہت سے نام رکھے ہیں۔

نصیحت حاصل کرے گا جیسے اور جگہ ہے: یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکۡرٰی (سورہ فجر:۲۳) یعنی اس دن آدمی نصیحت حاصل کرے گا لیکن آج کی نصیحت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی لوگوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں گے اس دن سرکشی کرنے والے دنیا کو ترجیح دینے والے کا ٹھکانا جہنم ہوگا ان کی خوراک زقوم ہوگا اور ان کا پانی حمیم ہوگا ہاں ہمارے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہنے والوں اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشوں سے بچاتے رہنے والوں خوف خدا دل میں رکھنے والوں اور برائیوں سے باز رہنے والوں کا ٹھکانا جنت ہے اور وہاں کا کل نعمتوں کے حصہ دار صرف یہی ہیں پھر فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں تم سے سوال ہو رہے ہیں تم کہہ دو کہ نہ مجھے اس کا علم ہے نہ مخلوق میں سے کسی اور کو صرف خدا ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں وہ زمین و آسمان پر بھاری پڑ رہی ہے وہ اچانک آ جائے گی لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا تم اسے جانتے ہو حالانکہ اس کا علم سوائے خدائے تعالیٰ و تبارک کے اور کسی کو نہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی جس وقت انسانی صورت میں آپ کے پاس آئے اور کچھ سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے دیئے پھر اسی قامت کے دن کے تعین کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے پوچھتے ہو نہ وہ اسے جانے نہ خود پوچھنے والے کو اس کا علم پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو صرف لوگوں کے ڈرانے والے ہیں اور اس سے نفع ان ہی کو پہنچے گا جو اس خوفناک دن کا ڈر رکھتے ہیں وہ تیاری کر لیں گے اور اس دن کے خطرے سے بچ جائیں گے باقی لوگ جو ہیں وہ آپ کے فرمان سے عبرت حاصل نہیں کریں گے بلکہ مخالفت کریں گے اور اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذاب میں گرفتار ہوں گے لوگ جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر محشر کے میدان میں جمع ہوں گے اس وقت اپنی دنیا کی زندگی انہیں بہت کم نظر آئے گی اور ایسا معلوم ہوگا کہ صرف صبح کا یا صرف شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزارا ہے ظہر سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک کے وقت کو عشیہ کہتے ہیں اور سورج نکلنے سے لے کر آدھے دن تک کے وقت کو ضحٰی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آخرت کو دیکھ کر دنیا کی لمبی عمر بھی اتنی کم محسوس ہونے لگے۔

تفسیر سورہ عبس مکیہ

سُوۡرَةُ عَبَسَ مَکِّیَّةٌ وَّهِیَ اِثۡنَتَانِ وَاَرۡبَعُوۡنَ اٰیَةً وَّفِیۡهَا رُکُوۡعٌ وَّاحِدٌ وَّکَذَالِكَ

کل رکوع: ۱ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | کل آیات: ۴۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰی ﴿۲﴾ وَمَا یُدۡرِیۡكَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰٓی ﴿۳﴾ اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّکۡرٰی ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰی ﴿۶﴾ وَمَا عَلَیۡكَ اَلَّا یَزَّکّٰی ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَكَ یَسۡعٰی ﴿۸﴾ وَهُوَ یَخۡشٰی ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰی ﴿۱۰﴾

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بہ جبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید نابینا (آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا یا (کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا ہو سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا تو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو عند اللہ مکرم ہیں رفیع المکان ہیں مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں کے ہاتھوں میں (رہتے) ہیں کہ وہ مکرم (اور) نیک ہیں ○

ایک عجیب واقعہ:

بہت سے مفسرین سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قریش کے سرداروں کو اسلامی تعلیم سمجھا رہے تھے اور مشغولیت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ تھے دل میں خیال آیا کہ کیا عجب خدا انہیں اسلام نصیب کر دے تاگہاں حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ آپ کے پاس آئے پرانے مسلمان تھے عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دین اسلام کی تعلیم سیکھتے رہتے تھے اور مسائل دریافت کرتے رہتے تھے آج بھی حسب عادت آتے ہیں سوالات شروع کئے اور آگے بڑھ بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا آپ چونکہ ایک اہم امر دینی میں اس وقت پوری طرح مشغول تھے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ ذرا گراں خاطر گزرا اور پیشانی مبارک پر بل پڑ گئے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ کی بلند شان اور اعلیٰ اخلاق کے لائق یہ بات نہ تھی کہ اس نابینا سے جو ہمارے خوف سے دوڑتا بھاگتا آپ کی خدمت میں علم دین سیکھنے کے لئے آئے اور آپ اس سے منہ پھیر لیں اور ان کی طرف متوجہ رہیں جو سرکش ہیں اور مغرور و متکبر ہیں بہت ممکن ہے کہ یہی پاک ہو جائے اور خدا کی باتیں سن کر برائیوں سے بچ جائے اور احکام تعمیل کے لئے تیار ہو جائے یہ کیا کہ آپ نے ان بے پروا لوگوں کی جانب تمام تر توجہ فرمالی آپ پر ان کا راہ راست پر لا کھڑا کرنا ضروری تھوڑی ہے وہ اگر آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ پر ان کے بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین میں شریف وضعیف' فقیر و غنی' آزاد و غلام' مرد و عورت چھوٹے بڑے سب برابر ہیں آپ سب کو یکساں نصیحت کیا کریں ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اگر کسی کو راہ راست سے دور رکھے تو اس کی حکمت وہی جانتا ہے جسے اپنی راہ پر لگا لے اسے بھی وہی خوب جانتا ہے حضرت ابن مکتومؓ کے آنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب ابی بن خلف تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کی بڑی تکریم اور عزت کیا کرتے تھے (مسند ابویعلی) حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے ابن ام مکتوم کو قادسیہ کی لڑائی میں دیکھا ہے زرہ پہنے ہوئے تھے اور سیاہ جھنڈا لئے ہوئے تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیر و فلاح کی باتیں سکھایئے تو اس وقت رؤسا' قریش آپ کی مجلس میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پوری توجہ نہ فرمائی انہیں سمجھاتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہو میری بات ٹھیک ہے؟ وہ کہتے جاتے تھے ہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم درست ہے ان لوگوں میں عتبہ بن ربیعہ ابو جہل بن ہشام عباس بن

عبدالمطلب تھے آپ کی بڑی کوشش تھی اور پوری تمنا تھی کہ کسی طرح یہ لوگ دین حق کو قبول کر لیں ادھر یہ آ گئے اور کہنے لگے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت مجھے سنایئے اور خدا کی باتیں سکھلایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ان کی بات ذرا بے موقع لگی اور منہ پھیر لیا اور ادھر ہی متوجہ رہے جب ان سے باتیں پوری کر کے آپ گھر جانے لگے آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور سر نیچا ہو گیا اور آیتیں اتریں پھر آپ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور پوری توجہ سے کان لگا کر ان کی باتیں سنا کرتے تھے آتے جاتے ہر وقت پوچھتے کہ کچھ کام ہے کچھ حاجت ہے؟ کچھ کہتے ہو کچھ مانگتے ہو؟ (ابن جریر وغیرہ) اس روایت میں غرابت ہے نکارت ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلالؓ رات ہوئے اذان دیا کرتے ہیں تو تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم کی آواز سنو یہ وہ نابینا ہیں جن کے بارے میں: عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى اتری تھی یہ بھی مؤذن تھے بینائی میں نقصان تھا جب لوگ صبح دیکھ لیتے اور اطلاع کر دیتے کہ صبح ہو گئی تب یہ اذان کہا کرتے تھے (ابن ابی حاتم) ابن ام مکتوم کا مشہور نام تو عبداللہ تھا بعضوں نے کہا ہے ان کا نام عمرو ہے واللہ اعلم۔ :اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ یعنی یہ نصیحت ہے اس سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا یہ مساوات کہ تبلیغ دین میں سب یکساں ہیں مراد ہے سدیؒ کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے جو شخص چاہے اسے یاد کر لے یعنی اللہ کو یاد کرے اور اپنے تمام کاموں میں اس کے فرمان کو مقدم رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وحی خدا کو یاد کر لے یہ سورت اور یہ وعظ و نصیحت بلکہ سارا کا سارا قرآن مؤقر معزز اور معتبر صحیفوں میں ہے جو بلند قدر اور اعلیٰ مرتبہ والے ہیں جو میل کچیل سے اور کمی زیادتی سے محفوظ اور پاک صاف ہیں جو فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے اصحاب رسول کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہیں حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفیر ہیں سفیر اسے کہتے ہیں جو بھلائی کے لئے لوگوں میں کوشش کرتا پھرے عرب شاعر کے ایک شعر میں بھی یہی معنی پائے جاتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں وہ فرشتے جو خدا کی جانب سے وحی وغیرہ لے کر آتے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں میں صلح کرانے والے سفیر ہوتے ہیں وہ ظاہر و باطن میں پاک ہیں وجیہہ خوش رو شریف اور بزرگ ظاہر ہیں اخلاق و افعال کے پاکیزہ باطن میں یہاں سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ قرآن کے پڑھنے والوں کو اخلاق و اعمال اچھے رکھنے چاہئیں مسند احمد کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو قرآن پڑھے اور اس کی مہلت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو باوجود مشقت کے بھی پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

آدمی پر جو ایسے تذکرہ سے تذکر نہ حاصل کرے خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا (آگے جواب ہے) کہ نطفہ سے (پیدا کیا آگے اس کی کیفیت مذکور ہے کہ) اس کی صورت بنائی پھر اس (کے اعضا) کو انداز سے بنایا پھر اس کو (نکلنے کا) راستہ کر دیا پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کرے گا ہرگز (شکر) نہیں (ادا کیا اور) اس کو جو حکم کیا تھا اس کو بجا نہیں لایا سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا (بعض چیزیں) تمہارے (اور بعضی چیزیں) تمہارے مواشی کے فائدہ کے لئے (اب تو یہ لاشکری اور کفر کرتے ہیں)○

کیسا ناشکرا ہے انسان:

جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ حیات کے منکر تھے ان کی مذمت بیان کی جا رہی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی انسان پر لعنت ہو یہ کتنا بڑا ناشکر گزار ہے اور یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ عموماً کل انسان جھٹلانے والے ہیں بلا دلیل محض اپنے خیال سے ایک چیز کو ناممکن جان کر باوجود علمی سرمایہ کے کمی کے خدا تعالیٰ کی باتوں کی تکذیب کر دیتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس کے بعد اس کی اصلیت بتائی جاتی ہے کہ وہ خیال کرے کہ کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے خدا نے اسے بنایا ہے کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقدر کی یعنی عمر روزی عمل اور نیک و بد ہونا پھر اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا اور یہ بھی معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی واضح اور ظاہر کر دیا جیسے اور جگہ ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (سورہ: ۳۵) یعنی ہم نے انہیں راہ دکھائی پھر یا تو وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا حسن اور ابن زیدؒ اسی قول کو راجح بتلاتے ہیں واللہ اعلم۔ اس کی پیدائش کے بعد پھر اسے موت دی اور پھر اسے قبر میں لے گیا عرب کا محاورہ ہے کہ وہ جب کسی کو دفن کریں تو کہتے ہیں قَبَرْتُ الرَّجُلَ اور کہتے ہیں کہ اَقْبَرَهُ اللّٰهُ اسی طرح کے اور بھی محاورے ہیں مطلب یہ ہے کہ اب خدا نے اسے قبر والا بنا دیا ہے پھر جب خدا چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا اسی زندگی کو عربی میں بعث بھی کہتے ہیں اور نشور بھی جیسے اور جگہ ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (سورہ روم: ۲۰) اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر تم انسان بن کر اٹھ بیٹھے ایک دوسری جگہ ہے: كَيْفَ نُنْشِزُهَا (سورہ بقرہ: ۲۵۹) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اٹھاتے بٹھاتے ہیں پھر کس طرح انہیں گوشت چڑھاتے ہیں ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کے تمام اعضا وغیرہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کو لوگوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک رائی کے دانے کے برابر ہے اسی سے پھر تمہاری پیدائش ہوگی یہ حدیث بغیر سوال و جواب کی زیادتی کے بخاری مسلم میں بھی ہے کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے مگر ریڑھ کی ہڈی کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر ترکیب دیا جائے گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح یہ ناشکرا اور بے قدر انسان کہتا ہے کہ اس نے اپنی جان و مال میں خدا جو حق تھا وہ ادا کر دیا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابھی تو اس نے فرائض خدا تعالیٰ تک سے سبکدوشی حاصل نہیں کی حضرت مجاہدؒ کا فرمان ہے کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی پوری ادائیگی نہیں ہو سکتی حسن بصریؒ سے بھی ایسے ہی معنی مروی ہیں متقدمین میں سے میں نے تو اس کے سوا کوئی اور کلام نہیں پایا ہاں مجھے اس کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ

فرمان باری کا یہ مطلب ہے کہ پھر جب چاہے دوبارہ پیدا کرے گا اب تک اس کے فیصلے کے مطابق وقت نہیں آیا یعنی ابھی بھی وہ ایسا نہیں کرے گا یہاں تک کہ مدت مقررہ ختم ہو اور بنی آدم کی تقدیر پوری ہو ان کی قسمت میں اس دنیا میں آنا اور یہاں بھلا برا کرنا وغیرہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ سب خدا کے اندازے کے مطابق پورا ہو چکے اس وقت وہ خلاق کل دوبارہ زندہ کر دے گا اور جیسے کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اب دوسری مرتبہ پیدا کرے گا ابن ابی حاتم میں حضرت وہب بن منبہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور زمین مخلوق کی ماں ہے جب کل مخلوق پیدا ہو چکے گی پھر قبروں میں پہنچ جائے گی اور قبریں سب بھر جائیں گی اس وقت دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور جو بھی زمین پر ہوں گے سب مر جائیں گے جو کچھ زمین میں ہے اسے زمین اگل دے گی اور قبروں میں جو مردے ہیں سب باہر نکال دیئے جائیں گے[1] یہ قول ہم اپنی اس تفسیر کی دلیل میں پیش کر سکتے ہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے اس احسان کو دیکھیں کہ میں نے انہیں کھانا دیا اس میں بھی دلیل ہے موت کے بعد جی اٹھنے کی کہ جس طرح خشک غیر آباد زمین سے ہم نے تروتازہ درخت اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے کھانا مہیا کیا اسی طرح گلی سڑی کھوکھلی ہڈیوں کو بھی ہم ایک روز زندہ کر دیں گے اور انہیں گوشت پوست پہنا کر دوبارہ تمہیں زندہ کر دیں گے تم دیکھ لو کہ ہم نے آسمان سے برابر پانی برسایا پھر اسے ہم نے زمین میں پہنچا کر ٹھہرا دیا وہ بیچ میں پہنچا اور زمین میں پڑے ہوئے دانوں میں سرایت کی جس سے وہ دانے اگے درخت پھوٹا اونچا ہوا اور کھیتیاں لہلہانے لگیں کہیں اناج پیدا ہوا کہیں انگور کہیں ترکاریاں حب تو کہتے ہیں ہر دانے کو عنب کہتے ہیں انگور کو اور قضب کہتے ہیں اس چارے کو جسے جانور کھاتے ہیں اور زیتون کو پیدا کیا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے جلایا جاتا ہے تیل نکالا جاتا ہے اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو گدرائی ہوئی بھی کھائی جاتی ہے اور خشک بھی کھائی جاتی ہیں اور پکی بھی اور اس کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی اور باغات پیدا کئے غلبا کے معنی کھجوروں کے بڑے بڑے پرمیوہ درخت بھی ہیں حدائق کہتے ہیں ہر اس باغ کو جو گھنا ہو اور خوب بھرا ہوا اور گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو موٹی گردن والے آدمی کو بھی عرب اغلب کہتے ہیں اور میوے پیدا کئے اور اب (گھاس) زمین کی اس سبزی کو جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان اسے نہیں کھاتے جیسے گھاس پات وغیرہ اب جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسے انسان کے لئے فاکہہ یعنی پھل میوہ حضرت عطاء کا قول ہے کہ زمین پر جو اگتا ہے اسے اب کہتے ہیں ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سوائے میووں کے باقی سب اب ہیں ابو السائبؒ فرماتے ہیں اب آدمی کے کھانے میں بھی آتا ہے اور جانور کے کھانے میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس کی بابت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کون سا آسمان مجھے اپنے تلے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی؟ اگر میں کتاب اللہ میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو لیکن یہ اثر منقطع ہے ابراہیم تیمیؒ نے حضرت صدیقؓ کو نہیں پایا ہاں البتہ صحیح سند سے ابن جریر میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر سورہ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر کہا کہ فاکہہ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے پھر خود ہی فرمایا عمرؓ اس تکلیف کو چھوڑ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اس کی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت کے پڑھنے سے ہی صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین میں اگنے والی ایک چیز ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ موجود ہے : فَاَنۡبَتۡنَا فِیۡهَا ...... پھر فرماتا ہے یہ تمہاری زندگی کے قائم رکھنے اور تمہیں فائدہ پہنچانے کے لئے اور تمہارے جانوروں

---

[1] بہر حال ان آیات میں انسانی زندگی کے مختلف پیش کئے گئے ہیں کہ ابتدا میں طاقت اور قوت بھی ابتدائی ہوتی ہے' جوانی میں بھر پور قوتیں اور بڑھاپے میں قوی کا انحطاط یہاں تک کہ دنیاوی زندگی پوری کرنے کے پھر قبر کو یاد رکھنا چاہئے کہ قبر سے مراد وہ عالم ہے جو اس دنیا اور آخرت کے درمیان ہے اس لئے اب کوئی دنیا میں ڈوب کر مرے یا جل کر جان دے درندہ اس کو کھا لے...... وغیرہ بہر حال جائے گا وہ عالم قبر و برزخ ہی میں۔

کے لئے ہے کہ قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تم اس سے فیضیاب ہوتے رہو گے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

پھر جس دن کانوں کو بہرہ کر دینے والا شور برپا ہوگا جس روز ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی سے ہمدردی نہیں کرے گا) ان میں ہر شخص کو (اپنا ہی) ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا یہ تو کفار کا حال ہوا (آگے مجموعہ مومنین و کفار کی تفصیل ہے کہ) بہت سے چہرے اس روز (ایمان کی وجہ سے) روشن اور (مسرت سے) فرحان شاداں ہوں گے اور بہت سے چہروں پر اس روز (کفر کی وجہ سے) ظلمت ہوگی (اور اس ظلمت کے ساتھ) ان پر (غم کی) کدورت چھائی ہوگی یہی کافر فاجر ہیں ○

اور پھر اُس افراتفری والے دن:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں صاخۃ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نفخہ کی آواز اور اس کا شور وغل کانوں کے پردے پھاڑ دے گا اس دن انسان اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھے گا لیکن بھگتا پھرے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا میاں بیوی کو دیکھ کر کہے گا کہ بتلا تیرے ساتھ میں نے دنیا میں کیسا کچھ سلوک کیا وہ کہے گی کہ بے شک آپ نے میرے ساتھ بہت ہی خوش سلوکی کی بہت پیار محبت سے رکھا یہ کہے گا کہ آج مجھے ضرورت ہے صرف ایک نیکی دے دو تا کہ اس آفت سے چھوٹ جاؤں تو وہ جواب دے گی آپ کا سوال تھوڑی سی چیز کا ہی ہے مگر کیا کروں یہی ضرورت مجھے درپیش ہے اور اسی کا خوف مجھے لگ رہا ہے میں تو نیکی نہیں دے سکتی بیٹا باپ سے ملے گا یہی کہے گا اور یہی جواب پائے گا صحیح حدیث میں شفاعت کا بیان فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں سے لوگ شفاعت کی طلب کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ علیہ صلوات اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا تعالیٰ سے سوائے اپنی جان کے اور کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کہوں گا میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں الغرض دوست دوست سے رشتہ دار رشتہ دار سے منہ چھپاتا پھرے گا ہر ایک اپنی ہی فکر میں ہوگا کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ننگے پیروں ننگے بدن اور بے ختنہ خدا کے ہاں جمع کئے جاؤ گے آپ کی بیوی صاحبہ (سیدہ عائشہؓ) نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ایک دوسرے کی شرمگاہوں پر نظریں پڑیں گی فرمایا اس روز کی گھبراہٹ وہاں کا حیرت انگیز ہنگامہ ہر شخص کو مشغول کئے ہوگا بھلا کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا موقعہ اس دن کہاں؟ (ابن ابی حاتم) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی: لِكُلِّ امْرِئٍ...... دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیوی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ تھیں اور روایت میں ہے ایک دن حضرت صدیقہؓ نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایک بات پوچھتی ہوں ذرا بتا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں جانتا ہوں تو ضرور بتلاؤں گا پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کا حشر کس طرح ہوگا؟ آپ نے فرمایا ننگے پیروں اور ننگے بدن تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیا عورتیں بھی اسی حالت میں ہوں گی؟ فرمایا ہاں یہ سن کر ام المومنین افسوس کرنے لگیں آپ نے فرمایا عائشہؓ اس آیت کو سن لو پھر تمہیں اس کا کوئی رنج و غم نہ رہے گا کہ کپڑے پہنے ہیں یا نہیں؟ پوچھا وہ آیت کون سی ہے فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ...... ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہؓ نے پوچھا یہ سن کر کہ لوگ اس طرح ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ جمع کئے جائیں گے پسینے میں غرق ہوں گے کسی کے منہ تک پسینہ پہنچ گیا ہوگا اور کسی کے کانوں تک تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہاں لوگوں کے دو گروہ ہوں گے بعض تو وہ ہوں گے جن کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے دل خوشی سے مطمئن ہوں گے منہ خوبصورت اور نورانی ہوں گے یہ تو جنتی جماعت ہے دوسرا گروہ جہنمیوں کا ہوگا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے گردآلود ہوں گے حدیث میں ہے کہ ان کا پسینہ مثل لگام کے ہو رہا ہوگا پھر گرد و غبار پڑ رہا ہوگا یہ وہ ہیں جن کے دلوں میں کفر تھا اور جن کے اعمال برے تھے جیسے اور جگہ ہے: وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا...... (سورہ نوح: ۲۷) یعنی ان کفار کی اولاد بھی کافر بدکار ہی ہوگی۔

تفسیر سورہ تکویر مکیہ

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے[1] تو وہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انشقت پڑھ لے۔

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

کل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۲۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ

[1] گویا کہ اس صورت میں خدا تعالیٰ نے قیامت کا منظر اس طرح پیش فرمایا کہ پڑھنے کے بعد محسوس ہوگا کہ گویا ہم قیامت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) سب جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے (تاکہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں) اور جب آسمان کھل جائے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کی اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جائے گی اور جنت نزدیک کر دی جائے گی (تو اس وقت) ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے ○

جب یہ سورج چاند اور تارے......:

یعنی سورج بے نور ہو جائے گا جاتا رہے گا اوندھا کر کے لپیٹ کر زمین پر پھینک دیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورج کو چاند کو اور ستاروں کو لپیٹ کر بے نور کر کے سمندر میں ڈال دیا جائے گا اور پھر پچھوا ہوائیں چلیں گی اور آگ لگ جائے گی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس کو تہہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (ابن ابی حاتم) ایک اور حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا بھی ذکر ہے لیکن وہ ضعیف ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مروی ہے اس میں ہے کہ سورج اور چاند قیامت کے دن لپیٹ لئے جائیں گے امام بخاری اسے کتاب بدء الخلق میں لائے ہیں لیکن یہاں لانا زیادہ مناسب تھا یا مطابق عادت وہاں اور یہاں دونوں جگہ لائے جیسے کہ امام صاحب کی عادت ہے حضرت امام ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن یہ ہوگا تو حضرت حسنؒ کہنے لگے کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے حدیث کہی اور تم اس پر باتیں بناتے ہیں سورج کی قیامت والے دن یہ حالت ہوگی ستارے سارے کے سارے متغیر ہو جائیں گے جھڑ جائیں گے جیسے اور جگہ ہے: وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (سورہ انفطار ۲) یہ بھی گدلے اور بے نور ہو کر بجھ جائیں گے حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بری طرح ہلنے لگے گی پس پھر کیا انسان کیا جنات کیا جانور اور کیا جنگلی جانور سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے جانور بھی جو انسانوں سے بھاگتے پھرتے تھے انسانوں کے پاس آ جائیں گے لوگوں میں اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہوگی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹنیاں جو بیانے والی ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ ہوگی جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں گے کیا ہو رہا ہے لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندر میں بھی آگ لگ رہی ہے اسی حال میں ایک دن زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہوگا ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مر جائیں گے (ابن ابی حاتم وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سارے ستارے اور جن جن کی خدا تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی ہے سب جہنم میں گرا دیئے جائیں گے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام بچ رہیں گے اگر یہ بھی اپنی عبادت سے خوش ہوتے تو یہ بھی جہنم میں داخل کر دیئے جاتے (ابن ابی حاتم) پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے اور بے نشان ہو جائیں گے زمین صاف چٹیل اور ہموار میدان رہ جائے گی اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی نہ کوئی ان کی نگرانی کرے گا نہ چرائے چگائے گا نہ دودھ نکالے گا نہ

سواری لے گا عشار جمع ہے عشراء کی جو گابھن اونٹنی دسویں مہینے میں لگ جائے اسے شراء کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ گھبراہٹ اور بدحواسی بے چینی اور پریشانی اس قدر ہوگی کہ بہتر سے بہتر مال کی پروا بھی نہ رہے گی قیامت کی ان بلاؤں نے دل اڑا دیا ہوگا کلیجے منہ کو آ گئے ہوں گے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہوگا اور لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا وہاں ان کے دیکھنے میں یہ ہوگا اس قول کے قائل عشار کے کئی معنی بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہتے ہیں اس سے مراد بادل ہیں جو دنیا کی بربادی کی وجہ سے آسمان وزمین کے درمیان پھرتے پھریں گے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ زمین ہے جس کا عشر دیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں اس سے گھر ہیں جو پہلے آباد تھے اب ویران ہیں امام قرطبیؒ ان اقوال کو بیان کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں کہ مراد اس سے اونٹنیاں ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ سلف سے اور ائمہ سے اس کے سوا کچھ نقل ہی نہیں ہوا واللہ اعلم ۔ اور وحشی جانور جمع کئے جائیں گے سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہوگا جیسے فرمان ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ...... (سورہ انعام:۳۸) یعنی زمین پر چلنے والے کل جانور اور ہوا میں اڑنے والے کل پرند بھی تمہاری طرح گروہ ہیں ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر یہ سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے سب جانداروں کا حشر اسی کے پاس ہوگا یہاں تک کہ مکھیاں بھی ۔ ان سب کا خدا تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا ان جانداروں کا حشر ان کی موت ہی ہے البتہ جن وانس خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور ان سے حساب کتاب ہوگا ربیع بن خثیمؒ نے کہا کہ مراد وحشیوں کے حشر سے ان پر امر خدا آنا ہے لیکن ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے یہ تمام جانور بھی ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ ہو جائیں گے خود قرآن میں ایک دوسرے موقع پر ہے: وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً (سورہ ص:۱۹) پرند جمع کئے ہوئے پس ٹھیک مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ وحشی جانور جمع کئے جائیں گے حضرت علیؓ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں یہ سچا ہے قرآن کہتا ہے: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (سورہ طور:۶) اور فرماتا ہے: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۔ ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پچھوا ہوائیں بھیجے گا وہ اسے بھڑکا دیں گی اور شعلے مارتی ہوئی آگ بن جائے گا آیت: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (سورہ طور:۶) کی تفسیر میں اس کا مفصل بیان گزرا ہے۔

حضرت معاویہ بن سعید فرماتے ہیں کہ بحر روم میں برکت ہے یہ زمین کے بیچ میں ہے سب نہریں اسی میں آتی ہیں اور بحر کبیر بھی اسی میں پڑتا ہے اس کے نیچے کنوئیں ہیں جن کے منہ تانبے سے بند کئے ہوئے ہیں قیامت کے دن وہ سلگ اٹھیں گے یہ اثر عجیب ہے اور ساتھ ہی غریب ہے ہاں ابو داؤد میں ایک حدیث ہے کہ سمندر کا سفر صرف حاجی کریں اور عمرہ کرنے والے یا جہاد کرنے والے غازی۔ اس لئے سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے پانی ہے اس کا بیان بھی سورہ فاطر کی تفسیر میں گزر چکا ہے سجرت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ سکھا دیا جائے گا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ بہا دیا جائے گا اور ادھر ادھر بہہ نکلے گا پھر فرماتا ہے کہ ہر قسم کے لوگ یکجا جمع کر دیئے جائیں گے جیسے اور جگہ ارشاد ہے کہ: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (سورہ صافات:۲۲) ظالموں کو اور ان کے جوڑوں یعنی ان جیسوں کو جمع کرو حدیث میں ہے ہر شخص کا اس قوم کے ساتھ حشر ہوگا جو اس جیسے اعمال کرتی ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً...... (سورہ واقعہ:۷-۱۰) تم تین طرح کے گروہ ہو جاؤ گے کچھ وہ جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں گے کچھ بائیں ہاتھ والے کچھ سبقت کرنے والے ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ پڑھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے دوسری روایت میں ہے کہ وہ دو شخص جن کے عمل ایک جیسے ہوں وہ یا تو جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے یا جہنم میں ساتھ چلیں گے حضرت عمرؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا نیک نیکوں کے ساتھ مل

جائیں گے اور بدبدوں کے ساتھ آگ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو سب خاموش رہے آپ نے فرمایا لو میں بتاؤں آدمی کا جوڑا جنت میں اسی جیسا ہوگا اسی طرح جہنم میں بھی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب اس سے یہی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہو جائیں گے یعنی اصحاب الیمین اصحاب الشمال اور سابقین مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے لوگ ایک ساتھ ہوں گے یہی قول ابن جریر بھی پسند کرتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ عرش کے پاس سے پانی کا ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا اور بڑی نمایاں وسعت میں ہوگا اس سے تمام مرے سڑے گلے اگنے لگیں گے اس طرح کے ہو جائیں گے کہ جو انہیں پہچانتا ہو وہ اگر انہیں دیکھ لے تو نیک نگاہ پہچان لے پھر روحیں چھوڑی جائیں گی اور ہر روح اپنے جسم میں آجائے گی یہی معنی ہیں اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کے یعنی روحیں جسموں سے ملا دی جائیں گی اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مومنوں کا جوڑا حوروں سے لگایا جائے گا اور کافروں کا شیطانوں سے (تذکرہ قرطبی) پھر ارشاد ہوتا ہے: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ...... جمہور کی قرأت یہی ہے اہل جاہلیت لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے اور انہیں درگور کر دیا کرتے تھے ان سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ یہ کیوں قتل کی گئیں تا کہ ان کے قاتلوں کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور شرمندگی ہو اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب مظلوم سے سوال ہوا تو ظالم کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود پوچھیں گی کہ انہیں کس بنا پر زندہ درگور کیا گیا؟ اس کے متعلق احادیث سنئے مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے قصد کیا کہ لوگوں کو حالت حمل کی مجامعت سے روک دوں لیکن میں نے دیکھا کہ رومی اور فارسی یہ کام کرتے ہیں اور ان کی اولادوں کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچا لوگوں نے آپ سے عزل کے بارے میں سوال کیا یعنی بروقت نطفہ باہر ڈال دینے کے بارے میں تو آپ نے فرمایا یہ پوشیدگی سے زندہ گاڑ دینا ہے[1]: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ میں اسی کا بیان ہے سلمہ بن یزیدؓ اور ان کے بھائی سرکار نبوت میں حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری ماں امیر زادی تھیں وہ صلہ رحمی کرتی تھیں مہمان نوازی کرتی تھیں اور بھی نیک کام بہت کچھ کرتی تھیں لیکن جاہلیت میں مر گئی ہیں تو کیا انہیں ان کے یہ نیک کام کچھ نفع دے گا آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا تھا کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گا آپ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں[2] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے (مسند احمد) ابن ابی حاتم میں ہے زندہ دفن کرنے والی اور جسے دفن کیا ہے دونوں جہنم میں ہیں ایک صحابیہؓ کے سوال پر کہ جنت میں کون جائے گا آپ نے فرمایا کہ نبی شہید اور بچے اور زندہ درگور کی ہوئی یہ حدیث مرسل ہے حضرت حسنؒ سے جسے بعض محدثین نے قبولیت کا درجہ دیا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے چھوٹی عمر میں مرے ہوئے بچے جنتی ہیں جو انہیں جہنمی کہے وہ جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ...... (ابن ابی حاتم) قیس بن عاصمؓ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا ہے میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلام والا تو میں ہوں نہیں البتہ میرے پاس اونٹ ہیں فرمایا ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ خدا کے نام پر قربان کرو (عبدالرزاق) دوسری روایت میں ہے کہ میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں زندہ دبا دی ہیں آپ کے فرمان میں ہے اگر چاہے تو یوں کر

---

[1] گویا کہ آپ نے فرمایا کہ برتھ کنٹرول (ضبط ولادت) یہ بھی قتل اولاد کی ایک صورت ہے۔

[2] اس لئے کہ وہ لڑکی جس کو زندہ دفن کیا گیا بہرحال تھی تو وہ بھی کافرہ یہ اور بات ہے کہ وہ مظلوم ہے اور شاید مظلوم ہونے کی بنا پر عذاب میں تخفیف ہو جائے لیکن فقہا اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ کفار کے نابالغ مرنے والے بچوں پر عذاب نہ ہوگا چنانچہ مدارک میں ہے فیه دلیل علی ان اطفال المشرکین لا یعذبون وعلی ان التعذیب لا یکون بلاذنب۔

اور روایت میں ہے کہ میں نے بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی ہیں آپ نے فرمایا ان کی گنتی کے مطابق غلام آزاد کر دو انہوں نے کہا بہت بہتر میں یہی کروں گا دوسرے سال وہ ایک سو اونٹ لے کر آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ میری قوم کا صدقہ ہے جو اس کے بدلے ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہم ان اونٹوں کو لے جاتے تھے اور ان کا نام قیسیہ رکھ چھوڑا تھا پھر ارشاد ہے کہ نامہ اعمال بانٹے جائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں اے ابن آدم تو لکھوا رہا ہے جو لپیٹ کر پھیلا کر تجھے دیا جائے گا دیکھ لے کیا لکھوا رہا ہے آسمان گھسیٹ لیا جائے گا اور کھینچ لیا جائے گا اور سمیٹ لیا جائے گا اور برباد ہو جائے گا جہنم بھڑکائی جائے گی خدا کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے اس کی آگ تیز ہو جائے گی جنت جنتیوں کے پاس آ جائے گی جب یہ تمام کام ہو چکیں گے اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیا کچھ اعمال کئے تھے وہ سب عمل اس کے سامنے موجود ہوں گے جیسے اور جگہ ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ...... (سورہ آل عمران:۳۰) جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال پالے گا انہیں سامنے دیکھ لے گا اگر بد ہیں تو اس دن وہ آرزو کرے گا کہ کاش کہ اس کے اور ان کے درمیان بہت دوری ہوتی اور جگہ ہے: يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ أَخَّرَ (سورہ قیامہ:۱۳) اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے تنبیہ کی جائے گی حضرت عمرؓ اس سورت کو سنتے رہے اور اس کو سنتے ہی فرمایا اگلی تمام باتیں اسی لئے بیان ہوئی تھیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۹﴾

(اور جب ایسا واقعہ ہائلہ ہونے والا ہے) تو میں قسم کھاتا ہوں ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے) چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں اور اسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کا لایا ہوا جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے (اور) وہاں یعنی آسمانوں میں اس کا کہنا مانا جاتا ہے (اور) امانتداری ہیں کہ وحی کو صحیح پہنچا دیتے ہیں اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں انہوں نے اس فرشتہ کو (اصلی صورت میں آسمان کے صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے اور یہ پیغمبر مخفی (بتلائی ہوئی وحی کو باتوں پر عمل کرنے والے بھی نہیں یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس کے بارے میں) کدھر کو چلے جا رہے ہو پس یہ (بالعموم) دنیا جہان والوں

کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور بالخصوص ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے اور تم بدوں خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ○

لو قسم ہے:

حضرت عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا اس نماز میں میں بھی مقتدیوں میں شامل تھا (مسلم) یہ قسمیں ستاروں کی کھائی ہیں جو دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں یعنی چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں حضرت علیؓ یہی فرماتے ہیں اور بھی صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے بعض ائمہ نے فرمایا ہے طلوع کے ستاروں کو خنس کہا جاتا ہے اور اپنی اپنی جگہ پر انہیں جوار کہا جاتا ہے بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے جنگلی گائے ہے یہ بھی مروی ہے کہ مراد ہرن ہے ابراہیمؒ نے حضرت مجاہد سے اس کے معنی پوچھے تو حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا البتہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں انہوں نے پھر سوال کیا کہ جو تم نے سنا ہو وہ کہو تو فرمایا ہم سنتے ہیں کہ اس سے مراد نیل گائے ہے جب کہ وہ اپنی جگہ چھپ جائے حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا وہ مجھ پر جھوٹ باندھتے ہیں جیسے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ کا اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بتایا امام ابن جریرؒ نے اس میں سے کسی کا تعین نہیں کیا اور اس کے بعد فرمایا ہے ممکن ہے کہ تینوں چیزیں مراد ہوں یعنی ستارے نیل گائے اور ہرن۔ عسعس کے معنی ہیں اندھیری والی ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگوں کو ڈھانپ لیا اور جانے لگی صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ ایک مرتبہ نکلے اور فرمانے لگے کہ وتر کے پوچھنے والے کہاں ہیں؟ پھر یہ آیت پڑھی امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ رات جب جانے لگے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے کہ جب صبح چمکنے لگے شاعروں نے عسعس کو اوبر کے معنی میں باندھا میرے نزدیک ٹھیک معنی یہی ہیں کہ قسم ہے رات کی جب وہ آئے اور اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے دن کی جب وہ آئے اور روشنی پھیلائے جیسے اور جگہ ہے: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (سورہ لیل: ۱-۲) اور ایک موقع پر ہے: وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (سورہ ضحیٰ: ۱-۲) اور یہ بھی ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (سورہ انعام: ۹۶) بلکہ اس طرح کی آیتیں بہت سی ہیں مطلب سب کا ایک ہے ہاں بے شک اس لفظ کے معنی پیچھے ہٹنے کے بھی ہیں علما اصول نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ آگے آنے اور پیچھے جانے کے دونوں معنی میں آتا ہے اسی بنا پر یہ دونوں معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔

اور قسم ہے صبح کی جب کہ وہ طلوع ہو اور روشنی کے ساتھ آئے پھر ان قسموں کے بعد فرماتا ہے کہ یہ قرآن ایک بزرگ شریف پاکیزہ رو خوش منظر فرشتے کا کلام ہے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا[1] وہ قوت والے ہیں جیسا کہ اور جگہ ہے: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ (سورہ نجم: ۵-۶) یعنی سخت مضبوط اور سخت پکڑ اور فعل والا فرشتہ وہ اللہ عزوجل کے پاس جو عرش والا ہے بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے وہ نور کے ستر پردوں میں جا سکتے ہیں اور انہیں عام اجازت ہے ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے برتر فرشتے ان کے فرمانبردار ہیں آسمانوں میں ان کی سرداری ہے دوسرے فرشتے ان کے تابع فرمان ہیں وہ اس پیغام رسانی پر مقرر ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام اس کے رسول تک پہنچائیں یہ فرشتے خدا کے امین ہیں مطلب یہ ہے کہ فرشتوں میں سے جو اس رسالت پر مقرر ہیں وہ بھی صاف پاک ہیں اور انسانوں میں جو رسول مقرر ہیں وہ بھی پاک اور برتر ہیں اسی لئے اس کے بعد فرمایا تمہارے ساتھی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے نہیں یہ پیغمبر اس فرشتے

[1] مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کلام پاک کا خدا تعالیٰ کی طرف سے آنحضور ﷺ پر لے کر نازل ہوئے خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کلام نہیں قرآن مجید کی احتیاط کی کہاں تک داد دیجئے لفظ استعمال کیا ہے ''رسول'' جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے جبرائیل محض ایک قاصد تھے۔

کو اس کی اصلی صورت پر بھی دیکھ چکے ہیں جب کہ وہ اپنے چھ پروں پر ظاہر ہوئے تھے یہ واقعہ بطحا کا ہے اور یہ پہلی مرتبہ کا دیکھنا تھا آسمان کے کھلے کناروں پر یہ دیدار جبرائیل علیہ السلام حاصل ہوا تھا اسی کا بیان اس آیت میں ہے: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى (سورہ نجم: ۵:۱۰) یعنی انہیں ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور اور قوی ہے جو اصلی صورت میں آسمان کے کناروں پر ظاہر ہوا تھا پھر وہ نزدیک آیا اور بہت قریب آ گیا صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے کم پھر جو وحی خدا نے اپنے بندے پر نازل کرنی چاہی نازل فرمائی اس آیت کی تفسیر سورہ والنجم میں گزر چکی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے اتری ہے اس لئے کہ اس میں صرف پہلی مرتبہ کا دیکھنا ذکر ہوا اور دوبارہ کا دیکھنا اس آیت میں مذکور ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى...... (سورہ نجم: ۱۳) یعنی انہوں نے اس کو ایک مرتبہ اور بھی سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا ہے جس کے قریب جنت الماوی ہے جب کہ اس درخت سدرہ کو ایک عجیب وغریب شے چھپائے ہوئے تھی اس آیت میں دوسری مرتبہ دیکھنے کا ذکر آیا ہے یہ سورہ واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی تھیں بِضَنِيْنٍ کی دوسری قرأت بِظَنِيْنٍ بھی ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں ہے اور ضاد سے جب پڑھیں گے تو معنی ہوں گے یہ بخیل نہیں ہیں بلکہ ہر شخص کو جو غیب کی باتیں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم کرائی جاتی ہیں یہ سکھا دیا کرتے ہیں یہ دونوں قرائیں مشہور ہیں اور صحیح ہیں پس آپ نے نہ تو تبلیغ احکام میں کمی کی نہ تہمت لگی یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں نہ شیطان اسے لے سکے نہ اس کے مطلب کی یہ چیز نہ اس کے قابل جیسے اور جگہ ہے: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (سورہ شعراء: ۲۱۰:۲۱۲) نہ اسے لے کر شیطان اترے نہ انہیں یہ لائق ہے نہ ان کی اسے طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہے پھر فرمایا تم کہاں جا رہے ہو؟ یعنی قرآن کی حقانیت اس کی صداقت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی تم کیوں اسے جھٹلا رہے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس جب بنو حنیفہ کے قبیلے کے لوگ مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا ہے جسے تم آج تک مانتے رہے اس نے جو کلام گھڑ رکھا ہے ذرا اسے تو سناؤ جب انہوں نے سنایا تو دیکھا کہ نہایت رکیک الفاظ ہیں بلکہ بکواس محض ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری عقلیں کہاں جاتی رہیں؟ ذرا سوچو کہ ایک فضول بکواس کو تم کلام خدا مانتے رہے ناممکن ہے کہ ایسا بے معنی اور بے نور کلام خدا کا کلام ہو یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ تم کتاب اللہ سے اور اطاعت خدا سے کہاں بھاگ رہے ہو؟ پھر فرمایا یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے پند ونصیحت ہے ہر ایک ہدایت کے طالب کو چاہئے کہ اس قرآن پر عمل کرے یہی نجات کا راستہ ہے اور ہدایت کا کفیل ہے اس کے سوا دوسرے کلام میں ہدایت نہیں تمہاری تمنائیں کام نہیں آتیں کہ جو چاہے ہدایت پا لے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ من جانب اللہ ہے وہ رب العالمین جو چاہے کرتا ہے اس کی مشیت چلتی ہے اس سے اگلی آیتوں کو سن کر ابو جہل نے کہا تھا کہ پھر تو ہدایت وضلالت ہمارے بس کی بات ہے اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔

تفسیر سورہ انفطار مکیہ

نسائی میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں لمبی قرأت پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذ کیا یہ سورتیں نہ تھیں: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالضُّحٰى اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے ہاں: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کا ذکر صرف نسائی میں ہے اور وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں بیان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے

دیکھنا چاہے تو وہ : اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھ لے۔

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۱۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب دریا (شور اور شیریں) بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی یعنی ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے (اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضا کو درست کیا پھر تجھ کو مناسب اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا (ان سب امور کا مقتضا یہ ہے کہ تم کو) ہرگز (مغرور) نہیں ہونا چاہیے مگر تم باز نہیں آتے) بلکہ تم اس دجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے ہو کہ تم جزا و سزا ہی کو جھٹلاتے ہو اور تم پر تمہارے اعمال یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں ○

جب یہ منظر سامنے آئے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے فرمایا : اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ (سورہ مزمل: ۱۸) اور ستارے سب کے سب گر پڑیں گے اور کھاری اور میٹھا سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور پانی سوکھ جائے گا اور قبریں پھٹ جائیں گی ان کے شق ہونے کے بعد مردے جی اٹھیں گے پھر یہ شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو بخوبی جان لے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دھمکاتا ہے کہ تم کیوں مغرور ہو گئے ہو؟ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کا جواب طلب کرتا ہو یا سکھاتا ہو بعضوں نے یہ بھی کہا ہے بلکہ انہوں نے جواب دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کرم نے غافل کر رکھا ہے یہ معنی بیان کرنے غلط ہیں صحیح مطلب یہی ہے کہ اے ابن آدم[1] اپنے باعظمت خدا

[1] یعنی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ ہم سے یہ ایک سوال کر رہے ہیں کہ تم کس بات کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گئے اور خدا پرستی کا صحیح راستہ تم نے کیوں نہیں اختیار کیا؟ پھر خود ہی اس کا جواب تعلیم فرمایا کہ یوں کہو کہ اے خدا ہم آپ کی رحمت کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ رہے لیکن یہ معنی ابن کثیر کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔

سے تو نے کیوں بے پروائی برت رکھی ہے؟ کس چیز نے تجھے اس کی نافرمانی پر اکسا رکھا ہے؟ اور کیوں تو اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تجھے میری جانب سے کس چیز نے مغرور کر رکھا تھا؟ اے ابن آدم بتا تو نے میرے نبیوں کو کیا کیا جواب دیا حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ انسانی جہالت نے اسے غافل بنا رکھا ہے ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے قتادہ فرماتے ہیں اس کا بہکانے والا شیطان ہے حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے یہ سوال ہو تو میں جواب دوں کہ تیرے لٹکائے پردوں نے حضرت ابو بکر وراقؒ فرماتے ہیں میں کہوں گا کہ کریم کے کرم نے بے فکر کر دیا بعض سخن شناس فرماتے ہیں کہ یہاں پر کریم کا لفظ لانا گویا جواب کی طرف اشارہ سکھاتا ہے لیکن یہ قول کچھ بہتر نہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ کرم والے خدا کے مقابلہ میں بد افعال اور برے اعمال نہ کرنے چاہئیں کلبیؒ اور مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ اسود بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس خبیث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا تھا اور اسی وقت اس پر کچھ عذاب نہ آیا تو وہ پھول گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر فرماتا ہے وہ خدا جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا پھر درمیانہ قد و قامت بخشا خوش شکل اور خوبصورت بنایا مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے عاجز کر سکتا ہے؟ حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر صحیح قامت بنایا پھر تجھے پہنا اڑھا کر چلنا پھرنا سکھایا آخر کار تیرا ٹھکانا زمین کے اندر ہے تو نے خوب جمع کی اور میری راہ میں دینے سے رکتا رہا یہاں کہ دم حلق میں آ گیا تو کہنے لگا میں صدقہ کرتا ہوں بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ جس صورت میں چاہا ترکیب دی یعنی باپ کی ماں کی ماموں کی چچا کی صورت پر پیدا کیا ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے ہاں کیا بچہ ہو گا اس نے کہا لڑکا یا لڑکی فرمایا کس کے مشابہ ہو گا کہا میرے یا اس کی ماں کے فرمایا خاموش ایسا نہ کہہ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے پھر آپ نے آیت فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ تمام آیت پڑھی اور فرمایا جس صورت میں اس نے چاہا تجھے بنایا یہ حدیث اگر صحیح ہوتی تو اس آیت کے معنی ظاہر کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اس کی اسناد ثابت نہیں ہے مظہر بن ہثیم جو اس کے راوی ہیں یہ متروک الحدیث ہیں ان پر اور جرح بھی ہے صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا میری بیوی کے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ سیاہ فام ہے آپ نے فرمایا یہ بتا کہ تیرے پاس اونٹ بھی ہیں کہا ہاں فرمایا کس رنگ کے ہیں کہا سرخ رنگ کے فرمایا کیا ان میں کوئی چت کبرا بھی ہے؟ کہا ہاں فرمایا اس رنگ کا بچہ سرخ نر و مادہ کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ کہنے لگا شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ لے گئی ہو آپ نے فرمایا اسی طرح تیرے بچے کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ بھی شاید یہی ہو حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے بندر کی صورت بنا دے اگر چاہے سور کی ابو صالحؒ فرماتے ہیں اگر چاہے کتے کی صورت بنا دے اگر چاہے گدھے کی اگر چاہے سور کی قتادہؒ یہاں فرماتے ہیں یہ سب سچ ہے اور خدا تعالیٰ سب چیز پر قادر ہے لیکن وہ مالک ہمیں بہترین عمدہ اور خوش شکل اور دل لبھانے والی پاکیزہ پاکیزہ شکلیں صورتیں عنایت فرماتا ہے کہ اس کریم خدا کی نافرمانیوں پر تمہیں آمادہ کرنے والی چیز صرف یہی ہے کہ تمہارے دلوں میں قیامت کی تکذیب ہے تم اس کا آنا ہی برحق نہیں جانتے اس لئے اس سے بے پروائی برت رہے ہو تم یقین مانو کہ تم پر بزرگ محافظ اور کاتب فرشتے مقرر ہیں تمہیں چاہئے کہ ان کا لحاظ رکھو وہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں تمہیں برائی کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے تم ان کا احترام کرو غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو دیوار سے یا اونٹ

سے یہی یہ بھی نہ ہو تو اپنے کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے (ابن ابی حاتم) بزار کی اس حدیث کے الفاظ میں تغیر ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ننگا ہونے سے منع کرتا ہے[1] اللہ تعالیٰ کے ان فرشتوں سے شرماؤ اس میں یہ بھی ہے کہ غسل کے وقت بھی یہ فرشتے دور ہو جاتے ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ کراماً کاتبین بندے کا روزانہ نامہ اعمال خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اگر شروع اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے درمیان کی سب خطائیں میں نے اپنے بندہ کو بخش دیں (بزار) بزار کی ایک اور حدیث ضعیف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے انسانوں کو اور ان کے اعمال کو جانتے پہچانتے ہیں جب کسی بندے کو نیکی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں شخص نجات پا گیا فلاح حاصل کر گیا اور اگر اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو آپس میں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج کی رات فلاں ہلاک ہوا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع

نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (یعنی کافر) لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے اور پھر داخل ہوں کہ اس میں سے باہر نہ ہوں گے (بلکہ اس میں خلود ہوگا) اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے اور ہم پھر (مکرر کہتے ہیں کہ) آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیا ہے وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی ۞

یوم الدین جانتے ہو کیا ہے؟

جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور فرمانبردار ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جنت کی خوشخبری دیتا ہے حدیث میں ہے انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے ماں باپ کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے بدکار لوگ ابدی عذاب میں پڑے رہیں گے قیامت والے دن جو حساب کا اور بدلے کا دن ہے ان کا داخلہ اس میں ہوگا ایک ساعت بھی ان پر سے عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ موت آئے گی نہ راحت ملے گی نہ ذرا سی دیر اس سے الگ ہوں گے پھر قیامت کی ہیبت اور اس دن کی ہولناکی ظاہر کرنے کے لئے دو دو بار فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے معلوم کرا لیا کہ وہ دن کیسا ہے؟ پھر خود ہی بتایا کہ اس دن کوئی کسی کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے گا نہ عذاب سے نجات دلوا سکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی سفارش کی اجازت خود خدائے تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے اس موقع پر یہ حدیث ذکر کرنا بالکل مناسب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو ہاشم[2]! اپنی جانوں کو جہنم سے بچانے کے لئے نیک اعمال

[1] یعنی بلاضرورت برہنہ نہ ہونا چاہئے ورنہ ظاہر ہے کہ ضرورت کے اوقات میں تو برہنگی کسی نہ کسی حد تک ضرور ہے۔

[2] گویا کہ آپ نے اپنے خاندان کو متنبہ کیا کہ نیک عمل اختیار کرنے سے محض اس وجہ سے مت رک جانا کہ میں تمہارا ایک فرد ہوں اور تم کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچالوں گا نہیں اس دن کوئی کسی کا بچاؤ نہ کر سکے گا۔

کی تیاریاں کرلو میں تمہیں اس دن خدا کے عذاب سے بچانے کا اختیار نہیں رکھتا یہ حدیث سورہ شعراء کی تفسیر میں گزر چکی ہے یہاں یہ بھی فرمایا کہ اس دن امر محض اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا جیسے اور جگہ ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورہ مومن:۱۶) اور جگہ ارشاد ہے: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (سورہ فرقان:۲۶) اور فرمایا: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (سورہ فاتحہ:۳) مطلب سب کا یہی ہے کہ ملک و ملکیت اس دن صرف خدائے قہار و رحمٰن کی ہی ہوگی گو آج بھی اس کی ملکیت ہے وہ تنہا مالک ہے اسی کا حکم چلتا ہے مگر وہاں تو کوئی ظاہری حکومت اور ملکیت اور امر والا بھی نہ ہوگا۔

تفسیر سورة التطفیف مکیة

سُوْرَةُ التَّطْفِيْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

کل رکوع:۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات:۳۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں (آگے مطففین کو تہدید ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○

اور یہ ناپنے تولنے والے:

نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ ناپ تول[1] کے اعتبار سے بہت برے تھے جب یہ آیت اتری پھر انہوں نے ناپ تول درست کرلی ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ مکہ مدینہ والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں آپ نے فرمایا کیوں نہ رکھتے جب کہ خدا تعالیٰ کا فرمان: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ...... ہے پس تطفیف سے مراد ناپ تول کی کمی ہے خواہ اس صورت میں کہ اوروں سے لیتے وقت زیادہ لے لیا اور دیتے وقت کم دیا اسی لئے انہیں دھمکایا کہ یہ نقصان اٹھانے والے اور ہلاک ہونے والے ہیں جب اپنا حق لیں تو پورا لیں

[1] محققین نے کمی کا تعلق صرف خرید و فروخت ہی سے نہیں بلکہ تمام چیزوں سے رکھا ہے جیسا کہ چوری ہر چیز میں ہوسکتی ہے ابن عربی نے لکھا ہے کہ قال علماء الدین التطفیف فی کل شئی فی الصلوٰة و فی لو مزء والکیل والمیزن۔

بلکہ زیادہ لیں اور دوسروں کو دینے بیٹھیں تو کم دیں ٹھیک یہ ہے کہ کانوا اور وزنوا کو متعدی مانیں اور ھم کو محلاً منصوب کہیں گو بعض نے اسے ضمیر موکد مانا ہے جو کانوا اور وزنوا کی ضمیر کی تاکید کے لئے ہے اور مفعول محذوف مانا ہے جس پر دلالت کلام موجود ہے دونوں طرح مطلب قریب قریب ایک ہی ہے قرآن کریم نے ناپ تول درست کرنے کا حکم اس آیت میں بھی دیا ہے: اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ...... (سورہ بنی اسرائیل:۳۵) یعنی جب ناپو تو ناپو پورا اور وزن سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو اور جگہ حکم ہے: اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ...... (سورہ انعام:۱۵۲) یعنی ناپ تول انصاف کے ساتھ کیا کرو ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے[1] اور جگہ فرمایا: وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (سورہ رحمٰن:۹) یعنی تول کو قائم رکھو اور میزان کو گھٹاؤ نہیں حضرت شعیبؑ کی قوم کو اسی بری عادت کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے غارت و برباد کر دیا یہاں بھی اللہ تعالیٰ ڈرا رہا ہے کہ لوگوں کے حق مارنے والے کیا قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جس دن یہ اس ذات پاک کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ تو کوئی پوشیدہ بات پوشیدہ ہے نہ ظاہر بات وہ دن بھی نہایت ہولناک و خطرناک ہوگا بڑی گھبراہٹ و پریشانی والا دن ہوگا اس دن یہ لوگوں کو نقصان پہنچانے والے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے جس دن لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اس حالت میں ننگے پیر ہوں گے اور ننگے بدن ہوں گے اور بے ختنہ ہوں گے وہ جگہ بھی نہایت تنگ و تاریک ہوگی اور میدان آفات و بلیات سے پر ہوگا اور وہ مصائب نازل ہو رہے ہوں گے کہ دل پریشان ہوں گے حواس بگڑے ہوں گے ہوش جاتا رہا ہوگا صحیح حدیث میں ہے کہ آدھے آدھے کانوں میں پسینہ پہنچ گیا ہوگا۔ (موطا امام مالک)

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اس دن رحمٰن عزوجل کی عظمت کے سامنے سب کھڑے کپکپا رہے ہوں گے اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سورج اس قدر قریب ہوگا کہ ایک یا دو نیزے کے برابر اونچا ہوگا اور سخت تیز ہوگا ہر شخص اپنے اعمال کے اپنے پسینے میں غرق ہوگا بعض کی ایڑیوں تک پسینہ ہوگا بعض کے گھٹنوں تک بعض کی کمر تک بعض کو تو ان کا پسینہ لگام بنا ہوا ہوگا اور حدیث میں ہے کہ دھوپ اس قدر تیز ہوگی کہ کھوپڑی بھنا اٹھے گی اور اس طرح اس میں جوش اٹھنے لگے گا جس طرح ہنڈیا میں جوش آنے کے وقت آواز پیدا ہوتی ہے اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ پر اپنی انگلیاں رکھ کر بتایا کہ اس طرح پسینہ کی لگام چڑھی ہوئی ہوگی پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ بعض بالکل ڈوبے ہوئے ہوں گے اور حدیث میں ہے ستر سال تک خاموش کھڑے رہیں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے اور دس ہزار سال میں فیصلہ کیا جائے گا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی[2] ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر غفاریؓ سے فرمایا تو کیا کرے گا جس دن لوگ خدائے رب العالمین کے سامنے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے نہ تو کوئی خبر آسمان سے آئے گی نہ کوئی حکم کیا جائے گا حضرت بشیرؓ کہنے لگے اللہ ہی مددگار ہے آپ نے فرمایا سنو! جب بستر پر جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کی تکلیفوں سے اور حساب کی برائی سے پناہ مانگ لیا کرو سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کھڑے ہونے کی جگہ کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ

---

[1] یعنی ناپ تول میں صحیح تولنے کا حکم ایسا نہیں کہ تم کہہ دو کہ ایک ناقابل عمل حکم کا پابند کیا جا رہا ہے تحمل سے باہر احکام کا مکلف کرنا تو خدا تعالیٰ کا کام ہی نہیں۔

[2] غالباً ابھی روسی سائنسدانوں کا بھی بیان آیا تھا کہ خلائی تجربوں کے دوران یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے اوقات دنیا کے اوقات سے بالکل مختلف ہیں پس اگر عالم آخرت کے اوقات میں فرق پیدا ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔

چالیس سال تک لوگ سر اونچا کر کے کھڑے رہیں گے کوئی بولے گا نیک و بد کو پسینے کی لگامیں چڑھی ہوئی ہوں گی ابن عمر فرماتے ہیں سو سال تک کھڑے رہیں گے (ابن جریر) ابوداؤد نسائی ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز شروع کرتے تو دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے دس مرتبہ الحمد للہ کہتے دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے دس مرتبہ استغفر اللہ کہتے پھر کہتے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ خدایا مجھے بخش مجھے ہدایت دے مجھے روزیاں دے اور عافیت عنایت فرما پھر اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن کے مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷

ہرگز ایسا نہیں ہوگا (یعنی کافر) لوگوں کا نامہ اعمال سجین میں رہے گا اور (آگے تہویل کے لئے سوال ہے) کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامہ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے اس روز (یعنی قیامت کے روز) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو گی جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس روز جزا کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد (عبودیت) سے گزرنے والا ہو (اور) مجرم ہو اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ بے سند باتیں ہیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ اصل وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے ہرگز ایسا نہیں یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب کا دیدار دیکھنے سے روک دیئے جائیں گے پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۝

سجین:

مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کا ٹھکانا سجین ہے یہ لفظ فعیل کے وزن پر سجن سے ماخوذ ہے سجن تنگی کو کہتے ہیں مسیق شریر، خمیر، سکیر، وغیرہ کی طرح یہ لفظ بھی سجین ہے پھر اس کی مزید برائیاں بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم نہیں وہ المناک اور ہمیشہ کے درد دکھ کی جگہ ہے نقل ہے کہ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے حضرت براء بن عازب کی ایک طویل حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ کافر کی روح کے بارے میں جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتویں زمین کے

نیچے ہے کہا گیا کہ ساتوں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے ابن جریر کی ایک غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے صحیح بات یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کہ تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے زیادہ تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسطی مرکز ہے چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے نیچے ہے اور جگہ ہے: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورہ التین: ۵-۶) یعنی پھر ہم نے اسے نیچوں میں بھی نیچا کر دیا ہاں جو ایمان والے اور نیک اعمال والے ہیں غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے: اِذَا اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (سورہ فرقان: ۱۳) جب وہ کسی تنگ جگہ جہنم میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو موت ہی موت پکاریں گے كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ تفسیر ہے اس کی جو اس کے لئے لکھا جا چکا ہے اور آخر کار جہنم میں پہنچیں گے ان کا نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہوگی نہ کمی تو فرمایا ان کا انجام سجین ہونا ہماری کتاب میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے ان جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی ہوگی انہیں جہنم کا قید خانہ اور رسوائی والے المناک عذاب ہوں گے ویل کی مکمل تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی ہلاکی بربادی اور خرابی ہے جیسے کہا جاتا ہے ویل لفلاں مسند اور سنن کی حدیث میں ہے ویل ہے اس شخص کیلئے جو کوئی جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو ہنسانا چاہے اسے ویل ہے پھر ان جھٹلانے والے بدکار کافروں کی مزید تشریح کی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو روز جزا کو نہیں مانتے اسے خلاف عقل کہہ کر واقع ہونے کو محال جانتے ہیں پھر فرمایا قیامت کا جھٹلانا انہی لوگوں کا کام ہے جو اپنے کاموں میں حد سے گزر جائیں حرام کام کرنے لگے یا جائز کاموں میں حد سے بڑھ جائیں۔ اسی طرح اپنے اقوال میں گنہگار ہوں جھوٹ بولیں وعدہ خلافی کریں گالیاں بکیں وغیرہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہماری آیتوں کو سن کر انہیں جھٹلانے میں بدگمانی کرتے ہیں اور بے جھجک کہہ گزرتے ہیں کہ یہ باتیں تو پہلی کتابوں سے جمع ہیں جیسے اور جگہ فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (سورہ نحل: ۲۴) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا کچھ نازل فرمایا تو کہتے ہیں اگلوں کے افسانے ہیں اور جگہ ہے: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (سورہ فرقان: ۵) یعنی یہ کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں جو اسے صبح شام لکھوائے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جواب میں فرماتا ہے کہ واقعہ ان کے قول اور ان کے خیال کے مطابق نہیں بلکہ دراصل یہ قرآن کلام الٰہی ہے اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے پر نازل کی ہے ہاں ان کے دلوں پر ان کی بدعملی نے پردے ڈال دیئے ہیں گناہوں اور خطاؤں کی کثرت نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے کافروں کے دلوں میں رین ہوتا ہے اور نیکوکار لوگوں کے دلوں پر غیم ہوتا ہے ترمذی نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیل جاتی ہے اس کا بیان كَلَّا بَلْ رَانَ میں ہے نسائی کے الفاظ میں کچھ اختلاف بھی ہے مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے حضرت حسن بصریؒ وغیرہ کا فرمان ہے کہ گناہوں پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے پھر فرمایا کہ یہ لوگ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر دیدار باری تعالیٰ سے بھی محروم اور محجوب کر دیئے جائیں گے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں[1] اس آیت میں دلیل ہے کہ مومن قیامت کے دن دیدار باری تعالیٰ سے

---

[1] تمام اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے اس میں سیدنا امام شافعی کی تخصیص محض ابن کثیر کے شافعی ہونے کی علامت ہے چنانچہ مدارک میں ہے قال الزجاج فی الآیۃ دلیل علی المومنین یرون ربھم والالا یکون التخصیص۔

مشرف ہوں گے امام صاحب کا یہ فرمان بالکل درست ہے اور آیت کا صاف مفہوم یہی ہے اور دوسری جگہ کھلے الفاظ میں بھی یہ بیان موجود ہے فرمان ہے: وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (سورہ قیامہ: ۲۲:۲۳) یعنی اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے صحیح اور متواتر حدیثوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ ایماندار قیامت والے دن اپنے رب عزوجل کا اپنی آنکھوں سے قیامت کے میدان میں جنت کے نفیس باغیچوں میں دیکھیں گے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ حجاب ہٹ جائیں گے اور مومن اپنے رب کو دیکھیں گے اور کافر پھر کافروں کو پردے کے پیچھے کر دیا جائے گا البتہ مومن ہر صبح و شام پروردگار عالم کا دیدار حاصل کریں گے یا اسی جیسا اور کلام ہے پھر فرماتا ہے کہ نہ صرف خدا سے ہی یہ محروم رہیں گے بلکہ یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے اور انہیں حقارت ذلت اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر غصہ کے ساتھ کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

(یہ جو مومنین کے اجر وثواب کے منکر ہیں) ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں رہے گا اور (آگے تفسیم کے لئے سوال ہے کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامہ اعمال کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (آگے ان کی جزائے آخرت کا بیان ہے) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے مسہریوں پر (بیٹھے بہشت کے عجائبات) دیکھتے ہوں گے اے مخاطب تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشاشت پہچانے گا اور ان کو پینے کے لئے شراب سربمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس (شراب) کی آمیزش تسنیم (کے پانی) کی ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے ○

علیین:

بدکاروں کا حشر بیان کرنے کے بعد اب نیک لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ٹھکانا علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے سجین کا سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنین کی روحیں ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے عوفی سے آپ روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان میں ہیں قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی اسی قدر

بڑی اور کشادہ ہوگی اسی لئے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی ہے کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں پھر فرمایا کہ قیامت کے دن یہ نیکو کار ہمیشگی والی نعمتوں اور باغات میں ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے عام فضل و کرم ان پر بارش کی طرح برس رہے ہوں گے یہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اپنے ملک و مال کو اور نعمتوں اور راحتوں کو عزت و جاہ کو مال و متاع کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے یہ خیر و فضل یہ نعمت یہ رحمت نہ کبھی کم ہو نہ گم ہو نہ گھٹے نہ مٹے اور یہ معنی بھی ہیں کہ اپنی آرام گاہوں میں تخت سلطنت پر بیٹھے دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوتے رہیں گے تو گویا فاجروں کے بالکل برعکس ہوں گے ان پر دیدار باری تعالیٰ حرام تھا ان کے لئے ہر وقت اجازت ہے جیسے کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی اپنے ملک اور ملکیت کو دو ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس طرح اس کی نظروں کے سامنے ہوں گی جس طرح سب سے اول کی چیزیں اور اعلیٰ درجے کے جنتی تو دن میں دو دو مرتبہ دیدار الٰہی باری تعالیٰ کی نعمت سے اپنے دل کو مسرور اور اپنی آنکھوں کو پر نور کریں گے اگر کوئی ان کے چہرے پر نظر ڈالے تو بیک نگاہ آسودگی اور خوش حالی جاہ و حشمت شوکت و سطوت خوشی و سرور بہجت و نور دیکھ کر ان کا مرتبہ معلوم کر لے اور سمجھ لے کہ راحت و آرام میں خوش و خرم ہیں جنتی شراب کا دور چلتا رہتا ہے رحیق جنت کی ایک قسم کی شراب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اسے اللہ تعالیٰ رحیق مختوم پلائے گا یعنی جنت کی ایک قسم کی مہر والی شراب اور جو کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے میوے کھلائے گا اور جو کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کے کپڑے پہنائے گا (مسند احمد) ختام کے معنی آمیزش کے ہیں اسے خدا تعالیٰ نے پاک صاف کر دیا ہے اور مشک کی مہر لگا دی ہے یہ بھی معنی ہیں کہ انجام اس کا مشک ہے یعنی کوئی بدبو نہیں بلکہ مشک کی سی خوشبو ہے چاندی کی طرح سفید رنگ کی شراب ہے جس کی مہر لگے گی یا ملونی ہوگی اس قدر خوشبو والی ہے کہ اگر کسی اہل دنیا کی انگلی اس پر لگ جائے پھر اگر وہ اسی وقت نکال لے تاکہ تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک جائے گی اور ختام کے معنی خوشبو کے بھی کئے گئے ہیں پھر فرماتا ہے کہ حرص کرنے والے فخر و مباہات کرنے والے کثرت اور سبقت کرنے والوں کو چاہئے کہ اس کی طرف توجہ کریں جیسے اور جگہ ہے :لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (سورہ صافات:۶۱) ایسی چیزوں کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے تسنیم جنت کی بہترین شراب کا نام ہے۔ یہ ایک نہر ہے جس سے سابقین لوگ تو برابر پیا کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ والے اپنی شراب رحیق ملا کر پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ

ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

(آگے مجموعہ ویقین کا مجموعہ حال دنیا وآخرت مذکور ہے یعنی) جو لوگ مجرم تھے (یعنی کافر) وہ ایمان والوں سے (دنیا میں تحقیراً) ہنسا کرتے تھے اور (ایمان والے) جب ان (کافروں) کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا تذکرہ کر کے) دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملے گا۔

مومنین کا مذاق:

یعنی دنیا میں تو ان کافروں کی خوب بن آئی تھی ایمانداروں کا مذاق اڑاتے رہے چلتے پھرتے آوازے کستے رہے اور حقارت و تذلیل کرتے رہے اور اپنوں میں جا کر خوب باتیں بناتے رہے تھے جو چاہتے تھے پاتے تھے لیکن شکر تو کہاں زیادہ کفر پر آمادہ ہو کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے تھے اور چونکہ مسلمان ان کی مانتے نہ تھے تو یہ انہیں گمراہ کہا کرتے تھے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے انہیں مومنوں کی کیا پڑی کیوں ہر وقت ان کے پیچھے پڑے ہیں اور ان کے اعمال اور افعال کی دیکھ بھال رکھتے ہیں اور طعنہ آمیز باتیں بناتے رہتے ہیں؟ جیسے اور جگہ ہے: اِخْسَئُوْا فِيْهَا...... (سورہ مومنون: ۱۰۸) یعنی اس جہنم میں پڑے جھلتے رہو مجھ سے بات نہ کرو میرے خاص بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر تو سب سے بڑا رحم وکرم کرنے والا ہے تو تم نے انہیں مذاق میں اڑایا اور اس قدر غافل ہوئے کہ میری یاد بھلا بیٹھے اور ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے دیکھو آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہ ہر طرح کامیاب ہیں یہاں بھی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ آج قیامت کے دن ایماندار ان بدکاروں پر ہنس رہے ہیں اور تختوں پر بیٹھے اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں جو صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ گمراہ نہ تھے گو تم انہیں راہ گم کردہ کہا کرتے تھے بلکہ یہ دراصل اولیاء اللہ تھے مقربین خدا تھے اسی لئے آج خدا کا دیدار ان کی نگاہوں کے سامنے ہے یہ خدا کے مہمان ہیں اور اس کے باعظمت گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں جیسا کچھ ان کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں کیا تھا اس کا پورا بدلہ کیا انہیں آخرت میں مل گیا یا نہیں؟ ان کے مذاق کے بدلے آج ان پر ہنسی اڑی یہ انہیں گھٹاتے تھے خدا نے انہیں بڑھایا غرض پورا پورا اتمام و کمال بدلہ دے دیا گیا۔

تفسیر سورہ انشقاق مکیہ

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ...... کی سورت پڑھی اور سجدہ کیا اور فارغ ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے پڑھتے ہوئے سجدہ کیا یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے بخاری میں حضرت ابو رافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی آپ نے اس میں: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت اور سجدہ کیا میں نے پوچھا تو جواب دیا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سورت کو نماز میں پڑھا اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا اور مقتدیوں نے بھی سجدہ کیا پس میں تو جب تک آپ سے

ملوں گا (اس موقعہ پر) سجدہ کرتا رہوں گا یعنی مرتے دم تک اس حدیث کی سندیں اور بھی ہیں اور صحیح مسلم شریف اور سنن نسائی میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ : اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ میں سجدہ کیا۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

کل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۲۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾

جب (نفخہ ثانیہ کے وقت) آسمان پھٹ جائے گا (تا کہ اس میں سے غمام اور ملائکہ کا نزول ہو) اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ (آسمان) اسی لائق ہے اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائے گی اور (وہ زمین) اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو) باہر اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور اسی لائق ہے اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا تو اس روز جس شخص کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا اور جس شخص کا نامہ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ سے ملے گا سو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرط خوشی میں آخرت کی تکذیب کرتا تھا) اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو (خدا کی طرف) لوٹنا نہیں ہے (آگے رد ہے اس خیال کا کہ لوٹنا کیوں نہ ہوتا) اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا○

یہ تغیرات اور تبدیلیاں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا پھٹنے کا حکم پاتے ہی پھٹ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اسے بھی چاہئے کہ امر خدا تعالیٰ بجالائے اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا جس سے بڑا اور نہیں جو سب پر غالب ہے اس پر غالب کوئی نہیں ہر وقت ہر چیز اس کے سامنے مجبور ہے اور زمین پھیلا دی جائے گی بچھا دی اور کشادہ کر دی جائے گی حدیث میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر انسان کو صرف دو قدم ٹکانے کی جگہ ملے گی سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا حضرت جبرائیل علیہ السلام خدا تعالیٰ کی دائیں جانب ہوں گے خدا کی قسم اسے پہلے اس نے کبھی اسے دیکھا نہیں تو میں کہوں گا خدایا جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ تیرے بھیجے ہوئے میرے پاس آتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ کہا تو میں عرض کروں گا خدایا مجھے شفاعت کی اجازت ہو چنانچہ مقام محمود میں کھڑا ہو کر میں شفاعت کروں گا اور کہوں گا خدایا تیرے ان بندوں نے زمین کے گوشے گوشے پر تیری عبادت کی ہے (ابن جریر) پھر فرماتا ہے کہ زمین اپنے اندر کے کل مردے اگل دے گی اور خالی کر ہو جائے گی یہ بھی رب کے فرمان کی منتظر ہوگی اور اسے بھی یہی لائق ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے انسان تو کوشش کرتا رہے گا اور اپنے رب کی طرف آگے بڑھتا رہے گا اعمال کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال اور اپنی سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جی لے جب تک چاہے بالآخر موت آنے والی ہے جس سے چاہے دل بستگی پیدا کر لے ایک دن اس سے جدائی ہونی ہے جو چاہے عمل کر لے ایک دن اس سے ملاقات ہونے والی ہے ملاقیہ کی ضمیر کا مرجع بعض نے لفظ رب کو بھی بتلایا ہے تو یہ معنی ہوں گے خدا سے تیری ملاقات ہونے والی ہے وہ تجھے تیرے کل اعمال کا بدلہ دے گا اور تیری تمام کوشش وسعی کا پھل تجھے عطا فرمائے گا دونوں ہی باتیں آپس میں ایک دوسری کو لازم ہیں قتادہ فرماتے ہیں اے ابن آدم تو کوشش کرنے والا ہے لیکن اپنی کوشش میں کمزور ہے جس سے یہ ہو سکے کہ اپنی تمام تر سعی و کوشش نیکیوں کی کرے تو وہ کر لے دراصل نیکی کی قدرت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت بجز توفیق خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی پھر فرمایا جس کے داہنے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ مل جائے گا اس کا حساب بغیر سختی کے آسانی سے ہوگا اس کے چھوٹے اعمال بھی معاف ہو جائیں گے اور جس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا وہ ہلاکت سے نہ بچے گا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس سے حساب میں مناقشہ ہوگا وہ تباہ ہوگا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قرآن میں تو ہے کہ نیک لوگوں کا بھی حساب ہوگا: فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا آپ نے فرمایا دراصل یہ وہ حساب نہیں یہ تو صرف پیشی ہے جس سے حساب میں صرف پوچھ گچھ ہوگی وہ برباد ہوگا (مسند احمد) دوسری روایت میں ہے کہ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی اپنے ہاتھ پر رکھ کر جس طرح کوئی چیز کرید تے ہوں اس طرح اسے ہلا جلا کر بتلایا مطلب یہ ہے کہ جس سے باز پرس اور کھود کرید ہوگی وہ عذاب سے بچ نہیں سکتا خود حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جس سے باقاعدہ حساب ہوگا وہ بلا عذاب نہیں رہ سکتا اور حساب یسیر سے مراد صرف پیشی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ خوب دیکھتا رہا ہے حضرت صدیقہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نماز میں یہ دعا مانگ رہے تھے: اَللّٰهُمَّ حَاسِبۡنِیۡ حِسَابًا يَّسِيۡرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آسان حساب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صرف نامہ اعمال پر نظر ڈال لی جائے گی اور کہہ دیا جائے گا جاؤ ہم نے درگزر کیا لیکن اے عائشہؓ جس سے خدا تعالیٰ حساب لے گا وہ ہلاک ہوگا (مسند احمد) غرض جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آئے گا وہ خدا کے سامنے پیش ہوتے

ہی رخصت پا جائے گا اور اپنے اعزہ واقارب میں خوش خوش جنت میں واپس آئے گا طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم لوگ اعمال کر رہے ہو اور حقیقت کا علم کسی کو نہیں عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ تم اپنے اعمال کو پہچان لو گے بعض وہ لوگ ہوں گے جو ہنسی خوشی اپنوں سے آملیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ رنجیدہ افسردہ اور ناخوش واپس آئیں گے اور جسے پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ہاتھ موڑ کر نامہ اعمال دیا جائے گا وہ نقصان اور تباہی کی پکار پکارے گا ہلاکت اور موت کو بلائے گا اور جہنم میں جائے گا دنیا میں خوب ہشاش بشاش تھا بےفکری سے مزے کر رہا تھا آخرت کا خوف عاقبت کا اندیشہ مطلق نہ تھا اب اس کو رنج وغم یاس وحرمان رنجیدگی وافسردگی نے ہر طرف سے گھیر لیا یہ سمجھ رہا تھا کہ موت کے بعد زندگی نہیں اسے یقین نہ تھا کہ لوٹ کر خدا کے پاس بھی جانا ہے پھر فرماتا ہے کہ ہاں ہاں اسے خدا ضرور دوبارہ زندہ کر دے گا جیسے کہ پہلی مرتبہ اس نے اسے پیدا کیا پھر اس کے نیک و بد اعمال کی جزا وسزا دے گا بندوں کے اعمال واحوال کی اسے اطلاع ہے اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

سو (اس بنا پر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ (کر جمع کر) لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے سو (باوجود ان مقتضیات خوف اور ایمان کے اجتماع کے) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب (ان کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس وقت بھی خدا کی طرف نہیں جھکتے بلکہ یہ کافر (اور الٹی) تکذیب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمال بد کا ذخیرہ) جمع کر رہے ہیں سو (ان اعمال کفریہ کے سبب) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ○

قسم ہے ان چیزوں کی:

شفق سے مراد سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کناروں پر ظاہر ہوتی ہے حضرت علی حضرت ابن عباسؓ حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابوہریرہ حضرت شداد بن اوس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم محمد بن علی بن حسین مکحول بکر بن عبداللہ مزنی بکیر بن الشیخ مالک ابن ابی ذئب عبدالعزیز بن ابوسلمہ ماجشون رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں کہ شفق اس سرخی کو کہتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ مراد سفیدی ہے پس شفق کناروں کی سرخی کو کہتے ہیں وہ طلوع سے پہلے ہو یا غروب کے بعد اور اہل سنت کے نزدیک مشہور یہی ہے خلیل کہتے ہیں عشاء کے وقت تک یہ شفق باقی رہتی ہے جوہری کہتے ہیں سورج کے غروب ہونے کے بعد جو سرخی اور روشنی باقی رہتی ہے اسے شفق کہتے ہیں یہ اول رات سے عشا کے وقت تک باقی رہتی ہے عکرمہؒ فرماتے ہیں مغرب سے لے کر عشا تک صحیح مسلم کی

حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے مجاہدؒ سے البتہ مروی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد سورج ہے غالباً اس مطلب کی وجہ اس کے بعد کا جملہ ہے تو گویا روشنی اور اندھیرے کی قسم کھائی امام ابن جریر فرماتے ہیں دن کے آنے اور رات کے جانے کی قسم کھائی ہے[1] اوروں نے کہا ہے سفیدی اور سرخی کا نام شفق ہے اور قول ہے کہ یہ لفظ ان دونوں مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے وسق کے معنی ہیں جمع کیا یعنی رات کے ستاروں اور رات کے جانوروں کی قسم اسی طرح رات کے اندھیرے میں تمام چیزوں کا اپنی اپنی جگہ چلے جانا اور چاند کی قسم جبکہ وہ پورا ہو جائے بھرپور ہو جائے اور اس میں پوری روشنی آ جائے :لَتَرْکَبُنَّ...... کی تفسیر بخاری میں مرفوع حدیث سے یہ منقول ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو سال آئے گا وہ اپنے پہلے سے برا ہو گا میں نے اسی طرح تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس حدیث کے اور مذکورہ حدیث کے الفاظ بالکل ایک جیسے ہیں بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے (واللہ اعلم)۔ اور یہ مطلب بھی اس حدیث کا بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کی تائید حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور عام اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرأت سے بھی ہوتی ہے ان کی قرأت ہے لترکبن[2] ۔ شعبی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھو گے مراد اس سے معراج ہے یعنی منزل بہ منزل چڑھتے چلے جاؤ گے سدی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق منزلیں طے کرو گے جیسے حدیث میں ہے کہ تم اپنے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے بالکل برابر برابر یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی یہی کرو گے لوگوں نے کہا اگلوں سے مراد آپ کی کیا یہود و نصرانی ہیں آپ نے فرمایا پھر اور کون؟ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں ہر بیس سال کے بعد تم کسی نہ کسی ایسے کام کی ایجاد کرو گے جو اس سے پہلے نہ تھا عبداللہؓ فرماتے ہیں آسمان پھٹے گا پھر سرخ رنگ ہو جائے گا پھر بھی رنگ بدلتے جائیں گے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کبھی تو آسمان دھواں بن جائے گا پھر پھٹ جائے گا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یعنی بہت سے لوگ جو دنیا میں پست و ذلیل تھے آخرت میں بلند و ذی عزت بن جائیں گے اور بہت سے لوگ جو دنیا میں مرتبے اور عزت والے تھے وہ آخرت میں ذلیل و نامراد ہو جائیں گے عکرمہ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ پہلے دودھ پیتے تھے پھر غذا کھانے لگے پہلے جوان تھے پھر بڑھاپا آیا حسن بصریؒ فرماتے ہیں نرمی کے بعد سختی سختی کے بعد نرمی امیری کے بعد فقیری فقیری کے بعد امیری صحت کے بعد بیماری بیماری کے بعد تندرستی ایک مرفوع حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابن آدم غفلت میں ہے وہ پروا نہیں کرتا کہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتے سے کہتا ہے کہ اس کی روزی اس کی اجل اس کی زندگی اس کا بد یا نیک ہونا لکھ لے پھر وہ فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور دوسرا فرشتہ آتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے سمجھ آ جائے پھر وہ فرشتہ اٹھ جاتا ہے پھر دو فرشتے اس کا نامہ اعمال لکھنے والے آ جاتے ہیں موت کے وقت وہ بھی چلے جاتے ہیں اور ملک الموت آ جاتے ہیں اس کی روح قبض کرتے ہیں پھر قبر میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے ملک الموت چلے جاتے ہیں اور سوال و جواب

---

[1] ان متعدد قسموں سے بعض اہم غیر محسوس حقائق پر موجودات اور ہمارے محسوسات سے دلائل قائم کرنا ہیں مثلاً شفق سے یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح شفق سے رات کی ابتدا ہوتی ہے ایسے ہی موت سے عالم آخرت کی ابتدا ہوتی ہے اور جس طرح دن کے بعد آدمی رات میں سوتا ہے تو اس کو ایک نئی دنیا سے سابقہ پڑتا ہے ایسے ہی دنیاوی زندگی کے بعد برزخی زندگی ایک نیا تجربہ ہو گا اور جس طرح چاند مختلف تغیرات کے لپیٹ میں رہتا ہے ایسے ہی اس عالم کے ختم ہونے کے بعد ایک نیا عالم وجود میں آئے گا۔

[2] ب کے زیر سے۔

کرنے والے فرشتے آ جاتے ہیں اپنے کام کے بعد وہ بھی چلے جاتے ہیں قیامت کے دن نیکی بدی کے فرشتے آ جائیں گے اور اس کی گردن سے اس کا نامہ اعمال کھول لیں گے پھر اس کے ساتھ ہی رہیں گے ایک سائق ہے دوسرا شہید ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا : لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (سورہ ق:۲۲) تو اس سے غافل تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت : لَتَرْكَبُنَّ...... پڑھی یعنی ایک حال سے دوسرا حال پھر فرمایا لو گو تمہارے آگے بڑے بڑے امور آ رہے ہیں جن کا تم میں تحمل نہیں اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے مدد چاہو یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہی منکر حدیث ہے اور اس کی سند میں ضعیف ضعیف راوی ہیں لیکن اس کا مطلب بالکل صحیح اور درست ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۔ امام ابن جریر نے ان تمام اقوال کو بیان کر کے فرمایا ہے کہ صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سخت سخت کاموں میں ایک کے بعد ایک میں پڑنے والے ہیں اور گو خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے لیکن مراد سب لوگ ہیں کہ وہ قیامت کی ایک کے بعد ایک ہولنا کی دیکھیں گے پھر فرمایا انہیں کیا ہو گیا یہ کیوں نہیں ایمان لاتے؟ اور انہیں قرآن سن کر سجدے میں گر پڑنے سے کون سی چیز روکتی ہے بلکہ یہ کفار تو الٹا جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سرکشی میں اور برائی میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جنہیں یہ چھپا رہے ہیں بخوبی جانتے ہیں تم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خبر پہنچا دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے پھر فرمایا کہ اس عذاب سے محفوظ ہو کر بہترین اجر کے مستحق ایماندار نیک کردار لوگ ہیں انہیں پورا پورا بے حساب اجر ملے گا جیسے اور جگہ ہے : عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (سورہ ہود:۱۰۸) بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بلا احسان لیکن یہ معنی ٹھیک نہیں ہر آن ہر لحظہ اور ہر وقت خدائے تعالیٰ عز و جل کے اہل جنت پر احسان و انعام ہوں گے بلکہ اس کے احسان اور اس کے فضل و کرم کی بنا پر انہیں جنت نصیب ہوئی نہ کہ ان کے اعمال کی وجہ سے پس اس مالک کا تو دائمی احسان اپنی مخلوق پر ہے ہی اس کی ذات پاک ہر طرح کی ہر وقت کی تعریفوں کے لائق ہمیشہ ہمیشہ ہے اسی لئے اہل جنت پر خدا کی تسبیح اور اس کی حمد کا الہام اسی طرح کیا جائے گا جس طرح سانس بلا تکلف اور بے تکلیف بلکہ بے ارادہ چلتا رہتا ہے قرآن فرماتا ہے : وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ یونس:۱۰) یعنی ان کا آخری قول یہی ہوگا کہ سب تعریف جہانوں کے پالنے والے خدا کے لئے ہی ہے۔

تفسیر سورہ بروج مکیہ

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں یہ سورت : وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ پڑھتے تھے اور حدیث میں ہے کہ آپ نے سماوات کی ان سورتوں کا عشاء کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

کل رکوع : ۱   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   کل آیات : ۲۲

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ۝۳

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝

قسم ہے برجوں والے آسمان کی (مراد برجوں سے بڑے بڑے ستارے ہیں) اور (قسم ہے) وعدہ کئے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور (قسم ہے) اس (دن) کی جس میں (لوگوں کی) حاضری ہوتی ہے کہ خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ (ظلم و ستم) کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو کہ زبردست (اور) سزاوار حمد ہے ایسا کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور (آگے ظالموں کے لئے عام وعید ہے اور مظلوموں کے عام (وعدہ ہے) اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی اور پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب اور (جہنم میں بالخصوص) ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے ○

یہ برجوں والا آسمان:

بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جیسے کہ : جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (سورہ فرقان:۶۱) کی تفسیر میں گزر چکا ہے حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ بروج وہ ہیں جن میں حفاظت کرنے والے رہتے ہیں یحییٰ فرماتے ہیں یہ آسمانی محل ہے منہال بن عمرو کہتے ہیں مراد اچھی بناوٹ والے آسمان ہیں ابن خثیمہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورج چاند کی منزلیں ہیں جو بارہ ہیں کہ سورج ان میں سے ہر ایک میں ایک مہینہ چلتا رہتا ہے اور چاند ان میں سے ہر ایک میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا ہے تو یہ اٹھائیس دن ہوئے اور دو راتوں تک وہ پوشیدہ رہتا ہے نہیں نکلتا ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یَوْمَ مَوْعُوْد سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے سورج جن جن دنوں پر نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل دن جمعہ کا دن ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں بندہ جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے اور مشہور سے مراد عرفہ کا دن ہے ابن خزیمہ میں بھی یہ حدیث ہے موسیٰ بن عبید زید اس کے راوی ہیں اور یہ ضعیف ہیں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے خود ان کے قول سے مروی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرات سے بھی یہ تفسیر مروی ہے اور ان میں اختلاف نہیں فالحمدللہ اور روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ جمعہ کے دن کو جیسے یہاں شاہد کہا گیا ہے یہ خاص ہمارے لئے بطور خزانے کے چھپا رکھا گیا تھا اور حدیث میں ہے کہ تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے کہ شاہد سے مراد خود ذات محمد صلی

اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشہور سے مراد قیامت کا دن ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی : ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (سورہ ہود:۱۰۳) یعنی اس دن کے لئے لوگ جمع کئے گئے ہیں اور یہ دن مشہور یعنی حاضر کیا گیا ہے ایک شخص نے حضرت امام حسن بن علیؓ سے سوال کیا کہ شاہد اور مشہود کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا تم نے کسی اور سے پوچھا؟ اس نے کہا ہاں ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے فرمایا انہوں نے کیا جواب دیا کہا قربانی کا دن جمعہ کا دن فرمایا نہیں بلکہ مراد شاہد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے قرآن میں اور جگہ ہے : فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (سورہ نساء:۴۱) یعنی کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے اور تجھے ان پر گواہ بنائیں گے اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے قرآن کہتا ہے : وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (سورہ ہود:۱۰۳) یہ بھی مروی ہے کہ شاہد سے مراد ابن آدم اور مشہود سے مراد قیامت کا دن اور مشہود سے مراد جمعہ بھی مروی ہے اور شاہد سے مراد خود اللہ تعالیٰ بھی مراد ہے اور عرفہ کا دن بھی ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو وہ دن مشہود دن ہے جس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں شاہد اللہ ہے قرآن کہتا ہے : وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (سورہ نساء:۷۹) اور مشہود ہم ہیں قیامت کے دن ہم سب خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے اکثر حضرات کا یہ فرمان ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفے کا دن ہے ان قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ خندقوں والوں پر لعنت ہو یہ کفار کی ایک قوم تھی جنہوں نے مومنین کو ڈرا دھمکا کر دین سے ہٹانا چاہا ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ ان باخدا لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ان مومنوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے حالانکہ ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا انہیں تو صرف ان کے مومن ہونے پر غضب تھا دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کی پناہ میں آ جانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اگر اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت وحکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں اور آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں بیٹی بہن وغیرہ سب حلال ہیں کہ اس وقت کے علماء کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آ گئے پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آ گئے تو انہوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے انہوں نے دانیال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اقوال بھی ہیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک جادوگر تھا جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ گیا ہے مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں شامل ہو جاتا یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا ایک دن اس بچہ نے راہب کے سامنے اپنی یہ

شکایت بیان کی راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا یوں ہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ تعالیٰ سیکھتا تھا ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے ادھر والے ادھر اور ادھر والی ادھر نہیں آسکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں اس نے سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین خدا تعالیٰ کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہوا پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا اب اس بچے کے پاس حاجتمند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادر زاد اندھے کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے بادشاہ کے ایک نابینا وزیر تک بھی یہ شہرت پہنچی وہ بڑے بڑے تحفے تحارف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دے دوں گا اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں نہیں میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں گا اس نے اقرار کیا بچے نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں اس نے کہا میرے رب نے بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے وزیر نے کہا نہیں نہیں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے؟ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کردی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تم تو جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو شفا اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں اس نے کہا ہرگز نہیں کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس سے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے لڑھکا دیں چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ خدایا جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف بچہ ہی بچا رہا وہ وہاں سے اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آگیا بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا میرے سپاہی کہاں ہیں فرمایا میرے خدا تعالیٰ نے مجھے ان سے بچا لیا اس نے کچھ اور سپاہی بلائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بارالہا جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے

رب نے مجھے ان سے بھی بچالیا اے بادشاہ تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی اس نے کہا کیا کروں فرمایا تمام لوگوں کو جمع کر ایک میدان میں پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ یعنی اس اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے گا اور میں اس سے مروں گا چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا تیر۔ بچہ کی کنپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھا اور شہید ہو گیا اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا ہر طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے ہم نے تو اسی لئے اسے قتل کیا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ پڑے لیکن یہ خطرہ تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ ان میں لکڑیاں بھرواور ان میں آگ لگا دو جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو ان مسلمانوں نے صبر کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو خدا تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو صبر کرو اور اس میں کود پڑو یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کے بعد عموماً زیرلب کچھ فرمایا کرتے تھے تو آپ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی تھے جو اپنی امت پر فخر کرتے تھے کہنے لگے ان کی دیکھ بھال کون کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ انہیں اختیار ہے خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں خود ان سے انتقام لوں خواہ اس بات کو پسند کریں کہ میں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دوں انہیں نے انتقام کو پسند کیا چنانچہ ایک ہی دن میں ان میں سے ستر ہزار مر گئے اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ حدیث بھی بیان کی جو اوپر گزری پھر آخر میں آپ نے : قُتِلَ سے مَجِيْدٌ تک کی آیتوں کی تلاوت کی یہ نوجوان شہید دفن کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب ؓ کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انہیں نکالا گیا تھا ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی ؓ نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحٰق نے بھی اس قصہ کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو اس سے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نجرانی لوگ بت پرست مشرک تھے اور نجران کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک جادوگر تھا نجرانیوں کو جادو سکھایا کرتا تھا فیمون نامی ایک بزرگ عالم یہاں آئے اور نجران اور اس کے گاؤں کے درمیان انہوں نے قیام کیا شہر کے لڑکے جو جادوگر سے جادو سیکھنے جایا کرتے تھے ان میں تاجر کا ایک لڑکا عبداللہ نامی تھا اسے آتے جاتے راہب کی عبادت اور اس کی نماز وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا اس پر غور وخوض اور دل میں اس کی مذہب کی سچائی جگہ کرتی جاتی اس نے یہاں آنا جانا شروع کر دیا اور مذہبی تعلیم بھی اس راہب سے لینے لگا کچھ دنوں بعد اس مذہب میں داخل ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا توحید کا پابند ہو گیا اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا اور علم دین اچھی طرح حاصل کیا وہ راہب اسم اعظم بھی جانتا تھا اس نے ہر چند خواہش کی کہ اسے بتا دے لیکن اس نے نہ بتایا اور کہہ دیا کہ ابھی تم میں اس کی صلاحیت نہیں آئی تم ابھی کمزور دل والے ہو اس کی طاقت تم میں نہیں پاتا عبداللہ کے باپ تاجر کو اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کی مطلق خبر نہ تھی وہ سمجھ رہا تھا کہ میرا بیٹا جادو سیکھ رہا ہے اور وہیں آتا

جا تا رہتا ہے عبداللہ نے جب دیکھا کہ راہب مجھے اسم اعظم نہیں سکھاتے اور انہیں میری کمزوری کا خوف ہے تو ایک دن انہوں نے تیر لئے اور جتنے نام اللہ تعالیٰ کے انہیں یاد تھے ہر ہر تیر پر ایک ایک نام لکھا پھر آگ جلا کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر کو اس میں ڈالنا شروع کیا جب وہ تیر آیا جس پر اسم اعظم تھا تو وہ آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر نکل آیا اور اس پر آگ نے بالکل اثر نہ کیا سمجھ لیا کہ یہی اسم اعظم ہے اپنے استاد کے پاس آئے اور کہا حضرت اسم اعظم کا علم مجھے ہو گیا استاد نے پوچھا بتاؤ کیا ہے اس نے بتایا راہب نے پوچھا کیسے معلوم ہوا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا تو فرمایا کہ بھائی تم نے خوب معلوم کر لیا واقعی یہی اسم اعظم ہے اسے اپنے ہی تک رکھو لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم کھل جاؤ گے ان کی یہ حالت ہوئی کہ یہ نجران آئے یہاں جس بیمار پر جس دکھی پر جس ستم رسیدہ پر نظر پڑی اس سے کہا کہ تم موحد بن جاؤ او دین اسلام قبول کر لو تو میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں وہ تمہیں شفا اور نجات دے دے گا اور دکھ بلا کو ٹال دے گا وہ اسے قبول کر لیتا یہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اسے بھلا چنگا کر دیتے اب نجرانیوں کے ٹھٹھ لگنے لگے اور جماعت کی جماعت روزانہ مشرف باسلام اور فائز المرام ہونے لگے آخر بادشاہ کو اس کا علم ہوا اس نے اسے بلا کر دھمکایا کہ تو نے میری رعیت کو بگاڑ دیا اور میرے اور میرے باپ دادا کے مذہب پر حملہ کیا میں اس کی سزا میں تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے چورنگ کرا دوں گا عبداللہ بن تامر نے جواب دیا کہ تو ایسا نہیں کر سکتا اب بادشاہ نے اسے پہاڑ پر سے گرا دیا لیکن وہ نیچے آ کر صحیح سلامت رہا سارے جسم پر کہیں چوٹ بھی نہ آئی نجران کے ان طوفان خیز دریاؤں میں گرداب کی جگہ ڈالا گیا جہاں سے کوئی بچ نہیں سکتا لیکن یہ وہاں سے صحت وسلامتی کے ساتھ واپس آ گئے غرض ہر طرح عاجز آ گیا تو پھر حضرت عبداللہ بن تامر نے فرمایا کہ اے بادشاہ سن! تو میرے قتل پر کبھی قادر نہ ہو گا یہاں تک کہ تو اس دین کو مان لے جسے میں مانتا ہوں اور ایک خدا کی عبادت کرنے لگے اگر تو یہ کر لے تو پھر تو مجھے قتل کر سکتا ہے بادشاہ نے ایسا ہی کیا اس نے حضرت عبداللہ کا بتلایا ہوا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر جو لکڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس سے حضرت عبداللہ کو مارا جس سے کچھ یوں ہی سی کھرونچ آئی اور اسی سے وہ شہید ہو گئے اللہ ان سے خوش ہوا اور اپنی خاص رحمتیں انہیں عنایت فرمائے ان کے ساتھ ہی بادشاہ بھی مر گیا اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیوست کر دی کہ دین ان کا ہی سچا ہے چنانچہ نجران کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے دین پر قائم ہو گئے اور وہی مذہب اس وقت حق تھا ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن کر دنیا میں نہ آئے تھے لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ان میں بدعتیں پیدا ہونے لگیں اور پھیل گئیں اور دین حق کا نور چھن گیا غرض نجران میں عیسائیت کے پھیلنے کا اصلی سبب یہ تھا ایک زمانہ کے بعد ذونواس یہودی نے اپنے لشکر لے کر ان نصرانیوں پر چڑھائی کی اور غالب آ گیا پھر ان سے کہا یا تو یہودیت قبول کر لو یا موت انہوں نے قتل ہونا منظور کیا اس نے خندقیں کھدوا کر آگ سے پر کر کے ان کو جلا دیا بعضوں کو قتل بھی کیا بعضوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دیئے وغیرہ تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو اس سرکش نے قتل کیا اسی کا ذکر آیت: قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ میں ہے ذونواس کا نام زرعہ تھا اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا اس کے باپ کا نام تبان اسعد بن کرب تھا جو تبع ہے جس نے مدینہ منورہ میں غزوہ کیا اور کعبہ کو پردہ چڑھایا اس کے ساتھ دو یہودی عالم تھے یمن والے ان ہی کے ہاتھ پر یہودی مذہب میں داخل ہوئے ذونواس نے ایک ہی دن میں صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا ان میں سے صرف صبح کے وقت ان کھائیوں میں بیس ہزار ایمان والوں کو قتل کیا ان میں سے صرف ایک ہی شخص بچ نکلا جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا یہ گھوڑے پر بھاگ کھڑا ہوا گو اس کے پیچھے بھی گھوڑے سوار دوڑائے گئے لیکن یہ ہاتھ نہ لگا یہ سیدھا شاہ روم قیصر کے پاس گیا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھا چنانچہ دوس وہاں سے حبشہ کے نصرانیوں کا لشکر لے کر یمن آیا اس کے سردار ارباط اور ابرہہ تھے یہودی مغلوب ہوئے یمن یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا

ذونواس بھاگ نکلا لیکن وہ پانی میں غرق ہو گیا پھر ستر سال تک یہاں حبشہ کے نصرانیوں کا قبضہ رہا بالآخر سیف بن ذی یزن حمیری نے فارس کے بادشاہ سے امدادی فوجیں اپنے ساتھ لیں اور سات سو قیدی لوگوں سے اس پر چڑھائی کر کے فتح حاصل کی اور پھر سلطنت حمیری قائم کی اس کا کچھ بیان سورہ فیل میں بھی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ سیرت ابن اسحق میں ہے کہ ایک نجرانی نے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں نجران کی ایک بنجر غیر آباد زمین اپنے کسی کام کے لئے کھودی تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن تامر کا جسم اس میں ہے آپ بیٹھے ہوئے ہیں سر پر جس جگہ چوٹ لگی تھی وہیں ہاتھ ہے اگر ہٹاتے ہیں تو خون بہنے لگتا ہے پھر ہوتھ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہاتھ اپنی جگہ چلا جاتا ہے اور خون تھم جاتا ہے ہاتھ کی ایک انگلی میں انگوٹھی ہے جس پر ربی اللہ لکھا ہوا ہے یعنی میرا رب اللہ ہے چنانچہ اس واقعہ کی اطلاع قصر خلافت میں دی گئی یہاں سے حضرت فاروق اعظم کا پیغام گیا کہ اسے یوں ہی رہنے دو اور اوپر سے مٹی وغیرہ ہٹائی ہے وہ ڈال کر جس طرح تھا اسی طرح بے نشان کر دو چنانچہ یہی کیا گیا ابن ابی الدینار نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اصبہان فتح کیا تو ایک دیوار دیکھی کہ وہ گر پڑی ہے حکم پر بنادی گئی لیکن پھر گر پڑی پھر بنوائی پھر گر پڑی آخر معلوم ہوا کہ اس کے نیچے کوئی نیک شخص مدفون ہیں جب زمین کھودی گئی تو دیکھا کہ ایک شخص کا جسم کھڑا ہوا ہے ساتھ ہی تلوار ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ میں حارث بن مضاض ہوں جس نے کھائیوں والوں سے انتقام لیا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس لاش کو نکال لیا اور وہاں دیوار کھڑی کرا دی جو برابر رہی میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو جرہمی ہے جو کعبۃ اللہ کے متولی ہوئے تھے ثابت بن اسمٰعیل بن ابراہیم کی اولاد کے بعد اس کا لڑکا عمرو بن حارث بن مضاض تھا جو مکہ میں جرہم خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس وقت کہ خزاعہ قبیلے نے انہیں یہاں سے نکالا اور یمن کی طرف جلاوطن کیا یہی وہ شخص ہے جس پر پہلے پہلے عرب میں شعر کہا جس شعر میں غیر آباد مکہ کو اپنا آباد کرنا اور زمانہ انقلابات سے پھر وہاں سے نکالا جانا اس نے بیان کیا ہے اس واقعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قصہ حضرت اسماعیلؑ کے کچھ بعد کا اور بہت پرانا ہے جو حضرت اسماعیل کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد کا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن اسحق کی اس طویل روایت سے جو پہلے گزری یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دنیا میں کئی بار ہوا ہو جیسے کہ ابن ابی حاتم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئی تھیں اور قسطنطین کے زمانہ قسطنطنیہ میں بھی مسلمانوں کو یہی عذاب کیا گیا تھا جب کہ نصرانیوں نے اپنا قبلہ بدل دیا دین مسیح میں بدعتیں ایجاد کر لیں توحید کو چھوڑ بیٹھے تو اس وقت جو سچے دیندار تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہ دیا اور اصلی دین پر قائم رہے تو ان ظالموں نے خندقیں آگ سے پر کرا کر انہیں جلا دیا اور یہی واقعہ بابل کی زمین پر عراق میں بخت نصر کے زمانہ میں ہوا جس نے ایک بت بنا لیا تھا اور لوگوں سے اسے سجدہ کراتا تھا حضرت دانیالؑ اور ان کے دونوں ساتھی عزریا اور مسایل نے اس سے انکار کر دیا تو اس نے انہیں اس آگ کی خندق میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر ٹھنڈا کر دیا انہیں سلامتی عطا فرمائی صاف نجات دی اور ان سرکش کافروں کو ان خندقوں میں ڈال لیا یہ نو قبیلے تھے سب جل کر خاک ہو گئے سدیؒ فرماتے ہیں تین جگہ یہ معاملہ ہوا عراق میں شام میں اور یمن میں مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خندقیں تین جگہ تھیں ایک تو یمن کے شہر نجران میں دوسری شام میں تیسری فارس میں شام میں اس کا بانی انطنانوس رومی تھا اور فارس میں بخت نصر اور زمین عرب پر یوسف ذونواس شام اور فارس کی خندقوں کا ذکر قرآن میں نہیں یہ ذکر نجران کا ہے حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے فترۃ کے زمانہ میں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں ایک قوم تھی انہوں نے جب دیکھا کہ لوگ فتنے اور شر میں گرفتار ہو گئے ہیں اور گروہ گروہ بن گئے ہیں اور ہر گروہ اپنے خیالات میں خوش ہے تو ان لوگوں نے انہیں

چھوڑ دیا اور یہاں سے ہجرت کر کے الگ الگ ایک جگہ بنا کر وہیں رہنا سہنا شروع کیا اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں یک سوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے نمازوں کی پابندی زکوتوں کی ادائیگی میں لگ گئے اور ان سے الگ تھلگ رہنے لگے یہاں تک کہ ایک سرکش بادشاہ کو اس باخدا جماعت کا پتہ لگ گیا اس نے ان کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ تم بھی ہمارے ساتھ مل جاؤ اور بت پرستی شروع کر دو ان سب نے بالکل انکار کیا کہ ہم سے یہی نہیں ہو سکتا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کی بندگی کریں بادشاہ نے کہلوایا کہ اگر یہ تمہیں منظور نہیں تو میں تمہیں قتل کراؤں گا جواب ملا کہ جو چاہو کرو لیکن ہم سے دین نہیں چھوڑا جائے گا اس ظالم نے خندقیں کھدوائیں آگ جلوائی اور ان سب مردوں عورتوں بچوں کو جمع کیا اور خندقوں کے کنارے کھڑا کر کے کہا بولو یہ آخری سوال جواب ہے آیا بت پرستی قبول کرتے ہو یا آگ میں گرنا قبول کرتے ہو انہوں نے کہا ہمیں جل مرنا منظور ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں نے چیخ پکار شروع کر دی بڑوں نے انہیں سمجھایا کہ بس آج کے بعد آگ نہیں نہ گھبراؤ اور خدا کا نام لے کر کود پڑو چنانچہ سب کے سب کود پڑے انہیں آنچ بھی نہیں لگنے پائی تھی کہ خدا نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور آگ خندقوں سے باہر نکل پڑی اور ان بدکردار اور سرکشوں کو گھیر لیا اور جتنے بھی تھے سارے کے سارے جلا دیئے گئے اس کی خبر ان آیتوں : قتل...... میں ہے تو اس بنا پر فتنوا کے معنی ہوئے کہ جلایا تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو جلا دیا ہے اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے اس فعل سے باز نہ آئے اپنے اس کئے پر نادم نہ ہوئے تو ان کے لئے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے تاکہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر کے کرم و رحم اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھو کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے مارا انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی وہ بخشش کا وعدہ کرتا ہے خدایا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما۔ آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

(آگے مومنین کے حق میں جن میں مظلومین بھی آ گئے ارشاد ہے کہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے آپ کے رب کی دار و گیر بڑی سخت ہے (پس کفار پر سزائے شدید کا واقعہ ہونا مستبعد نہیں اور نیز) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (قیامت میں بھی پیدا کرے گا اور وہی بخشنے والا (اور) بڑی محبت کرنے والا اور عرش کا مالک (اور) عظمت والا ہے وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون اور ثمود کا بلکہ یہ کافر (خود قرآن کی) تکذیب میں (لگے) ہیں اور (انجام کار اس کی سزا بھگتیں گے

کیونکہ) اللہ تعالیٰ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے (قرآن ایسی چیز نہیں جو جھٹلانے کے قابل ہو) بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ○

خدا تعالیٰ کی پکڑ:

اپنے دشمنوں کا انجام بیان کر کے اپنے دوستوں کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان جیسی کامیابی اور کسے ملے گی؟ پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے وہ اپنے ان دشمنوں کو جو اس کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے رہے سخت قوت کے ساتھ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی راہ نجات ان کے لئے باقی نہ رہے وہ بڑی قوتوں والا ہے جو چاہا کیا جو کچھ چاہتا ہے وہ ایک لحہ میں ہو جاتا ہے اس کی قدرتوں اور طاقتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں پہلے بھی پیدا کیا ہے اور مار ڈالنے کے بعد پھر بھی دوبارہ پیدا کر دے گا نہ اسے کوئی روکے نہ آگے آئے نہ سامنے پڑے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں اور اس کے سامنے ناک رگڑیں پھر چاہے کیسی ہی خطائیں ہوں ایک دن میں سب معاف ہو جاتی ہیں اپنے بندوں سے وہ پیار و محبت رکھتا ہے وہ عرش والا ہے جو عرش تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے اور تمام خلائق کے اوپر ہے مجید کی دو قرأتیں ہیں دال کا پیش بھی اور دال کا زیر بھی پیش کے ساتھ وہ خدا کی صفت بن جائے گا اور زیر کے ساتھ عرش کی صفت ہے معنی دونوں کے بالکل صحیح اور درست ہیں وہ جس کام کا جب ارادہ کرے کرنے پر قدرت رکھتا ہے اس کی عظمت عدالت حکمت کی بنا پر نہ کوئی اسے روک سکے نہ اس سے پوچھ سکے حضرت صدیق اکبرؓ سے ان کی اس بیماری میں جس میں آپ کا انتقال ہوتا ہے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کسی طبیب نے بھی آپ کو دیکھا فرمایا ہاں پوچھا کیا کہا فرمایا کہ جواب دیا: اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ پھر فرماتا ہے کہ کیا تجھے خبر بھی ہے کہ فرعونیوں اور ثمودیوں پر کیا کیا عذاب آئے اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی کسی طرح کی مدد کر سکتا اور نہ کوئی اس عذاب کو ہٹا سکا مطلب یہ ہے کہ اس کی پکڑ سخت ہے جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو دردناکی اور سختی سے بڑی زبردست پکڑ پکڑتا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے سنا کوئی بیوی صاحبہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہی ہیں: هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ آپ کھڑے رہ گئے اور کان لگا کر سنتے رہے اور فرمایا: نَعَمْ قَدْ جَآءَنِیْ یعنی ہاں میرے پاس وہ خبریں آ گئیں یعنی قرآن کی اس آیت کا جواب دیا کہ کیا تجھے فرعونیوں اور ثمودیوں کی خبر پہنچی ہے؟ پھر فرمایا کہ بلکہ کافر شک وشبہ میں کفر و شرک و سرکشی میں ہیں اور اللہ ان پر قادر اور غالب ہے نہ یہ اس سے گم ہو سکیں نہ اسے عاجز کر سکیں بلکہ یہ قرآن عزت و کرامت والا ہے وہ لوح محفوظ کا نوشتہ ہے بلند فرشتوں میں ہے زیادتی کمی سے پاک اور سرتاپا محفوظ ہے نہ اس میں تبدیلی ہو نہ تحریف حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر ہے عبدالرحمٰن بن سلمان فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوا ہو رہا ہے اور ہوگا وہ سب لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب تک انہیں اجازت نہ ملے وہ اسے دیکھ نہیں سکتے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے اس کا دین اسلام ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے وعدے کو سچا جانے اس کے رسولوں کی تابعداری کرے خدائے عالم اسے جنت میں داخل کرے گا فرماتے ہیں کہ یہ لوح سفید موتی کی ہے اس کا طول آسمان و زمین کے درمیان کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر ہے اس کے دونوں کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں اس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے ہیں اس کا قلم نور ہے اس کا کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے اس کی اصل فرشتہ کی گود میں ہے مقاتلؒ فرماتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے

عرش کے دائیں طرف ہے طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا اس کے صفحے سرخ یاقوت کے ہیں اس کا قلم نور کا ہے اس کی کتابت نور ہے اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے وہ پیدا کرتا ہے روزی دیتا ہے مارتا ہے جلاتا ہے عزت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

تفسیر سورہ طارق مکیہ

مسند احمد میں ہے کہ خالد بن ابو جبل عدوانی نے ثقیف قبیلے کی مشرقی جانب میں رسول اللہ علیہ وسلم کو لکڑی پر یا کمان پر ٹیک لگائے ہوئے اس پوری سورت کو پڑھتے سنا جب کہ آپ لوگوں سے امداد طلب کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے تھے حضرت خالد نے اسے یاد کر لیا جب یہ ثقیف کے واپس آئے تو ثقیف نے ان سے پوچھا کیا کہہ رہے ہیں یہ بھی اس وقت مشرک تھے انہوں نے بیان کیا تو وہ قریشی بھی وہاں موجود تھے بول اٹھے کہ اگر یہ حق ہوتا تو کیا اب تک ہم مان نہ لیتے نسائی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاذؓ نے مغرب کی نماز میں سورہ بقرہ یا سورہ نساء پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے[1]؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ: وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور ایسی سورتیں پڑھ لیتا۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۷

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات نمودار ہونے والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر (اعمال کا) کوئی یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو (جب بات یہ ہے) تو انسان کو قیامت کی فکر کرنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے (تو اس سے ثابت ہوا کہ) وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (اور

[1] کیونکہ یہ سورتیں نہایت طویل ہیں اس لئے جماعت میں شریک لوگوں کے اکتا جانے کا اندیشہ تھا اور ہو سکتا تھا کہ عوام نماز ہی چھوڑ بیٹھیں اس لئے آپ نے نماز میں ایسی صورتیں پڑھنے سے روک دیا۔

یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا) جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی پھر انسان کو نہ تو خود (مدافعت کی قوت) ہوگی نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا ○

وہ روشن ستارہ:

اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور ان میں موجود روشن ستاروں کی قسم کھاتا ہے طارق کی تفسیر چمکتے تارے سے کی ہے وجہ یہ ہے کہ دن کو چھپے رہتے ہیں اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی اپنے گھر رات کے وقت بلا اطلاع نہ آئے۔ یہاں بھی لفظ طروق ہے آپ کی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ آیا ہے ثاقب کہتے ہیں چمکیلے اور روشنی والے ستارہ کو جو شیطان پر گرتا ہے اور اسے جلا دیتا ہے ہر شخص پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ مقرر ہے جو اسے آفات سے بچاتا ہے جیسے اور جگہ ہے: مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (سورہ رعد:۱۱) آگے پیچھے سے آنے والے باری باری سے آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو خدا تعالیٰ کے حکم سے بندے کی حفاظت کرتے ہیں پھر انسان کی ضعیفی کا بیان ہو رہا ہے کہ دیکھو تو اس کی اصل کیا ہے؟ اور گویا کہ اس میں قیامت کا یقین دلایا گیا ہے کہ جو ابتدائی پیدائش پر قادر ہے وہ لوٹانے پر قادر کیوں نہ ہوگا جیسے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (سورہ روم:۲۷) یعنی جس نے پہلے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ لوٹائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے انسان اچھلتے پانی یعنی عورت مرد کی منی سے پیدا کیا گیا ہے جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کی چھاتی سے نکلتی ہے عورت کا یہ پانی زرد رنگ اور پتلا ہوتا ہے اور دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے تریبہ کہتے ہیں ہار کی جگہ کو مونڈھوں سے لے کر سینے تک کو بھی کہا گیا ہے اور نرخرے سے نیچے کو بھی کہا گیا ہے اور چھاتیوں سے اوپر کے حصے کو بھی کہا گیا ہے اور نیچے کی طرف چار پسلیوں کو بھی کہا گیا ہے اور دونوں چھاتیوں اور دونوں پیروں اور دونوں کے درمیان کو بھی کہا گیا ہے دل کے نچوڑ کو بھی کہا گیا ہے سینہ اور پیٹھ کے درمیان کو بھی کہا جاتا ہے وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے یعنی نکلے ہوئے پانی کو اس کی جگہ واپس پہنچا دینے پر اور یہ مطلب کہ اسے دوبارہ پیدا کر کے آخرت کی طرف لوٹانے پر بھی پہلا قول ہی ٹھیک ہے اور یہ دلیل کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے پھر فرمایا کہ قیامت کے دن چھپی ہوئی چیزیں کھل جائیں گی راز ظاہر ہو جائیں گے بھید آشکارا ہو جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر غدار (عہد شکن و خائن) کی رانوں کے درمیان اس کے عذر (عہد شکنی) کا جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ فلاں بن فلاں کی غداری و عہد شکنی یا خیانت ہے اس دن نہ تو خود انسان کو کوئی قوت حاصل ہوگی نہ اس کا کوئی اور مددگار ہوگا یعنی نہ تو خود اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا نہ کوئی اور ہوگا جو اسے خدا کے عذاب سے بچا سکے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

ع ۱۷

قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو (بیج نکلتے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے جواب قسم ہے) کہ یہ قرآن (حق و باطل میں) ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے کوئی لغو چیز نہیں ہے (ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح

کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی (ان کی ناکامی اور عقوبت کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں تو آپ ان کافروں (کی مخالفت) کو یوں ہی رہنے دیجئے اور زیادہ دن نہیں ہے بلکہ ان کو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے ○

بارش والا آسمان:

رجع کے معنی بارش کے بادل بارش والی کے برسنے کے ہر سال بندوں کی روزی لوٹانے کے جس کے بغیر یہ اور ان کے جانور ہلاک ہو جائیں سورج اور چاند ستاروں کے ادھر ادھر مروی ہیں زمین پھٹتی ہے دانہ گھاس چارہ نکلتا ہے یہ قرآن حق ہے عدل کا حکم ہے یہ کوئی قصہ باتیں نہیں کافر اسے جھٹلاتے ہیں خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں طرح طرح کے مکروفریب سے لوگوں کو خلاف قرآن پر اکساتے ہیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ذرا سی ڈھیل دے پھر عنقریب دیکھ لے گا کہ کیسے کیسے بدترین عذابوں میں یہ پکڑے جاتے ہیں اور جیسے اور جگہ ہے: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (سورہ لقمان:۲۴) یعنی ہم انہیں کچھ معمولی سا فائدہ دیں گے پھر نہایت سخت عذاب کی طرف انہیں بے بس کر دیں گے۔

تفسیر سورہ اعلیٰ مکیہ

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ آئے ہیں ہمیں قرآن پڑھانا شروع کیا پھر حضرت عمارؓ حضرت بلالؓ حضرت سعدؓ آئے پھر حضرت عمر بن خطابؓ اپنے ساتھ بیس صحابہ کو لے کر آئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ شاید ہی کسی چیز پر اس قدر خوش ہوئے ہوں جیسا کہ آپ کی تشریف آوری پر خوش ہوئے یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی پکار اٹھے کہ یہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ تشریف لائے آپ کے آنے سے قبل ہی میں نے سورت سَبِّحِ اسْمَ جیسی اور سورتوں کے ساتھ یاد کر لی تھی مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سورت بہت محبوب تھی صحیحین کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ تو نے: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی؟ مسند احمد میں ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ دونوں عید کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ والے دن اگر عید ہوتی تو عید میں اور جمعہ میں دونوں میں انہی سورتوں کو پڑھتے یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے ابن ماجہ وغیرہ میں بھی ہے مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ سورہ معوذتین یعنی: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی پڑھتے تھے یہ حدیث بھی بہت سے صحابیوں سے بہت سے طریق کے ساتھ مروی ہے ہمیں اگر کتاب کے طویل ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو ان سندوں کو اور ان تمام روایتوں کے الفاظ کو جہاں تک میسر ہوتا ذکر کرتے لیکن جتنا کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا یہ بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع:۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات:۱۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے زمیں سے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا (اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جتنا) قرآن (نازل کرتے جائیں) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرا دیا کریں گے) پھر آپ (اس میں سے کوئی جز) نہیں بھولیں گے مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے) وہ ہر ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے اور اسی طرح ہم آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے (کہ سمجھنا بھی اور آسان ہوگا اور عمل بھی آسان ہوگا) تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (خدا سے) ڈرتا ہے اور جو شخص بدنصیب ہے وہ اس سے کرتا ہے جو (آخرکار) بڑی آگ میں (یعنی آتش دوزخ میں) داخل ہوگا پھر نہ اس میں مر ہی جائے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جئے گا ○

پاکیزہ نام:

مسند احمد میں ہے عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تم اپنے رکوع میں کرلو جب: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اتری تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدے میں کرلو۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھتے تو کہتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى حضرت علیؓ سے بھی یہ مروی ہے حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے اور آپ جب: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ پڑھتے اور آخری آیت: اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى پر پہنچتے تو فرماتے: سُبْحَانَكَ وَ بَلٰى (سورہ طہٰ:۵۰) اللہ تعالیٰ یہاں ارشاد فرماتا ہے اپنے بلندیوں والے پرورش کرنے والے خدا کے پاک نام کی پاکیزگی اور تسبیح بیان کرو جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور سب کو اچھی ہیئت بخشی انسان کو سعادت کی رہنمائی کی جانور کو چرنے چگنے وغیرہ کی جیسا کہ ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہے: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر رہبری کی صحیح مسلم میں ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر لکھی اس کا عرش پانی پر تھا جس نے ہر قسم کے نباتات اور کھیت نکالے پھر ان سبز چاروں کو خشک

اور سیاہ رنگ کر دیا بعض عارفان کلام عرب نے کہا ہے کہ یہاں بعض الفاظ جو ذکر میں مؤخر ہیں معنی کے لحاظ سے مقدم ہیں یعنی مطلب ہے کہ جس گھاس اور چارہ سبز رنگ سیاہی مائل پیدا کیا پھر اسے خشک کر دیا گو یہ معنی بھی بن سکتے ہیں لیکن کچھ زیادہ ٹھیک نہیں معلوم ہو کیونکہ مفسرین کے اقوال کے خلاف ہیں پھر فرماتا ہے کہ آپ کو ہم اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا پڑھائیں گے جسے آپ بھولیں گے نہیں ہاں اگر خود خدا کوئی آیت بھلا دینی چاہے تو اور بات ہے امام ابن جریرؒ تو اسی مطلب کو پسند کرتے ہیں اور مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو قرآن ہم آپ کو پڑھاتے ہیں اسے نہ بھولئے ہاں جسے ہم خود منسوخ کر دیں وہ اور بات ہے خدا پر بندوں کے چھپے کھلے اعمال احوال عقائد سب ظاہر ہیں ہم آپ کو بھلائی کے کام اچھی باتیں شرعی امر آسان کر دیں گے نہ ان میں کجی ہوگی نہ سختی نہ جرم ہوگا' تو نصیحت کیجئے اگر نصیحت فائدہ دے اس سے معلوم ہوا کہ نالائقوں کو نہ سکھانا چاہئے جیسے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تم دوسروں کے ساتھ وہ باتیں کرو گے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بھلی باتیں ان کے لئے بری بن جائیں گی اور باعث فتنہ ہو جائیں گی بلکہ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات چیت کرو تا کہ لوگ خدا اور رسول کو نہ جھٹلائیں پھر فرمایا کہ اس سے نصیحت وہ حاصل کرے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہے جو اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے اور اس سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کر سکتا جو بد بخت جو جہنم میں جانے والا ہو جہاں نہ تو راحت کی زندگی ہے نہ بھلی موت ہے بلکہ وہ دائمی عذاب اور ہمیشہ قائم رہنے والی برائی ہے اس میں طرح طرح کے عذاب اور بدترین سزائیں ہیں مسند احمد میں ہے جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو نہ موت آئے نہ کار آمد زندگی ملے ہاں جن کے ساتھ خدا کا ارادہ رحمت ہے وہ آگ میں گرتے ہی جل کر مر جائیں گے پھر سفارشی لوگ جائیں گے اور ان کے ڈھیر چھڑا لائیں گے پھر نہر حیات میں ڈال دیئے جائیں گے جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور وہ اس طرح جی اٹھیں گے جس طرح دانہ نالی کے کنارے کوڑے پر اگ آتا ہے کہ پہلے سبز ہوتا ہے پھر زرد پھر ہرا لوگ کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس طرح بیان فرماتے ہیں جیسے آپ جنگل سے واقف ہوں یہ حدیث مختلف الفاظ سے بہت سی کتب میں موجود ہے قرآن کریم میں ایک اور جگہ ہے : وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ...... (سورہ زخرف:۷۷) یعنی جہنمی لوگ پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک داروغہ جہنم خدا تعالیٰ سے کہہ کہ وہ ہمیں موت دے جواب ملے گا تم تو اب اسی میں پڑے رہنے والے ہو اور جگہ ہے : لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا (سورہ فاطر:۳۶) نہ تو ان کو موت آئے گی نہ عذاب کم ہوں گے اور بھی اس معنی کی آیتیں ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

بامراد ہوا جو شخص (قرآن سن کر خبائث عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر اے منکرو تم آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور پائیدار ہے (اور یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ) اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں پس زیادہ تر مؤکد ہوا۔

فلاح یاب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے رذیل اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کرلیا احکام اسلام کی تعمیل کی نماز کو ٹھیک وقت پر قائم کیا صرف خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اس نے نجات اور فلاح پالی رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کو مان لے اور پانچوں وقت کی نمازوں کی پوری طرح سے حفاظت کرے وہ نجات پا گیا (بزار) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ وقت کی نماز ہے حضرت ابو العالیہ نے ایک مرتبہ ابو خلدہ سے فرمایا کہ کل جب عید گاہ جاؤ تو مجھ سے ملتے جانا جب میں گیا تو مجھ سے کہا کچھ کھا لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں فرمایا نہا چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا زکوٰۃ فطر ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا بس یہی کہنا تھا کہ اس آیت میں یہی مراد ہے اہل مدینہ فطرہ سے اور پانی پلانے سے افضل اور صدقہ نہیں جانتے تھے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی لوگوں کو فطرہ ادا کرنے کا حکم کرتے پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے حضرت ابو الاحوصؒ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی نماز کا ارادہ کرے اور کوئی سائل آ جائے تو اسے خیرات دے دے پھر یہی آیت پڑھی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے مال کو پاک کرلیا اور اپنے رب کو راضی کرلیا پھر ارشاد ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو مگر دراصل تمہاری مصلحت تمہارا نفع اخروی زندگی کو دنیوی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے دنیا حقیر ہے فانی ہے آخرت اعلیٰ ہے باقی ہے ایک عاقل ایسا نہیں کرسکتا کہ فانی کو باقی پر اختیار کرلے اور اس کے اہتمام کو چھوڑ دے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر آخرت میں نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال وہاں نہ ہو اس کے جمع کرنے کے پیچھے وہ لگتے ہیں جو بے وقوف ہوں ابن جریر میں ہے کہ عرفجہ ثقفی اس سورت کو حضرت ابن مسعودؓ کے پاس پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے تو تلاوت چھوڑ کر اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ سچ ہے ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی لوگ خاموش رہے تو آپ نے پھر فرمایا اسلئے ہم دنیا کے گرویدہ ہو گئے کہ یہاں کی زینت کو یہاں کی عورتوں کو یہاں کے کھانے پینے کو ہم نے دیکھ لیا آخرت نظروں سے اوجھل ہے تو ہم نے اس موجود کی طرف توجہ دی اور اس بعد والی دنیا سے آنکھیں پھیر لیں یا تو یہ فرمان حضرت عبداللہ کا بطور تواضع کے ہے یا پھر عام انسان کی بابت فرماتے ہیں واللہ اعلم ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت رکھی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا تم اے لوگو! باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مسند احمد) پھر فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ تھا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سب بیان ان صحیفوں میں بھی تھا (بزار) نسائی میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے اور جب آیت : وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی سورہ مریم: ۳۷ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے کو نہ اٹھانا ہے سورہ نجم میں ہے : اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی (سورہ نجم: ۳۶) آخری مضمون تک کی تمام آیتیں یعنی یہ سب احکام اگلی کتابوں میں بھی تھے اسی طرح یہاں بھی مراد : سَبِّحِ اسْمَ کی یہ آیتیں ہیں بعضوں نے پوری سورت کہی ہے بعضوں نے : قَدْ اَفْلَحَ سے اَبْقٰی تک کہا ہے زیادہ ٹھیک بھی یہی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

تفسیر سورہ غاشیہ مکیہ

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : سَبِّحِ اسْمَ اور غَاشِیَه کو نماز عیدین اور جمعہ میں پڑھتے تھے موطا امام مالک میں ہے کہ جمعہ کے دن پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں : هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ پڑھتے تھے (ابوداؤد) صحیح مسلم ابن ماجہ اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۲۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝

آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے) بہت سے چہرے اس روز ذلیل (اور) مصیبت جھیلتے (اور مصیبت جھیلنے سے) خستہ ہوں گے (اور) آتش سوزاں میں داخل ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جائیں گے (اور) ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ (تو کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کرے گا ○

حدیث الغاشیہ:

غاشیہ قیامت کا نام ہے اس لئے کہ وہ سب پر آئے گی سب کو گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر ایک کو ڈھانپ لے گی ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی آپ کھڑے ہو کر سننے لگے اس نے یہ آیت: هَلْ اَتٰىكَ پڑھی یعنی کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی قیامت کی بات پہنچی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نَعَمْ قَدْ جَآءَنِيْ یعنی ہاں میرے پاس پہنچ چکی ہے اس دن بہت سے لوگ ذلیل چہروں والے ہوں گے ذلت ان پر برس رہی ہوگی ان کے اعمال غارت ہو گئے ہوں گے اور بڑے اعمال کئے تھے سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ آج بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے[1]۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے وہاں کے راہب کو آواز دی وہ حاضر ہوا آپ اسے دیکھ کر رو دیئے لوگوں نے پوچھا حضرت کیا بات ہے؟ تو فرمایا اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی کہ عبادت و ریاضت کرتے ہیں لیکن آخر جہنم میں جائیں گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد نصرانی ہیں عکرمہؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں گناہوں کے کام کرتے رہے اور آخرت میں عذاب کی تکلیفیں برداشت کریں گے یہ سخت بھڑکنے والی جلتی تپتی آگ میں جائیں گے جہاں سوائے ضریع کے اور کچھ کھانے کو نہ ملے گا ضریع آگ کا درخت ہوگا جہنم کا پتھر ہوگا عفور کی بیل ہوگی اس میں زہریلے کانٹے دار پھل لگے ہوں گے یہ بدترین کھانا ہوگا اور نہایت ہی برا ہوگا نہ بدن بڑھائے گا اور نہ بھوک مٹائے گا اور نہ نقصان دور ہوگا۔

[1] یعنی اپنے خیال میں انہوں نے عبادت کے طور پر بڑے شاق امور کئے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مقبول ہوں گے لیکن بجائے اس کے کہ وہ ان کے لئے مفید ہوں گے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال نہیں تھے۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿١٦﴾

بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) کاموں کی بدولت خوش ہوں گے (اور) بہشت بریں میں ہوں گے جس میں کوئی لغویات نہ سنیں گے اس بہشت میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (اور) اس (بہشت) میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے آبخورے (موجود) ہیں اور برابر لگے ہوئے گدے (تکئے) ہیں اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں ○

شاداب چہرے:

اوپر چونکہ بدکاروں کا بیان اوران پر ہونے والے عذاب کا ذکر ہوا تھا تو یہاں نیکوکاروں کا اوران کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے فرمایا کہ اس دن بہت سے چہرے ایسے بھی ہوں گے جن پر خوشی کے اور آسودگی کے آثار ہوں گے یہ اپنے اعمال سے خوش ہوں گے جنتوں کے بلند و بالا خانوں میں ہوں گے جس میں کوئی لغو بات کان میں نہ پڑے گی جیسے فرمایا: لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا (سورہ مریم:۶۲) اس میں سوائے سلامتی اور سلام کے کوئی بری بات نہ سنیں گے اور فرمایا: لا لغو فيها و لا تاثيم نہ اس میں بے ہودگی ہے نہ گناہ کی باتیں اور فرمایا: لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيمًا إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (سورہ واقعہ:۲۵-۲۶) نہ اس میں فضول گوئی سنیں گے نہ بری باتیں سوائے سلام ہی سلام کے اور کچھ نہ ہوگا اس میں بہتی ہوئی نہریں ہوں گی یہاں نکرہ اثبات کے تحت میں ہے ایک ہی نہر مراد نہیں بلکہ جنس نہر مراد ہے یعنی نہریں بہتی ہوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے پہاڑوں اور مشک کے ٹیلوں سے نکلتی ہیں اس میں اونچے اونچے بلند و بالا تخت ہیں جن پر بہترین فرش ہیں اوران کے پاس حوریں بیٹھی ہوئی ہیں گو یہ تخت بہت اونچے اور ضخامت والے ہیں لیکن جب یہ اللہ کے دوست ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ جھک جائیں گے شراب کے بھرپور جام ادھر ادھر قرینے سے چنے ہوئے ہیں جو چاہے جس قسم کا چاہے جس مقدار میں چاہے لے لے اور پی لے اور تکیے ہیں ایک قطار میں لگے ہوئے اور ادھر ادھر بہترین بستر ے اور فرش باقاعدہ بچھے ہوئے ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی ہے جو تہبند چڑھائے[1] جنت کی تیاری کرلے اس جنت کی جس کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے رب کعبہ کی قسم وہ ایک چمکتا ہوا نور ہے وہ ایک لہلہاتا ہوا سبزہ ہے وہ بلند و بالا محلات ہیں وہ بہتی ہوئی نہریں ہیں وہ بکثرت ریشمی حلے ہیں وہ پکے پکائے تیار عمدہ پھل ہیں وہ ہیشگی والی جگہ ہے وہ سراسر میوہ جات سبزہ راحت اور نعمت ہے وہ تروتازہ بلند و بالا جگہ ہے سب لوگ بول اٹھے کہ ہم سب اس کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے تیاری کریں گے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کہو صحابہؓ نے انشاء اللہ تعالیٰ کہا۔

[1] تہبند چڑھانے کا مطلب صرف اظہار تیاری ہے جیسا کہ ہمارے یہاں آستین سوتنا لڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

تو (ان کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے تو آپ (بھی ان کی فکر میں نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے (کیونکہ) آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو آخرت میں بڑی سزا دے گا کیونکہ ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے (آپ غم میں نہ پڑیئے)○

نظرِ عبرت:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مخلوقات پر تدبر کے ساتھ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی بے انتہا قدرت ان میں سے ہر چیز میں کس طرح ظاہر ہوتی ہے اس کی پاک ذات پر ہر چیز کس طرح دلالت کر رہی ہے اونٹ کو ہی دیکھو کہ کس عجیب و غریب ترکیب اور ہیئت کا ہے کتنا مضبوط اور قوی ہے اور باوجود اس کے کس طرح نرمی اور آسانی سے بوجھ لاد لیتا ہے اور ایک بچے کے ساتھ بھی کس طرح اطاعت گزار بن کر چلتا ہے اس کا گوشت بھی تمہارے کھانے میں آتا ہے اس کے بال بھی تمہارے کام آتے ہیں اس کا دودھ تم پیتے ہو اور طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو سب سے پہلے اسے اس لئے بیان کیا گیا کہ عموماً عرب کے ملک میں اور عربوں کے پاس یہی جانور تھا[1] حضرت شریح قاضی فرمایا کرتے تھے کہ آؤ چلو چل کر دیکھیں کہ اونٹ کی پیدائش کس طرح ہے اور آسمان کی بلندی زمین کے مقابلہ میں کیسے ہے وغیرہ اور جگہ ارشاد ہے: اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ...... (سورۃ ق:۶) کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا کیسے مزین کیا اور ایک سوراخ نہیں چھوڑا پھر پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے گاڑ دیئے تاکہ زمین ہل نہ سکے اور پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ چھوڑ سکیں پھر اس میں جو بھلائی اور نفع کی چیزیں پیدا کی ہیں ان پر بھی نظر ڈالو زمین کو دیکھو کہ کس طرح پھیلا کر بچھا دی گئی ہے غرض یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا جو قرآن کے مخاطب عربوں کے ہر وقت پیش نظر رہا کرتی ہیں ایک بدوی جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا ہے زمین اس کے نیچے ہوتی ہے آسمان اس کے اوپر ہوتا ہے پہاڑ اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اونٹ پر خود سوار

[1] علم حیوانات کے ماہرین کا بیان ہے کہ اونٹ اپنی بعض عادتوں کی بنا پر ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے بھی دوسرے جانوروں سے بہت ممتاز ہے مثلاً اگر کھا پی لے تو ہفتوں کے لئے فارغ اسی طرح پیشاب غلاظت کے طریقے دوسرے جانوروں سے جدا اور ساتھ ہی اہل عرب کے لئے جس قدر کار آمد تھا اس کا ذکر نہایت مناسب ہے۔

ہے ان باتوں سے خالق کی قدرت کاملہ اور صنعت ظاہرہ بالکل ہویدا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خالق، صانع، رب عظمت عزت والا مالک اور متصرف معبود برحق اور خدائے حقیقی صرف وہی ہے اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کے سامنے ہم اپنی عاجزی اور پستی کا اظہار کریں جسے ہم حاجتوں کے وقت پکاریں جس کا نام لیں اور جس کے سامنے سربسجود ہوں حضرت ضمامؓ نے جو سوالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے وہ اس کی قسمیں دے کر کئے تھے بخاری مسلم ترمذی نسائی مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بار بار سوالات کرنے سے روک دیا گیا تھا تو ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ باہر کا کوئی عقلمند شخص آئے وہ سوالات کرے ہم بھی موجود ہوں اور پھر ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سنیں چنانچہ ایک دن ایک بادیہ نشین آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قاصد ہمارے پاس آئے اور ہم سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ خدا نے آپ کو اپنا رسول بنایا ہے آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا وہ کہنے لگا بتلایئے کس نے آسمان کو پیدا کیا ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا زمین کس نے پیدا کی؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا ان پہاڑوں کو کس نے گاڑ دیا اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا پس آپ کو قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کو پہاڑوں کو گاڑ دیا اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں فرمایا اس نے سچ کہا کہا اس اللہ تعالیٰ کی آپ کو قسم ہے جس نے آپ کو بھیجا ہے کہ کیا یہ خدا کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں کہا آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے فرمایا سچ ہے کہا آپ کو اپنے بھیجنے والے خدا کی قسم کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں کہا اور آپ کے قاصد نے ہم میں سے طاقت رکھنے والے لوگوں کو حج کا حکم بھی دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں اس نے سچ کہا وہ یہ سن کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس خدائے واحد کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے نہ میں ان میں کچھ زیادتی کروں نہ ان میں کمی کروں[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا بعض روایات میں ہے کہ اس نے کہا میں ضمام بن ثعلبہ ہوں بنو سعد بن بکر کا بھائی۔ ابو یعلی میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت پہاڑ پر تھی اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا یہ عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اس کے لڑکے نے اس سے پوچھا کہ اماں جان تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ نے پوچھا میرے ابا جی کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ نے پوچھا مجھے؟ کہا اللہ نے پوچھا آسمان کو؟ کہا اللہ نے پوچھا پہاڑوں کو؟ بتلایا کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے بچے نے پھر سوال کیا کہ اچھا ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے کہا انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے بچے کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ خدا تعالیٰ بڑی شان والا ہے اس کا دل عظمت خدا سے بھر گیا وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور پہاڑ پر سے گر پڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی یہ حدیث ہم سے اکثر بیان فرمایا کرتے تھے اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن جعفر مدینی ضعیف ہیں پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم تو خدا کی رسالت کی تبلیغ کیا کرو تم پر صرف بلاغ ہے حساب ہمارے ذمہ ہے آپ ان پر مسلط نہیں ہیں جبر کرنے والے نہیں ہیں ان کے دلوں میں آپ ایمان پیدا نہیں کر سکتے آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے

---

[1] یعنی اپنی قوم میں جا کر آپ سے ہونے والی اس گفتگو کو اسی تفصیل سے بیان کر دوں گا نہ اس میں کچھ گھٹاؤں گا اور نہ بڑھاؤں گا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں ان تمام چیزوں پر اس طرح عمل کروں گا کہ ان میں سے ایک بھی چھوٹنے نہ پائے اور کیونکہ اس وقت بہت سی عبادات مثلاً روزہ وغیرہ کی مشروعیت نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کا ذکر حدیث میں نہیں آیا۔

لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں جب وہ اسے کہہ لیں تو انہوں نے اپنے مال و جان مجھ سے بچالئے مگر حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (مسلم ترمذی مسند وغیرہ) پھر فرماتا ہے مگر جو منہ موڑے اور کفر کرے یعنی نہ تو عمل کرے نہ ایمان لائے نہ اقرار کرے جیسے فرمان ہے: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (سورہ قیامہ: ۳۱: ۳۲) نہ تو (حق بات کی) تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا اسی لئے اسے بہت بڑا عذاب ہوگا ابو امامہ باہلیؓ حضرت خالد بن یزید بن معاویہؒ کے پاس گئے تو کہا کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو آسان سے آسان حدیث سنی ہو اسے مجھے سناؤ تو آپ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا مگر وہ جو اس طرح کی سرکشی کرے جیسے شریر اپنے مالک پر کرتا ہے (مسند احمد) ان سب کا لوٹنا ہماری ہی جانب ہے اور پھر ہم ہی ان سے حساب لیں گے اور انہیں بدلہ دیں گے نیکی کا نیک، بدی کا بد۔

تفسیر سورہ فجر مکیہ

نسائی شریف میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے نماز پڑھائی ایک شخص آیا اور جماعت میں شامل ہو گیا حضرت معاذؓ نے نماز میں قرأت لمبی کی اس نے مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر فارغ ہو کر چلا گیا حضرت معاذؓ کو بھی یہ واقعہ معلوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بطور شکایت یہ واقعہ بیان کیا آپ نے اس جوان کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا کرتا میں ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا انہوں نے لمبی قرأت شروع کر دی تو میں نے گھوم کر مسجد کے کونے میں اپنی نماز پڑھ لی پھر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا اور فرمایا اے معاذ کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے[1] تو ان سورتوں سے کہاں ہے؟: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى...... وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا...... وَالْفَجْرِ...... وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى......۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۳۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا

[1] اسی لئے فقہاء نے لمبی قرأت سے منع کیا ہے۔ قرأت ایسی ہونی چاہیے جس سے مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ ہو یعنی نہ بہت لمبی ہو نہ بہت مختصر۔

فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

قسم ہے (فجر کے وقت کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت کی اور طاق کی اور (قسم ہے) رات کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گزرنے لگے) کیوں اس (قسم مذکور) میں عقلمندوں کے واسطے کافی قسم بھی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد (یعنی) قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد وقامت ستونوں جیسے دراز تھے اور جن کی برابر (زور وقوت میں دنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا اور (اور آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے (ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) جو وادی القریٰ میں (پہاڑ کے) پتھروں کو تراشا کرتے تھے (اور مکانات بنایا کرتے تھے) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنہوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا بے شک آپ کا رب (نافرمانوں کے) گھات میں ہے ○

صبح کی قسم:

فجر تو ہر شخص جانتا ہی ہے یعنی صبح اور یہ مطلب بھی ہے کہ بقر عید کے دن کی صبح اور یہ مراد بھی ہے کہ صبح کے وقت کی نماز اور پورا دن اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ مہینے کی پہلی دس راتیں چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ کوئی عبادت ان دس دنوں کی عبادت سے افضل نہیں لوگوں نے پوچھا اللہ کی راہ کا جہاد بھی؟ فرمایا یہ بھی نہیں مگر جو شخص جان و مال لے کر نکلا اور پھر کچھ ساتھ لے کر نہ پلٹا بعضوں نے کہا ہے محرم کے پہلے دس دن مراد ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں رمضان شریف کے دس دن لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد عرفے کا دن ہے اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے اس کی اسناد میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن متن میں نکارت ہے واللہ اعلم۔ وتر سے مراد عرفے کا دن ہے یہ نویں تاریخ ہوتی ہے تو شفع سے دسویں تاریخ ہے یعنی بقر عید کا دن ہے وہ طاق ہے یہ جفت ہے حضرت واصل بن صائب نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ کیا وتر سے مراد یہی وتر نماز ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں شفع عرفہ کا دن ہے اور وتر عید الاضحیٰ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ شفع کیا ہے اور وتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ (سورہ). میں جو دو دن کا ذکر ہے وہ شفع ہے اور مَنْ تَاَخَّرَ میں جو ایک دن ہے وہ وتر ہے یعنی گیارہویں بارہویں ذی الحجہ کی شفع ہے اور تیرھویں وتر ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایام تشریق کا درمیانی دن شفع ہے اور آخری دن وتر ہے صحیحین میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک کم ایک سو نام ہیں جو انہیں یاد کر لے وہ جنتی ہے وہ وتر ہے وتر کو دوست رکھتا ہے زید بن اسلم فرماتے ہیں اس سے مراد تمام مخلوق ہے اس میں شفع بھی ہے اور وتر بھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ مخلوق شفع ہے اور اللہ وتر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع صبح کی نماز ہے اور وتر مغرب کی نماز ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شفع سے مراد جوڑا جوڑا اور وتر سے مراد اللہ عزوجل جیسے آسمان زمین تری خشکی جن انس سورج چاند وغیرہ قرآن میں ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (سورہ ذاریات:۴۹) ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم عبرت حاصل کرلو یعنی جان لو کہ ان تمام چیزوں کا خالق اللہ واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گنتی ہے جس میں جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے ایک حدیث میں ہے کہ شفع سے مراد دو دن ہیں اور وتر سے مراد تیسرا دن ہے یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے۔

اس سے پہلے گزر چکی ہے ایک قول یہ بھی کہ اس سے مراد نماز ہے کہ اس میں شفع ہے جیسے صبح کی دو ظہر عصر اور عشاء کی چار چار اور وتر ہے جیسے مغرب کی تین رکعتیں ہیں جو دن کے وتر ہیں اور اسی طرح آخری رات کا وتر ایک مرفوع حدیث میں مطلق نماز کے لفظ مروی ہے بعض صحابہؓ سے فرض نماز مروی ہے لیکن یہ مرفوع حدیث زیادہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرانؓ بن حصین پر موقوف ہے واللہ اعلم۔ امام ابن جریرؒ نے ان آٹھ نو اقوال میں سے کسی کو فیصل قرار نہیں دیا پھر فرماتا ہے کہ رات کی قسم جب جانے لگے اور یہ بھی معنی کئے ہیں کہ جب آنے لگے بلکہ یہی معنی زیادہ مناسب اور والفجر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں فجر کہتے ہیں رات کے جانے کو اور دن آنے کو تو یہاں رات کا آنا اور دن کا جانا مراد ہوگا جیسے :وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (سورہ تکویر:۱۷۔۱۸) میں عکرمہ فرماتے ہیں مراد مزدلفہ کی رات ہے حجر سے مراد عقل ہے حجر کہتے ہیں روک کو چونکہ عقل بھی غلط کاریوں اور جھوٹی باتوں سے روک دیتی ہے اس لئے اسے عقل کہتے ہیں حطیم کو بھی حجر البیت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار سے روک دیتا ہے اسی سے ماخوذ ہے حجر یمامہ اور اسی لئے عرب کہتے ہیں کہ :حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (سورہ فرقان:۲۲) تو فرماتا ہے کہ ان میں عقل مندوں کے لئے قابل عبرت قسم ہے کہیں تو قسمیں ہیں عبادتوں کی کہیں عبادتوں کے وقت کی جیسے حج نماز وغیرہ کہ جن سے اس کے نیک بندے اس کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی ظاہر کرتے ہیں جب ان پرہیزگار نیک لوگوں کا اور ان کی عاجزی اور تواضع کا خشوع خضوع کا ذکر کیا تو اب ان کے ساتھ ہی ان کے خلاف جو سرکش اور بدکار لوگ ہیں ان کا ذکر ہو رہا ہے تو فرماتا ہے کہ کیا تم نے نہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے عادیوں کو غارت کر دیا جو کہ سرکش اور متکبر تھے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور رسول علیہ السلام کی تکذیب اور بدیوں پر جھک پڑتے تھے ان میں خدا کے رسول حضرت ہود علیہ السلام آئے تھے یہ عاد اولیٰ ہیں جو عاد بن ارم بن عوض بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمانداروں کو تو نجات دے دی اور باقی بے ایمانوں کو تیز و تند و خوفناک اور ہلاکت آفریں ہواؤں سے ہلاک کر دیا سات راتیں اور آٹھ دن تک یہ غضبناک آندھی چلتی رہی اور یہ سارے کے سارے اس طرح غارت ہو گئے کہ ان کے سر الگ تھے اور دھڑ الگ تھے ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا جس کا مفصل بیان قرآن کریم میں کئی جگہ ہے سورۃ الحاقۃ میں بھی یہ بیان ہے۔ :اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عماد کی تفسیر بطور عطف بیان ہے تاکہ بخوبی وضاحت ہو جائے یہ لوگ مضبوط اور بلند ستونوں والے گھروں میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے اور لوگوں سے بہت بڑے تن و توش والے قوت و طاقت والے تھے اسی لئے حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ...... (سورہ اعراف:۶۹) یعنی یاد کرو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا اور تمہیں جسمانی طاقت پوری دی ہے تمہیں چاہئے کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فسادی بن کر نہ رہو اور جگہ ہے کہ عادیوں نے ناحق زمین میں سرکشی کی اور بول اٹھے کہ ہم سے زیادہ قوت والا اور کون ہے؟ کیا وہ بھول گئے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے بہت ہی زبردست طاقت و قوت والا ہے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس قبیلے جیسے طاقتور اور شہروں میں نہ تھے بڑے طویل القامت قوی الجثہ تھے ارم ان کا دار السلطنت انہیں ستونوں والا کہا جاتا تھا اس لئے بھی کہ یہ لوگ بہت دراز قد تھے بلکہ صحیح وجہ یہی کہ مثلھا کی ضمیر کا مرجع عماد بتلایا گیا ہے ان جیسے اور شہروں میں نہ تھے یہ احقاف میں بنے ہوئے لمبے لمبے تھے اور بعضوں نے ضمیر کا مرجع قبیلہ بتلایا ہے یعنی اس قبیلے جیسے لوگ اور شہروں میں نہ تھے اور یہی قول ٹھیک ہے اور اس سے پہلا قول ضعیف ہے اس لئے بھی کہ یہی مراد ہوتی تو لم یجعل کہا جاتا نہ کہ لم یخلق ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ان میں اس قدر جسمانی طاقت تھی کہ ان میں کوئی اٹھتا اور ایک بڑی ساری چٹان لے کر کسی قبیلے پر پھینک دیتا تو بے چارے سب کے سب دب کر مر جاتے حضرت ثور بن زید دیلی

فرماتے ہیں کہ ایک ورق پر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ میں شداد بن عاد ہوں میں نے ستون بلند کئے ہیں میں نے ہاتھ مضبوط کئے ہیں میں نے سات ذراع کے خزانے جمع کئے ہیں جوامت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نکالے گی غرض خواہ یوں کہئے کہ وہ عمدہ اونچے اور مضبوط مکانوں والے تھے یا وہ بلند و بالا ستونوں والے تھے یا وہ بہترین ہتھیار والے تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لمبے لمبے قد والے تھے مطلب یہ ہے کہ ایک قوم تھی جن کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہ ثمودیوں کے ساتھ آیا ہے یہاں بھی اسی طرح عادیوں اور ثمودیوں کا دونوں کا ذکر ہے واللہ اعلم ۔بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ :اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے یا تو دمشق یا اسکندریہ لیکن یہ قول ٹھیک معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ عبارت کا ٹھیک مطلب نہیں بنتا کیونکہ یا تو یہ بدل ہوسکتا ہے یا عطف بیان دوسرے اس لئے بھی کہ یہاں یہ مقصود ہے کہ ہر ایک سرکش کو خدا تعالیٰ نے برباد کیا جن کا نام عادی تھا نہ کہ کسی شہر کو میں نے اس بات کو اس لئے بیان کر دیا ہے کہ تا کہ جن مفسرین کی جماعت نے یہاں یہ تفسیر کی ہے ان سے کوئی شخص دھوکے میں نہ پڑ جائے وہ لکھتے ہیں کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جس کی ایک اینٹ سونے کی ہے دوسری چاندی کی اس کے مکانات باغات محلات وغیرہ سب چاندی سونے کے ہیں کنکر لولو اور جواہر ہیں مٹی مشک ہے نہریں بہہ رہی ہیں پھل تیار ہیں کوئی رہنے سہنے والا نہیں ہے درو دیوار خالی ہیں کوئی ہاں ہوں کرنے والا بھی نہیں یہ شہر منتقل ہوتا رہتا ہے کبھی شام کبھی یمن میں کبھی عراق میں کبھی کہیں کبھی کہیں وغیرہ یہ سب خرافات بنو اسرائیل کی ہیں ان کے بددینوں نے یہ گھڑی ہیں تا کہ جاہلوں میں اس طرح کی باتیں پھیلائیں ثعلبی وغیرہ کا بیان ہے کہ ایک اعرابی حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اپنے گمشدہ اونٹوں کو ڈھونڈ رہا تھا کہ جنگل بیابان میں اس نے اسی صفت کا ایک شہر دیکھا اس میں گیا گھوما پھرا پھر لوگوں سے آ کر ذکر کیا لوگ بھی وہاں گئے لیکن پھر کچھ نظر نہ آیا ابن ابی حاتم نے یہاں ایسے قصے نقل کئے ہیں یہ حکایت بھی صحیح نہیں اور اگر یہ اعرابی والا قصہ سنداً صحیح مان لیں تو ممکن ہے اسے ہوس اور خیال ہوا اور اپنے خیال میں اس نے یہ نقشہ جما لیا ہو اور خیالات کی پختگی اور عقل کی کمی نے اسے یقین دلایا ہو کہ وہ صحیح طور پر یہی دیکھ رہا ہے اور فی الواقع یوں نہ ہو ٹھیک اسی طرح جو جاہل حریص اور خیال کے کچے یوں سمجھتے ہیں کہ کسی خاص زمین تلے سونے چاندی کے پل ہیں اور قسم قسم کے جواہر یاقوت لولو اور موتی ہیں اکسیر کبیر ہے لیکن ایسے چند موانع ہیں کہ وہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے مثلاً خزانے کے منہ پر کوئی اژدہا بیٹھا ہے کسی جن کا پہرہ ہے وغیرہ یہ سب فضول قصے اور بنائی ہوئی باتیں ہیں انہیں گھڑ گھڑا کر بیوقوفوں اور مال کے حریصوں کو اپنے دام میں پھانس کر ان سے کچھ وصول کرنے لئے مکاروں نے مشہور کر رکھے ہیں پھر کبھی چلے کھینچنے کے بہانے سے کبھی بخور کے بہانے سے کبھی کسی اور طرح سے ان سے یہ مکار روپے وصول کر لیتے ہیں اور اپنا پیٹ پالتے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ زمین میں سے جاہلیت کے زمانہ کا یا مسلمانوں کے زمانے کا کسی کا گاڑا ہوا مال نکل آئے تو اس کا پتہ جسے چل جائے وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے نہ وہاں کوئی مارگنج ہوتا ہے نہ کوئی دیو بھوت جن پری جس طرح ان لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے یہ بالکل غیر صحیح ہے یہ ایسے ہی لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے یا ان جیسے ہی لوگوں سے سنی سنائی ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نیک سمجھ دے امام ابن جریرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے اس سے قبیلہ مراد ہو اور ممکن ہے شہر مراد ہو لیکن ٹھیک نہیں یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک قوم کا ذکر ہے نہ کہ شہر کا اسی لئے اس کے بعد ہی ثمودیوں کا ذکر کیا کہ وہ ثمودی جو پتھروں کو تراش لیا کرتے تھے جیسے اور جگہ ہے :وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (سورہ شعراء:۱۴۹) یعنی تم پہاڑوں میں اپنے کشادہ آرام دہ مکانات اپنے

ل بعض مفسرین نے ارم کے معنی بہشت کے سمجھے اور اس غلط خیال کے پیش نظر اس کو ایک شہر قرار دے کر شداد کی بنائی ہوئی جنت کے سرتا سر لغو قصے ان آیات کی تشریح و تفسیر میں بے تکلف لکھ دیئے لیکن محققین نے ان کو بے بنیاد قرار دے کر مکمل تردید کی ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ وخبر شعا والمذکورا فواہ ولا تصح روایتة کما ذکرہ حافظ ابن حجر فهم موضوع کخبر ابن قلابة رواه کما قال

ہاتھوں پتھروں میں تراش لیا کرتے ہو اس کے ثبوت میں کہ اس کے معنی تراش لینے کے ہیں عربی شعر بھی ہیں ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ثمودی عرب تھے وادی القریٰ میں رہتے تھے عادیوں کا قصہ پورا پورا سورہ اعراف میں ہم بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کی ضرورت نہیں پھر فرمایا میخوں والا فرعون اوتاد کے معنی ابن عباسؓ نے لشکروں کے کئے ہیں جو کہ اس کے کاموں کو مضبوط کرتے رہتے تھے یہ بھی مروی ہے کہ فرعون غصے کے وقت لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گڑوا کر مروا ڈالتا تھا چورنگ کر کے اوپر سے بڑا پتھر پھینکتا تھا جس سے اس کا کچومر نکل جاتا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسیوں اور میخوں وغیرہ کے اس کے سامنے کھیل کئے جاتے تھے اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی صاحبہ کو جو مسلمان ہو گئی تھیں لٹا کر دونوں ہاتھوں میں میخیں گاڑیں پھر بڑا سارا چکی کا پتھر ان کی پیٹھ پر مار کر جان لے لی خدا ان پر رحم کرے پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے سرکشی پر کمر باندھ لی تھی اور فسادی لوگ تھے لوگوں کو حقیر و ذلیل جانتے تھے اور ہر ایک کو ایذا پہنچاتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے عذاب کا کوڑا برس پڑا وہ وبال آیا جو ٹالے نہ ٹلا اور ہلاک و برباد اور تہس نہس ہو گئے تیرا رب گھات میں ہے دیکھ رہا ہے سن رہا ہے سمجھ رہا ہے وقت مقررہ پر ہر برے بھلے کو نیکی بدی کی جزا سزا دے گا یہ سب لوگ اس کے پاس جانے والے تن تنہا اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں اور وہ عدل و انصاف کے ساتھ ان میں فیصلے کرے گا اور ہر شخص کو پورا بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق تھا وہ ظلم و جور سے پاک ہے یہاں پر ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جو بہت غریب ہے جس کی سند میں کلام ہے اور صحت میں بھی نظر ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ مومن کو قرآن نے بہت سی دلی خواہشوں سے روک رکھا ہے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائے قرآن اس کی دلیل ہے خوف اس کی حجت ہے شوق اس کی سواری ہے نماز اس کی پناہ ہے روزہ اس کی ڈھال ہے صدقہ اس کا چھٹکارا ہے سچائی اس کی امیر ہے شرم اس کا وزیر ہے اور اس کا رب ان سب کے بعد اس سب پر واقف و آگاہ ہے وہ تیز تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے اس کے راوی یونس خدا اور ابوحمزہ مجہول ہیں پھر اس میں ارسال بھی ہے ممکن ہے یہ ابوحمزہ ہی کا کلام ہو اسی ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن عبداللہ کلاعی نے اپنے وعظ میں کہا لوگو جہنم کے سات پل ہیں ان سب پر پل صراط ہے پہلے ہی پل پر لوگ روکے جائیں گے یہاں نماز کا حساب کتاب ہوگا یہاں سے نجات ہو گئی تو دوسرے پل پر روک ہو گی یہاں امانتداری کا سوال ہوگا جو امانت دار ہوگا اس نے نجات پائی اور جو خیانت والا نکلا ہلاک ہوا تیسرے پل پر صلہ رحمی کی پرسش ہو گی اس کے کاٹنے والے یہاں سے نجات نہ پا سکیں گے اور ہلاک ہوں گے رشتہ داری یعنی صلہ رحمی وہیں موجود ہو گی اور یہ کہہ رہی ہو گی کہ خدایا جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ یہی معنی ہیں :اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کے یہ اثر اتنا ہی ہے پورا نہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً) اکرام انعام دیتا ہے تو وہ (بطور فخر) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (شکایتاً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم (میں اور اعمال بھی موجب عذاب ہیں چنانچہ تم) لوگ یتیم کی (کچھ) قدر (اور خاطر) نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور (تم) میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو) اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو ○

انسان کی متلون مزاجی:

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ وسعت اور کشادگی پا کر یوں سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خدا نے ان کا اکرام کیا یہ غلط ہے بلکہ دراصل یہ امتحان ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ...... (سورہ مومنون:۵۵) یعنی مال اولاد کے بڑھ جانے کو یہ لوگ نیکیوں کا اضافہ سمجھتے ہیں دراصل یہ ان کی نادانی ہے اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی تنگی ترشی کو انسان اپنی اہانت سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ دراصل یہ بھی خدا کی طرف سے آزمائش ہے اسی لئے یہاں کلا کہہ کر ان دونوں خیالات کی تردید کی کہ یہ واقعہ نہیں کہ جسے خدا مال کی وسعت دے اس سے وہ خوش ہے اور جس پر تنگی کرے اس سے ناخوش ہے بلکہ مدار خوشی اور ناخوشی کا ان دونوں حالتوں میں عمل پر ہے غنی ہو کر شکر گزاری کرے تو خدا کا محبوب اور فقیر ہو کر صبر کرے تو خدا کا محبوب خدا تعالیٰ اس طرح اور اس طرح آزماتا ہے پھر یتیم کی عزت کرنے کا حکم دیا حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہے اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہے اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا میں اور یتیم کا پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے پھر فرمایا کہ یہ لوگ فقیروں مسکینوں کے ساتھ سلوک احسان کرنے انہیں کھانا پینا دینے کی ایک دوسرے کو رغبت و لالچ نہیں دلاتے اور یہ عیب بھی ان میں ہے کہ میراث کا مال حلال ہو یا حرام ہضم کر جاتے ہیں اور مال کی محبت بھی ان میں بے طرح ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

(آگے ان افعال کے موجب العذاب نہ سمجھنے پر سرزنش ہے) کہ ہرگز ایسا نہیں (جیسا تم سمجھتے ہو) جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر

(اور) ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور آپ کا پروردگار اور جوق در جوق فرشتے (میدان محشر میں) آئیں گے اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا اس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا کہے گا کاش میں اس زندگی (اخروی) کے لئے کوئی عمل (نیک) آگے بھیج لیتا پس اس روز تو خدا کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا (اور) جو اللہ کے فرمانبردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہو جا○

اب کیا فائدہ:

قیامت کے ہولناک حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ بالیقین اس دن زمین پست کر دی جائے گی اونچی نیچی برابر کر دی جائے گی ار بالکل صاف ہموار ہو جائے گی پہاڑ زمین کے برابر کر دیئے جائیں گے تمام مخلوق قبر سے نکل آئے گی خود خدا تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے آئے گا یہ اس عام شفاعت کے بعد جو تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی اور یہ شفاعت اس وقت ہوگی جب کہ تمام مخلوق ایک ایک بڑے پیغمبر علیہ السلام کے پاس ہو کر آئے گی اور ہر نبی علیہ السلام کہہ دے گا کہ میں اس قابل نہیں پھر سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے آپ فرمائیں گے کہ ہاں ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں پھر آپ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سفارش کریں گے کہ وہ پروردگار لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے یہی پہلی شفاعت ہوگی اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا مفصل بیان سورہ سبحان میں گزر چکا ہے پھر اللہ تعالیٰ رب العزت فیصلے کے لئے تشریف لائے گا اس کے آنے کی کیفیت وہی جانتا ہے فرشتے بھی اس کے آگے آگے صف بستہ حاضر ہوں گے جہنم بھی لائی جائے گی صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم کی اس روز ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے یہی روایت خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے اس دن انسان اپنے نئے پرانے تمام اعمال کو یاد کرنے لگے گا برائیوں سے پچھتائے گا نیکیوں کے نہ کرنے یا کم کرنے پر افسوس کرے گا گناہوں پر نادم ہوگا مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی بندہ اپنے پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک سجدے میں پڑا رہے اور خدا کا پورا اطاعت گزار رہے پھر بھی اپنی اس عبادت کو قیامت کے دن حقیر اور ناچیز سمجھے گا اور چاہے گا کہ میں دنیا کی طرف اگر لوٹایا جاؤں تو اجر و ثواب کے کام اور زیادہ کروں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دن خدا کے عذاب جیسا عذاب کسی اور کا نہ ہوگا جو اپنے نافرن اور نافرجام بندوں کو کرے گا نہ اس جیسی زبردست پکڑ دھکڑ وقید و بند کسی کی ہو سکتی ہے زبانیہ فرشتے بدترین بیڑیاں ہتھکڑیاں انہیں پہنائے ہوئے ہوں گے یہ تو ہوا بدبختوں کا انجام اب نیک بختوں کا حال سنئے جو روحیں سکون اور اطمینان والی ہیں۔ پاک اور ثابت ہیں حق کے ساتھی ہیں ان سے موت کے وقت اور قبروں سے اٹھنے کے وقت کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف اس کے پڑوس کی طرف اس کے ثواب اور اجر کی طرف اس کی جنت اور رضامندی کی طرف لوٹ چل یہ خدا سے خوش ہے اور خدا اس سے راضی ہے اور اتنا دے گا کہ یہ بھی خوش ہو جائے گا تو میرے خاص بندوں میں آ جا اور میری جنت میں داخل ہو جا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان غنی بن عفانؓ کے بارے میں اتری ہے بریدہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضرت عبداللہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ قیامت کے اطمینان والی روحوں سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب یعنی اپنے ساتھی یعنی اپنے جسم کی طرف لوٹ جا جسے تو دنیا میں آباد کئے ہوئے تھی تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے راضی

رضامند ہو یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ اس آیت کو : فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ پڑھتے تھے یعنی اے روح میرے بندے میں یعنی اس کے جسم میں چلی جا لیکن یہ غریب ہے اور ظاہر قول پہل ہی ہے جیسے اور جگہ ہے : ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (سورہ انعام: ۶۲) یعنی پھر سب کے سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جگہ ہے وان مردنا الی اللہ یعنی ہمارا لوٹنا خدا کی طرف یعنی اس کے حکم کی طرف اور اس کے سامنے ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اتریں تو آپ نے کہا کتنا اچھا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں بھی یہی کہا جائے گا دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت سعید بن جبیر نے یہ آیتیں پڑھیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرمایا جس پر آپ نے یہ خوشخبری سنائی کہ تجھے فرشتہ موت کے وقت یہی کہے گا ابن ابی حاتم میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے چچا زاد بھائی کا طائف میں انتقال ہوا تو ایک پرندہ آیا اس جیسا پرندہ کبھی زمین پر دیکھا نہیں گیا وہ نعش میں چلا گیا پھر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کونے سے اسی آیت کی تلاوت کی آواز آئی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون پڑھ رہا ہے یہ روایت طبرانی میں ہے ابو ہاشم قبات بن رزینؒ فرماتے ہیں جنگ روم میں ہم دشمنوں کے ہاتھ قید ہو گئے شاہ روم نے ہمیں اپنے سامنے بلایا اور کہا یا تو تم اس دین کو چھوڑ دو یا قتل ہونا منظور کر لو ایک ایک کو وہ کہتا کہ ہمارا دین قبول کرو ورنہ جلاد کو حکم دیتا ہوں کہ تمہاری گردن مارے تین شخص تو مرتد ہو گئے جب چوتھا آیا تو اس نے صاف انکار کیا بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی اور سر کو نہر میں ڈال دیا گیا وہ نیچے ڈوب گیا اور ذرا سی دیر میں پانی پر آ گیا اور ان تینوں کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے فلاں اور اے فلاں اور اے فلاں ان کے نام لے کر انہیں آواز دی جب یہ متوجہ ہوئے سب درباری لوگ بھی دیکھ رہے تھے اور خود بادشاہ بھی تعجب سے سن رہا تھا اس مسلمان شہید کے سر نے کہا سنو خدا تعالیٰ فرماتا ہے : يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۷ تا ۳۰) اتنا کہہ کر وہ سر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا اس واقعہ کا اتنا اچھا اثر ہوا کہ قریب تھا کہ نصرانی اسی وقت مسلمان ہو جاتے بادشاہ نے اسی وقت دربار برخاست کرا دیا اور وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے اور ہم سب یوں ہی قید میں رہے آخر خلیفہ ابو جعفر منصور کی طرف سے ہمارا فدیہ آ گیا اور ہم نے نجات پائی ابن عساکر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ دعا پڑھا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَآئِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِكَ خدایا میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان و بھروسہ رکھتا ہو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو تیری قضا پر راضی ہو تیرے دیئے پر قناعت کرنے والا ہو۔

تفسیر سورہ بلد مکیہ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۲۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا

الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝۴ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝۵ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝۸ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۝۹ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝۱۰

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور بطور جملہ معترضہ کے تسلی کے لئے پیش گوئی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا (اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا وافر مال خرچ کر ڈالا اور کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں رستے (خیر و شر کے) بتلا دیئے ○

سرزمین مکہ:

اللہ تعالیٰ یہاں مکہ مکرمہ کی قسم کھاتا ہے درآنحالیکہ وہ آباد ہے اس میں لوگ بستے ہیں اور وہ بھی امن چین میں لا سے ان پر رد کیا پھر قسم کھائی اور فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے ایک مرتبہ یہاں لڑائی حلال ہونے والی ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور اس میں جو ملے وہ حلال ہوگا صرف اسی وقت کے لئے یہ حکم ہے صحیح حدیث میں بھی ہے کہ اس بابرکت شہر مکہ کو پروردگار عالم نے اول دن سے ہی حرمت والا بنایا ہے اور قیامت تک یہ حرمت و عزت اس کی باقی رہنے والی ہے اس کا درخت نہ کاٹا جائے اس کے کانٹے نہ اکھڑے جائیں میرے لئے بھی صرف ایک دن کی ہی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا تھا آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی ہر موجود آدمی کو چاہئے کہ وہ میری بات ان تک پہنچا دے جو اس مجلس میں موجود نہیں ایک روایت میں ہے کہ اگر یہاں کے جنگ وجدال کے جواز کی دلیل میں کوئی میری لڑائی پیش کرے تو کہہ دینا کہ خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی اور تمہیں نہیں دی پھر قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی بعض نے کہا ہے کہ ماولد میں ما نافیہ ہے یعنی قسم کھاتا ہے اس کی جو اولاد والا ہے اور قسم ہے اس کی جو لاولد ہے یعنی عیالدار اور بانجھ اور اگر ما کو موصولہ مانا جائے تو معنی یہ ہوئے کہ باپ کی اور اولاد کی قسم باپ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور اولاد سے مراد کل انسان زیادہ قوی اور بہتر بات یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے قسم ہے مکہ کی جو تمام زمین اور کل بستیوں کی ماں ہے تو اس کے بعد اس کے رہنے والوں کی قسم کھائی اور رہنے والوں یعنی انسان کے اصل اور اس کی جڑ یعنی حضرت آدم کی پھر ان کی اولاد کی قسم کھائی ابو عمرانؒ فرماتے ہیں مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کی ہے امام ابن جریر فرماتے ہیں عام ہے یعنی ہر باپ اور ہر اولاد پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو بالکل درست قامت جچے تلے اعضاء والا ٹھیک ٹھاک پیدا کیا ہے اس کی ماں کے پیٹ میں ہی اسے یہ پاکیزہ ترتیب اور عمدہ ترکیب دے دی جاتی ہے جیسے فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ...... (سورہ انفطار: ۷) یعنی اس خدا نے تجھے پیدا کیا ہے درست کیا ٹھیک ٹھاک بنایا اور پھر جس صورت میں چاہا ترکیب دی اور جگہ ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۃ التین: ۴) ہم نے انسان کو بہترین صورت پر بنایا ہے ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ قوت و طاقت والا پیدا کیا ہے خود اسے دیکھو اس کی پیدائش کی طرف غور کرو اس کے دانتوں کا نکلنا دیکھو وغیرہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا گوشت کا غرض اپنی پیدائش میں خوب مشقتیں اٹھاتا ہے جیسے اور جگہ ہے: حملته امه كرها ووضعته كرها (سورہ احقاف: ۱۵) یعنی

اس کی ماں نے حمل میں تکلیف اٹھائی پھر وضع حمل میں مشقت برداشت کی بلکہ دودھ پلانے میں بھی مشقت اور معیشت میں بھی تکلیف حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سختی اور طلب کسب میں پیدا کیا گیا ہے عکرمہ فرماتے ہیں شدت اور طول میں پیدا ہوا ہے قتادہ فرماتے ہیں مشقت میں یہ بھی ہے کہ اعتدال اور قیام میں دنیا اور آخرت میں سختیاں سہنی پڑتی ہیں حضرت آدم علیہ السلام چونکہ آسمان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ کہا گیا کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال کے لینے پر کوئی قادر نہیں اس پر کسی کا بس ہی نہیں کیا وہ نہ پوچھا جائے گا کہ کہاں سے مال لایا اور کہاں خرچ کیا؟ یقیناً اس پر خدا کا بس ہے اور وہ پوری طرح اس پر قادر ہے پھر فرماتا ہے کہ میں نے بڑے وارے نیارے کئے ہزاروں لاکھوں خرچ کر ڈالے کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا؟ یعنی کیا خدا کی نظروں سے وہ اپنے آپ کو غائب سمجھتا ہے کیا ہم نے انسان کو دیکھنے والی دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور دل کی باتوں کے اظہار کے لئے زبان عطا نہیں فرمائی اور دو ہونٹ نہیں دیئے جن سے کلام کرنے میں مدد ملے کھانا کھانے میں مدد ملے اور چہرے کی خوبصورتی بھی ہو اور منہ کی بھی ابن عساکر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بکثرت نعمتیں تجھ کو بخشیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا نہ اس کے شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت ہے میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف چڑھایا پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر لے میں نے تجھے شرم گاہ دی اور اس کا پردہ بھی عنایت فرمایا ہے حلال جگہ تو بے شک استعمال کر لیکن حرام جگہ پردہ ڈال لے اے ابن آدم تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذاب کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا پھر فرمایا کہ ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی کا اور برائی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو راستے ہیں پھر تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستے سے زیادہ اچھا کیوں لگتا ہے یہ حدیث بہت ضعیف ہے یہ حدیث مرسل طریقے سے بھی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے دونوں دودھ ہیں اور مفسرین نے بھی یہی کہا ہے امام ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک قول پہلا ہی ہے جیسے اور جگہ ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ...... (سورہ دہر:۲) یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے سنتا دیکھتا کیا ہم نے اس کی رہبری کی اور راستہ دکھا دیا پس یا تو شکر گزار ہے یا ناشکرا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

سو وہ شخص (دین کی) گھاٹی سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا (مراد) ہے وہ کسی (کی) گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین کو (یعنی ان احکام الٰہیہ کو بجا لانا چاہئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں سے نہ جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو

ترحم (علی الخلق) کی (یعنی ترک ظلم کی) فہمائش کی یہی لوگ داہنے والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جائے گا ○

ایک گھاٹی:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عقبہ جہنم کے ایک چکنے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اس کے ستر درجے ہیں جہنم میں قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سخت گھاٹی داخلے کی ہے[1] اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اس کا داخلہ بتلایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتلایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا ابن زیدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات اور خیر کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جانو عقبہ کیا ہے؟ آزادگی گردن یا صدقہ طعام فَكُّ رَقَبَةٍ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فَكَّ رَقَبَةً بھی پڑھا گیا ہے یعنی فعل فاعل دونوں قراتوں کا مطلب قریباً ایک ہی ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھٹائے[2] اللہ تعالیٰ اس کے ہر ہر عضو کو اس کے ہر ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرم گاہ حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدین نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلالو جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ تم خدا کے نام پر آزاد ہو بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خریدا ہوا تھا اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد کرتا ہے اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرے اس کی بھی ایک ایک ہڈی کے بدلے میں اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے (ابن جریر) مسند میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد بنادے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کر دے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا سے قیامت کے دن نور ملے گا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں تیر چلائے خواہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے مرجائیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا[3] اور جو شخص راہ خدا میں جوڑا دے

[1] مطلب یہ ہے کہ دنیا میں قدم بہ قدم پر انسان کے لئے مصائب کا ہجوم ہے کبھی خود بیمار کبھی بچے علیل گاہے خود پر مصیبت تو کبھی اعزہ و اقارب کی پریشانیوں کا خیال فقر و فاقہ کی صعوبت افلاس و غربت کی مار یہ سب چیزیں انسان میں شکستگی پیدا کرتی ہیں لیکن انسان بجائے تواضع کے غرور ہی میں مبتلا ہوتا چلا جارہا ہے۔

[2] یعنی کسی غلام کو آزاد کرائے یہ پیش نظر رہے کہ آیات کا نزول اس دور میں ہوا جب عرب میں غلامی کا رواج تھا غلاموں کو آزاد کرانے کا بیڑا جس طرح اسلام نے اٹھایا اس کی نظیر نہیں ملتی حدیث اور قرآن غیبی مضامین سے لبریز ہے جن میں غلاموں کو چھڑانے کی خوب تاکید ہے۔

[3] عجیب بات ہے اولاد اگر جوان ہو کر مرتی ہے تو اس کا غم نہایت ہوتا ہے یہاں تک کہ کسی فارسی شاعر کا قول ہے کہ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد۔ لیکن احادیث میں معصوم بچے کی موت پر اس اجر عظیم کا وعدہ ہے اور جواں موت پر کسی اجر کا وعدہ نہیں آج جس وقت یہ حواشی زیر قلم ہیں تو یہ اشکال پیدا ہوا اور معاً بفضل اللہ حل بھی ذہن میں آیا وہ یہ کہ بچے اپنے بچپن اور اپنی معصومیت کی وجہ سے اپنی ہر چیز منوا لیتے ہیں خواہ صحیح مطالبہ ہو یا غلط احادیث میں ہے کہ جو بچے بچپن میں مر گئے تھے تا وقتیکہ اپنے ماں باپ کو نہ بخشوا لیں گے جنت میں نہ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کو نہ چھوڑیں گے گویا کہ ان کے بچپن کی...... =

اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے ان تمام حدیثوں کی سندیں نہایت عمدہ ہیں ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کمی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا کہ حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کرے گا یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کی گردن آزاد کرائے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنا دیتا ہے ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں آپ نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں پوچھ بیٹھا تسمہ آزاد کر رقبہ چھڑا اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں آپ نے فرمایا نہیں تسمہ کی آزادگی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے[1] دودھ والا جانور دودھ پینے کے لئے کسی مسکین کو دنیا ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا یہ ہیں جنت کے کام اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا پیاسے کو پلا نیکیوں کا حکم کر برائیوں سے روک اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال ذِىْ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں بھوک والا جب کھانے کی اشتہا ہو غرض بھوک کے وقت کا کھلانا اور وہ بھی اسے جو نادان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہو اور ہے بھی اس کا رشتہ دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ ایک تو ثواب رکھتا ہے اور رشتہ دار کو دنیا دہرا اجر دلواتا ہے[2] (مسند احمد) یا ایسے مسکین کو دنیا جو خاک آلود ہو راستے میں پڑا ہوا ہو گھر در نہ ہو بر بستر نہ ہو بھوک کی وجہ سے پیٹھ زمین سے لگ رہی ہو اپنے گھر سے دور ہو مسافرت میں ہو فقیر مسکین محتاج مقروض مجلس ہو کوئی پرسان حال بھی نہ ہو اہل و عیال والا ہو یہ سب معنی قریب قریب ایک ہی ہیں پھر یہ شخص باوجود ان نیک کاموں کے دل میں ایمان رکھتا ہو ان نیکیوں پر خدا سے اجر کا طالب ہو جیسے اور جگہ ہے: مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ...... (سورہ بنی اسرائیل: ۱۹) جو شخص آخرت کا ارادہ رکھے اور اسی کے لئے کوشش کرے اور ہو بھی وہ باایمان تو ان کی کوشش خدا ہاں مشکور ہے اور جگہ ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى...... (سورہ مومن: ۴۰) ایمان والوں میں سے کو مرد و عورت نیک عمل کرے یہ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے حساب روزیاں پائیں گے پھر ان کا اور وصف بیان ہو رہا ہے کہ لوگوں کے صدمات سہنے اور ان پر رحم و کرم کرنے کی یہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت و وصیت کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا اور حدیث میں ہے جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں کیا جاتا ابوداؤد میں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ

= ضد والدین کے لئے کار آمد ہو گی اس عاجز کے بھی دو معصوم بچے اجر آخرت ہو چکے ہیں خدا تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں حصول جنت کا سبب بنا دے آمین۔ کیونکہ جنت ایک عظیم نعمت ہے اس لئے کسی خاص عدد پر اس کا ملنا موقوف ہونا چاہئے تھا سب سے پہلا عدد جو کم بھی ہے اور جامع بھی ہے وہ تین ہی ہے اس لئے تین کا عدد معیار بنا دیا گیا۔

[1] مثلاً کوئی غلام آزاد ہونا چاہتا ہو اس کے مالک نے سو روپے کا مطالبہ کیا اب سب مل کر یہ مطالبہ پورا کر دیں۔

[2] کیونکہ رشتہ دار کے دو حقوق ہیں: ایک اس کی ضرورت دوسرے اس کی رشتہ داری۔

کرے اور بڑوں کے حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے داہنے ہاتھ اعمالنامہ دیا جائے گا اور ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں کے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ ملے گا اور سر بندتہ بہ تہ آگ میں جائیں گے جس سے نہ کبھی چھٹکارا ملے گا نہ نجات نہ راحت نہ آرام اس کے دروازے ان پر بند رہیں گے مزید بیان اس کا سورہ : وَيْلٌ لِّكُلِّ...... میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں روشنی ہوگی نہ سوراخ ہوگا نہ کبھی وہاں سے نکلنا ملے گا حضرت ابوعمران جونی فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ حکم دے گا اور ہر سرکش کو ہر ایک شیطان کو اور ہر اس شخص کو جس کی شرارت سے لوگ دنیا میں ڈرتے رہتے تھے لوہے کی زنجیروں سے مضبوط باندھ دیا جائے گا پھر جہنم میں جھونک دیا جائے گا پھر جہنم بند کر دی جائے گی خدا کی قسم کبھی ان کے قدم ٹکیں گے ہی نہیں خدا کی قسم انہیں کبھی آسمان کی صورت ہی دکھائی نہ دے گی خدا کی قسم کبھی آرام سے ان کی آنکھ لگے گی ہی نہیں خدا کی قسم انہیں کبھی کوئی مزے کی چیز کھانے پینے کو ملے گی ہی نہیں۔ (ابن ابی حاتم)

تفسیر سورہ الشمس مکیہ

حضرت جابرؓ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ تم نے : سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کے ساتھ امامت کیوں نہ کرائی۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب) سے پیچھے آئے اور (قسم) ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کر دے اور (قسم) ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو چھپا لے اور (قسم) ہے آسمان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اور (ذات کی) جس نے اس کو بچھایا اور (قسم ہے انسان کی) جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القا کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا ○

یہ سورج اور اس کی تمازت:

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ضحا سے مراد روشنی ہے قتادہؒ فرماتے ہیں پورا دن مراد ہے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج کی اور اس کے ساتھ دن کی قسم کھائی ہے اور چاند جب کہ اس کے پیچھے آئے یعنی سورج چھپ جائے اور چاند چمکنے لگے ابن زید فرماتے ہیں کہ مہینے کے پہلے پندرہ دن میں تو چاند سورج کے پیچھے رہتا ہے اور پچھلے پندرہ دن یہ آگے ہوتا ہے زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں مراد اس سے لیلۃ القدر ہے پھر دن کی قسم کھائی جب کہ وہ منور ہو جائے یعنی سورج دن کو گھیر لے بعض عربی دانوں نے یہ بھی کہا ہے کہ دن جب کہ اندھیرے کو روشن کر دے لیکن اگر یوں کہا جاتا کہ پھیلاوٹ کو وہ جب چمکا دے تو اور اچھا ہوتا تاکہ یغشٰھا میں بھی یہ معنی ٹھیک بیٹھتے اسی لئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں دن کی قسم جب کہ وہ روشن کر دے امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سب میں ضمیر ھا کا مرجع شمس ہے کیونکہ اس کا ذکر چل رہا ہے رات جب اسے ڈھانپ لے اور ہر طرف اندھیرا اچھا جائے یزید بن ذی حمار کہتے ہیں کہ جب رات آتی ہے تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے میرے بندوں کو میری ایک بہت بڑی خلق نے چھپا لیا پس مخلوق رات سے ہیبت کرتی ہے اس کے پیدا کرنے والے سے اور زیادہ ہیبت کرنی چاہئے (ابن ابی حاتم) پھر آسمان کی قسم کھاتا ہے یہاں جو ما ہے یہ مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی آسمان اور اس کی بناوٹ کی قسم حضرت قتادہ کا قول یہی ہے اور یہ ما معنی میں من کے بھی ہو سکتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کی قسم اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خود خدا کی مجاہدؒ یہی فرماتے ہیں یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ہیں بنا کے معنی بلندی کے ہیں جیسے اور جگہ ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ...... (سورہ ذاریات: ۴۷) یعنی آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم کشادگی والے ہیں ہم نے زمین کو بچھا دیا اور کیا ہی اچھا ہم بچھانے والے ہیں اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ زمین کی اور اس کی ہمواری کی اسے بچھانے اسے پھیلانے کی اس کی تقسیم کی اس کی مخلوق کی قسم زیادہ مشہور قول اس تفسیر میں پھیلانے کا ہے اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے جوہری فرماتے ہیں طحوتہ مثل وحوتہ کے ہے اور اس کے معنی پھیلانے کے ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے پھر فرمایا نفس کی اور اسے ٹھیک ٹھاک بنانے کی قسم یعنی اسے پیدا کیا درآنحالیکہ یہ ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم تھا جیسے اور جگہ ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ...... (سورہ روم: ۳۰) اپنے چہرے کو قائم رکھ دین حنیف کے لئے فطرت ہے اللہ کی جس پر لوگوں کو بنایا اللہ کی خلق کی تبدیل نہیں حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے[1] کوئی ان میں تم کن کٹا نہ پاؤ گے (بخاری و مسلم) صحیح مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے پیدا کیا ان کے پاس شیطان پہنچا اور دین سے ورغلا لیا پھر فرماتا ہے کہ خدا نے اسے بدکاری پرہیزگاری کو بیان کر دیا اور جو چیز اس کی قسمت میں تھی اس کی طرف اس کی رہبری ہوئی ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی خیر و شر ظاہر کر دیا ابن جریرؒ میں ہے حضرت ابوالاسودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصینؓ نے پوچھا ذرا بتلاؤ تو لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یہ کیا ان کے لئے خدا کی جانب سے

[1] اور پھر آدمی کسی کا کان کاٹ دیتے ہیں اور کسی کی تو جس طرح جانور خلقت میں کامل پیدا ہوا تھا اس طرح انسان فطرت میں صحیح سالم پیدا ہوتا تھا گویا کہ فطرت کی سلامتی کو خلقیت کی کاملیت سے تشبیہ دی گئی اور اگر کوئی جانور ناقص الخلقت پیدا ہوا تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انسان بھی کوئی ناقص الفطرت پیدا ہوتا ہے فقیر کے ذہن میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ ایسا تو مشاہدہ ہے کہ جانور کا کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس کے کان ہی نہ تھے لیکن کان کٹا ہوا کبھی پیدا نہیں ہوتا اور یہ اس لئے کہ مشرکین جس جانور کے بچے مرتے ہو بتوں کے نام پر اس کو چھوڑتے اور کان کاٹ دیتے اور سمجھتے کہ اب نہیں مرے گا سو خدا تعالیٰ اس معاملہ میں حفاظت اس طرح فرماتے ہیں کہ کان کٹا ہوا بچہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

مقرر ہو چکی ہیں اور ان کی تقدیری میں لکھی جا چکی ہیں خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں اس بنا پر کہ انبیاء علیہ السلام ان کے پاس آ چکے اور خدا کی حجت ان پر پوری ہوئی میں نے جواب میں کہا نہیں نہیں بلکہ یہ چیز پہلے سے فیصل شدہ ہے اور مقدر ہو چکی ہے حضرت عمران نے کہا پھر یہ تو ظلم نہ ہوگا میں تو اسے سن کر کانپ اٹھا اور گھبرا گیا اور کہا کہ ہر چیز کا خالق مالک وہی خدا ہے تمام ملک اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا وہ سب سے سوال کر سکتا ہے میرا یہ جواب سن کر حضرت عمرانؓ بہت خوش ہوئے اور کہا خدا تعالیٰ تجھے درستگی عنایت فرمائے میں نے تو یہ سوالات اسی لئے کئے تھے کہ امتحان ہو جائے سو ایک شخص مزینہ یا جہینہ قبیلے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی سوال کیا جو میں نے پہلے آپ سے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی جواب دیا جو آپ نے دیا تو اس نے کہا پھر ہمارے اعمال سے کیا؟ آپ نے جواباً ارشد فرمایا کہ جس کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس منزل کے لئے پیدا کیا ہے اس سے ویسے ہی کام ہو کر رہیں گے اگر جنتی ہے تو اعمال جنت اور اگر دوزخی لکھا گیا ہے تو ویسے ہی اعمال اس پر آسان ہوں گے سنو قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے مسند احمد میں بھی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بامراد ہوا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا۔ نکمے اعمال رذیل اخلاق چھوڑ دیئے جیسے اور جگہ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (سورہ اعلیٰ:۱۴: ۱۵) جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی اس نے کامیابی پالی اور جس نے اپنے ضمیر کو تباہ کیا اور ہدایت سے ہٹا کر اسے برباد کیا نافرمانیوں میں پڑ گیا اطاعت خدا چھوڑ بیٹھا یہ ناکام اور نامراد ہوا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا وہ بامراد ہوا اور جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے نیچے گرا دیا وہ برباد ہوا اور خائب وخاسر رہا عوفی اور علی بن ابوطلحہ حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت کرتے ہیں ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا پڑھ کر فرمایا کہ جس نفس کو خدا نے پاک کیا اس نے چھٹکارا پالیا لیکن اس حدیث میں ایک علت تو یہ ہے کہ جو بر بن سعد متروک الحدیث ہے دوسری علت یہ ہے کہ ضحاک جو حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان کی ملاقات ثابت نہیں طبرانی کی حدیث میں ہے کہ: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا پڑھ کر آپ نے یہ دعا پڑھی: اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰہَا اَنْتَ وَلِیُّہَا وَمَوْلَاہَا وَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰہَا ابن ابی حاتم کی حدیث میں یہ دعا یوں آئی ہے: اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰہَا وَزَكِّہَآ اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰہَآ اَنْتَ وَلِیُّہَا وَمَوْلٰہَا مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رات کو ایک مرتبہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہیں اندھیرے کی وجہ سے میں گھر میں اپنے ہاتھوں سے ٹٹو لنے لگی تو میرے ہاتھ آپ پر پڑے آپ اس سجدے وقت میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے رَبِّ اَعْطِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خیر من زكها انت وليها ومولها یہ حدیث صرف مسند احمد ہی میں ہے مسلم شریف اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابُ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰہَا وَزَكِّہَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰہَا اَنْتَ وَلِیُّہَا وَمَوْلٰہَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَ دَعْوَةٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَہَا یا اللہ میں عاجزی اور بیچارہ ہو جانے سے سستی سے اور ہار جانے سے بڑھاپے سے اور نامردی سے اور بخیل اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اے اللہ میرے دل کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اسے پاک کر دے تو ہی اسے بہتر پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا والی اور مولا ہے اے اللہ مجھے ایسے دل سے بچا جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے بچا جو آسودہ نہ ہو اور ایسے علم سے بچ جو نفع نہ دے اور ایسی دعا

سے بچا جو قبول نہ کی جائے راوی حدیث حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہم تمہیں سکھاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کی) تکذیب کی (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جس کہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بد بخت تھا وہ (اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے) اٹھ کھڑا ہوا تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالح) نے فرمایا کہ اللہ کی (اس) اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس (ہلاکت) کو (تمام قوم کے لئے عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کے نکلنے کا (کسی سے) ○

ثمود کی سرکشی:

اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے کہ ثمودیوں نے اپنی سرکشی اور تکبر و تجبر کی بنا پر اپنے رسولوں کی تصدیق نہ کی محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں بِطَغْوٰىهَا کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے تکذیب کی لیکن پہلی بات ہی زیادہ درست ہے حضرت مجاہدؒ اور حضرت قتادہؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے اس سرکشی کی وجہ سے اور اس تکذیب کی شامت سے یہ اس قدر بد بخت ہو گئے کہ ان میں جو زیادہ برا تھا وہ تیار ہو گیا اس کا نام قدار بن سالف تھا اسی نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں اسی کے بارے میں فرمان ہے: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (سورہ قمر: ۲۹) ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا ذی نسب تھا شریف تھا قوم کا رئیس اور سردار تھا مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مار ڈالنے کا ذکر فرمایا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جیسے ابو زمعہ ہے اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا امام بخاری بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بد بخت ترین دو شخص بتلاتا ہوں ایک تو احمر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرما دیا تھا کہ اے قوم خدا کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو تمہاری اور اس کی باریاں بندھی ہیں لیکن ان بد بختوں نے پیغمبر کی نہ مانی جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں جسے خداوند تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو حضرت صالح علیہ السلام کا ایک معجزہ اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی کامل نشانی تھی خدا تعالیٰ بھی ان پر غضب ناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی اور سب پر برابر سے عذاب اترا یہ اس لئے کہ احمیر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد و عورت نے بیعت کر لی تھی اور

سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا اس لئے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے وَلَا يَخَافُ کو فَلَا يَخَافُ بھی پڑھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو سزا دے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار احیمر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن انجام سے نہ ڈرا مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورہ والیل مکیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذؓ سے یہ فرمانا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تو نے سَبِّحِ اسْمَ اور وَالشَّمْسِ اور وَاللَّيْلِ سے امامت کیوں نہ کرائی؟

سُورَةُ اللَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى وَعِشْرُونَ آيَةً

کُل رکوع: ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | کُل آیات: ۲۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ① وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ③ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ④ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ⑥ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ⑦ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ⑨ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ⑩ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ⑪

قسم ہے رات کی جب کہ وہ (آفتاب کو اور دن کو) چھپا لے اور (قسم ہے) دن کی جب کہ وہ روشن ہو جائے اور (قسم ہے) اس (ذات) کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بے شک تمہاری کوششیں (یعنی اعمال) مختلف ہیں سو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے اور جس نے (حقوق واجبہ سے) بخل کیا اور (بجائے خدا سے ڈرنے کے خدا سے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی اسلام کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے)○

اندھیری رات:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت علقمہؒ شام آئے اور دمشق کی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خدایا مجھے نیک ساتھی عطا فرما پھر چلے تو حضرت ابوالدرداءؓ سے ملاقات ہوئی پوچھا کہ تم کہاں کے ہو حضرت علقمہؒ نے کہا کہ میں کوفے کا رہنے والا ہوں پوچھا کہ ابن ام عبدؓ اس سورت کو کس طرح پڑھتے تھے؟ میں نے کہا وَالذَّكَرِ وَالْأُنثَىٰ پڑھتے تھے حضرت ابوالدرداءؓ فرمانے لگے کہ

میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی سنا ہے اور یہ لوگ مجھے شک وشبہ میں ڈال رہے ہیں پھر فرمایا کیا تم میں تکئے والے یعنی تم میں جن کے پاس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر رہتا تھا اور رازداں ایسے بھیدوں سے واقف جن کا علم اور کسی کو نہیں وہ جو شیطان سے بہ زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچا لئے گئے تھے وہ نہیں؟ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث بخاری میں بھی ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ساتھی حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس آئے آپ بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے پہنچے پھر پوچھا کہ تم میں حضرت عبداللہ کی قرأت پر قرآن پڑھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے حضرت علقمہؒ کی طرف اشارہ کیا تو ان سے سوال کیا کہ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کو حضرت عبداللہؓ سے تم نے کس طرح سنا؟ وہ بولے کہ وہ: وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى پڑھتے تھے کہا میں نے بھی حضور علیہ السلام سے اسی طرح سنا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى پڑھوں خدا کی قسم میں تو ان کی مانوں گا نہیں الغرض حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کی قرأت یہی ہے اور حضرت ابوالدرداءؓ نے تو اسے مرفوع کہا ہے باقی جمہور کی قرأت وہی ہے جو موجودہ قرآن میں ہے پس اللہ تعالیٰ رات کی قسم کھاتا ہے جب کہ مخلوق پر چھا جائے اور دن کی قسم کھاتا ہے جب کہ وہ تمام چیزوں کو اپنی روشنی سے منور کر دے اور اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے جو نر و مادہ کا پیدا کرنے والا ہے جیسے فرمایا: وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا (سورہ نبا: ۸) ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا اور فرمایا: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (سورہ ذاریات: ۴۹) ہر چیز کے جوڑے ہم نے پیدا کئے ہیں ان متضاد اور ایک دوسری کے خلاف قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ تمہاری کوششیں اور تمہارے اعمال بھی متضاد اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں بھلائی کرنے والے بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ہیں پھر فرماتا ہے کہ جس نے دیا یعنی اپنے مال کو خدا کے حکم کے ماتحت خرچ کیا اور پھونک پھونک کر قدم رکھا ہر امر میں خوف خدا کرتا رہا اور اس کے بدلے کو سچا جانتا رہا اس کے ثواب پر یقین رکھا حسنیٰ کے معنی لا الہ الا اللہ کے بھی کئے گئے ہیں خدا کی نعمتوں کے بھی کئے گئے ہیں نماز روزہ زکوٰۃ صدقہ فطر جنت کے بھی مروی ہیں پھر فرماتا ہے کہ ہم اسے آسانی کی راہ آسان کر دیں گے یعنی بھلائی کی اور جنت کی اور نیک بدلے کی اور جس نے اپنے مال کو راہ خدا میں نہ دیا اور اللہ تعالیٰ سے بے نیازی برتی اور حسنیٰ کی اور قیامت کے بدلے کی تکذیب کی تو اس پر ہم برائی کا راستہ آسان کر دیں گے جیسے فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (سورہ انعام: ۱۱۰) یعنی ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیں گے جس طرح وہ پہلی بار قرآن پر ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے رکھیں گے اس معنی کی آیات قرآن کریم میں جابجا موجود ہیں کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے خیر کا قصد کرنے والے کو توفیق خیر ملتی ہے اور شر کا قصد کرنے والوں کو اسی کی توفیق ملتی ہے اس معنی کی تائید میں یہ احادیث بھی ہیں حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمارے اعمال لکھی تقدیر کے ماتحت ہیں یا خود ہماری طرف سے ہیں آپ نے فرمایا بلکہ تقدیر کے لکھے ہوئے کے مطابق کہنے لگے پھر عمل کی کیا ضرورت فرمایا ہر شخص پر وہ عمل آسان ہوں گے جس چیز کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ نے فرمایا سنو تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت دوزخ میں مقرر کردہ ہے اور لکھی ہوئی ہے لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ کیوں نہ رہیں؟ تو آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کو وہی عمل راس آئیں گے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے؟ پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں (صحیح بخاری شریف) اسی روایت کے اور طریق میں ہے کہ اس بیان کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا اور سر نیچا کئے ہوئے زمین پر اسے پھیر رہے تھے الفاظ میں کچھ کمی بیشی بھی ہے مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک ایسا ہی سوال جیسا کہ اوپر کی حدیث میں حضرت صدیق اکبرؓ کا گزرا مروی ہے اور آپ کا جواب بھی انہیں تقریباً ایسا ہی مروی ہے ابن جریرؒ میں حضرت جابرؓ سے بھی ایسی ہی

روایت مروی ہے ابن جریرؒ کی ایک حدیث میں دونو جوانوں کا ایسا ہی سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی جواب مروی ہے اور پھر ان دونوں حضرات کا یہ قول بھی ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بہ کوشش نیک اعمال کرتے رہیں گے حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر دن غروب کے وقت سورج کے دونوں طرف فرشتے ہوتے ہیں وہ با آواز بلند دعا کرتے ہیں جسے تمام چیزیں سنتی ہیں سوائے جنات اور انسان کے کہ اے اللہ سخی کو نیک بدلہ دے اور بخیل کا مال تلف کر یہی معنی ہیں قرآن کی ان چار آیتوں کے ابن ابی حاتم میں ایک ہی غریب حدیث میں اس پوری سورت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا کھجوروں کا باغ تھا ان میں سے ایک درخت کی شاخیں ایک مسکین شخص کے گھر میں پڑتی تھیں وہ بے چارا غریب نیک بخت اور بال بچے دار تھا باغ والا جب اس درخت کی کھجوریں اتارنے آتا تو اس مسکین کے گھر میں جا کر وہاں کی کھجوریں اتارتا اس میں جو کھجوریں نیچے گرتیں انہیں اس غریب شخص کے بچے چن لیتے تو یہ آ کر ان سے چھین لیتا بلکہ اگر کسی بچے نے منہ میں ڈال بھی لی تو انگلی ڈال کر اس کے منہ سے نکلوا لیتا اس مسکین نے اس کی شکایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کی آپ نے ان سے تو فرما دیا کہ اچھا تم جاؤ اور آپ اس باغ والے سے ملے اور فرمایا تو وہ درخت جس کی شاخیں فلاں مسکین کے گھر میں ہیں مجھے دے دے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے جنت کا ایک درخت دے گا وہ کہنے لگا اچھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیا مگر مجھے اس کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں میرے تمام باغ میں ایسی کھجوریں اور کسی کی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے چلے ایک شخص جو یہ بات چیت سن رہا تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ درخت میرا ہو جائے اور میں آپ کا کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلے جنتی درخت مل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ شخص اس باغ والے کے پاس آئے ان کا بھی ایک باغ کھجوروں کا تھا یہ پہلا شخص ان سے وہ ذکر کرنے لگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے فلاں درخت کھجور کے بدلے جنت کا ایک درخت دینے کو فرما رہے تھے میں نے یہ جواب دیا یہ سن کر خاموش ہو رہے پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ جو قیمت اس کی میں مانگوں وہ کوئی مجھے دے دے لیکن کون دے سکتا ہے پوچھا کیا قیمت لینا چاہتے ہو؟ کہا چالیس درخت خرما کے اس نے کہا یہ تو بڑی زبردست قیمت لگا رہے ہو ایک کے چالیس؟ پھر اور باتوں میں لگ گئے پھر کہنے لگے اچھا میں اسے اتنے میں ہی خریدتا ہوں اس نے کہا اگر سچ مچ خریدنا ہے تو گواہ کر لو اس نے چند لوگوں کو بلا لیا اور معاملہ طے ہو گیا گواہ مقرر ہو گئے پھر اسے کچھ سوجھی تو کہنے لگا کہ دیکھئے صاحب جب تک ہم تم الگ نہیں ہوئے یہ معاملہ طے نہیں ہوا اس نے بھی کہا بہت اچھا میں بھی ایسا احمق نہیں ہوں کہ تیرے ایک درخت کے بدلے جو خم کھایا ہوا ہے اپنے چالیس درخت دے دوں تو یہ کہنے لگا کہ اچھا اچھا مجھے منظور ہے لیکن درخت جو میں لوں گا وہ تنے والے بہت عمدہ ہوں گا اس نے کہا اچھا منظور چنانچہ گواہوں کے روبرو یہ سودا فیصل ہوا اور مجلس برخاست ہوئی یہ شخص خوشی خوشی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب وہ درخت میرا ہو گیا اور میں نے اسے آپ کو دے دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسکین کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ یہ درخت تمہارا ہے اور تمہارے بال بچوں کا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس پر یہ سورت نازل ہوئی ہے ابن جریرؒ میں ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی ہیں آپ مکہ میں ابتدائے اسلام کے زمانہ میں بڑھیا عورتوں کو اور ضعیف لوگوں کو جو مسلمان ہو جاتے تھے آزاد کر دیا کرتے تھے اس پر ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت ابوقحافہؓ نے جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے کہا بیٹا تم جوان کمزور ہستیوں کو آزاد کرتے پھرتے ہو اس سے یہ اچھا ہو کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تا کہ وقت پر تمہیں کام آئیں تمہاری مدد کریں اور دشمنوں سے لڑیں تو صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ ابا

جی میرا ارادہ دنیوی فائدہ کا نہیں میں تو صرف رضائے رب مرضی مولا چاہتا ہوں اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تردی کے معنی مرنے کے بھی مروی ہیں اور آگ میں گرنے کے بھی۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿۱۲﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿۱۳﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۲۱﴾

ع ۱۷/۲۱

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور (جیسا راہ کوئی اختیار کرے گا ویسا ہی ثمرہ اس کو دیں گے کیونکہ) ہمارے ہی قبضہ قدرت میں ہے آخرت اور دنیا (آگے بطور توضیح کے ارشاد ہے کہ) تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں (ہمیشہ کے لئے) وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور (اس سے) روگردانی کی اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضاجوئی کے (یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ (اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی) ○

ہدایت:

یعنی حلال وحرام کا ظاہر کر دینا ہمارے ذمہ ہے یہ بھی معنی ہیں کہ جو ہدایت پر چلا وہ یقیناً ہم تک پہنچ جائے گا جیسے فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ (سورہ نحل: ۹) آخرت اور دنیا کی ملکیت ہماری ہی ہے میں نے بھڑکتی ہوئی آگ سے تمہیں ہوشیار کر دیا ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خطبہ کی حالت میں سنا ہے آپ بہت بلند آواز سے فرما رہے تھے یہاں تک کہ اس جگہ سے بازار تک آواز پہنچے اور بار بار فرماتے جاتے تھے لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا چکا لوگو میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈرا رہا ہوں بار بار یہ فرما رہے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں سے سرک کر پیروں میں گر پڑی صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کے دونوں تلووں تلے وہ انگارے رکھ دیئے جائیں گے جن سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کی جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں جوش آ رہا ہو باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا یہی ہے لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا اور کوئی نہیں ہوگا اس جہنم میں صرف وہی لوگ گھیر گھار کر بدترین عذاب کیے جائیں گے جو بدنصیب ہوں جن کے دل میں تکذیب ہو اور جسم سے اسلام پر عمل نہ ہو مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جو انکار کریں لوگوں نے پوچھا منکر کون ہے؟ فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا اور فرمایا جہنم سے دوری اسے ہوگی جو تقویٰ شعار

پرہیز گار خدا کے ڈر والا ہو جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں دے تا کہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنی چیزوں کو بھی پاک کر لے اور دین و دنیا میں پاکیزگی حاصل کر لے یہ اس لئے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا کہ اس کا کوئی احسان اس پر ہے بلکہ اس لئے کہ آخرت میں جنت لے اور وہاں خدا تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو پھر فرماتا ہے کہ بہت جلد بالیقین ایسی پاک صفتوں والا شخص راضی ہو جائے گا اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں اتری ہیں یہاں تک کہ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے بے شک صدیق اکبرؓ اس میں شامل ہیں اور اس کے عموم میں ساری امت میں پہلے ہیں گو الفاظ آیت کے عام ہیں لیکن آپ سب اول اور اس کے مصداق ہیں ان تمام اوصاف میں اور کل کی کل نیکیوں میں سب سے پہلے اور سب سے آگے اور سب سے بڑھ چڑھ کر آپ ہی تھے آپ صدیق تھے پرہیز گار تھے سخی تھے اپنے مالوں کو اپنے مولا کی اطاعت میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں دل کھول کر خرچ کرتے رہتے تھے ہر ایک کے ساتھ احسان و سلوک کرتے اور کسی دنیوی فائدے کی امید پر نہیں کسی کے احسان کے بدلے نہیں بلکہ صرف خدا کی مرضی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے لئے جتنے لوگ تھے خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے سب حضرت صدیق اکبرؓ کے احسانات کے بار تھے یہاں تک کہ عروہ بن مسعود جو قبیلہ ثقیف کا سردار تھا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے ڈانٹا ڈپٹا اور دو باتیں سنائیں تو اس نے کہا کہ اگر آپ کے احسان مجھ پر نہ ہوتے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور جواب دیتا پس جب کہ عرب کے سردار اور قبائل عرب کے بادشاہ کے اوپر آپ کے اس قدر احسان تھے کہ وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا تو بھلا اوروں کا کیا شمار؟ اس لئے یہاں بھی فرمایا کہ کسی کے احسان کا بدلہ انہیں دینا نہیں بلکہ صرف دیدار خدا کی خواہش ہے صحیحین کی حدیث میں ہے جو شخص جوڑا خدا کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے داروغے پکاریں گے کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے ادھر سے آ یہ دروازہ سب سے اچھا ہے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ضرورت تو ایسی نہیں لیکن فرمائیے کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے اور مجھے خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو۔

تفسیر سورہ والضحیٰ مکیہ

اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہؒ تلاوت قرآن کر رہے تھے جب اس سورت تک پہنچے تو دونوں نے فرمایا کہ اب سے آخر تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر کہا کرو ہم نے ابن کثیر کے سامنے پڑھا تو انہوں نے ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے فرمایا کہ ہم سے مجاہدؒ نے فرمایا ہے اور مجاہدؒ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہی تعلیم تھی اور ابن عباس کو حضرت ابی بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا اور ابی بن کعب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا امام القرآت حضرت ابوالحسن بھی اس سنت کے راوی ہیں حضرت ابو حاتم رازیؒ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اس لئے کہ ابوالحسن ضعیف ہیں ابو حاتم تو ان سے حدیث ہی نہیں لیتے اسی طرح ابو جعفر عقیلی بھی انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین ابو شامہ شرح شاطبیہ میں حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں اس تکبیر کو کہتے تھے تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اور سنت کو پہنچ گیا یہ واقعہ اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو پھر قاریوں میں اس بات کا بھی اختلاف ہے کہ کس جگہ یہ تکبیر پڑھے اور کس طرح پڑھے بعض تو کہتے ہیں وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کے خاتمہ سے بعض کہتے ہیں والضحٰی کے آخر سے پھر بعض تو کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے بعض کہتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے بعض قاریوں نے سورہ والضحٰی سے ان تکبیروں کے کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب وحی کے آنے میں دیر لگی اور کچھ مدت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہ اتری پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہی سورت لائے تو خوشی اور فرحت کے باعث آپ نے تکبیر

کہی لیکن یہ کسی ایسی اسناد کے ساتھ مروی نہیں جس سے صحت وضعف کا پتہ چل سکے۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً

کُل رکوع: ۱ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — کُل آیات: ۱۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ﴿۵﴾ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ﴿۷﴾ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱/۱۸

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے (آگے جواب قسم ہے) کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے دشمنی کی اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) رستہ بتلا دیا اور (اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے (یہ تو شکر فعلی ہے) اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے (یعنی زبان سے قول شکر بھی کیجئے) ○

قسم ہے دن کے اُجالے کی:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتوں تک آپ تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں (بخاری مسلم وغیرہ) حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ چھوڑ دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے: وَالضُّحٰی سے مَا قَلٰی تک کی آیتیں نازل کیں اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پر پتھر مارا گیا تھا جس میں سے خون نکلا اور جس پر آپ نے فرمایا۔

ھل انت الا اصبع و دمیت ☆ سفی سبیل اللہ مالقیت

یعنی تو صرف ایک انگلی ہے اور راہ خدا میں تجھے یہ زخم لگا ہے طبیعت ناساز ہو جانے کی وجہ سے دو تین رات آپ بیدار نہ ہوئے جس پر اس عورت نے وہ ناشائستہ الفاظ نکالے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی اس پر خدا تعالیٰ کی مار آپ کی انگلی کا زخمی ہونا اور اس موزوں کلام کا بے ساختہ زبان مبارک سے ادا ہونا تو صحیحین میں بھی ثابت ہے لیکن ترک قیام کا سبب اسے بتانا اور اس پر ان آیتوں کا نازل ہونا یہ صحیح نہیں ہے ابن جریرؒ میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے کہا تھا کہ آپ کا رب آپ سے

کہیں ناراض نہ ہو گیا ہو؟ اس پر یہ آیتیں اتریں اور روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبرائے اس پر حضرت خدیجہؓ نے یہ سبب بیان کیا اور اس پر یہ آیتیں اتریں یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں اور حضرت خدیجہؓ کا نام تو اس میں محفوظ نہیں معلوم ہوتا ہاں یہ ممکن ہے کہ بی بی صاحبہ نے افسوس اور رنج کے ساتھ یہ فرمایا ہو واللہ اعلم۔ ابن اسحٰق اور بعض اور سلف نے فرمایا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام اپنی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور بہت ہی قریب ہو گئے تھے اس وقت اسی سورت کی وحی نازل فرمائی تھی ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ وحی کے رک جانے کی بنا پر مشرکین کے اس ناپاک قول کے رد میں یہ آیتیں اتریں یہاں اللہ تعالیٰ نے دھوپ چڑھنے کے وقت کی دن کی روشنی اور رات کے سکون اور اندھیرے کی قسم کھائی جو قدرت قادر اور خلق کی صاف دلیل ہے جیسے اور جگہ ہے: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (سورہ لیل:۱-۲) اور جگہ ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ...... (سورہ انعام:۹۶) مطلب یہ ہے کہ اپنی اس قدرت کا یہاں بھی بیان کیا ہے پھر فرماتا ہے کہ تیرے رب نے نہ تو تجھے چھوڑا نہ تجھ سے دشمنی کی تیرے لئے آخرت اس دنیا سے بہت بہتر ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے زیادہ زاہد تھے اور سب سے زیادہ تارک دنیا تھے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں رہ سکتی مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بورئیے پر سوتے جسم مبارک پر بوریے کے نشان پڑ گئے جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی کروٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیوں اجازت نہیں دیتے کہ اس بوریے پر کچھ بچھا دیا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا واسطہ؟ میں کہاں دنیا کہاں؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس راہرو سوار کی طرح ہے جو کسی درخت تلے ذرا سی دیر ٹھہر جائے پھر اسے چھوڑ کر چل دے یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے پھر فرمایا تیرا رب تجھے آخرت میں تیری امت کے بارے میں اس قدر نعمتیں دے گا کہ تو خوش ہو جائے[1] ان کی بڑی تکریم ہو گی اور آپ کو خاص کر کے حوض کوثر عطا فرمایا جائے گا جس کے کنارے پر کھوکھلے موتی کے خیمے ہوں گے جس کی مٹی خالص مشک ہو گی یہ حدیثیں عنقریب آ رہی ہیں انشاءاللہ تعالیٰ۔ ایک روایت میں ہے کہ جو خزانے آپ کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کئے گئے آپ بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت اتری جنت میں ایک ہزار محل آپ کو دیئے گئے ہر ہر محل میں پاک بیویاں اور بہترین خادم ہیں ابن اعباسؓ تک اس کی سند صحیح ہے اور بظاہر ایسی بات بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے روایت نہیں ہو سکتی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے حسنؒ فرماتے ہیں اس سے مراد شفاعت ہے ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آخرت دنیا پر پسند کر لی ہے پھر آپ نے آیت: وَلَسَوْفَ کی تلاوت فرمائی پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جتاتا ہے پہلی نعمت یہ بیان فرمائی کہ آپ کی یتیمی کی حالت میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے آپ کا بچاؤ کیا اور آپ کی حفاظت کی اور پرورش کی اور جگہ عنایت فرمائی

---

[1] ۱۳ قبل ہجرت میں ایک بار ایسا ہوا کہ کسی وجہ سے وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا اسلام اور آنحضور ﷺ کے وہ مخالف جو اس طرح کے مواقع کی تاک میں رہتے تھے طرح طرح کی باتیں کہنے لگے اسی طرح عرصہ میں قرآن کریم کی یہ مکمل سورت نازل ہوئی اس میں ارشاد ہے کہ دن کی پھیلی ہوئی اجلی روشنی اور رات کی تاریکی اور اس کا سناٹا اس بات کی خوب شہادت دیتا رہتا ہے کہ آپ اے محمد ﷺ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور افضال کا خاص مورد رہیں اور اسی طرح آئندہ بھی رہیں گے خدا تعالیٰ نے تو کسی پیغمبر کو بھی نہیں چھوڑا چہ جائیکہ آیت ایسے اولوالعزم اور سرور انبیاء ﷺ کو۔ بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور آپ ﷺ کی اپنی حیاتِ طیبہ کے پہلے دور سے نہایت بہتر اور عمدہ نظر آئے گا آپ خود دیکھئے کہ آپ ﷺ جو دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ یتیم تھے' بے سروسامان اور بے بس لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ کیسے آرام وراحت سے گزروایا۔ دادا کے قلب میں بے پناہ محبت پھر چچا کے دل میں شفقت' دائی حلیمہؓ کے چہیتے اور اعزہ واقارب کے نورِنظر الم یجدك یتیما فاوی کا یہی مطلب ہے۔

آپ کے والد کا انتقال تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو کا تھا بعض کہتے ہیں کہ ولادت کے بعد ہوا چھ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا اب آپ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آئے ابو طالب آپ نگرانی اور امداد کرتے رہے آپ کی پوری توقیر وعزت کرتے تھے اور قوم کی مخالفت کے چڑھتے طوفان کو روکتے رہتے تھے اور خود کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے بطور ڈھال کے پیش کر دیا کرتے تھے کیونکہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت مل چکی تھی اور قریش سخت تر مخالفت بلکہ دشمن جان ہو گئے تھے ابو طالب باوجود بت پرست مشرک ہونے کے آپ کا ساتھ دیتا تھا اور مخالفین سے لڑتا رہتا تھا یہ تھی منجانب اللہ حسن تدبیر کہ آپ کی یتیمی کے ایام اسی طرح گزارے اور مخالفین سے آپ کی خدمت اس طرح لی یہاں تک کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب بھی فوت ہو گئے اب سفہاء و جہلاء قریش اٹھ کھڑے ہوئے تو پروردگار عالم نے آپ کو مدینہ شرف کی ہجرت کرنے کی رخصت عطا فرمائی اور اوس وخزرج جیسی قوموں کو آپ کا انصار بنا دیا ان بزرگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جگہ دی اور مدد کی حفاظت کی اور مخالفین سے سینہ سپر ہو کر مردانہ وار لڑائیاں کیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش رہے یہ سب کا سب خدا کی حفاظت اور اس کی عنایت احسان و اکرام سے تھا پھر فرمایا کہ راہ بھولا پا کر صحیح راستہ دکھایا جیسے اور جگہ ہے :مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ...... (سورہ شوریٰ:۵۲) یعنی اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح (جبرائیل علیہ السلام یا قرآن) کی وحی کی تم یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا چیز ہوتی ہے نہ کتاب کی خبر تھی بلکہ ہم نے اسے نور بنا کر جسے چاہا ہدایت کر دی بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں مکہ کی گلیوں میں گم ہو گئے تھے اس وقت خدا نے لوٹا لیا بعض کہتے ہیں کہ شام کی طرف اپنے چچا کے ساتھ جاتے ہوئے رات کو شیطان نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر راہ سے ہٹا کر جنگل میں ڈال دیا پس جبرائیل علیہ السلام آئے اور پھونک مار کر شیطان کو تو حبشہ میں ڈال دیا اور سواری کو راہ پر لگا دیا بغوی نے یہ دونوں قول کئے ہیں پھر فرماتا ہے کہ بال بچوں والا ہوتے ہوئے تنگ دست پا کر ہم نے آپ کو غنی کر دیا پس فقیر صابر اور غنی شاکر ہونے کے درجات آپ کو مل گئے صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب حال نبوت سے پہلے کے ہیں صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری مال واسباب کی زیادتی سے نہیں بلکہ حقیقی تونگر وہ ہے جس کا دل بے پرواہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے اس نے فلاح پالی جسے اسلام نصیب ہوا اور جو کافی ہو جائے اتنا رزق بھی ملا اور خدا کے دیئے ہوئے پر قناعت کی توفیق ملی پھر فرماتا ہے کہ یتیم کو حقیر نہ کر نہ ڈانٹ ڈپٹ کر بلکہ اس کے ساتھ احسان وسلوک کر اور اپنی یتیمی کو نہ بھول قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یتیم کے لئے ایسا ہو جانا چاہئے جیسے سگا باپ اپنی اولاد پر مہربان ہوتا ہے سائل کو نہ جھڑک[1] جس طرح تم بے راہ تھے اور خدا نے ہدایت دی تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے صحیح راستہ دریافت کرے تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو غریب مسکین ضعیف بندوں پر تکبر تجبر نہ کرو انہیں ڈانٹو ڈپٹو نہیں برا بھلا نہ کہو سخت سست نہ بولو اگر مسکین کو کچھ نہ دے سکے تو بھی بھلا اور اچھا جواب دے نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دے پھر فرمایا کہ اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتے رہو یعنی جس طرح تمہاری فقیری کو ہم نے تونگری سے بدل دیا تم بھی ہماری ان نعمتوں کو بیان کرتے رہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ تھا وَاجْعَلْنَا شٰكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا یعنی خدایا ہمیں اپنی نعمتوں کی شکر گزاری کرنے والا ان کی وجہ سے تیری ثنا بیان کرنے والا ان کا اقرار کرنے والا کر دے اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور دے ابو نضرہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ بھی

[1] محققین نے لکھا ہے کہ فقیر کو جھڑکنے کی ہر صورت میں ممانعت نہیں ہے اگر کوئی فقیر نرم لہجے میں سمجھانے کے باوجود پیچھا نہ چھوڑے تو اس کو بلا شبہ جھڑک سکتے ہیں۔ دیکھو روح المعانی۔

داخل ہے کہ ان کا بیان ہو مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جس نے تھوڑے پر شکر نہ کیا اس نے زیادہ پر بھی شکر نہیں کیا لوگوں کی شکر گزاری جس نے نہ کی اس نے خدا کی بھی نہیں کی نعمتوں کا بیان بھی شکر ہے اور ان کا بیان نہ کرنا ناشکری ہے جماعت کے ساتھ رحمت کا سبب ہے اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے اس کی اسناد ضعیف ہے صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار سارے کا سارا اجر لے گئے فرمایا جب تک کہ تم ان کے لئے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو ابوداؤد میں ہے کہ اس نے خدا کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اسے چاہئے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو تو اس کی ثنا بیان کرے جس نے ثنا کی وہ شکر گزار رہا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی (ابوداؤد) مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے ایک روایت میں ہے کہ قرآن مراد ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ جو نعمت و کرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنوں میں سے جن پر آپ کو اطمینان ہوتا پوشیدگی سے پہلے پہل سینہ

دعوت دینی شروع کی اور آپ پر نماز فرض ہوئی جو آپ نے ادا کی۔

تفسیر سورہ الم نشرح مکیہ

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و حکم سے) کشادہ نہیں کر دیا اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا سو بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی (ہونے والی) ہے بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے تو آپ جب (تبلیغ احکام سے) فارغ ہو جایا کریں تو دوسری عبادات متعلقہ بذات خاص میں محنت کیا کیجئے اور جو کچھ مانگنا ہو اس میں اپنے رب کی طرف توجہ رکھئے ○

ہمارے یہ احسانات:

یعنی ہم نے تیرے سینے کو منور کر دیا چوڑا کشادہ[1] کر دیا اور رحمت و کرم والا کر دیا اور جگہ ہے: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ...... (سورہ انعام ۱۲۵) یعنی خدا جسے ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کی شریعت بھی سہل نرم اور سہولت والی بنادی جس میں نہ تو کوئی حرج ہے نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلیف اور سختی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جانا ہے جیسے کہ مالک بن صعصعہ کی روایت سے پہلے گزر چکا ہے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہیں ذکر کیا لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز خدا کا گنجینہ بنادینا واللہ اعلم۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بڑی جرأت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ وہ باتیں پوچھ لیا کرتے تھے جسے دوسرے نہ پوچھ سکتے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا آپ سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہؓ میں دس سال کچھ ماہ کا تھا جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے اوپر آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہی وہ ہیں؟ اب وہ شخص میرے سامنے آئے جن کے منہ ایسے منور تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے اور ایسی خوشبو میں آرہی تھیں کہ میرے دماغ نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی اور ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ میں نے کبھی کسی پر ایسے کپڑے نہیں دیکھے اور آکر انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ انہیں لٹادو چنانچہ اس نے لٹادیا لیکن اس میں بھی نہ مجھے تکلیف ہوئی نہ محسوس ہوا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ شق کردو چنانچہ میرا سینہ چیر دیا لیکن نہ تو مجھے اس میں کچھ دکھ ہوا نہ میں نے خون دیکھا پھر کہا اس میں سے غل وغش حسد و بغض سب نکال دو چنانچہ اس نے ایک خون بستہ جیسی کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا پھر اس نے کہا اس میں رأفت و رحمت رحم و کرم بھر دو پھر ایک چاندی جیسی چیز جتنی نکال لی تھی اتنی بھر دی پھر میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے اب جو میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ہر چھوٹے پر میرے دل میں رقت ہے اور ہر بڑے پر رحمت ہے (مسند احمد) پھر فرمان ہے کہ ہم نے تیرا بوجھ اتار دیا یہ اسی معنی میں ہے کہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے جس نے تیری کمر سے آواز نکلوادی تھی[2] اور جس نے تیری کمر کو بوجھل کر دیا تھا ہم نے تیرا ذکر بلند کیا حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یعنی جہاں میرا ذکر کیا جائے وہاں تیرا ذکر کیا جائے گا جیسے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند کر دیا کوئی خطیب کوئی واعظ کوئی کلمہ گو کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کیسے اور کس طرح بلند کروں؟ آپ نے فرمایا خدا ہی کو کامل علم ہے فرمایا

[1] شرح صدر دراصل ایک کیفیت ہے جو صوفیا کے یہاں نہایت مقبول اور بلند نسبت کا نام ہے شرح صدر کا مطلب خدا کی دی ہوئی شریعت کے کل وجزو پر اس طرح اطمینان کہ قلب میں ادنیٰ درجہ کا تامل باقی نہ رہے یہ ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے کہ آپ کو یہ کیفیت بلا طلب عطا ہوئی جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال پر دی گئی تھی۔

[2] یہ صرف ایک قول ہے ورنہ یہاں مفسرین نے دوسرے اقوال بھی ذکر کئے ہیں یعنی قبل نبوت آپ کو اپنی قوم کا تباہ حالی کا فکر تھا خدا تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی راہ کھول دی اور آپ کا یہ بوجھ ہلکا کر دیا نبوت کے بعد آپ کو تبلیغ و احکام کا فکر تھا خدا تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ آپ پر تبلیغ صرف فرض ہے کسی کو مسلمان بنانا نہیں یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا لیکن نہ کرتا تو اچھا ہوتا میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے لئے ہوا کو تابعدار کر دیا تھا کسی کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کر دیا تھا تو خدا تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے میں یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ میں نے کہا بے شک فرمایا راہ گم گردہ پا کر میں نے تجھے ہدایت نہیں کی؟ میں نے کہا بے شک فرمایا کیا فقیر پا کر غنی نہیں کر دیا؟ میں نے کہا بے شک فرمایا کیا میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا؟ میں نے کہا بے شک کیا ہے ابونعیم دلائل نبوت میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں فارغ ہوا اس چیز سے جس کا حکم مجھے میرے رب عزوجل نے کیا تھا آسمان اور زمین کے کام سے تو میں نے کہا خدایا مجھ سے پہلے جتنے انبیاء ہوئے ان سب کی تو نے تکریم کی ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا سلمان علیہ السلام کے لئے ہواؤں کو تابعدار بنایا اور شیاطین کو بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مردے زندہ کرائے ہیں پس میرے لئے کیا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی؟ کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی کیا جاتا ہے اور میں نے تیری امت کے سینوں کو ایسا کر دیا کہ وہ قرآن کو ظاہراً پڑھتے ہیں یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں دیا اور میں نے تجھے عرش کے خزانوں میں سے یہ خزانہ دیا جو **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ** ہے ابن عباسؓ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں آپ کا ذکر ہے جس طرح حسان کے شعروں میں ہے

اَغَرَّ عَلَيْهِ لِلنَّبُوَّةِ خَاتَمٌ ۞ مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُوْرٍ يَّلُوْحُ وَيَشْهَدُ

وَضَمَّ الْاِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ اِلَى اسْمِهٖ ۞ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۞ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر چمکا دی جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا لیا جب کہ پانچوں وقت مؤذن اشھد...... کہتا ہے آپ کی عزت وجلال کے اظہار کے لئے اپنے نام سے آپ کا نام نکالا دیکھو وہ عرش والا محمود ہے اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اگلوں پچھلوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام سے روز میثاق میں عہد لیا گیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے کا حکم کریں پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جائے صرصریؒ نے کتنی اچھی بات بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی مگر آپ کے پیارے اور میٹھے نام سے جو پسندیدہ اور اچھے منہ سے ہو اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں دیکھتے کہ ہماری اذان اور ہمارا فرض صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ آپ کا ذکر بار بار اس میں نہ آئے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ تکرار وتاکید کے ساتھ دو دو دفعہ فرماتا ہے کہ سختی کے ساتھ آسانی و دشواری کے ساتھ سہولت ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا پس لوگوں نے کہا اگر سختی آئے اور اس پتھر میں گھس جائے تو آسانی بھی آئے گی اور اسی میں جائے گی اور اسے نکال لائے گی اس پر یہ آیت اتری مسند بزار میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر دشواری اس پتھر میں داخل ہو جائے تو آسانی آکر اسے نکالے گی پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی یہ حدیث صرف عائذ بن شریح حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ابو حاتم رازی کا فیصلہ ہے کہ ان کی حدیث میں ضعف ہے اور ابن مسعودؓ سے یہ موقوف مروی ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ حضرت حسن سے ابن جریر میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک دن شاداں وفرحاں آئے اور ہنستے ہوئے فرمانے لگے ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آسکتی پھر اس آیت کی آپ نے تلاوت فرمائی یہ حدیث مرسل ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو خوشخبری سنائی کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آسکتی مطلب یہ ہے کہ عسر کے لفظ کو تو دونوں معرفہ لائے ہیں تو وہ مفرد ہوا اور یسر کے لفظ کو نکرہ لائے ہیں تو وہ متعدد ہو گیا ایک حدیث میں ہے کہ معونت یعنی امداد خدا بقدر مؤنث یعنی تکلیف کے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور صبر مصیبت کی مقدار پر نازل ہوتا ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں

صَبْرًا جَمِيْلًا مَا اَقْرَبَ الْفَرَجَا ۞ مَنْ رَّاقَبَ اللهَ فِي الْاُمُوْرِ نَجَا
مَنْ صَدَّقَ اللهَ لَمْ يَنَلْهُ اَذًى ۞ وَمَنْ رَجَاهُ يَكُوْنُ حَيْثُ رَجَا

یعنی اچھا صبر کشادگی سے کیا ہی قریب ہے؟ اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے اپنی امید کے ساتھ ہی پاتا ہے حضرت ابو حاتم سجستانیؒ کے اشعار ہیں کہ جب مایوسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے اور سینہ باوجود کشادگی کے تنگ ہو جاتا ہے تکلیفیں گھیر لیتی ہیں اور مصیبتیں انسان پر چھا جاتی ہیں اور کوئی تدبیر نجات کارگر نہیں ہوتی اس وقت اچانک خدا کی مدد آ پہنچتی ہے اور وہ دعاؤں کا سننے والا بڑا رحیم ورحمٰن اس سختی کو آسانی سے اور اس تکلیف کو راحت سے بدل دیتا ہے تنگیاں جب کہ بھرپور آپڑتی ہیں پروردگار معاً کشادگیاں نازل فرما کر نقصان کو فائدہ سے بدل دیتا ہے کسی اور شاعر نے کہا ہے

وَلَرُبَّ نَازِلٍ يَّضِيْقُ بِهِ الْفَتٰى ۞ ذَرْعًا وَّعِنْدَاللهِ مِنْهَاالْمَخْرَجُ
كُمِلَتْ فَلَمَّا اسْتَحْلَمَتْ حَلَقَاتُهَا ۞ فَرَجَتْ وَكَانَ يَظُنُّهَا لَا تَفْرُجُ

یعنی بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ہے جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا اب یہ کیا ہٹے گی؟ کہ اچانک اس رحیم وکریم خدا کی شفقت بھری نظریں پڑتی ہیں اور اس مصیبت کو اس طرح دور کر دیتا ہے کہ گویا آئی ہی نہ تھی اس کے بعد ارشاد باری ہوتا ہے کہ جب تو دنیوی کاموں سے اور یہاں کے اشغال سے فرصت پائے تو ہماری عبادتوں میں لگ جا اور فارغ البال ہو کر دلی توجہ کر کے ہمارے سامنے عاجزی میں لگ جا اپنی نیت خالص کر لے اپنی پوری رغبت کے ساتھ ہماری جناب کی طرف متوجہ ہو جا اسی کی ہم معنی وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے کہ کھانا سامنے موجود ہونے کے وقت نماز نہیں اور اس حالت میں بھی کہ انسان کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو[1] اور حدیث ہے کہ جب نماز کھڑی کی جائے اور شام کا کھانا سامنے موجود ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو حضرت مجاہدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ رب کی طرف توجہ کر حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دعا کر زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر خدا کی عبادت میں لگ جا ثوری فرماتے ہیں کہ اپنی نیت اور اپنی رغبت خدا ہی کی طرف رکھ۔

---

[1] شریعت چاہتی ہے کہ مسلمان پوری فراغت قلب کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرے اور اگر تقضا حاجت کی ضرورت ہو یا بھوک اور پیاس لگ رہی ہو تو آدمی دل سے عبادت میں مشغول نہیں ہو سکتا اس لئے ایسے تقاضوں کے وقت میں ادائیگی نماز سے بچنا چاہئے۔

تفسیر سورہ والتین مکیہ

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر میں دو رکعتوں میں سے کسی ایک میں یہ سورت پڑھ رہے تھے میں نے آپ سے زیادہ اچھی آواز اور اچھی قرأت کسی کی نہیں سنی۔

سُوْرَۃُ التِّیْنِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُل آیات: ۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝۷ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے) بھی پست تر کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے ○

اور قسم ہے اس بلدِ امین کی:

تین سے مراد کسی کے نزدیک تو مسجد دمشق ہے کوئی کہتا ہے خود دمشق مراد ہے کسی کے نزدیک دمشق کا ایک پہاڑ مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے کوئی کہتا ہے جودی پہاڑ پر جو مسجد نوح ہے وہ مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ انجیر مراد ہے زیتون سے کوئی کہتا ہے مسجد بیت المقدس مراد ہے کسی نے کہا وہ زیتون جسے نچوڑتے ہو طور سینین وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں وہ جگہیں ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر علیہ السلام بھیجے گئے ہیں تین[1] سے مراد تو بیت المقدس ہے جہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا اور طور سینین سے مراد طور سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران سے خدا تعالیٰ نے کلام کیا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ تعالیٰ آیا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہاں پر خدا تعالیٰ نے کلام کیا اور ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے اس نے نور چمکایا یعنی

[1] بعض جدید مفسرین نے انجیر کے لفظ سے گوتم بدھ بھی مراد لیا ہے بشرطیکہ گوتم بدھ کی نبوت ثابت ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں بھیجا اور فاران کی چوٹیوں پر وہ بلند ہوا یعنی مکہ کے پہاڑوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا پھر ان تینوں زبردست بڑے مرتبے والے پیغمبروں کی زبان سے اور وجودی ترتیب بیان کردی اسی طرح یہاں بھی پہلے جس چیز کا نام لیا اس سے زیادہ شریف چیز کا نام پھر لیا پھر دونوں سے بزرگ تر چیز کا نام آخر میں لیا پھر ان قسموں کے بعد بیان فرمایا کہ انسان کو اچھی شکل و صورت میں صحیح قد وقامت والا درست اور سڈول اعضا والا خوبصورت اور پر رونق چہرے والا پیدا کیا پھرا سے نیچوں سے نیچا کر دیا یعنی جہنمی ہو گیا اگر خدا کی اطاعت اور رسول علیہ السلام کی اتباع نہ کی تو اسی لئے ایمان کو اس سے الگ کر لیا بعض کہتے ہیں کہ مراد بڑھاپے کی طرف لوٹا دینا ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہ پہنچے گا امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اگر یہی بڑھاپا مراد ہوتا تو مومنوں کا استثنا کیوں ہوتا بڑھاپا تو بعض مومنوں پر بھی آتا ہے پس ٹھیک بات وہی ہے جو اوپر ہم نے ذکر کی اور جیسے اور جگہ سورہ والعصر میں ہے کہ تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ایمان اور اعمال صالح والوں کے کہ انہیں ایسی نیک جزا ملے گی جس کی انتہا نہ ہو جیسے بیان ہو چکا پھر فرماتا ہے اے انسان جب کہ تو اپنی پہلی اور اول بار کی پیدائش کو جانتا ہے تو پھر جزا سزا کے دن کے آنے پر اور تیرے دوبارہ زندہ ہونے پر تجھے کیوں یقین نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تو اسے نہیں مانتا حالانکہ ظاہر ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا اس پر دوسری دفعہ کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ حضرت مجاہدؒ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھ بیٹھے کہ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ اس سے مراد مطلق انسان ہے عکرمہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے پھر فرماتا ہے کہ کیا خدا احکم الحاکمین نہیں ہے؟ وہ نہ ظلم کرے نہ بے عدلی کرے اسی لئے وہ قیامت قائم کرے گا اور ہر ظلم سے مظلوم کا انتقام لے گا حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث میں گزر چکا ہے کہ جو شخص: وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ پڑھے اور اس کی آخر کی آیت: اَلَيْسَ اللّٰهُ...... پڑھے تو کہہ دے بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ہاں اور میں اس پر گواہ ہوں۔

تفسیر سورہ علق مکیہ

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً

کل رکوع: ۱ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ کل آیات: ۱۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھیے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے لکھے پڑھوں کو قلم سے تعلیم دی (اور عموماً) انسان کو

(دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ جانتا نہ تھا○

پڑھیے:

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کے ظہور کی طرح ظاہر ہو جاتا پھر آپ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے توشہ لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہیں عبادت میں گزارتے پھر تشریف لاتے اور توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ اچانک وہیں بالکل پہلی وحی آئی فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا اقرأ یعنی پڑھیے آپ نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں فرشتے نے مجھے پکڑا اور بھینچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھ میں نے پھر کہا میں پڑھنا نہیں جانتا فرشتے نے مجھے دوبارہ بھینچا جس سے مجھے تکلیف بھی ہوئی پھر چھوڑ دیا اور فرمایا پڑھو میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور تکلیف پہنچائی پھر چھوڑ دیا اور: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ سے مَالَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا آپ ان آیتوں کے لئے ہوئے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو چنانچہ کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ ڈر خوف سارا جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا مجھے اپنی جان جانے کا خوف ہے حضرت خدیجہؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوش ہو جائیے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں سچی باتیں کرتے ہیں دوسروں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس آئیں جاہلیت کے زمانہ میں یہ نصرانی ہو گئے تھے عربی کتاب لکھتے تھے اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے بہت بڑی عمر کے بوڑھے تھے آنکھیں جا چکی تھیں حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کا واقعہ سنئے ورقہ نے پوچھا بھتیجے آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ کہہ سنایا ورقہ نے سنتے ہی کہا کہ یہی وہ راز داں فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی بھیجا ہوا آیا کرتا تھا کاش کہ میں اس وقت جوان اور زندہ ہوتا جب کہ آپ کو آپ کی قوم نکال دے گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں ایک ہی کیا جتنے بھی لوگ آپ کی طرح نبوت سے سرفراز ہوئے ان سب سے دشمنی کی گئی اگر وہ وقت میری زندگی میں آ گیا تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا لیکن اس واقعہ کے بعد ورقہ بہت کم زندہ رہے اور ادھر وحی بھی رک گئی اور اس کے رکنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا قلق تھا کئی مرتبہ آپ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہا لیکن ہر وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آ جاتے اور فرما دیتے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے آپ کا قلق اور رنج و غم جاتا رہتا اور دل میں قدرے اطمینان ہو جاتا اور آرام سے گھر واپس آ جاتے (مسند احمد) یہ حدیث صحیح بخاری شریف صحیح مسلم شریف میں بھی بہ روایت زہریؒ موجود ہے اس کی سند میں اس کے متن میں اس کے معانی میں جو کچھ بیان کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے اپنی شرح بخاری میں پورے طور پر بیان کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے والحمد للہ پس قرآن کریم کی باعتبار نزول کے سب سے پہلی آیتیں یہی ہیں یہی پہلی نعمت ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کی اور یہی وہ پہلی رحمت ہے جو اس ارحم الراحمین نے اپنے رحم و کرم سے ہمیں دی اس میں تنبیہ ہے انسان کی اول پیدائش پر کہ وہ ایک جمے ہوئے خون کی شکل میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ احسان کیا کہ اسے اچھی صورت میں پیدا کیا پھر علم جیسی اپنی خاص نعمت اسے مرحمت فرمائی اور وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا علم ہی کی برکت تھی کہ کل انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں میں بھی ممتاز نظر آئے علم کبھی تو ذہن میں ہی ہوتا ہے اور کبھی زبان پر ہوتا ہے اور کبھی کتابی صورت میں لکھا ہوا ہوتا ہے پس علم کی

تین قسمیں ہوئیں ذہنی لفظی اور رسمی اور رسمی علم ذہنی اور لفظی کو مستلزم ہے لیکن وہ دونوں اسے مستلزم نہیں اسی لئے فرمایا کہ پڑھ تیرا رب تو بڑے اکرام والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور آدمی کو جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا معلوم کرا دیا ایک اثر میں ہے کہ لکھ لیا کرو اسی اثر میں ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اسے اللہ تعالیٰ اس علم کا وارث بھی کر دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة ع ۱۵ / ۲۱

سچ مچ بے شک (کافر) آدمی (حد آدمیت) سے نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو (ابناء جنس سے) مستغنی دیکھتا ہے اے مخاطب (عام) تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہے اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے (اور) اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ ہدایت پر ہو (جو کہ کمال لازمی ہے) یا وہ (دوسروں کو بھی) تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص (ناحق دین کو) جھٹلاتا ہو اور (حق سے) روگردانی کرتا ہو کیا اس شخص کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طغیان وغیرہ کو دیکھ رہا ہے ہرگز (ایسا) نہیں (کرتا) ہم (اس کو) پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو ملا لے (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے (آگے پھر سرزنش ہے کہ اس کو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہئے مگر) آپ اس کا کہنا نہ مانیئے اور (بدستور) نماز پڑھتے رہئے اور خدا کا قرب حاصل کرتے رہئے ○

انسان کی طغیانی:

فرماتا ہے کہ انسان کے پاس یہاں دو پیسے ہو گئے ذرا فارغ البال ہوا کہ اس کے دل میں کبر و غرور عجب و خود پسندی آئی اسے ڈرتے رہنا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ اسے ایک دن خدا کی طرف لوٹنا ہے وہاں جہاں حساب ہوں گے مال کی بابت بھی سوال ہوگا کہ لایا کہاں سے اور خرچ کہاں کیا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا ایک طالب علم دوسرا طالب دنیا ان دونوں میں بڑا فرق ہے علم کا طالب تو خدا کی رضامندی حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا لالچی سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے پھر طالب علموں کی فضیلت کے بیان میں یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا یہ حدیث مرفوعاً یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے بھی مروی ہے کہ دو لالچی ہیں جو شکم پر نہیں ہوتے طالب علم اور طالب دنیا اس کے بعد کی آیتیں ابوجہل ملعون کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت

اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتا تھا پس پہلے تو اسے بہترین طریقے سے سمجھایا گیا کہ جنہیں تو روکتا ہے یہی اگر سیدھی راہ پر ہوں انہی کی باتیں تقویٰ کا حکم رکھتی ہوں پھر تو انہیں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرے اور خانہ خدا سے روکے تو تیری بدقسمتی کی انتہا ہے یا نہیں؟ کیا یہ روکنے والا جو ایسے سراپا صداقت کو راہ حق سے روکنے کے درپے ہے اتنا بھی نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کا کلام سن رہا ہے اور اس کے کلام اور کام پر اسے سزا دے گا اسی طرح سمجھا چکنے کے بعد اب ڈرا رہا ہے کہ اگر اس نے اپنی مخالفت اور سرکشی اور ایذا دہی نہ چھوڑی تو ہم بھی اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو اقوال میں کاذب اور افعال میں خطا کار ہے یہ اپنے مددگاروں ہم نشینوں کو قرابت داروں کو کنبہ قبیلے کو بلا لے دیکھیں تو کون اس کی مدد کر سکتا ہے ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں پھر ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں گا تو گردن ناپوں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر یہ ایسا کرے گا خدا کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام مقام ابراہیم کے پاس بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ ملعون آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے منع کر دیا پھر بھی تو باز نہیں آتا اگر اب میں نے تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت سزا دوں گا وغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے جواب دیا اس کی بات ٹھکرا دی اور اچھی طرح ڈانٹا اس پر وہ کہنے لگا تو مجھے ڈانٹتا ہے اللہ کی قسم میری ایک آواز پر یہ ساری وادی آدمیوں سے بھر جائے گی اس پر یہ آیت اتری کہ اچھا تو اپنے حامیوں کو بلا ہم بھی اپنے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مددگاروں کو پکارتا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے (ملاحظہ ہو ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن توڑ دوں گا آپ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو اسی وقت لوگوں کے دیکھتے ہوئے عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اسی طرح جب کہ یہودیوں سے قرآن نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو موت مانگو اگر وہ اسے قبول کر لیتے اور موت طلب کرتے تو سارے کے سارے مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر یہ مباہلے کے لئے نکلتے تو لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اپنے بال بچوں کو پاتے ابن جریرؒ میں ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں آپ کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں گا تو جان سے مار ڈالوں گا اس پر یہ سورت اتری حضور علیہ السلام تشریف لے گئے ابو جہل موجود تھا اور آپ نے وہیں نماز ادا کی تو لوگوں نے اس بدبخت سے کہا کہ کیوں بیٹھا رہا؟ اس نے کہا کیا بتاؤں میرے اور ان کے درمیان فرشتے حائل ہو گئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر ذرا بھی ہلتا جلتا تو لوگوں کے دیکھتے ہوئے فرشتے اسے ہلاک کر ڈالتے ابن جریرؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ ابو جہل نے پوچھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے سجدہ کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں تو کہنے لگا خدا کی قسم اگر میرے سامنے اس نے یہ کیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کے منہ میں مٹی ملا دوں گا ادھر ملعون نے یہ کہا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی جب آپ سجدے میں گئے تو یہ آگے بڑھا لیکن ساتھ ہی اپنے آپ کو بچاتا ہوا نہایت بدحواسی سے پیچھے ہٹا لوگوں نے کہا کیا ہے؟ کہنے لگا کہ میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آگ کی خندق ہے اور گھبراہٹ کی خوفناک چیزیں ہیں اور فرشتوں کے پر ہیں وغیرہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اور ذرا قریب آ جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو الگ الگ کر دیتے پس یہ آیتیں : **كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى** سے آخر سورت تک نازل ہوئیں خدا ہی کو علم ہے کہ یہ کلام حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے یا نہیں؟ یہ حدیث مسند مسلم نسائی ابن ابی حاتم میں بھی ہے پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اس مردود کی بات نہ ماننا عبادت پر مداومت کرنا اور بکثرت عبادت کرتے رہنا اور جہاں جی چاہے نماز

پڑھتے رہنا اور اس کی مطلق پروانہ کرنا اللہ تعالیٰ خود تیرا حافظ و ناصر ہے وہ تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا تو سجدے میں اور قرب خدا کی طلب میں مشغول رہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بہت ہی قریب ہوتا ہے پس تم بکثرت سجدوں میں دعائیں کرتے رہو پہلے یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ میں اور اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

تفسیر سورہ لیلۃ القدر مکیہ

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

کل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵ ع

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور (شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے (آگے جواب ہے) شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے (اور وہ شب قدر ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبرائیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین کی طرف اترتے ہیں (اور وہ شب) سراپا سلام ہے وہ شب (اسی صفت و برکت کے ساتھ لیلۃ القدر طلوع فجر تک رہتی ہے ○

شب قدر:

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے اسی کا نام لیلۃ المبارکہ بھی ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورہ دخان:۳) اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے مہینے میں ہے جیسے فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (سورہ بقرہ:۱۸۵) ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ پورا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان اول میں بیت العزت میں اس رات اترا پھر واقعات کے مطابق بتدریج تئیس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا پھر اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر کی برکات کا اظہار فرماتا ہے کہ اس رات کی ایک زبردست برکت تو یہ ہے کہ قرآن کریم جیسی اعلیٰ نعمت اسی رات اتری فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ پھر خود بتاتا ہے کہ یہ ایسی ایک رات ہے جو ایک مہینے سے افضل ہے امام ابوموسیٰ ترمذی ترمذی شریف میں اس

[1] فقہاء اسی آیت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ سجدہ میں تقرب و ثواب کی نیت ضرور ہونی چاہئے۔

آیت کی تفسیر میں ایک روایت لائے ہیں کہ یوسف بن سعد نے حضرت حسن بن علیؓ سے جب کہ آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی کہا کہ تم نے ایمان والوں کے منہ کالے کر دیئے یا یوں کہا کہ اے مومنوں کے منہ سیاہ کرنے والے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے مجھ پر خفا نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا گویا آپ کے منبر پر بنوامیہ ہیں آپ کو یہ برا معلوم ہوا تو : اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ نازل ہوئی یعنی جنت کی نہر کوثر آپ کو عطا کئے جانے کی خوشخبری ملی اور : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ اتری پس ہزار مہینے وہ مراد ہیں جن میں آپ کے بعد بنوامیہ کی مملکت رہے گی قاسم کہتے ہیں ہم نے حساب لگایا تو وہ پورے ایک ہزار مہینے ہوئے نہ ایک دن زیادہ نہ ایک دن کم امام ترمذی اس روایت کو غریب بتلاتے ہیں اور اس کی سند میں یوسف بن سعد ہیں جو مجہول ہیں اور صرف اسی ایک سند سے یہ مروی ہے مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ یوسف مجہول ہیں یہ نظر ہے ان کے بہت سے شاگرد ہیں یحییٰ بن معینؒ کہتے ہی کہ یہ مشہور ہیں اور ثقہ ہیں اور اس کی سند میں کچھ اضطراب بھی ہے واللہ اعلم۔ بہر صورت یہ روایت بہت ہی منکر ہے ہمارے شیخ حافظ حجت ابوالحجاج المرزی بھی اس روایت کو منکر بتلاتے ہیں قاسم بن فضل جدائی کا یہ قول کہ بنوامیہ کی سلطنت ٹھیک ایک ہزار مہینے تھی یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مستقل سلطنت ۴۰ھ میں قائم ہوئی تھی جب کہ حضرت امام حسنؓ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خلافت انؓ کو سونپ دی اور سب لوگ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت پر جمع ہو گئے اور اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ مشہور ہوا پھر شام وغیرہ میں برابر بنوامیہ کی سلطنت قائم رہی ہاں تقریباً نو سال تک حرمین شریفین اور اہواز اور بعض شہروں پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن تاہم اس مدت میں بھی کلیۃً ان کے ہاتھ سے حکومت نہیں گئی البتہ بعض شہروں پر سے حکومت ختم ہو گئی تھی اور پھر ۱۳۲ھ میں بنوالعباس نے ان سے خلافت اپنے قبضے میں کر لی اس طرح ان کی سلطنت کی مدت بانوے برس ہوئی اور یہ ایک ہزار مہینے سے بہت زیادہ ہے ایک ہزار مہینے کے تراسی سال چار ماہ ہوتے ہیں قاسن بن فضل کا یہ حساب اس طرح تو تقریباً ٹھیک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کی مدت خلافت اس گنتی سے نکال دی جائے واللہ اعلم۔ اس روایت کے غریب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بنوامیہ کی سلطنت کے زمانہ کی تو برائی اور مذمت بیان کرنی مقصود ہے اور لیلۃ القدر کی اس زمانہ پر فضیلت کا ثابت ہونا کچھ ان کے زمانہ کی مذمت کی دلیل نہیں لیلۃ القدر تو ہر طرح عظمت والی ہے اور یہ پوری سورت اس مبارک رات کی مدح وستائش بیان کر رہی ہے پس بنوامیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کون سی فضیلت ثابت ہو جائے گی یہ تو بالکل ہی وہی مثل ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ لکڑی سے بہت تیز ہے کسی بہترین فضیلت والے شخص کو کسی کم درجے کے ذلیل شخص پر فضیلت دینا تو اس شریف بزرگ کی توہین کرنا ہے اور وجہ سنیے اس روایت کی بنا پر یہ ایک ہزار مہینے وہ ہوئے جن میں بنوامیہ کی سلطنت رہے گی اور یہ سورت اتری ہے مکہ شریف میں تو اس میں ان مہینوں کا حوالہ کیسے دیا جا سکتا ہے جو بنوامیہ کے زمانہ کے ہیں اس پر نہ تو کوئی لفظ دلالت کرتا ہے اور نہ معنی کے طور پر یہ سمجھا جا سکتا ہے منبر تو مدینہ میں قائم ہوتا ہے اور ہجرت کی ایک مدت بعد منبر بنایا جاتا ہے اور رکھا جاتا ہے پس ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف اور منکر ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار ماہ تک خدا کی راہ میں یعنی جہاد میں ہتھیار بند رہا مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل فرمائی کہ ایک لیلۃ القدر کی عبادت اس شخص کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے ابن جریرؒ میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو رات کو قیام کرتا تھا صبح تک اور دن میں دشمنان دین سے جہاد کرتا تھا شام تک ایک ہزار مہینے تک یہی کرتا رہا پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ اس امت کے کسی شخص کا صرف لیلۃ القدر کو قیام اس عابد کی ایک

ہزار مہینے کی اس عبادت سے بہتر ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار عابدوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے اسی سال تک خداوند تعالیٰ کی عبادت کی تھی ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی تھی حضرت ایوب علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام حضرت حزقیل علیہ السلام بن مجوز حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اصحاب رسول کو سخت تعجب ہوا آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت نے اس جماعت کی اس عبادت پر تعجب کیا تھا تو اس سے بھی افضل چیز اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ افضل ہے اس سے جس پر آپ اور آپ کی امت نے تعجب کیا تھا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ بے حد خوش ہوئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس رات کا نیک عمل اس کا روزہ اس کی نماز ایک ہزار مہینوں کے روزے اور نماز سے افضل ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو یہی ٹھیک ہے اس کے سوا اور کوئی قول ٹھیک نہیں اور مفسرین کا بھی یہی قول ہے امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار مہینے جن میں یہ سات نہ ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک رات کی جہاد کی تیاری اس کے سوا کی ایک ہزار راتوں سے افضل ہے (مسند احمد) اسی طرح اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت سے جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے سال بھر کے روزوں کا اور سال بھر کی نمازوں کا اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں پس مطلب یہ ہے کہ مراد ایک ہزار مہینے سے وہ مہینے ہیں جن میں لیلۃ القدر نہ آئے جیسے ایک ہزار راتوں سے مراد وہ راتیں ہیں جن میں کوئی رات اس عبادت کی نہ ہو اور جیسے جمعہ کی طرف جانے والے کو ایک سال کی نیکیاں یعنی وہ سال جس میں جمعہ نہ ہو مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم پر رمضان کا مہینہ آ گیا یہ بابرکت مہینہ آ گا اس کے روزے خدا نے تم پر فرض کئے ہیں اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں شیطان قید کر لئے جاتے ہیں اس میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینے سے افضل ہے اس کی بھلائی سے محروم رہنے والا حقیقی بدقسمت ہے نسائی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر کا قیام ایمانداری اور نیک نیتی سے کرے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ اس رات کی برکت کی زیادتی کی وجہ سے بکثرت فرشتے اس میں نازل ہوتے ہیں فرشتے تو ہر برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے رہتے ہیں جیسے تلاوت قرآن کے وقت اترتے ہیں اور ذکر مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور علم دین کے سیکھنے والوں کے لئے راضی خوشی اپنے پر بچھا دیا کرتے ہیں اور ان کی عزت و تکریم کرتے ہیں روح سے مراد یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں یہ خاص کا عطف ہے عام پر بعض کہتے ہیں کہ روح نام کے ایک خاص قسم کے فرشتے ہیں جیسے کہ سورہ: عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ (سورہ نباء:۱) کی تفسیر میں تفصیل سے گزر چکا واللہ اعلم۔ پھر فرمایا وہ سراسر سلامتی والی رات ہے جس میں شیطان نہ تو برائی کر سکتا ہے نہ ایذ اپہنچا سکتا ہے حضرت قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس میں تمام کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے عمر اور رزق مقدر وغیرہ کیا جاتا ہے جیسے اور جگہ ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (سورہ دخان:۴) یعنی اسی رات میں ہر حکمت والے کا فیصلہ کیا جاتا ہے حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس رات میں فرشتے مسجد والوں پر صبح تک سلام بھیجتے رہتے ہیں امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علیؓ کا ایک غریب اثر فرشتوں کے نازل ہونے میں اور نمازیوں پر ان کے گزرنے میں اور انہیں برکت حاصل ہونے میں ذکر کیا ابن ابی حاتم میں حضرت کعب احبارؒ سے ایک عجیب و غریب بہت طویل ذکر کیا ہے جس میں فرشتوں کا سدرۃ المنتہیٰ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ زمین پر آنا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں کرنا مذکور ہے ابو داؤد طیالسی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں ہے یا انتیسویں اس رات میں فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے بھی زیادہ ہوتے ہیں عبدالرحمٰن بن ابویعلی فرماتے ہیں اس رات میں ہر امر سے سلامتی ہے یعنی کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ رات سرسر سلامتی والی ہے کوئی برائی صبح ہونے تک نہیں ہوتی مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر دس باقی راتوں میں ہے جو ان کا قیام طلب ثواب کی نیت سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے یہ رات اکائی کی ہے یعنی اکیسویں یا تیئسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا آخری رات آپ فرماتے ہیں کہ یہ رات بالکل صاف اور ایسی روشن ہوتی ہے کہ گویا چاند چڑھا ہوا ہے اس میں سکون اور دلجمعی ہوتی ہے نہ سردی زیادہ ہوتی ہے نہ گرمی صبح تک ستارے نہیں جھڑتے ایک نشانی اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی صبح کو سورج تیز شعاعوں سے نہیں نکلتا بلکہ وہ چودھویں رات کی طرح صاف نکلتا ہے اس دن کے ساتھ شیطان بھی نہیں نکلتا یہ اسناد تو صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے اور بعض الفاظ میں نکارت بھی ہے ابوداؤد طیالسیؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ القدر صاف پرسکون سردی گرمی سے خالی رات ہے اس کی صبح کو سورج مدھم روشنی والا سرخ رنگ نکلتا ہے حضرت ابوعاصم نبیل اپنی اسناد سے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا مجھ کو لیلۃ القدر دکھلائی گئی لیکن پھر بھلا دی گئی یہ آخری دس راتوں میں ہے یہ صاف صاف شفاف سکون و وقار والی رات ہے نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی اس قدر روشن رات ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا گویا چاند چڑھا ہوا ہے سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا یہاں تک کہ دھوپ چڑھ جائے اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ لیلۃ القدر اگلی امتوں میں بھی تھی یا صرف اسی امت کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی ہے پس ایک حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نظریں ڈالیں اور یہ معلوم کیا کہ اگلے لوگوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی تھیں تو آپ کو خیال گزرا کہ میری امت کی عمریں ان کے مقابلہ میں کم ہیں تو نیکیاں بھی کم رہیں گی اور پھر درجات اور ثواب میں بھی کمی رہے گی تو اللہ نے آپ کو یہ رات عنایت فرمائی اور اس کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی امت کو یہ رات دی گئی ہے بلکہ صاحب عدۃ نے جو شافعیہ میں سے ایک امام ہیں جمہور علما کا یہ قول نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ اور خطابی نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن ایک حدیث اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات جس طرح اس امت میں ہے اگلی امتوں میں بھی تھی چنانچہ حضرت مرثد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ آپ نے لیلۃ القدر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سوال کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر باتیں دریافت کرتا رہتا تھا ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو فرمائیے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہے یا اور مہینوں میں؟ آپ نے فرمایا رمضان میں میں نے کہا اچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انبیا کے ساتھ ہی ہے کہ جب تک وہ ہیں یہ بھی ہے جب انبیاء قبض کئے جاتے ہیں تو یہ بھی اٹھ جاتی ہے یا یہ قیامت تک باقی رہے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں وہ قیامت تک رہے گی میں نے کہا اچھا رمضان کے کس حصے میں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے رمضان کے اول دس دن میں اور آخری دس میں ڈھونڈو پھر میں خاموش ہو گیا آپ بھی اور باتوں میں مشغول ہو گئے میں نے پھر موقعہ پا کر سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے میں کس عشرے میں رات کو تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا آخری عشرے میں بس اب کچھ نہ پوچھنا میں پھر چپکا ہو گیا لیکن پھر موقعہ پا کر میں نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قسم ہے میرا بھی کچھ حق آپ پر ہے فرما دیجئے کہ وہ کون سی رات ہے؟ آپ سخت غصے ہوئے میں نے تو کبھی آپ کو اپنے اوپر اتنا غصہ ہوتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور فرمایا آخری ہفتے میں تلاش کرو اب کچھ نہ پوچھنا یہ
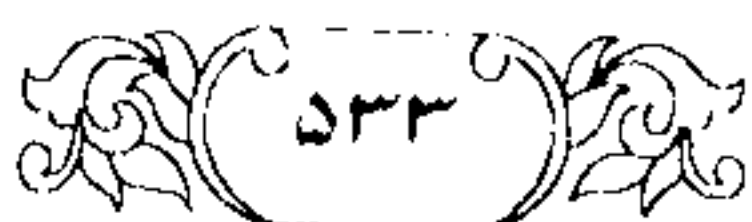
روایت نسائی میں بھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات اگلی امتوں میں بھی تھی اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی قیامت تک ہر سال آتی رہے گی بعض شیعہ کا قول ہے کہ یہ رات بالکل اٹھ گئی یہ قول غلط ہے ان کو غلط فہمی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ وہ اٹھالی گئی اور ممکن ہے کہ تمہارے لئے اسی میں بہتری ہو یہ حدیث پوری ابھی آئے گی حالانکہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہ ہے کہ اس رات کی تعیین اور اس کا تقرر اٹھ گیا نہ یہ کہ سرے سے لیلۃ القدر ہی اٹھ گئی مندرجہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رات رمضان شریف میں آتی ہے کسی اور مہینے میں نہیں حضرت ابن مسعودؓ اور علما کوفہ کا قول ہے کہ سارے سال میں ایک رات ہے اور ہر مہینہ میں اس کا ہو جانا ممکن ہے یہ حدیث اس کے خلاف ہے سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ اس شخص کی دلیل جو کہتا ہے کہ لیلۃ القدر سارے رمضان میں ہے پھر حدیث لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سارے رمضان میں ہے اس سند کے کل راوی ثقہ ہیں یہ موقوف بھی مروی ہے امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں ہے کہ رمضان المبارک کے سارے مہینے میں اس رات کا ہونا ممکن ہے غزالی نے اسے نقل کیا ہے لیکن رافعی اسے بالکل غریب بتلاتے ہیں۔

ابورزین تو فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات ہی لیلۃ القدر ہے امام شافعی بن محمد ادریس کا فرمان ہے کہ یہ سترھویں شب ہے ابو داؤد میں اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع موجود ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن ابوالعاص سے موقوف بھی روایت ہے حضرت حسن بصریؒ کا مذہب بھی یہی نقل کیا گیا ہے اس کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ رمضان المبارک کی یہی سترھویں رات شب جمعہ تھی اور یہی رات بدر کی رات تھی اور سترھویں تاریخ کو جنگ بدر واقع ہوئی تھی جس کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ انیسویں رات لیلۃ القدر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اکیسویں رات حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے پہلے دس دن کا اعتکاف کیا ہے ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اعتکاف میں بیٹھے پھر آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ آپ کے آگے ہے پھر آپ نے دس سے بیس تک کا اعکاف کیا ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اعتکاف میں بیٹھے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہی فرمایا کہ جسے آپ ڈھونڈتے ہیں وہ تو ابھی آگے ہے یعنی لیلۃ القدر پس رمضان کی بیسویں تاریخ کو صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور فرمایا کہ میرے ساتھ اعتکاف کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ پھر اعتکاف میں بیٹھ جائیں میں نے لیلۃ القدر دیکھ لی لیکن میں بھول گیا لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے میں نے دیکھا کہ گویا میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں راوی حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت صرف کھجور کے پتوں کی تھی آسمان پر اس وقت ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ تھا پھر ابر اٹھا اور بارش ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہوا اور میں نے خود دیکھا کہ نماز کے بعد آپ کی پیشانی پر تر مٹی لگی ہوئی تھی اسی روایت کے ایک طریق میں ہے کہ یہ اکیسویں رات کا واقعہ ہے یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم دونوں میں ہے امام شافعی فرماتے ہیں تمام روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح یہی حدیث ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کی تیئسویں رات ہے اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن انیس کی صحیح مسلم والی ایسی ہی ایک روایت ہے واللہ اعلم۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے ابوداؤد طیالسیؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر چوبیسویں رات ہے اس کی سند بھی صحیح ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں بخاری میں حضرت بلالؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہیں منقول ہے یہ پہلی ساتویں ہے آخری دس میں سے یہ موقوف روایت ہی صحیح

ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ جابرؓ حسن قتادہؒ عبداللہ بن وہبؒ بھی فرماتے ہیں کہ چوبیسویں رات لیلۃ القدر ہے سورہ بقرہ کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت کی ہوئی مرفوع حدیث بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان کی چوبیسویں رات کو اترا بعض کہتے ہیں کہ پچیسویں رات لیلۃ القدر ہے ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرے میں ڈھونڈو نو باقی رہیں تب سات باقی رہیں تب پانچ باقی رہیں تب اکثر محدثین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد طاق راتیں ہیں یہی زیادہ ظاہر ہے اور زیادہ مشہور ہے گو بعض اوروں نے اسے جفت راتوں میں بھی محمول کیا ہے جیسے کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے اسے جفت پر محمول کیا ہے واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اس کی دلیل صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ ستائیسویں رات ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت زرؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص سال بھر راتوں کا قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پائے گا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے وہ جانتے ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہی ہے یہ ستائیسویں رات رمضان کی ہے پھر اس بات پر حضرت ابی نے قسم کھائی میں نے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا کہ ان نشانیوں کو دیکھنے سے جو ہم کو بتائی گئی ہیں کہ اس دن سورج شعاعوں کے بغیر نکلتا ہے اور روایت میں ہے کہ حضرت ابیؓ نے کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ یہ رات رمضان میں ہے آپ نے اس پر انشاء اللہ بھی نہیں کہا اور پختہ قسم کھائی پھر فرمایا مجھے خوب معلوم ہے کہ وہ کون سی رات ہے جس میں قیام کرنے کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے یہ ستائیسویں رات ہے اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کی صبح کو سورج سفید رنگ نکلتا ہے اور تیزی زیادہ نہیں ہوتی حضرت معاویہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رات ستائیسویں رات ہے سلف کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا مختار مسلک یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت اسی قول کی ہے بعض سلف نے قرآن کریم کے الفاظ سے بھی اس کے ثبوت کا حوالہ دیا ہے اس طرح کہ ھی اس سورت میں ستائیسواں کلمہ ہے اور اس کے معنی ہیں یہ واللہ اعلم۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کی بابت سوال کیا تو سب کا اجماع اس امر پر ہوا کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے ابن عباسؓ نے اس وقت فرمایا کہ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کون سی رات ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کہو کہ وہ کون سی رات ہے؟ فرمایا اس آخری عشرے میں سات گزرنے پر یا سات باقی رہنے پر حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو جواب دیا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے آسمان بھی سات پیدا کئے اور زمینیں بھی سات بنائیں مہینہ بھی ہفتوں پر ہے انسان کی پیدائش بھی سات پر ہے کھانا بھی سات ہے سجدہ بھی سات ہے طواف بیت اللہ کی تعداد بھی سات ہے رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں اور اسی طرح کی سات کی گنتی کی بہت سی چیزیں اور بھی گنوا دیں حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا تمہاری یاد وہاں پہنچی جہاں تک ہمارے خیالات کو رسائی نہ ہو سکی یہ جو فرمایا سات ہی کھاتا ہے اس سے قرآن کریم کی آیتیں: فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا...... (سورہ عبس: ۲۷) مراد ہیں جن میں سات چیزوں کا ذکر ہے جو کھائی جاتی ہیں اس کی اسناد بھی جید اور قوی ہیں لیکن متن میں بہت غرابت ہے واللہ اعلم۔ یہ بھی ہے کہ انتیسویں رات ہے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اسے آخری عشرے میں ڈھونڈو طاق راتوں میں اکیس تیئس پچیس ستائیس اور انتیس یا آخری رات مسند میں ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے یا انتیسویں اس رات فرشتے زمین پر سنگریزوں کی گنتی سے زیادہ ہوتے ہیں اس کی اسناد بھی اچھی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ آخری رات لیلۃ القدر ہے کیونکہ ابھی جو حدیث گزری ہے اس میں ہے اور ترمذی اور نسائی میں بھی ہے کہ جب نو

باقی رہ جائیں یا سات یا پانچ یا تین یا آخری رات یعنی ان راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرو امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند میں ہے کہ یہ آخری رات ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان مختلف حدیثوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ سوالوں کا جواب ہے کسی نے کہا حضرت ہم اسے فلاں رات میں تلاش کریں تو آپ نے فرمایا ہاں حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر مقرر ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوتی امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا اسی معنی کا قول نقل کیا ہے ابو تلابہؒ فرماتے ہیں کہ آخری عشرے کی راتوں میں یہ پھیر بدل ہوا کرتی ہے امام مالکؒ امام ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحٰق راہویہؒ ابو ثور مزنیؒ ابوبکر بن خزیمہؒ وغیرہ نے بھی یہی فرمایا ہے امام شافعیؒ سے بھی قاضی نے یہی نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ اس قول کی تھوڑی بہت تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ملتی ہے کہ چند اصحاب رسول کو خواب میں لیلۃ القدر رمضان کی سات پچھلی راتوں میں دکھائی گئی آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بارے میں موافق ہیں ہر طلب کرنے والے کو چاہئے کہ لیلۃ القدر کو ان سات آخری راتوں میں تلاش کرے حضرت عائشہؓ سے بھی بخاری ومسلم میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرو امام شافعیؒ کے اس فرمان پر کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ایک متعین رات ہے اور اس میں تغیر نہیں ہوتا یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے فلاں رات لیلۃ القدر ہے نکلے یہاں دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے تو آپ نے فرمایا تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے آیا تھا لیکن فلاں فلاں کی لڑائی کی وجہ سے وہ اٹھالی گئی ہے اور ممکن ہے کہ اس میں تمہاری بہتری ہو اب اسے نویں ساتویں یا پانچویں میں ڈھونڈ و وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کا تعین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتا تو ہر سال کی لیلۃ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا اگر لیلۃ القدر میں تغیر ہوتا رہتا تو صرف اس سال کے لئے تو معلوم ہو جاتا کہ فلاں رات ہے لیکن اور برسوں کے لئے تعین نہ ہوتی ہاں یہ ایک جواب اس کا ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے تھے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑائی جھگڑا خیر و برکت کو اور نفع دینے والے علم کو غارت کر دیتا ہے ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے گناہ کے باعث خدا کی روزی سے محروم رکھ دیا جاتا ہے یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو آپ نے فرمایا کہ وہ اٹھالی گئی اس سے مراد اس کی تعیین کے علم کا اٹھا لیا جانا ہے نہ یہ کہ بالکل لیلۃ القدر ہی دنیا سے اٹھالی گئی جیسے کہ جاہل شیعہ کا قول ہے اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس لفظ کے بعد ہی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اسے نویں ساتویں اور پانچویں میں ڈھونڈو آپ کا فرمان کہ ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو اس کی مقرر تعیین کا علم نہ ہونے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ مبہم ہے تو اس کا ڈھونڈنے والا جن جن راتوں میں اس کا ہونا ممکن دیکھے گا ان تمام راتوں میں کوشش وخلوص سے لگا رہے گا[1] بخلاف اس کے کہ معلوم ہو جائے کہ فلاں رات ہی ہے تو وہ صرف اسی ایک رات کی عبادت کرے گا کیونکہ ہمتیں پست ہیں اس لئے حکمت حکیم کا تقاضی یہی ہوا کہ اس رات کی تعیین کی خبر نہ دی جائے تا کہ اس رات کے پالینے کے شوق میں اس مبارک مہینے میں جی لگا کر اور دل کھول کر بندے اپنے معبود برحق کی بندگی کریں اور آخری عشرے میں تو پوری کوشش اور خلوص کے ساتھ عبادتوں میں مشغول رہیں اسی لئے خود پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے انتقال تک رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے اور آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے

[1] اور یہی دلیل سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے ارشاد کی ہے کہ شب قدر پورے سال میں منتقل ہوتی رہتی ہے امام اپنی کمال ذہانت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود شریعت کا راتوں میں خدا تعالیٰ کی پرخلوص عبادت کرانا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مبارک رات کا متعین علم اٹھا لیا گیا جو شریعت کا یہ مقصود اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ تمام راتیں اسی ذکر وفکر میں گزار دی جائیں خوب کہا ہے کسی نے ؎ ہر شب شب قدر است گر قدر دانی۔

اعتکاف کیا یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آخری دس راتیں رمضان شریف کی رہ جاتیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور کمر کس لیتے (صحیحین) مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں جس محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی محنت سے عبادت آپ کی اور وقت نہیں ہوتی تھی یہی معنی ہیں اوپر والی حدیث کے اس جملے کے کہ آپ تہمد مضبوط بناندھ لیا کرتے تھے یعنی کمر کس لیا کرتے یعنی عبادت میں پوری کوشش کرتے گو اس کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ آپ بیویوں سے نہ ملتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی باتیں مراد ہوں یعنی بیویوں سے ملنا بھی ترک کر دیتے تھے اور عبادت کی مشغولی میں بھی کمر باندھ لیا کرتے چنانچہ مسند احمد کی حدیث کے یہ لفظ ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ باقی رہ جاتا تو آپ تہمد مضبوط باندھ لیتے اور عورتوں سے الگ رہتے امام مالک فرماتے ہیں کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃ القدر کی یکساں جستجو کرے کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہ دے (شرح رافعی) یہ بھی یاد رہے کہ یوں تو ہر وقت دعا کی کثرت مستحب ہے لیکن رمضان میں اور زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرے میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اور اس دعا کو بکثرت پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ خدایا تو درگزر کرنے والا اور درگزر کو پسند فرمانے والا ہے مجھ سے بھی درگزر فرما مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا دعا پڑھوں آپ نے یہی بتلائی یہ حدیث ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں مستدرک حاکم میں بھی یہ ہے اور امام حاکم اسے شرط صحیحین پر صحیح بتلاتے ہیں ایک عجیب وغریب اثر جس کا تعلق لیلۃ القدر سے ہے امام ابو محمد بن ابو حاتمؒ نے اپنی تفسیر میں اس سورت کی تفسیر میں حضرت کعبؓ سے یہ روایت کی ہے کہ سدرۃ المنتہٰی جو ساتویں آسمان کی حد پر جنت سے متصل ہے جو دنیا اور آخرت کے فاصلہ پر ہے اس کی بلندی جنت میں ہے اس کی شاخیں اور ڈالیاں کرسی تلے ہیں اس میں اس قدر فرشتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس کی ہر ہر شاخ پر بے شمار فرشتے ہیں ایک بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو فرشتوں سے خالی ہو اس درخت کے درمیان حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آواز دی جاتی ہے کہ اے جبرائیل علیہ السلام لیلۃ القدر میں اس درخت کے تمام فرشتوں کو لے کر زمین پر جاؤ یہ کل کے کل فرشتے رافت ورحمت والے ہیں جن کے دلوں میں ہر ہر مومن کے لئے رحم کے جذبات موجزن ہیں سورج غروب ہوتے ہی یہ کل کے کل فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ لیلۃ القدر میں اترتے ہیں تمام روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں ہر ہر جگہ سجدے میں قیام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں ہاں گرجا گھر میں مندر میں آتشکدے میں بت خانے میں غرض خدا کے سوا اوروں کی جہاں پرستش ہوتی ہے وہاں تو یہ فرشتے نہیں جاتے اور ان جگہوں میں بھی جن میں تم گندی چیزیں ڈالتے ہو اور اس گھر میں بھی جہاں نشے والا شخص ہو یا نشہ والی چیز ہو یا جس گھر میں کوئی بت گڑا گیا ہو یا جس گھر میں باجے گاجے گھنٹیاں ہوں یا جہاں کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو وہاں تو یہ رحمت کے فرشتے جاتے ہی نہیں باقی چپے چپے پر گھوم جاتے ہیں اور ساری رات مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائیں مانگنے میں گزارتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام تمام مومنوں سے مصافحہ کرتے ہیں اس کی نشانی یہ ہے کہ رونگٹے جسم پر کھڑے ہو جائیں دل نرم پڑ جائے آنکھیں بہہ نکلیں اس وقت آدمی کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت اس کا ہاتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہے حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس رات میں تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اس کے پہلی مرتبہ پڑھنے پر گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے

دوسری مرتبہ کے کہنے پر آگ سے نجات مل جاتی ہے تیسری مرتبہ کے کہنے پر جنت میں داخل ہو جاتا ہے راوی نے پوچھا کہا اے ابو اسحق جو اس کلمہ کو سچائی سے کہے اس کے؟ فرمایا یہ تو نکلے گا ہی اس کے منہ سے جو سچائی اسے اس کا کہنے والا ہو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لیلۃ القدر کا فرو منافق پر تو اتنی بھاری پڑتی ہے کہ گویا اس کی پیٹھ پر پہاڑ آ پڑا غرض کہ فجر ہونے تک فرشتے اس طرح رہتے ہیں پھر سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام چڑھتے ہیں اور بہت اونچے چڑھ کر اپنے پروں کو پھیلاتے ہیں بالخصوص ان دو سبز پروں کو جنہیں اس رات کے سوا وہ کبھی نہیں پھیلاتے یہی وجہ ہے کہ سورج کی تیزی ماند پڑ جاتی ہے اور شعاعیں جاتی رہتی ہیں پھر ایک ایک فرشتے کو پکارتے ہیں اور سب کے سب اوپر چڑھتے ہیں پس فرشتوں کا نور اور جبرائیل علیہ السلام کے پروں کا نور مل کر سورج کو ماند کر دیتا ہے اس دن سورج متحیر رہ جاتا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور یہ سارے بے شمار فرشتے اس دن آسمان و زمین کے درمیان مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے رحمت کی دعائیں مانگتے ہیں اور ان کے گناہوں کی بخشش مانگنے میں گزار دیتے ہیں نیک نیتی کے ساتھ روزہ رکھنے والوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کا یہ خیال رہا کہ اگلے سال بھی اگر خدا نے زندگی رکھی تو رمضان کے روزے عمدگی کے ساتھ پورے کریں گے یہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں شام کو آسمان دنیا پر چڑھ جاتے ہیں وہاں کے تمام فرشتے حلقے باندھ باندھ کر ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ایک مرد اور ایک ایک عورت کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور یہ جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کو امسال تم نے کس حالت میں پایا تو یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ سال تو ہم نے اسے عبادتوں میں پایا تھا لیکن اس سال تو وہ بدعتوں میں مبتلا تھا اور فلاں شخص گزشتہ سال بدعتوں میں مبتلا تھا لیکن اس سال ہم نے اسے سنت کے مطابق عبادتوں میں پایا پس یہ فرشتے اس پہلے شخص کے لئے بخشش کی دعائیں مانگنی موقوف کر دیتے ہیں اور دوسرے شخص کے لئے دعائیں مانگنی شروع کر دیتے ہیں اور یہ فرشتے انہیں سناتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں کو ذکر اللہ میں پایا اور فلاں کو رکوع میں اور فلاں کو سجدے میں اور فلاں کو کتاب اللہ کی تلاوت میں غرض کہ ایک رات دن یہاں گزار کر دوسرے آسمان پر جاتے ہیں یہاں بھی یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں اس وقت سدرۃ المنتہیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ مجھ میں بسنے والو میرا بھی تم پر حق ہے میں بھی ان سے محبت رکھتا ہوں جو خدا سے محبت رکھے ذرا مجھے بھی تو لوگوں کی حالت کی خبر دو اور ان کے نام بتاؤ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اب فرشتے اس کے سامنے گنتی کر کے اور ایک ایک مرد عورت کا مع ولدیت کے نام بتاتے ہیں پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتی ہے کہ تجھ میں رہنے والے فرشتوں نے جو خبریں تجھے دی ہیں مجھ سے بھی تو بیان کر چنانچہ سدرۃ المنتہیٰ اس سے ذکر کرتا ہے یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ خدا کی رحمت ہو فلاں مرد پر اور فلاں عورت پر خدایا انہیں جلدی مجھ سے ملا حضرت جبرائیل علیہ السلام سب سے پہلے اپنی جگہ پہنچ جاتے ہیں انہیں الہام ہوتا ہے اور یہ عرض کرتے ہیں پروردگار میں نے تیرے فلاں فلاں بندوں کو سجدے میں پایا تو انہیں بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے انہیں بخشا حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو سناتے ہیں پھر سب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مرد و عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور مغفرت ہوئی پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام خبر دیتے ہیں کہ باری تعالیٰ فلاں شخص کو گزشتہ سال تو عامل سنت چھوڑا تھا لیکن امسال تو بدعتوں میں پڑ گیا ہے تیرے احکام سے روگردانی کر لی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبرائیل علیہ السلام اگر یہ مرنے سے تین ساعت پہلے بھی توبہ کر لے گا تو میں اسے بخش دوں گا اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں الٰہی تو اپنی مخلوق پر سب سے زیادہ مہربان ہے بندوں پر تیری مہربانی خود ان کی اپنی مہربانی سے بھی بڑھی ہوئی ہے اس وقت عرش اور اس کے آس پاس کی

چیزیں اور پردے اور تمام آسمان جنبش میں آجاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِیْمِ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحِیْمِ حضرت کعبؓ یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے پورے کرے اور اس کی یہ نیت بھی ہو کہ رمضان کے بعد بھی میں گناہوں سے بچتا رہوں گا وہ بغیر سوال و جواب کے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گا۔[1]

تفسیر سورہ بینہ مدنیہ

جب یہ سورت اتری تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ یہ سورت حضرت ابی کو سنائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیؓ سے اس کا ذکر کیا تو حضرت ابیؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں تو حضرت ابی رو پڑے (مسند احمد) مسند ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابیؓ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا؟ یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی ہے مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابیؓ نے یہ واقعہ بیان کیا اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ نے کہا پھر تو تم اے ابو منذرؓ بہت ہی خوش ہوئے ہو گے کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا خدا خود فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورہ یونس: ۵۸) یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ لوگ خوش ہوا کریں یہ ان کے جمع کیے ہوئے سے بہت ہی بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھی اس میں یہ روایت بھی تھی لَوْ اَنَّ ابْنَ اٰدَمَ سَاَلَ وَادِيًا مِّنْ مَّالٍ فَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَانِيًا وَّلَوْ سَاَلَ ثَانِيًا فَاُعْطِيَهٗ لَسَاَلَ ثَالِثًا وَّلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ وَاِنَّ ذَاتَ الدِّيْنِ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ غَيْرُ الْمُشْرِكَةِ وَلَا الْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا النَّصْرَانِيَّةِ وَمَنْ يَّفْعَلْ خَيْرًا فَلَنْ يُّكْفَرَهٗ یعنی اگر انسان مجھ سے ایک جنگل بھر کر سونا مانگے اور میں اسے دے دوں تو پھر دوسرا مانگے گا اور دوسرے کو دے دوں گا تو یقیناً تیسرے کی طلب کرے گا انسان کے پیٹ کو سوا مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یک طرفہ ہو کر صرف اسی کی عبادت کرے نہ وہ مشرک ہو نہ یہودی ہو نہ نصرانی ہو جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے اللہ کے ہاں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی (مسند احمد) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں تو حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ پر ایمان لایا آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا آپ ہی سے علم دین حاصل کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرا وہاں ذکر کیا گیا؟ آپ نے فرمایا تیرے نام اور نسب کے ساتھ ملا الاعلی میں تیرا ذکر ہوا حضرت ابیؓ نے عرض کیا اچھا پھر پڑھیے یہ روایت اس طریقہ سے غریب ہے اور ثابت وہ ہے جو پہلے بیان ہوا یہ یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سورت کو حضرت ابیؓ کے سامنے پڑھنا یہ ان کی ثابت قدمی اور ان کی قوت ایمان کی وجہ سے تھا مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت سن کر حضرت ابیؓ بگڑ بیٹھے تھے کیونکہ انہوں نے جس طرح اس سورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا حضرت عبداللہؓ نے اس طرح نہیں پڑھا تھا تو غصے میں آکر انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے قرآن سنا انہوں نے اپنے طریقہ پر اور انہوں نے اپنے طریقہ پر پڑھا آپ نے فرمایا دونوں نے درست پڑھا حضرت ابیؓ فرماتے ہیں میں تو اس قدر شک و شبہ میں پڑ گیا کہ جاہلیت کے زمانہ کا شک[1] سامنے آ گیا آپ نے یہ حالت دیکھ کر میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا

[1] یعنی جس طرح ہم زمانہ کفر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین نہیں رکھتے تھے بلکہ طرح طرح کے شبہات میں مبتلا تھے یہی کیفیت اب پیدا ہوئی کہ قرأت کا تو ایک ہی طریقہ صحیح ہونا چاہیے یہ متعدد طریقے اور سب صحیح آخر یہ کیا بات ہے؟ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست گرامی کی برکت کہ غلط خیالات جو پیدا ..... =

جس سے میں پسینوں پسینوں ہو گیا اور اس قدر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا سن جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور فرمایا خدا کا حکم ہے کہ قرآن ایک قرأت پر اپنی امت کو پڑھاؤ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور بخشش و مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو طرح کی قرأتوں کی اجازت ہوئی لیکن میں اس میں متعدد قرأتوں کی اجازت طلب کرتا رہا یہاں تک کہ سات قرأتوں کی اجازت ملی یہ حدیث بہت سی سندوں اور مختلف الفاظ سے تفسیر کے شروع میں پوری طرح بیان ہو چکی ہے اب جبکہ یہ مبارک سورت نازل ہوئی اور اس میں آیت :رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ بھی نازل ہوئی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بطور پہنچا دینے کے اور ثابت قدمی عطا فرمانے کے اور آگاہی کرنے کے پڑھ کر حضرت ابیؓ کو سنائیں کسی کو یہ خیال نہ رہے کہ بطور سیکھنے کے اور یاد رہنے کے آپ نے یہ سورت ان کے پاس تلاوت کی تھی واللہ اعلم۔ پس جس طرح آپ نے حضرت ابیؓ کے اس دن کے شک و شبہ کے دور کرنے کے لئے جو انہیں مختلف قرأتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز رکھنے پر پیدا ہوا تھا ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی ٹھیک اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بھی حدیبیہ والے سال صلح کے معاملہ میں اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے بہت سے سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف میں جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ تو ضرور کہا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال یہ ہوگا یقیناً وہ وقت آ رہا ہے کہ تو وہاں پہنچے گا اور طواف کرے گا اب حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے سورہ فتح نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلوایا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی جس میں یہ آیت بھی ہے :لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ...... (سورہ فتح: ۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا یقیناً تمہارا داخلہ مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ ہوگا جیسے کہ پہلے اس کا بیان بھی گزر چکا ہے حافظ ابو نعیمؒ اپنی کتاب اسماء صحابہ میں حدیث لائے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورہ بینہ کی قرأت سنتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے خوش ہو جا مجھے اپنی عزت کی قسم تجھے جنت میں ایسا ٹھکانا دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ تجھے دنیا و آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہ بھولوں گا۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا

......= ہوئے تھے ایک ہی لمحہ میں ختم ہو گئے۔

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

جولوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (قبل بعث نبویہ) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے جن میں درست مضامین لکھے ہوں اور جولوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجہ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد (دین میں) مختلف ہو گئے حالانکہ ان لوگوں کو کتب سابقہ میں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں (ادیان باطلہ شرکیہ سے) یک سو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین (مذکورہ کا) بتلایا ہوا ۝

پاکیزہ صحیفے:

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد بت پرست عرب اور آتش پرست عجمی ہیں فرماتا ہے کہ یہ لوگ بغیر دلیل کے باز رہنے والے نہ تھے پھر بتلایا کہ وہ دلیل خدا کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو پاک صحیفے یعنی قرآن کریم پڑھ کر سناتے ہیں جو اعلیٰ فرشتوں میں پاک ورقوں میں لکھا ہوا ہے جیسے اور جگہ ہے: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ...... (سورہ عبس: ۱۳) کہ وہ نامی گرامی بلند و بالا پاک صاف ورقوں میں پاک باز نیکوکار بزرگ فرشتوں کے ہاتھوں میں لکھے ہوئے ہیں پھر فرمایا کہ ان پاک صحیفوں میں خدا کی لکھی ہوئی باتیں عدل و استقامت والی موجود ہیں جن کے خدا کی جانب سے ہونے میں کوئی شک شبہ نہیں نہ ان میں کوئی خطا اور غلطی ہوئی ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمدگی کے ساتھ قرآنی وعظ فرماتے ہیں اور اس کی اچھی تعریفیں بیان فرماتے ہیں ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ ان صحیفوں میں کتابیں ہیں استقامت اور عدل و انصاف والی پھر فرمایا کہ ایسی کتابوں والے خدا کی حجتیں قائم ہو چکنے اور دلیلیں آ جانے کے بعد خدا تعالیٰ کے کلام کی مراد میں اختلاف کرنے لگے اور جدا جدا راہوں میں بٹ گئے جیسے کہ اس حدیث میں ہے جو مختلف طریقوں سے روایت ہے کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے ہو گئے اور نصرانیوں کے بہتر اور اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ ایک کون ہے فرمایا وہ جو اس راہ پر ہو جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں پھر فرمایا انہیں صرف اتنا ہی حکم تھا کہ خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف اپنے سچے معبود کی عبادت میں لگے رہیں جیسے اور جگہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (سورہ انبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یک سو ہو کر یعنی شرک سے دور اور توحید میں مشغول ہو کر جیسے اور جگہ ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (سورہ نحل: ۳۶) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو حنیف کی پوری تفسیر سورہ انعام میں گزر چکی ہے دوبارہ ذکر کی اب ضرورت نہیں پھر فرمایا کہ نمازوں کو قائم کریں جو کہ بدن کی سب عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے رہو یعنی فقیروں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں یہی دین مضبوط سیدھا درست عدل والا اور عمدگی والا ہے بہت سے ائمہ کرام نے جیسے امام زہریؒ امام شافعیؒ وغیرہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں[1]

[1] اور معلوم ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اعمال کو ایمان میں داخل نہیں مانتے ہاں ایمان کا کمال درستگی اعمال ہے۔

کیونکہ ان آیتوں میں خدائے تعالیٰ کی خلوص اور یک سوئی کے ساتھ کی عبادت اور نماز وزکوۃ کو دین فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

ع ۲۲

بے شک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ○

بدترین خلائق:

اللہ تعالیٰ کافروں کا انجام بیان فرماتا ہے خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں جو انبیاء اللہ کے مخالف ہوں اور کتاب خدا کو جھٹلانے والے ہوں وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور اسی میں پڑے رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں نہ چھوٹیں یہ لوگ تمام مخلوق سے بدتر اور کمتر ہیں پھر اپنے نیک بندوں کے انجام کی خبر دیتا ہے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان ہے اور جو اپنے جسموں سے سنت کی بجا آوری میں رہا کرتے ہیں کہ یہ ساری مخلوق سے بہتر اور بزرگ ہیں اس آیت میں حضرت ابو ہریرہؓ اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ایمان والے انسان فرشتوں سے بھی افضل ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا نیک بدلہ ان کے رب کے پاس ان ہیشگی والی جنتوں کی صورت میں ہے جن کے ہر ہر گوشہ پر پاک صاف پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں دوام اور ہیشگی کی زندگی کے ساتھ رہیں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں ان سے جدا ہوں نہ کم ہوں اور نہ کوئی کھٹکا ہے نہ غم پھر ان سب سے بڑھ چڑھ کر نعمت و رحمت یہ ہے کہ رضائے رب مرضی مولا انہیں حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر نعمتیں جنات باری تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں کہ یہ بھی بہ دل راضی ہو گئے ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے کہ بہترین بدلہ یہ جزائے جزیل یہ اجر عظیم دنیا میں خدا سے ڈرتے رہنے کا عوض ہر وہ شخص جس کے دل میں ڈر ہو جس کی عبادت میں اخلاص ہو جو جانتا ہو کہ خدا تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے بلکہ عبادت کے وقت اس مشغولی اور دلچسپی سے عبادت کر رہا ہو کہ گویا وہ اپنی آنکھوں سے اپنے خالق مالک سچے رب اور حقیقی خدا کو دیکھ رہا ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور فرمایا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے کہ کب جہاد کی آواز اٹھے اور کب میں کود کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں اور کڑکڑاتا ہوا دشمن کی فوج میں گھسوں اور داد شجاعت دوں لو میں تمہیں ایک اور بہترین مخلوق کی خبر دوں وہ شخص جو اپنی

بکریوں کے ریوڑ[1] میں نہ نماز کو چھوڑتا ہے نہ زکوٰۃ سے جی چراتا ہے آؤ اب میں بدترین مخلوق بتاؤں وہ شخص کہ خدا کے نام سے سوال کرے اور پھر نہ دیا جائے۔

تفسیر سورہ الزلزال مدنیہ

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پڑھائیے آپ نے فرمایا الٓر والی تین سورتیں پڑھو تو اس نے کہا بوڑھا بہت ہو گیا حافظہ کمزور ہو گیا زبان موٹی ہو گئی تو آپ نے فرمایا حٰم والی سورتیں پڑھا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا سبح والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو اس نے پھر وہی عذر بیان کیا اور درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو کوئی جامع سورت کا سبق دے دیجئے تو آپ نے اسے یہ سورت پڑھائی جب پڑھا چکے تو وہ کہنے لگا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا ہے کہ میں کبھی اس پر زیادتی نہ کروں گا[2]۔ پھر وہ پیٹھ کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا اس مرد نے فلاح پالی یہ نجات کو پہنچ گیا پھر فرمایا ذرا بلا لاؤ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے بقرعید کا حکم کیا گیا ہے اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عید کا دن بنایا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے کوئی جانور تحفۃً دے رکھا ہو تو کیا میں اسے ذبح کر ڈالوں فرمایا نہیں نہیں پھر تو تو اپنے بال کتروا ناخن لوا مونچھیں پست کرا زیر ناف کے بال لے اللہ تعالیٰ عزوجل کے نزدیک تیری پوری قربانی یہی ہے یہ حدیث مسند احمد ابوداؤد و نسائی میں بھی ہے ترمذی شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورت کو پڑھے تو اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے یہ حدیث غریب ہے اور روایت میں ہے کہ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد تہائی قرآن کے برابر ہے اور قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ چوتھائی قرآن کے برابر ہے یہ حدیث بھی غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں میں سے ایک سے فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کر لیا اس نے کہا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اتنا ہے ہی نہیں جو میں اپنا نکاح کر سکوں آپ نے فرمایا قل ھو اللہ تیرے ساتھ نہیں؟ اس نے کہا ہاں یہ تو ہے فرمایا تہائی قرآن یہ ہوا فرمایا کیا اذا جاء نہیں؟ کہا وہ بھی ہے فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا فرمایا کیا یایھا الکفرون یاد نہیں؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن کے برابر یہ ہے جا اب نکاح کر لے یہ حدیث حسن ہے یہ تینوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں۔

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

[1] بکریوں کے ریوڑ میں چرواہا ہر وقت ان کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے بھیڑیئے کا ڈر کھیتوں میں بکریوں کے گھس جانے کا خطرہ کبھی دوڑ کر ادھر اور کبھی ادھر اس ہماہمی میں نماز کی فکر و اہتمام اس سے بڑھ کر دینداری اور کیا ہو گی پس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو دنیا میں مصروفیت کے باوجود نماز وغیرہ کی فکر رکھے وہ اس حدیث کا مصداق ہے۔

[2] یعنی صرف اس کی تلاوت کروں گا نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم اور آپ کا فرمانا کہ اس نے فلاح پائی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مقصد پر ہمیشہ تلاوت فلاح دین و دنیا کا باعث ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تا کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا ○

یہ زلزلے:

زمین نیچے سے اوپر تک کپکپانے لگے گی اور جتنے مردے اس میں ہے سب نکال پھینکے گی جیسے اور جگہ ہے: يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (سورہ حج:۱) لوگوں اپنے رب سے ڈرو یقین مانو کہ قیامت کا زلزلہ اور اس دن کی بھونچال بڑی چیز ہے ایک اور موقعہ پر ارشاد ہے: وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (سورہ انشقاق:۳-۴) جب کہ زمین کھینچ کھانچ کر برابر ہموا کردی جائے گی اور اس میں جو کچھ ہے وہ اسے باہر اگل دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اگل دے گی سونا چاندی مثل مقتولوں کے باہر نکل پڑے گا قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا کہ ہائے اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا آج یہ یوں ادھر ادھر ڈل رہا ہے کوئی آنکھ بھر دیکھتا بھی نہیں اسی طرح صلہ رحمی توڑنے والا بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں آکر رشتے داروں سے میں سلوک نہیں کرتا تھا چور بھی کہے گا کہ اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوا دیئے غرض کہ وہ مال یوں ہی رلتا پھرے گا کوئی نہیں لے گا انسان اس وقت حیران و پریشان رہ جائے گا اور کہے گا کہ یہ تو ہلنے جلنے والی نہ تھی بوجھل اور جمی ہوئی تھی اسے کیا ہوگیا کہ یوں بید کی طرح تھرانے لگی اور ساتھ ہی جب یہ دیکھے گا کہ تمام اگلی پچھلی لاشیں بھی زمین نے اگل دی ہیں اور حیران و پریشان بھی ہو جائے گا کہ آخر اسے کیا ہوگیا ہے؟ پس زمین بالکل بدل جائے گی اور سب لوگ اس غالب خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے زمین صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں آدمی نے فلاں فلاں نافرمانی اس پر کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کیئے ہیں وہ تمام ظاہر کردے گی کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح غریب بتلاتے ہیں معجم طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ سب کھول کر بیان کردے گی یہاں وحی سے مراد حکم دینا ہے اوحی اور اس کے ہم معنی افعال کا صلہ حرف لام بھی آتا ہے اور الی بھی مطلب یہ ہے کہ خدا اسے فرمائے گا کہ بتا اور وہ بتاتی جائے گی اس دن لوگ حساب کی جگہ سے مختلف قسم کی جماعتیں بن بن کر لوٹیں گے کوئی بد ہوگا کوئی نیک کوئی جنتی بنا ہوگا کوئی جہنمی یہ معنی بھی ہیں کہ یہاں سے جو

الگ الگ ہوں گے تو پھر اجتماع نہ ہوگا یہ اس لئے کہ وہ اپنے اعمال کو جان لیں اور بھلائی برائی کا بدلہ پالیں اسی لئے آخر میں بھی بیان فرما دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں ایک اجر پانے والا ایک پردہ پوشی والا ایک بوجھ اور گناہ والا اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہوگئی اور یہ ادھر ادھر چرتا رہا تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر وثواب کا باعث ہے اور اگر یہ رسی اس کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور اس کی لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی لے گو ارادہ پلانے کا نہ ہوتا ہم ثواب مل جاتا ہے یہ گھوڑا تو اس شخص کے لئے سراسر اجر وثواب ہے دوسرا وہ شخص ہے جس نے اس لئے پال رکھا کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن خدا کا حق نہ تو خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں پس یہ اس کے لئے پردہ ہے تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر وریاکاری اور ظلم وستم کے لئے پال رکھا ہے پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس کے لئے گناہ ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے فرمایا مجھ پر خدا تعالیٰ کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا کہ ذرے برابر نیکی اور اتنی بدی ہر شخص دیکھ لے گا (مسلم) حضرت صعصعہ بن مالکؓ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ سن کر کہہ دیا تھا کہ صرف یہی آیت کافی ہے اور زیادہ اگر نہ بھی سنوں تو کوئی ضرورت نہیں (مسند احمد نسائی) صحیح بخاری شریف میں بہ روایت حضرت عدی بن حاتمؓ سے ہے کہ آگ سے بچو اگر چہ آدھی کھجور کا صدقہ ہی ہو اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نیکی کے کام کو ہلکا نہ سمجھو گو اتنا ہی کام ہو کہ تو اپنے ڈول میں سے ذرا سا پانی کسی پیاسے کو پلا دے یا اپنے کسی مسلمان بھائی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کر لے دوسری ایک حدیث میں ہے کہ اے ایمان والی عورتو! تم اپنی پڑوسن کے بھیجے ہوئے تحفے ہدیے کو حقیر نہ سمجھو گو ایک ہی کھر آیا ہو اور حدیث میں ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دو گو جلا ہوا کھر ہی ہو مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اے عائشہؓ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو یاد رکھو کہ ان کا بھی حساب لینے والا ہے ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کھانے سے ہاتھ اٹھالیا اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم کو ایک ذرے برابر برائی کا بدلہ دیا جائے گا تو آپ نے فرمایا اے صدیقؓ دنیا میں جو جو تکلیفیں تمہیں پہنچیں ہیں یہ تو اس میں آ گئیں اور نیکیاں تمہارے لئے خدا کے ہاں ذخیرہ بنی ہوئی ہیں اور ان سب کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن تمہیں دیا جائے گا ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ سورت حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں نازل ہوئی تھی آپ اسے سن کر بہت روئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے یہ سورت رلا رہی ہے آپ نے فرمایا اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں بخشا جائے اور معاف کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتے اور خدا انہیں بخشتا حضرت ابو سعید خدریؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سن کر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجھے سب اعمال دیکھنے پڑیں گے آپ نے فرمایا ہاں پوچھا بڑے بڑے فرمایا ہاں میں نے کہا چھوٹے چھوٹے بھی فرمایا ہاں میں نے کہا ہائے افسوس آپ نے فرمایا ابو سعیدؓ خوش ہو جاؤ نیکی تو دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک خدا چاہے دے گا ہاں گناہ اس کے مثل ہوں گے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی بخش دے گا سنو کسی شخص کو صرف اس کے اعمال نجات نہ دے سکیں گے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا نہ مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے اس کے راویوں میں ایک ابن لہیعہ ہیں یہ روایت صرف انہی سے منقول ہے حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ...... (سورہ دھر: ۸) نازل ہوئی یعنی مال کی محبت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو لوگ یہ سمجھ گئے کہ اگر ہم تھوڑی سی چیز راہ اللہ دیں گے تو کوئی ثواب نہیں ملے گا مسکین ان کے دروازے پر آتا لیکن ایک آدھ کھجور یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ دینے کو حقیر خیال کر کے یوں ہی لوٹا دیتے تھے اگر

دیں تو کوئی اچھی محبوب ومرغوب چیز دیں ادھر تو اس خیال کی یہ ایک جماعت تھی دوسری جماعت تھی جنہیں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ ہوگی مثلاً کبھی جھوٹ بات کہہ دی کبھی ادھر ادھر نظریں ڈال لیں کبھی غیبت کر لی وغیرہ جہنم کی وعید تو کبیرہ گناہوں پر ہے تو یہ آیت: فمن یعمل نازل ہوئی اور انہیں یہ بتلایا گیا کہ چھوٹی سی نیکی کو حقیر نہ سمجھو یہ بڑی ہو کر ملے گی اور تھوڑے سے گناہ کو بھی بے جان نہ سمجھو کہیں تھوڑا تھوڑا مل کر بہت نہ بن جائے ذرہ کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہے یعنی نیکیوں کو اور برائیوں کو چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اپنے نامہ اعمال میں دیکھ لے گا بدی تو ایک ہی لکھی جاتی ہے نیکی ایک کے بدلے دس بلکہ جس کے لئے خدا چاہے اس سے بھی بہت زیادہ بلکہ ان نیکیوں کے بدلے برائیاں بھی معاف ہو جاتی ہیں ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس برائیاں معاف ہو جاتی ہیں پھر یہ بھی ہے کہ جس کی نیکی برائی سے ایک ذرے کے برابر بڑھ گئی وہ جنتی ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا نہ سمجھا کرو یہ سب جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر ڈالتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برائیوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے کچھ لوگ کسی جگہ اترے پھر ایک ایک دو دو لکڑیاں چن لائے تو لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے گا پھر اگر انہیں سلگا دیا جائے تو اس میں جو چاہیں پکا سکتے ہیں اسی طرح تھوڑے تھوڑے گناہ بہت زیادہ ہو کر آگ کا کام کرتے ہیں اور انسان کو جلا دیتے ہیں۔

تفسیر سورہ عادیات مکیہ

سُوْرَةُ الْعٰدِیٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع:۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات:۱۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ⑦ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ⑧ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪

ع ۱۱ / ۲۵

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں بے شک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی اول وہلہ میں کبھی بعد تامل) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں کہ جب زندہ کئے جائیں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جائے جو کچھ دلوں میں ہے بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے ○

قسم ہے ان صبا رفتار گھوڑوں کی:

مجاہدین کے گھوڑے جب کہ خدا کی راہ کے لئے ہانپتے اور ہنہناتے ہوئے دوڑتے ہیں ان کی اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کھاتا ہے پھر اس تیزی میں دوڑتے ہوئے پتھروں کے ساتھ ان کے نعل کا ٹکرانا اور اس رگڑ سے آگ کی چنگاریاں اڑنا پھر صبح کے وقت دشمن پر ان کا چھاپہ مارنا اور دشمنان خدا کو تہہ وبالا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی عادت تھی کہ دشمن کی کسی بستی پر آپ جاتے تو وہاں رات کو ٹھہرتے اور سنتے اگر اذان کی آواز آتی تو آپ رک جاتے نہ آتی تو لشکر کو حکم دیتے کہ حملہ کریں پھر ان گھوڑوں کا گرد وغبار اڑانا اور ان سب کا دشمنوں کے درمیان گھس جانا ان سب چیزوں کی قسم کھا کر پھر مضمون شروع ہوتا ہے حضرت عبداللہؓ سے منقول ہے کہ **والعادیات** سے مراد اونٹ ہیں حضرت علیؓ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا گھوڑے ہمارے پاس بدر والے دن تھے ہی کب؟ یہ تو اس چھوٹے لشکر میں تھا جو بھیجا گیا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مرتبہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو بوقت جہاد دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں پھر رات کے وقت یہ گھوڑے سوار مجاہد اپنے کیمپ میں آ کر کھانا پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں وہ یہ پوچھ کر حضرت علیؓ کے پاس گیا آپ اس وقت زمزم کا پانی لوگوں کو پلا رہے تھے اس نے آپ سے یہی سوال کیا آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی تم نے پوچھا ہے؟ کہا ہاں حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو خدا کی راہ میں دھاوا کریں حضرت علیؓ نے فرمایا جانا ذرا انہیں میرے پاس بلا لانا جب وہ آ گئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں اور تم لوگوں کو فتوے دے رہے ہو خدا کی قسم پہلا غزوہ اسلام میں بدر کا تھا اس لڑائی میں ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیرؓ کا دوسرا حضرت مقدادؓ کا تو عادیات ضبحا یہ کیسے ہو سکتے ہیں اس سے مراد تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانے والے اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانے والے ہیں حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا حضرت علیؓ نے جو فرمایا وہی کہنے لگا مزدلفہ میں پہنچ کر حاجی بھی اپنی ہنڈیا روٹی کے لئے آگ جلاتے ہیں غرض حضرت علیؓ کا فرمان یہ ہوا کہ اس سے مراد اونٹ ہیں اور یہی قول ایک جماعت کا ہے جن میں ابراہیم عبید بن عمیر وغیرہ ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے گھوڑے منقول ہیں مجاہد عکرمہ عطا قتادہ ضحاک بھی یہی کہتے ہیں اور امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ اور عطاؒ سے مروی ہے کہ ضبح یعنی ہانپنا کسی جانور کے لئے نہیں ہوتا سوائے گھوڑے اور کتے کے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے منہ سے ہانپتے ہوئے جو آواز اخ اخ کی نکلتی ہے یہی ضبح ہے اور دوسرے جملہ کے ایک تو معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ان گھوڑوں کی ٹاپوں کا پتھر سے ٹکرا کر آگ پیدا کرنا اور دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کے سواروں کا لڑائی کی آگ کو بھڑکانا اور یہ بھی کہا گیا ہے لڑائی میں مکر ودھوکہ کرنا اور یہ بھی ہے کہ راتوں کو قیام گاہ پہنچ کر آگ روشن کرنا اور مزدلفہ میں حاجیوں کا بعد از مغرب پہنچ کر آگ جلانا امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے زیادہ ٹھیک قول یہی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور سموں کا پتھر سے رگڑ کھا کر آگ پیدا کرنا پھر صبح کے وقت مجاہدین کا دشمنوں پر اچانک ٹوٹ پڑنا اور جن صاحبان نے اس سے مراد اونٹ لئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح کو جانا ہے پھر یہ سب کہتے ہیں کہ پھر ان کا جس مکان میں یہ اترے ہیں خواہ جہاد میں ہوں خواہ حج میں غبار اڑانا پھر ان مجاہدین کا کفار کی فوجوں میں درانہ گھس جانا اور چیرتے پھاڑتے مارتے پچھاڑتے ان کے بیچ لشکر میں پہنچ جانا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سب جمع ہو کر اس جگہ درمیان میں آ جاتے ہیں تو اس صورت میں جمعاً حال مؤکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا ابوبکر بزار میں اس جگہ ایک غریب حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر

بھیجا تھا ایک مہینہ گزر گیا لیکن اس کی کوئی خبر نہ آئی اس پر آیتیں اتریں اور اس لشکر کی خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے گھوڑے ہانپتے ہوئے تیز چال سے گئے ان کے سموں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں انہوں نے صبح ہی صبح دشمنوں پر پوری لیغار کے ساتھ حملہ کر دیا ان کی ٹاپوں سے گرداڑ رہا تھا پھر غالب آ کر سب جمع ہو کر بیٹھ گئے ان قسموں کے بعد اب وہ مضمون بیان ہو رہا ہے جس پر قسمیں کھائی گئی تھیں کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا قدر دان نہیں اگر کوئی دکھ درد کسی وقت آ گیا ہے تو وہ بخوبی یاد ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں جو ہیں سب کو بھلائے ہوئے ہے ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ کنود وہ ہے جو تنہا کھائے غلاموں کو مارے اور احسان و سلوک نہ کرے اس کی اسناد ضعیف ہے پھر فرمایا خدا اس پر شاہد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود اس بات پر اپنا گواہ آپ ہے اس کی ناشکری اس کے افعال و اقوال سے ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے: شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (سورہ توبہ: ۱۷) یعنی مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی آبادی نہیں ہو سکتی جب یہ اپنے کفر کے آپ گواہ ہیں پھر فرمایا یہ مال کی چاہت میں بڑا سخت ہے یعنی اسے مال کی بے حد محبت ہے اور یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی محبت میں پھنس کر ہماری راہ میں دینے سے جی چراتا ہے اور بخل سے کام لیتا ہے پھر پروردگار عالم اسے دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت وہ آ رہا ہے کہ جب تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور جو کچھ باتیں چھپی لکی ہوئی تھیں سو وہ ظاہر ہو جائیں گی سن لو ان کا رب ان کے تمام کاموں سے باخبر ہے اور ہر ایک عمل کا بدلہ پورا پورا دینے والا ہے ایک ذرے کے برابر وہ ظلم روا نہیں رکھتا اور نہ رکھے۔

تفسیر سورہ قارعہ مکیہ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۱۱

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١ ع ۲۶

وہ کھڑ کھڑانے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (وجہ تشبیہ متفرق ہو کر اڑا جانا ہے) پھر (وزن اعمال کے بعد) جس شخص کا پلہ بھاری (ایمان کا) ہو گا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہو گا (یعنی ناجی ہو گا) اور جس شخص کا پلہ

(ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے ○

کھڑ کھڑا دینے والی:

قارعہ بھی قیامت کا نام ہے جیسے حَاقَّةُ طَامَّةُ صَاخَّةُ غَاشِيَه وغیرہ اس کی بڑائی اور ہولناکی کے بیان کے لئے سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے[1]؟ اس کا علم بغیر میرے بتائے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا پھر خود بتلاتا ہے کہ اس دن لوگ منتشر اور پراگندہ حیران و پریشان ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے جس طرح پروانے ہوتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا ہے: كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (سورہ قمر: ۷) گویا وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی پھر فرمایا پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے نظر آئیں گے پھر فرماتا ہے اس دن ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہوجائے گا نیکوں کی عظمت اور بروں کی اہانت کھل جائے گی جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ گئیں وہ عیش و آرام کی جنت میں بسر کرے گا اور جس کی بداعمالیاں نیکیوں پر چھا گئیں بھلائیوں کا پلڑا ہلکا ہوگیا وہ جہنمی ہوجائے گا وہ منہ کے بل اوندھا جہنم میں گرادیا جائے گا ام سے مراد دماغ ہے یعنی سر کے بل ہاویہ میں جائے گا اور یہ بھی معنی ہیں کہ فرشتے جہنم میں اس کے سر پر عذاب کی بارش برسائیں گے اور یہ بھی مطلب ہے کہ اس کا اصلی ٹھکانا وہ جگہ جہاں اس کے لئے قرارگاہ مقرر کیا گیا ہے وہ جہنم ہے ہاویہ جہنم کا نام ہے اسی لئے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ اب میں بتاتا ہوں کہ وہ شعلے مارتی بھڑکتی ہوئی آگ ہے حضرت اشعب بن عبداللہ فرماتے ہیں مومن کی موت کے بعد اس کی روح کو ایمانداروں کی روحوں کی طرف لے جاتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کی دل جوئی اور تسلی کرو یہ دنیا کے رنج وغم میں مبتلا تھا اب وہ نیک روحیں اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تو مرچکا ہے کیا تمہارے پاس نہیں آیا تو یہ سمجھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھونکوا سے وہ تو اپنی ماں ہاویہ میں پہنچا ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بیان خوب تفصیل سے ہے اور ہم نے بھی کتاب صفۃ النار میں ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس آتش جہنم سے نجات دے آمین پھر فرماتا ہے کہ وہ سخت تیز حرارت والی آگ ہے بڑے بڑے شعلے مارنے والی جھلسا دینے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہاری یہ آگ تو اس کا سترھواں حصہ ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت کو تو یہی کافی ہے آپ نے فرمایا ہاں لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہر ہر حصہ اس آگ جیسا ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت موجود ہے مسند احمد کی ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ آگ باوجود اس آگ کا سترھواں حصہ ہونے کے پھر بھی دومرتبہ سمندر کے پانی میں بجھا کر بھیجی گئی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس سے بھی نفع نہ اٹھا سکتے اور ایک حدیث میں ہے کہ یہ آگ سوواں حصہ ہے طبرانی میں ہے کہ جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ میں اور آتش جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ تمہاری اس آگ کے دھوئیں سے بھی ستر حصہ زیادہ سیاہ خود وہ آگ ہے ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جہنم کی آگ ہزار سال تک جلائی گئی تو سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی تو سیاہ ہوگئی پس اب وہ سخت سیاہ اور بالکل اندھیرے والی ہے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جن سے اس کا دماغ پکی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہوگا صحیحین میں ہے کہ آگ نے اپنے رب کی طرف شکایت کی کہ خدایا میرا ایک حصہ دوسرے کو

[1] عرب کے خطیب جوش کے موقع پر اپنی تقریروں میں سوالات پے بہ پے کرتے۔ قرآن مجید نے اسی اسلوب کے مطابق اس موقع پر بار بار سوال کیا تاکہ مخاطبین خوب متوجہ ہوں۔

کھائے جا رہا ہے تو پروردگار نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دی ایک جاڑے میں ایک گرمی میں پس سخت جاڑا جو تم پاتے ہو اس کا ٹھنڈا سانس ہے اور سخت گرمی جو پڑتی ہے یہ اس کے گرم سانس کا اثر ہے اور حدیث میں ہے کہ جب گرمی شدت کی پڑے تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی سختی جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔[1]

تفسیر سورہ تکاثر مکیہ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي آيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | کُل آیات: ۸

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸ ع۱

(دنیاوی ساز و سامان پر) فخر کرنا (جو کہ علامت ہے محبت و طلب کی) تم کو (آخرت سے) غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو ہرگز نہیں تم کو بہت جلد (قبر میں جاتے ہی) معلوم ہو جائے گا پھر دوبارہ (تم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز تمہاری یہ حالت ٹھیک نہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا (اور) اگر تم یقینی طور پر (دلائل صحیحہ واجب الاتباع سے اس بات کو) جان لیتے واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر (مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ) واللہ تم لوگ اس کو ایسا دیکھنا جو کہ خود یقین ہے پھر (اور بات سنو کہ) اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہو گی ہو گی ۝

حبِ دُنیا:

ارشاد ہوتا ہے کہ جب دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش نے تمہیں آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے غافل کر دیا ہے تم اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رہے کہ اچانک موت آ گئی اور تم قبروں میں پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اطاعت پروردگار سے تم نے دنیا کی جستجو میں پھنس کر بے رغبتی کر لی اور مرتے دم تک غفلت برتی (ابن ابی حاتم) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مال اولاد کی زیادتی کی ہوس میں موت کا خیال تک نہ آیا صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں ہم لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادٍ مِّنْ ذَهَبٍ یعنی اگر ابن آدم کے پاس ایک جنگل بھر کر سونا ہوا ہے ہم قرآن کی آیت ہی سمجھتے رہے یہاں تک کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن شخیرؓ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آیا تو آپ

[1] یعنی ذرا دیر سے نماز پڑھو مثلاً گرمیوں میں ظہر کی نماز ذرا تاخیر سے پڑھنا چاہئے۔

اس آیت کو پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا رہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پھاڑ دیا صدقہ دے کر باقی رکھ لیا صحیح مسلم شریف میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو لوگوں کے لئے چھوڑ کر چل دے گا بخاری کی حدیث میں ہے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو تو پلٹ آتی ہیں صرف ایک ساتھ رہ جاتی ہے گھر والے مال اور اعمال اہل اور مال تو لوٹ آتے ہیں عمل ساتھ رہ گئے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہیں لالچ اور طویل تمنائیں حضرت ضحاک نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا میرا فرمایا تیرا تو اس وقت ہوگا کہ کسی نیک کام میں تو خرچ کر دے یا بطور شکر خدا کے خرچ کر دے حضرت احنفؒ نے اس واقعہ کو بیان کر کے پھر یہ شعر پڑھا۔

اَنتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَكْتَهُ ☆ فَاِذَا اَنفَقْتَهُ فَالْمَالُ لَكَ

یعنی جب مال کو تو لئے بیٹھا ہے تو تو مال کی ملکیت ہے ہاں جب اسے خرچ کر دے گا اس وقت مال تیری ملکیت میں ہو جائے گا ابن بریدہؓ فرماتے ہیں ابن بریدہؓ فرماتے ہیں بنو حارثہ اور بنو حارث انصار کے قبائل آپس میں فخر و غرور کرنے لگے ایک کہتا دیکھو ہم میں فلاں شخص ایسا بہادر ایسا جیوٹ یا اتنا بڑا مالدار وغیرہ ہے دوسرے قبیلے والے اپنے میں ایسوں کو پیش کرتے تھے جب زندوں کے ساتھ یہ فخر و مباہات کر چکے تو کہنے لگے کہ آؤ قبرستان میں چلیں وہاں جا کر اپنے اپنے مردوں کی قبروں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے بتلاؤ اس جیسا بھی تم میں کوئی گزرا ہے وہ انہیں اپنے مردوں کے ساتھ الزام دینے لگے اس پر یہ دونوں ابتدائی آیتیں اتریں کہ تم فخر و مباہات کرتے ہوئے قبرستان پہنچ گئے اور اپنے اپنے مردوں پر بھی فخر و غرور کرنے لگے چاہئے تھا کہ یہاں آ کر عبرت حاصل کرتے اپنا مرنا اور سڑنا گلنا یاد کرتے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی زیادتی اور اپنی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایک ہو کر قبروں میں ٹھس گئے مطلب یہ ہے کہ کثرت مال و متاع کی تمنا نے غفلت میں ہی رکھا یہاں تک کہ مر گئے اور قبروں میں دفن ہو گئے صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حسب عادت فرمایا کہ کوئی ڈر خوف نہیں انشاء اللہ گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوگی تو اس نے کہا آپ اسے خوب پاکی بتلا رہے ہیں یہ تو وہ بخار ہے جو بڑے بوڑھوں پر جوش مرتا ہے اور قبر تک پہنچا کر رہتا ہے آپ نے فرمایا اچھا پھر یوں ہی سہی اس حدیث میں بھی لفظ تَزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ ہے اور یہاں قرآن میں زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مر کر قبر میں دفن ہونا ہی ہے ترمذی میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نہ اتری ہم عذاب قبر کے بارے میں شک میں ہی رہے یہ حدیث غریب ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر کچھ دیر سوچ کر (اپنے غلام سے) فرمانے لگے میمون! قبروں کا دیکھنا تو صرف بطور زیارت ہے اور ہر زیارت کرنے والا اپنی جگہ لوٹ جاتا ہے یعنی خواہ جنت کی طرف خواہ دوزخ کی طرف ایک اعرابی نے بھی ایک شخص کی زبانی ان دونوں آیتوں کی تلاوت سن کر یہی فرمایا تھا کہ اصل مقام اور ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہوا دو دو مرتبہ فرماتا ہے کہ حقیقت حال کا علم تمہیں ابھی ہو جائے گا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مراد کفار ہیں دوبارہ مومن مراد ہیں پھر فرماتا ہے کہ اگر تم علم یقین کے ساتھ اسے معلوم کر لیتے یعنی اگر ایسا ہوتا تو تم غفلت میں نہ پڑتے اور مرتے دم تک اپنی آخری منزل آخرت سے غافل نہ رہتے؟ پھر جس چیز سے پہلے دھمکایا تھا اسی کا بیان کر رہا ہے کہ تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اس کی ایک ہی جنبش کے ساتھ اور تو اور انبیاء علیہم السلام بھی ہیبت و خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اس کی عظمت اور دہشت ہر دل پر چھائی ہوئی ہوگی جیسے کہ بہت سی حدیثوں میں بہ تفصیل موجود ہے پھر فرمایا کہ اس دن تم سے نعمتوں

کے متعلق سوال ہوگا صحت امن رزق وغیرہ تمام نعمتوں کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کا شکر کہاں تک ادا کیا ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ ٹھیک دو پہر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے چلے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ بھی مسجد میں آ رہے ہیں پوچھا کہ اس وقت کیسے نکلے ہو؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز نے آپ کو نکالا ہے اسی نے مجھے بھی نکالا ہے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے ان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں سے باتیں کرنی شروع کیں پھر فرمایا کہ اگر ہمت ہو تو اس باغ تک چلے چلو کھانا پینا مل جائے گا اور سائے دار جگہ بھی ہم نے کہا بہت اچھا پس ہمیں لے کر ابوالہیشمؓ انصاری کے باغ کے دروازے پر آئے آپ نے سلام کیا اور اجازت چاہی ام ہیشم انصاریہ دروازے کے پیچھے ہی کھڑی تھیں سن رہی تھیں لیکن اونچی آواز سے جواب نہیں دیا اس لالچ سے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ سلامتی کی دعا کریں اور کئی مرتبہ آپ کا سلام سنیں جب تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کر چکے اور کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس روانہ ہوئے اب تو حضرت ابوالہیشمؓ کی والدہ صاحبہ دوڑیں اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی آواز سن رہی تھی لیکن میرا ارادہ تھا کہ خدا کرے آپ کئی مرتبہ سلام کریں اس لئے میں نے اپنی آواز آپ کو نہ سنائی آپ آیئے تشریف لے چلئے آپ نے ان کے اس فعل کو اچھی نظروں سے دیکھا[1] پھر فرمایا کہ خود ابوالہیشم کہاں ہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی یہیں قریب ہی پانی لینے گئے ہیں آپ تشریف لایئے انشاء اللہ آتے ہی ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں رونق افروز ہوئے بی بی صاحبہؓ نے ایک سایہ دار درخت تلے کچھ بچھا دیا جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اتنے میں ابوالہیشمؓ بھی آ گئے بے حد خوش ہوئے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکھ نصیب ہوا اور جلدی جلدی ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گئے اور اچھے اچھے خوشے اتار اتار کر دینے لگے یہاں تک کہ خود آپ نے روک دیا صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدلی اور تر اور بالکل پکی اور جس طرح کی چاہیں تناول فرمائیں جب کھجوریں کھا چکے تو میٹھا پانی لائے جسے پیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوں گے ابن جریر کی اسی حدیث میں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا یہاں کیسے بیٹھے ہو دونوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہیں فرمایا اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسی وجہ سے اس وقت نکلا ہوں اب انہیں لے کر چلے اور ایک انصاری کے گھر آئے ان کی بیوی صاحبہ مل گئیں پوچھا کہ تمہارے میاں کہاں گئے ہیں؟ کہا گھر کے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں اتنے میں وہ مشک اٹھائے ہوئے آ ہی گئے خوش خوش ہو گئے اور کہنے لگے مجھ جیسا خوش قسمت آج کوئی بھی نہیں جس کے گھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں مشک تو لٹکا دی اور خود جا کر کھجوروں کا تازہ تازہ خوشہ لے آئے آپ نے فرمایا چن کر الگ الگ کر کے لاتے تو جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں چاہا کہ آپ کی طبیعت کے مطابق اپنی پسند سے چن لیں اور نوش فرمالیں پھر چھری ہاتھ میں تھامی کہ کوئی جانور ذبح کر کے گوشت پکائیں تو آپ نے فرمایا دیکھو دودھ دینے والے جانور ذبح نہ کرنا چنانچہ اس نے ذبیحہ کیا اور آپ نے وہیں کھانا تناول فرمایا پھر فرمانے لگے دیکھو بھوکے کے گھر سے نکلے اور پیٹ بھرے جا رہے ہیں یہی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام حضرت ابوعسیبؓ کا بیان ہے کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی میں نکلا پھر حضرت ابوبکرؓ کو بلایا پھر حضرت عمرؓ کو بلایا پھر کسی انصاریؓ کے باغ میں تشریف لے گئے اور فرمایا لاؤ بھائی کھانے کو دو وہ انگور

---

[1] یعنی انہوں نے باآواز جواب نہ دینے کی جو وجہ بتلائی کیونکہ اس میں حسن نیت اخلاص اور بے پناہ حب رسول کا جذبہ کارفرما تھا اس لئے آپ نے اس کو خوب پسند فرمایا۔

کے خوشے اٹھالائے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھائے پھر فرمایا ٹھنڈا پانی پلاؤ وہ لائے آپ نے پیا پھر فرمانے لگے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی حضرت عمرؓ نے وہ خوشہ اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہنے لگے اس کے بارے میں بھی خدا کے ہاں پرسش ہوگی آپ نے فرمایا ہاں صرف تین چیزوں کی تو پرسش نہیں پردہ پوشی کے لائق کپڑا بھوک روکنے کے قابل ٹکڑا اور سردی گرمی میں سر چھپانے کے لئے مکان[1] (مسند احمد) مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو صحابہؓ کہنے لگے کہ ہم سے کس نعمت پر سوال ہوگا؟ کھجوریں کھا رہے ہیں اور پانی پی رہے ہیں تلواریں گردنوں میں لٹک رہی ہیں اور دشمن سر پر کھڑا ہے آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں عنقریب نعمتیں آجائیں گی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور نہائے ہوئے لگتے تھے ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تو آپ بڑے خوش و خرم نظر آتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں پھر لوگ تو نگری کا ذکر کرنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے دل میں خوف خدا ہو اس کے لئے تو نگری کوئی بری چیز نہیں یاد رکھو متقی شخص کے لئے صحت تو نگری سے بھی اچھی ہے اور خوش نفسی بھی خدا کی نعمت ہے (مسند احمد) ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے ترمذی شریف میں ہے نعمتوں کے سوال میں قیامت والے دن سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ٹھنڈے پانی سے تجھے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ اس آیت ثم لتسئلن...... کو سن کر صحابہؓ کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو جو کی روٹی اور وہ بھی آدھا پیٹ کھا رہے ہیں تو خدا کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تم پیر بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنتے اور کیا تم ٹھنڈا پانی نہیں پیتے؟ یہی قابل پرسش نعمتیں ہیں اور روایت میں ہے کہ امن اور صحت سے سوال ہوگا پیٹ بھر کھانے سے ٹھنڈے پانی سے سائے دار گھروں سے میٹھی نیند سے بھی سوال ہوگا شہد پینے سے لذتیں حاصل کرنے سے صبح شام کے کھانے سے گھی' شہد اور میدے کی روٹی وغیرہ غرض ان تمام نعمتوں کے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بدن کی صحت' کانوں اور آنکھوں کی صحت کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ ان طاقتوں سے کیا کیا کام کئے جیسے قرآن کریم میں ہے :اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (سورہ بنی اسرائیل: ۳۶) ہر شخص سے اس کے کان اس کی آنکھ اور اس کے دل کے بارے میں بھی پوچھ ہوگی صحیح بخاری شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ دو نعمتوں کے بارے میں لوگ بہت ہی غفلت برت رہے ہیں صحت اور فراغت یعنی نہ تو ان کا پورا شکر ادا کرتے ہیں نہ ان کی عظمت کو جانتے ہیں نہ انہیں خدا کی مرضی کے مطابق صرف کرتے ہیں بزار میں ہے تہ بند کے سوا اور سائے دار دیواروں کے سوا اور روٹی کے ٹکڑے کے سوا ہر چیز کا قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھے گھوڑوں پر اور اونٹوں پر سوار کرایا عورتیں تیرے نکاح میں دیں تجھے مہلت دی کہ تو ہنسی خوشی آرام و راحت سے زندگی گزارے اب بتا کہ اس کا شکریہ کہاں ہے؟

تفسیر سورہ والعصر مکیہ

حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب سے ملے اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا عمروؓ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت

[1] یعنی دنیا میں اگر کسی نے صرف اتنے ہی مختصر اور ضروری سامان پر اکتفا کیا تو کوئی سوال نہ ہوگا اور اگر اس سے زیادہ جمع کیا تو کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ ہے اس لئے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

فصاحت والی سورت اتری ہے پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت عمروؓ نے سورۃ والعصر پڑھ کر سنائی مسیلمہ ذرا تو سوچتا رہا پھر کہنے لگا عمروؓ دیکھو مجھ پر بھی اس جیسی سورت اتری ہے عمروؓ نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ یَاوَبَرُیَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُ حَضْرٍ نَقْرٌ پھر کہنے لگا عمروؓ کہو تمہارا کیا خیال ہے؟ عمروؓ نے کہا میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے وبر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے اس کذاب نے ایسی فضول کوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک سورت کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورت کو تدبر اور غور سے پڑھیں اور سمجھیں تو یہی ایک سورت کافی ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

کل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کل آیات: ۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

ع ۲۸

قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع و نقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضیع عمر کے) بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق (پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے ○

قسم ہے زمانہ کی:

عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی بدی کے کام کرتا ہے حضرت زید بن اسلمؒ نے اس سے مراد عصر کی نماز یا عصر کی نماز کا وقت بیان کیا ہے لیکن مشہور پہلا ہی قول ہے اس قسم کے بعد بیان فرماتا ہے کہ انسان نقصان میں ٹوٹے میں ہلاکت میں ہے ہاں اس نقصان سے بچنے والے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو اعمال میں نیکیاں ہوں حق کی وصیت کرنے والے ہوں یعنی نیکی کے کام کرنے کی حرام کاریوں سے روکنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہوں قسمت کے لکھے پر مصیبتوں کی برداشت پر صبر کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہوں ساتھ ہی بھلی باتوں کا حکم کرنے اور بری باتوں سے روکنے میں لوگوں کی طرف سے جو بلائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان کو برداشت کرتے ہوں اور اسی کی تلقین اپنے ساتھیوں کو بھی کرتے ہوں یہ ہیں جو اس صریح نقصان سے مستثنیٰ ہیں۔

تفسیر سورہ الھمزہ مکیہ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

کل رکوع : ۱ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کل آیات : ۹

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝٢ يَحۡسَبُ أَنَّ مَالَهُۥٓ أَخۡلَدَهُۥ ۝٣ كَلَّاۖ لَيُنۢبَذَنَّ فِي الۡحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا الۡحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللَّهِ الۡمُوقَدَةُ ۝٦ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الۡأَفۡـِٔدَةِ ۝٧ إِنَّهَا عَلَيۡهِم مُّؤۡصَدَةٌ ۝٨ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةِۭ ۝٩

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالتا ہو (اور) روزانہ طعنہ دینے والا ہو جو (غایت حرص سے) مال جمع کرتا ہو اور (غایت حب وفرح سے) اس کو بار بار گنتا ہو وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا ہر گز نہیں رہے گا پھر آگے اس ویل کی تفسیر ہے کہ واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے وہ آگ اللہ تعالیٰ کی ہے (اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے جو (کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی (اور) وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی (اس طرح سے کہ) وہ لوگ آگ کے بڑے بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوں گے) ○

یہ غیبت کے مریض:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زبان سے لوگوں کی عیب گیری کرنے والا اپنے کاموں سے دوسروں کی حقارت کرنے والا خرابی والا شخص ہے :هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ (سورہ قلم:۱۱) کی تفسیر بیان ہو چکی ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے مراد طعنہ دینے والا غیبت کرنے والا ہے ربیع بن انس کہتے ہیں کہ سامنے برا کہنا تو ہمز ہے اور پیٹھ پیچھے عیب بیان کرنا لمز ہے قتادہؒ کہتے ہیں کہ زبان سے اور آنکھ کے اشاروں سے بندگان خدا کو ستانا اور چڑانا مراد ہے کہ کبھی تو ان کا گوشت کھائے یعنی غیبت کرے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کرے مجاہد فرماتے ہیں کہ ہمز ہاتھ اور آنکھ سے ہوتا ہے اور لمز زبان سے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اخنس بن شریق کافر ہے مجاہدؒ فرماتے ہیں آیت عام ہے[1] پھر فرمایا جو جمع کرتا جاتا ہے اور گن گن کر رکھتا جاتا ہے جیسے اور جگہ ہے جَمَعَ فَاَوْعٰی حضرت کعب فرماتے ہیں کہ دن بھر تو مال کمانے کی ہائے وائے لگا رہا اور رات کو سڑی بھسی لاش کی طرح پڑا رہا اس کا خیال یہ ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا حالانکہ واقعہ یوں نہیں بلکہ یہ بخیل اور حریص انسان جہنم کے اس طبقے میں گرے گا جو ہر اس چیز کو جو اس میں گرے چور چور کر دیتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ توڑ پھوڑ کرنے والی کیا چیز ہے؟ اس کا حال اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں معلوم نہیں یہ خدا کی سلگائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے جلا کر بھسم کر دیتی ہے لیکن مرتے نہیں حضرت ثابت بنانیؒ جب اس تلاوت کر کے اس کے یہ معنی بیان کرتے تو رو دیتے اور کہہ دیتے کہ انہیں عذاب

[1] یعنی یہ اخنس بن شریق کی خصوصیت نہیں بلکہ جو بھی ان برے کاموں میں مشغول ہو آیت میں موجود وعید کا وہ مستحق ہے۔

نے بڑا استایا محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ آگ جلاتی ہوئی حلق تک پہنچ جاتی ہے پھر لوٹتی پھر پہنچتی ہے یہ آگ ان پر ہر طرف سے بند کر دی گئی جیسے کہ سورہ بلد کی تفسیر میں گزرا ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے اور دوسرا طریقہ اس کا موقوف ہے لوہا جو مثل آگ کے ہے اس کے ستونوں میں یہ لمبے لمبے دروازے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بصمد ہے ان جہنمیوں کی گردنوں میں زنجیریں ہوں گی یہ لمبے لمبے ستونوں میں جکڑے ہوں گے اور اوپر سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے ان آگ کے ستونوں میں انہیں بڑے سخت عذاب کئے جائیں گے ابو صالح فرماتے ہیں یعنی وزنی بیڑیاں اور قید و بند ان کے لئے ہوں گے۔

تفسیر سورہ فیل مکیہ

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿١﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿٢﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿٥﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا کیا ان کی تدبیر کو (جو مکہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا غلط نہیں کر دیا اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ نے کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح (پامال) کر دیا ○

اصحابِ فیل:

خدائے رب العزت نے قریش پر جو اپنا خاص انعام فرمایا تھا اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جس لشکر نے ہاتھیوں کو ساتھ لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی خدائے تعالیٰ نے اس سے پہلے کہ وہ اسے منہدم کریں ان کا نام و نشان مٹا دیا ان کی تمام فریب کاریاں ان کی تمام قوتیں سلب کر لیں برباد غارت کر دیا یہ لوگ مذہباً نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کر دیا تھا قریب قریب بت پرست ہو گئے تھے انہیں اس طرح نامراد کرنا یہ گویا پیش خیمہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اور اطلاع تھی آپ کی آمد آمد کی حضور علیہ السلام اسی سال تولد ہوئے اکثر مؤرخین حضرات کا یہی قول ہے تو گویا خدائے عالم فرما رہا ہے کہ اے قریشیو! حبشہ کے اس لشکر پر تمہیں فتح تمہاری بھلائی کی وجہ سے نہیں دی گئی تھی بلکہ اس میں ہمارے گھر کی حفاظت تھی جسے ہم شرف بزرگی عظمت و عزت میں اپنے آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بڑھانے والے تھے غرض اصحاب فیل کا مختصر واقعہ تو یہ ہے جو بیان ہوا اور تفصیلی واقعہ اصحاب الاخدود

کے بیان میں گزر چکا ہے کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس جو مشرک تھا جس نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو کھائیوں میں قتل کیا تھا جو سچے نصرانی تھے اور تعداد میں تقریباً بیس ہزار تھے سارے کے سارے ہی شہید کر دیئے گئے تھے صرف دوس ذوثعلبان ایک بچ گیا تھا جو ملک شام جا پہنچا اور قیصر روم سے فریاد رسی چاہی یہ بادشاہ نصرانی مذہب پر تھا اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ اس کے ساتھ اپنی پوری فوج کر دو اس لئے کہ یہاں سے دشمن کا ملک قریب تھا اس بادشاہ نے ارباط اور ابویکسوم ابرھہ بن صباح کو سالار لشکر بنا کر بہت بڑا لشکر دے کر دونوں کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا یہ لشکر یمن پہنچا یمن اور یمیوں کو تاخت و تاراج کر دیا ذونواس بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں ڈوب کر مر گیا اور ان لوگوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور سارے یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں سردار یہاں رہنے سہنے لگے لیکن کچھ تھوڑی مدت کے بعد ان میں اختلاف ہو گیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں نے ایک دوسرے کے مقابل صفیں باندھ لیں اور لڑنے کے لئے نکل آئے حملہ ہو اس سے پیشتر ان دونوں سرداروں نے آپس میں کہا کہ فوجوں کو لڑانے اور لوگوں کو قتل کرانے کی کیا ضرورت آؤ ہم تم دونوں میدان میں نکلیں اور ایک دوسرے سے لڑ کر فیصلہ کر لیں جو زندہ بچ جائے ملک و فوج اسی کی چنانچہ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں میدان میں نکل آئے ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ زخمی کر دیا ناک ہونٹ منہ کٹ گیا ابرھہ کے غلام عتودہ نے ایک موقعہ پر ارباط پر ایک بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا ابھہ زخمی ہو کر میدان سے زندہ واپس گیا علاج معالجہ سے زخم اچھے ہو گئے اور یمن کا یہ مستقل بادشاہ بن گیا نجاشی شاہ حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو بڑا سخت غصہ ہوا اور ابرھہ کو ایک خط لکھا اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ خدا کی قسم میں تیرے شہروں کو پامال کروں گا اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا ابرھہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھر دی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے اور اپنے خط میں اپنے قصور کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور میری چوٹی کے بال بھی اب اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضی معاف فرمایئے اس سے شاہ حبشہ خوش ہو گیا اور یہاں کی سرداری اسی کے نام کر دی اب ارھہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کرا رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو اس گرجا گھر کا بنانا شروع کیا بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا اور بہت مضبوط بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا اب ابرھہ اشرم کو یہ سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں اپنی ساری مملکت میں اس کی منادی کرا دی عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت برا لگا ادھر قریش بھی بھڑک اٹھے تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور پاخانہ کر کے چلا آیا چوکیداروں نے جب یہ دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے چونکہ آپ نے ان کا کعبہ روک دیا ہے لہٰذا انہوں نے جوش اور غضب میں آ کر یہ حرکت کی ہے ابرھہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگا دی تھی اور اس وقت ہوا بھی بہت تیز تھی سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا اس پر ابرھہ نے بہت بڑا لشکر لے کر مکہ پر چڑھائی کی تا کہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھ لیا جسے محمود کہا جاتا تھا کہ اس جیسا ہاتھی اور کوئی نہ تھا شاہ حبشہ نے یہ ہاتھی اس کے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی ساتھ تھے یہ کعبے کو ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں اور ہاتھیوں کی گردنوں میں ان زنجیروں کو باندھ کر ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں چاروں دیواریں بیت اللہ کی جڑ سے نکال دیں گے جب اہل عرب کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو ان پر بڑا اثر پڑا اور انہوں نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اس کے اس برے

ارادے سے اسے روکیں گے ایک یمنی شریف سردار جو وہاں کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا جسے ذونفر کہا جاتا تھا یہ کھڑا ہو گیا اپنی قوم اور کل آس پاس کے عرب کو جمع کیا اور بدنیت بادشاہ سے مقابلہ کیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا عربوں کو شکست ہوئی اور ذونفر اس خبیث کے ہاتھ قید ہو گیا اس نے اسے بھی ساتھ لیا اور مکہ شریف کی طرف بڑھا خثعم قبیلے کی زمین پر جب یہ پہنچا تو یہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے اپنے لشکروں سے مقابلہ کیا لیکن ابرھہ نے اسے مغلوب کر لیا اور نفیل بھی قید ہو گیا پہلے تو اس ظالم نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن پھر قتل نہ کیا اور قید کر کے ساتھ لے لیا تاکہ راستہ بتائے جب طائف پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کر لی کہ ایسا نہ ہو ان کے بت خانوں کو جس میں لات نامی بت تھا یہ توڑ دے اس نے بھی ان کی آؤ بھگت کی انہوں نے ابوذرغال کو اس کے ساتھ کر دیا کہ یہ تمہیں وہاں کا راستہ بتائے گا ابرھہ جب مکے کے بالکل قریب مغمس کے مقام پر پہنچا تو اس نے یہاں پڑاؤ کیا اس کے لشکر نے آس پاس مکہ والوں کے جو جانور اونٹ وغیرہ چگ رہے تھے سب کو اپنے قبضہ میں کیا ان جانوروں میں دوسو اونٹ تو صرف عبدالمطلب کے تھے اسود بن معضود جو اس کے ہراول کا سردار تھا اس نے ابرھہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹا دیا تھا جس پر عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں اشعار لکھے جو سیرۃ ابن اسحٰق میں موجود ہیں اب ابرھہ نے اپنا قاصد حناطہ حمیری مکہ والوں کے پاس بھیجا کہ مکہ کے سب سے بڑے سردار کو میرے پاس لاؤ اور یہ بھی اعلان کر دو کہ میں مکہ والوں سے لڑنے کو نہیں آیا میرا ارادہ صرف بیت اللہ کو گرانے کا ہے ہاں اگر مکہ والے اس کے بچانے کے درپے ہوئے تو لامحالہ مجھے ان سے لڑائی کرنی پڑے گی حناطہ جب مکہ میں آیا اور لوگوں سے ملا جلا تو معلوم ہوا کہ یہاں کا بڑا سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہے یہ عبدالمطلب سے ملا اور شاہی پیغام پہنچایا جس کے جواب میں عبدالمطلب نے کہا واللہ نہ ہمارا ارادہ لڑنے کا ہے نہ ہم میں اتنی طاقت ہے یہ خدا کا حرمت والا گھر ہے اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندہ یادگار ہے خدا اگر چاہے گا تو اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا ورنہ ہم میں تو ہمت وقوت نہیں حناطہ نے کہا اچھا تو آپ میرے ساتھ بادشاہ تک چلے چلئے عبدالمطلب ساتھ ہو لیے بادشاہ نے جب انہیں دیکھا تو ہیبت میں آ گیا عبدالمطلب گورے چٹے سڈول اور مضبوط قویٰ والے حسین وجمیل انسان تھے دیکھتے ہی ابرھہ تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر عبدالمطلب کے ساتھ بیٹھ گیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا چاہتا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا میرے دوسو اونٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں انہیں واپس کر دیا جائے بادشاہ نے کہا ان سے کہہ دے کہ پہلی نظر میں تو رعب مجھ پر پڑا تھا اور میرے دل میں تیری وقعت بیٹھ گئی تھی لیکن پہلے ہی کلام میں تو نے سب کچھ کھو دیا اپنے دوسو اونٹ کی تو تجھے فکر ہے اور اپنے اور اپنی قوم کے دین کی تجھے فکر نہیں میں تو تم لوگوں کا عبادت خانہ توڑنے اور اسے خاک میں ملانے کے لئے آیا ہوں عبدالمطلب نے جواب دیا کہ سن بادشاہ اونٹ تو میرے ہیں اس لئے انہیں بچانے کی کوشش میں ہوں اور خانہ کعبہ خدا کا ہے وہ خود اسے بچا لے گا اس پر یہ سرکش کہنے لگا کہ خدا بھی آج اسے میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا عبدالمطلب نے کہا بہتر ہے وہ جانے اور تو جانے یہ بھی منقول ہے کہ اہل مکہ نے تمام حجاز کا تہائی مال ابرھہ کو دینا چاہا کہ وہ اپنے اس غلط ارادے سے باز آ جائے لیکن اس نے قبول نہ کیا خیر عبدالمطلب تو اپنے اونٹ لے کر چل دیئے اور آ کر قریش کو حکم دیا کہ مکہ بالکل خالی کر دو پہاڑوں میں چلے جاؤ اب عبدالمطلب اپنے ساتھ چیدہ چیدہ لوگوں کو لے کر بیت اللہ میں آیا اور بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھام کر رو رو کر اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کیں کہ باری تعالیٰ ابرھہ اور اس کے خونخوار لشکر سے اپنے پاک اور عزت والے گھر کو بچا لے عبدالمطلب نے اس وقت یہ دعائیہ اشعار پڑھے

لَا هُمَّ اِنَّ الْمَرْاَيْمَ ۞ نَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ ۞ وَمَحَالُهُمْ اَبَدًا مَحَالَكَ

یعنی ہم بے فکر ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہر گھر والا اپنے گھر کا بچاؤ کرتا ہے خدایا تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کی صلیب اور ان کی ڈولیں تیری ڈولوں پر غالب آجائیں اب عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر آس پاس کے پہاڑوں پر چڑھ گیا یہ بھی مذکور ہے کہ جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ بیت اللہ کے ارد گرد نشان لگا کر چھوڑ دیئے تھے اس نیت سے کہ اگر یہ بددین آئے اور انہوں نے خدا کے نام کی قربانی کی ان جانوروں کو چھیڑا تو عذاب خدا ان پر اترے گا دوسری صبح ابرھہ کے لشکر میں مکہ میں جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود[1] تھا اسے تیار کیا لشکر میں کمر بندی ہو چکی اور مکہ کی طرف منہ اٹھا کر چلنے کی تیاری کی اس وقت نفیل بن حبیب جو اس سے راستہ میں لڑا تھا اور اب بطور قیدی کے اس کے ساتھ تھا وہ آگے بڑھا اور شاہی ہاتھی کا کان پکڑ لیا اور کہا محمود بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت کے ساتھ چلا جا تو خدا تعالیٰ کے محترم شہر میں ہے یہ کہہ کر کان چھوڑ دیا اور بھاگ کر قریب کی پہاڑی میں جا چھپا محمود ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا اب ہزار جتن فیلبان کر رہے ہیں لنگری بھی کوشش کرتے کرتے تھک گئے لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے ہلا ہی نہیں سر پر آنکس مار رہے ہیں ادھر ادھر سے بھالے اور برچھے مار رہے ہیں آنکھوں میں آنکس ڈال رہے ہیں غرض تمام جتن کر لیے لیکن ہاتھی جنبش نہیں کرتا پھر بطور امتحان کے اس کا منہ یمن کی طرف کر کے لے جانا چاہا تو جھٹ سے کھڑا ہو کر دوڑتا ہوا چل دیا شام کی طرف چلانا چاہا تو بھی پوری طاقت سے آگے بڑھ گیا مشرق کی طرف لے جانا چاہا تو بھی بھاگا بھاگا گیا پھر مکہ شریف کی طرف منہ کر کے آگے بڑھانا چاہا تو وہیں سے اڑا چلا آ رہا ہے ابھی پوری دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ جانور سر پر آ گئے ہر طرف سے سارے لشکر کو گھیر لیا ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک مسور یا ماش کے دانے برابر کنکری تھی اور دونوں پنجوں میں دو کنکریاں تھیں یہ ان پر پھینکنے لگے جس جس پر یہ کنکری آپڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا اب تو اس لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ہر ایک نفیل نفیل کرنے لگا کیونکہ ان لوگوں نے اسے رہبر اور راستہ بتانے والا سمجھ رکھا تھا نفیل تو ہاتھی کو کہہ کر پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور دیگر اہل مکہ ان لوگوں یہ درگت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور نفیل وہیں کھڑا یہ شعر پڑھ رہا تھا

اَیْنَ الْمَفَرُّ وَالْاِلٰہُ الطَّالِبُ ☆ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ لَیْسَ الْغَالِبُ

اب جائے پناہ کہاں ہے؟ جب کہ خدا خود تاک میں لگ گیا ہے سنو اشرم بدبخت مغلوب ہو گیا اب یہ پنپنے کا نہیں اور بھی نفیل نے اس واقعہ کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس کا قصہ بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس وقت کاش کہ تو موجود ہوتا جبکہ ان ہاتھی والوں کی شامت آئی اور وادی محصب میں ان پر عذاب کے سنگریزے برسے ہیں تو اس وقت تو اس غیبی لشکر یعنی پرندوں کو دیکھ کر قطعاً سجدے میں گر پڑتا ہم تو وہاں کھڑے حمد خدا کی راگنیاں الاپ رہے تھے گو کلیجے ہمارے بھی اونچے ہو گئے تھے کہ کہیں کوئی کنکری ہمارا کام بھی تمام نہ کر دے نصرانی منہ موڑے بھاگ رہے تھے اور نفیل نفیل پکار رہے تھے گویا کہ نفیل پر ان کے باپ دادوں کا کوئی قرض تھا واقدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے زرد رنگ کے تھے کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے ان کے پاؤں سرخ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جب محمود ہاتھی بیٹھ گیا اور پوری کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھا تو انہوں نے دوسرے ہاتھی کو آگے کیا اس نے قدم بڑھایا تھا کہ اس کی مستک پر کنکری پڑی اور وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا اور پھر ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور ادھر برابر کنکریاں آنے لگیں اکثر وہیں ڈھیر ہو گئے اور بعض جو ادھر ادھر بھاگ نکلے تھے ان میں سے بھی کوئی جانبر نہ ہوا بھاگتے بھاگتے ان کے اعضا کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے اور بالآخر جان سے جاتے تھے ابرھہ بادشاہ بھی بھاگا لیکن ایک ایک عضو بدن جھڑنا شروع ہوا یہاں تک کہ خثعم کے شہروں میں سے صنعا میں جب وہ پہنچا تو بالکل گوشت کا لوتھڑا

[1] یہ محمود خادم کی بھی خوب رہی۔

بنا ہوا تھا وہیں بلک بلک کر دم توڑا اور کہتے کی ومت مرا دل تک پھٹ گیا تھا قریشیوں کو بڑا مال ہاتھ لگا عبدالمطلب نے تو سونے سے ایک کنواں پر کر لیا تھا زمین عرب میں آبلہ اور چیچک اسی سال پیدا ہوتے دیکھے گئے اور اسی طرح سپند اور حنظل وغیرہ کے کڑوے درخت بھی اسی سال زمین عرب میں دیکھے گئے پس اللہ تعالیٰ بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ نعمت یاد دلاتا ہے اور گویا فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم میرے گھر کی اسی طرح عزت وحرمت کرتے رہتے اور میرے رسول کا کہا مانتے تو میں بھی اسی طرح تمہاری حفاظت کرتا اور دشمنوں سے نجات دیتا ابابیل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد لغت عرب میں نہیں پایا گیا سجیل کے معنی ہیں بہت سخت اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دو فارسی لفظوں سے مرکب ہے یعنی سنگ اور گل سے یعنی پتھر اور مٹی غرض سجیل وہ ہے جس میں پتھر معہ مٹی کے ہو عصف جمع ہے عصفہ کی کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جو پک نہ گئے ہوں ابابیل کے معنی ہیں گروہ گروہ جھنڈ جھنڈ کے بہت سارے پے در پے جمع شدہ ادھر ادھر سے آنے والے بعض نحوی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابیل ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچ تھی پرندوں جیسی اور پنجے تھے کتوں جیسے عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہ سبز رنگ کے پرندے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں جیسے تھے یہ پرندے باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر چیخنے لگے پھر پتھراؤ کیا جس کے سر میں لگا اس کے پیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہو گیا ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہ و بالا ہو گئے عصف کہتے ہیں چارے کو اور کٹی کو اور گیہوں کے ڈنٹھل کے پتوں کو اور ماکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جنہیں چر چکے ہوں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو تہس نہس کر دیا اور عام خاص کو ہلاک کر دیا ان کی ساری تدبیریں بے کار ہو گئیں کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی ایسا بھی کوئی ان میں صحیح وسالم نہ رہا کہ ان کی خبر پہنچائے جو بھی بچا وہ زخمی ہو کر اور اس زخم سے پھر جانبر نہ ہو سکا خود بادشاہ بھی گو وہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہو گیا تھا جوں توں صنعا میں پہنچا لیکن وہاں جاتے ہی اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور واقعہ بیان کر چکا تھا جو مر گیا اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا پھر اس کے دوسرے بھائی مسروق بن ابرہہ کو سلطنت ملی اب سیف بن ذویزن حمیری کسریٰ کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد طلب کی تاکہ وہ اہل حبشہ سے لڑے اور یمن ان سے خالی کرائے کسریٰ نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار کر دیا اس لشکر نے اہل حبشہ کو شکست دی اور ابرہہ کے خاندان کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی اور پھر قبیلہ حمیر یہاں کا بادشاہ بن گیا عربوں نے اس پر بڑی خوشیاں منائیں اور ہر طرف سے مبارک بادیاں موصول ہوئیں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیلبان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہو گئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے یہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور یہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتے تھے اس فیلبان کا نام ایلسا تھا بعض تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ ابرہہ خود اس چڑھائی میں نہ تھا بلکہ اس نے اپنے لشکر کو بہ ماتحتی شمس بن معضود کے بھیجا یہ لشکر بیس ہزار کا تھا اور یہ پرندے ان کے اوپر رات کے وقت آئے تھے اور صبح تک ان سب کا ناس ہو چکا تھا لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے اور صحیح یہ ہے کہ خود ابرہہ اشرم حبشی ہی اپنے ساتھ لشکر لے کر آیا تھا ممکن ہے اس کے ہراول دستہ پر یہ شخص سردار ہو اس واقعہ کو بہت سے شاعروں نے اپنے اپنے شعروں میں بھی بسط کے ساتھ بیان کیا ہے سورہ فتح کی تفسیر میں ہم اس واقعہ کو مفصل بیان کر آئے ہیں جس میں ہے کہ جب حدیبیہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ٹیلے پر چڑھے جہاں سے آپ قریشیوں پر جانے والے تھے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی

لوگوں نے اسے ڈانٹا ڈپٹا لیکن وہ نہ اٹھی لوگ کہنے لگے قصوا تھک گئی آپ نے فرمایا نہ یہ تھکی نہ اس میں اڑنے کی عادت اسے خدا تعالیٰ نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا پھر فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مکے والے جن شرائط پر مجھ سے صلح چاہیں گے میں سب مان لوں گا بشرطیکہ خدا کی حرمتوں کی ہتک اس میں نہ ہو پھر آپ نے اسے ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے بخاری مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ پر سے ہاتھیوں کو روک لیا اور اپنے نبی ﷺ کو وہاں کا قبضہ دیا اور اپنے ایماندار بندوں کو سنو آج اس کی حرمت ویسی ہی لوٹ کر آ گئی ہے جیسے کل تھی خبردار ہر حاضر کو چاہئے کہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔

تفسیر سورہ قریش مکیہ

اس کی فضیلت[1] میں ایک غریب حدیث بیہقی کی کتاب خلافیات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریشیوں کو سات فضیلتیں دی ہیں ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں دوسرے یہ کہ نبوت ان میں ہے تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے پاسبان یہ ہیں چوتھے یہ کہ چاہ زمزم کے ساقی یہ ہیں پانچویں یہ کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی یہ سورت نازل ہوئی چھٹے یہ کہ دس سال تک انہوں نے خدا کی عبادت کی جب کہ اور کوئی عبادت خدا نہ کرتا تھا ساتویں یہ کہ خدا نے انہیں ہاتھیوں والوں پر غالب کیا پھر آپ نے بسم اللہ...... پڑ کر یہ سورت تلاوت فرمائی (او کما قال)۔

سُوۡرَةُ قُرَیۡشٍ مَّکِّیَّۃٌ وَّهِیَ اَرۡبَعُ اٰیَاتٍ

کُل رکوع :۱ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کُل آیات :۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ٪﴿۴﴾ ع

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکر یہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا ○

وافر رزق اور امن عامہ کی دولت:

موجودہ عثمانی قرآن کی ترتیب میں یہ سورت سورہ فیل سے علیحدہ ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ کی آیت کا فاصلہ موجود ہے مضمون کے اعتبار سے یہ سورت پہلی سورت کے متعلق ہی ہے جیسے کہ محمد بن اسحٰق عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے اس بنا

[1] اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہی ہے کیونکہ آپ نے یہاں خاص طور پر عصر ہی کے اوقات میں غفلت برتنے اور تساہل کا ذکر فرمایا حالانکہ دیر سے نماز پڑھنا دوسری نمازوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

پر معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے مکہ پر حملہ آور ہاتھیوں کو روکا اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا یہ قریشیوں کو الفت دلانے اور انہیں اجتماع کے ساتھ باامن اور اس شہر میں رہنے سہنے کے لئے تھا اور یہ مراد بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ قریشی جاڑوں میں کیا اور گرمیوں میں کیا دور دراز کے سفر امن و امان سے طے کر سکتے تھے کیونکہ مکے جیسے محترم شہر میں رہنے کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی بلکہ ان کے ساتھ بھی جو ہوتا تھا امن و امان سے سفر طے کر لیتا تھا اسی طرح وطن میں ہر طرح کا امن انہیں حاصل تھا جیسے ایک دوسرے موقعہ پر قرآن کریم میں موجود ہے کہ کیا نہیں دیکھتے تم کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا ہے اس کے آس پاس تو لوگ اغوا کر لئے جاتے ہیں لیکن یہاں کے رہنے والے محفوظ ہیں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ لایلف میں پہلا لام تعجب کا لام ہے اور دونوں سورتیں بالکل جداگانہ ہیں جیسا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے تو گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم قریشیوں کے اس اجتماع اور الفت پر تعجب کرو کہ میں نے انہیں کیسی بھاری نعمت عطا فرما رکھی ہے انہیں چاہئے کہ میری اس نعمت کا شکر اس طرح ادا کریں کہ صرف میری ہی عبادت کرتے رہیں جیسے اور جگہ ہے: قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا...... (سورہ نمل: ۹۱) یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی ہی عبادت کروں جس نے انہیں حرم بنایا جو ہر چیز کا مالک ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا مطیع اور فرمانبردار رہوں پھر فرماتا ہے وہ رب بیت جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور حالت خوف میں محفوظ رکھا انہیں چاہئے کہ اس کی عبادت میں کسی چھوٹے بڑے کو شریک نہ ٹھہرائیں جو خدا کے اس حکم کی بجا آوری کرے گا وہ دنیا کے اس امن کے ساتھ آخرت کے دن بھی امن و امان سے رہے گا اور اس کی نافرمانی کرنے سے یہ امن بھی بے امنی سے اور آخرت کا امن بھی ڈر خوف سے اور انتہائی مایوسی سے بدل جائے گا جیسے اور موقع پر فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً...... (سورہ نحل: ۱۱۲) اللہ تعالیٰ ان بستی والوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان کے ساتھ تھے ہر جگہ سے بافراغت روزیاں کھچی چلی آتی تھیں لیکن انہیں خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرنے کی سوجھی چنانچہ خدا تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا یہی ان کے برے کرتوت کا بدلہ تھا ان کے پاس ان ہی میں سے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر آئے لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا اس ظلم پر خدا کے عذاب نے انہیں گرفتار کر لیا ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریشیو! تمہیں تو خدا یوں راحت و آرام پہنچائے گھر بیٹھے کھلائے پلائے ہر طرف بدامنی کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور تمہیں امن و امان سے میٹھی نیند سلائے پھر تم پر کیا مصیبت ہے جو تم اپنے پروردگار کی توحید سے جی چراؤ اور اس کی عبادت میں دل نہ لگاؤ بلکہ اس کے سوا دوسروں کے آگے سر جھکاؤ۔

تفسیر سورہ ماعون مکیہ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | کُل آیات: ۷

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى

طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے سو (اگر آپ اس شخص کا حال سننا چاہیں تو سنیئے کہ) وہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا سو اس سے ثابت ہوا کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو ریا کاری کرتے ہیں اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے ○

ذرا ان کو بھی دیکھئے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے اس شخص کو دیکھا؟ جو قیامت کے دن کو جو جزا و سزا کا دن ہے جھٹلاتا ہے یتیم پر ظلم وستم کرتا ہے اس کا حق مارتا ہے اس کے ساتھ سلوک واحسان نہیں کرتا مسکینوں کو خود تو کیا دیتا دوسروں کو بھی کار خیر پر آمادہ نہیں کرتا جیسے اور جگہ ہے: بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (سورہ فجر: ۱۷-۱۸) یعنی جو برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ اعمال کا نتیجہ ہے نہ تم یتیموں کی عزت کرتے ہو نہ مسکینوں کو کھانا دینے کی رغبت دلاتے ہو یعنی اس فقیر کو جو اتنا نہیں پاتا کہ اسے کافی ہو پھر ارشاد ہوتا ہے نماز کے ساتھ غفلت کرنے والوں کے لئے ویل ہے یعنی ان منافقوں کے لئے جو لوگوں کے سامنے تو نماز ادا کریں ورنہ کچھ بھی نہیں یہی معنی حضرت ابن عباسؓ نے کئے ہیں اور یہ بھی معنی ہیں کہ مقرر کردہ وقت ٹال دیتے ہیں جیسے کہ مسروق اور ابوالضحیٰ کہتے ہیں حضرت عطا بن دینارؒ فرماتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ فرمان باری میں عَنْ صَلٰوتِهِمْ ہے فِيْ صَلٰوتِهِمْ نہیں یعنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں فرمایا نمازوں میں غفلت برتتے نہیں فرمایا اسی طرح یہ لفظ شامل ہے ایسے نمازی کو بھی جو ہمیشہ نماز کو آخری وقت ادا کرے یا عموماً آخری وقت پڑھے یا ارکان وشروط کی پوری رعایت نہ کرے یا خشوع وخضوع اور تدبر وغور وفکر نہ کرے لفظ قرآن ان میں سے ہر ایک کو شامل ہے یہ سب باتیں جس میں ہوں وہ تو پورا پورا بدنصیب ہے اور جس میں جتنی ہوں اتنا ہی وہ ویل والا ہے اور نفاق عملی کا حصہ دار ہے صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارے جس میں خدا کا ذکر بہت ہی کم کرے یہاں مراد عصر کی نماز ہے جو صلوٰۃ وسطیٰ ہے جیسے کہ حدیث کے لفظوں سے ثابت ہے یہ شخص مکروہ وقت میں کھڑا ہوتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مار لیتا ہے جس میں اطمینان ارکان بھی نہیں ہوتا نہ خشوع خضوع ہوتا ہے بلکہ ذکر اللہ بھی بہت کم ہوتا ہے اور کیا عجب کہ یہ نماز محض دکھاوے کی نماز ہو تو پڑھی نہ پڑھی یکساں ہے انہیں منافقین کے بارے میں اور جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (سورہ نساء: ۱۴۲) یعنی منافق خدا کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں یہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے مارے بادل ناخواستہ صرف لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز گزارتے ہیں خدا کی یاد بہت کم کرتے ہیں یہاں بھی فرمایا یہ ریاکاری کرتے ہیں لوگوں میں نمازی بنتے ہیں طبرانی کی ایک حدیث میں ہے ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی آگ اس قدر تیز ہے کہ اور آگ جہنم کی اس سے ہر دن چار سو پناہ مانگتی ہے یہ ویل اس امت کے ریاکار علماء کے لئے ہے اور ریاکاری کے طور پر صدقہ خیرات کرنے والوں کے

لئے ہے اور ریا کاری کے طور پر حج کرنے والوں کے لئے ہے اور ریا کاری کے طور پر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے ذلیل و حقیر کرے گا ہاں اس موقعہ پر یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہوگئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریا کاری نہیں اس کی دلیل مسند ابو یعلی موصلی کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو تنہا نوافل پڑھتا ہوں لیکن کوئی آ جاتا ہے تو ذرا مجھے بھی یہ اچھا معلوم ہونے لگتا ہے آپ نے فرمایا تجھے دو اجر ملیں گے ایک اجر پوشیدگی کا اور دوسرا اظاہر کرنے کا حضرت ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث ریا کاروں کے لئے بھی اچھی چیز ہے یہ حدیث بروئے اسناد غریب ہے لیکن اسی معنی کی حدیث اور سند سے بھی مروی ہے ابن جریرؒ کی ایک بہت ہی ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ تم میں سے ہر شخص کو مثل تمام دنیا کے دیا جائے اس سے مراد وہ شخص ہے کہ نماز پڑھے تو اس کی بھلائی سے اس کو کوئی سروکار نہ ہو اور نہ پڑھے تو خدا کا خوف اسے نہ ہو اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ سرے سے پڑھتے ہی نہیں دوسری معنی یہ ہیں کہ شرعی وقت نکال دیتے ہیں پھر پڑھتے ہیں یہ معنی بھی ہیں کہ اول وقت میں ادا نہیں کرتے ایک موقوف روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ تنگ وقت میں کر ڈالتے ہیں زیادہ صحیح موقوف روایت ہی ہے امام بیہقی بھی فرماتے ہیں کہ مرفوع تو ضعیف ہے ہاں موقوف صحیح امام حاکم کا قول بھی یہی ہے پس جس طرح یہ لوگ عبادت رب میں سست ہیں اسی طرح لوگوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے یہاں تک کہ برتنے کی کم قیمت چیزیں لوگوں کو اس لئے بھی نہیں دیتے کہ وہ اپنا کام نکال لیں اور پھر وہ چیز جوں کی توں واپس کر دیں پس ان خسیس لوگوں سے یہ کہاں بن آئے کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں یا اور نیکی کے کام کریں حضرت علیؓ سے ماعون کا مطلب ادائیگی زکوٰۃ بھی مروی ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اور دیگر حضرات مفسرین معتبرین سے بھی امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی نمازیں ریا کاری ہے اور اس کے مال کے صدقہ میں بھی رکاوٹ ہے حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں نماز تو چونکہ ظاہر ہے پڑھنی پڑتی ہے اور زکوٰۃ چونکہ پوشیدہ ہے تو ادا نہیں کرتے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ماعون ہر وہ چیز ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مانگ لیا کرتے ہیں جیسے کہ کدال پھاوڑہ دیگچی ڈول وغیرہ دوسری روایت میں ہے کہ اصحاب رسول اس کا یہی مطلب بیان کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم اس کی تفسیر یہی کرتے تھے نسائی کی حدیث میں ہے کہ ہر نیک چیز صدقہ ہے ڈول اور ہانڈی یا پتیلی مانگے پر دینے کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ماعون سے تعبیر کرتے تھے غرض اس کے معنی زکوٰۃ نہ دینے کے اطاعت نہ کرنے کے مانگی چیز نہ دینے کے ہیں چھوٹی چھوٹی چیزیں کوئی مانگنے آئے اس سے انکار کر دینا مثلاً چھلنی' ڈول' سوئی' سل بٹا' کدال' پھاوڑہ' پتیلی' دیگچی وغیرہ ایک غریب حدیث میں ہے کہ قبیلہ نمیر کے وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمیں خاص حکم کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ماعون سے منع نہ کرنا انہوں نے پوچھا ماعون کیا ہے فرمایا پتھر لوہا پانی انہوں نے پوچھا لوہے سے مراد کون سا لوہا ہے؟ فرمایا یہی تمہاری تانبے کی پتیلیاں اور کدال وغیرہ پوچھا پتھر سے کیا مراد؟ فرمایا یہی دیگچی وغیرہ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ مرفوع ہونا منکر ہے اور اس کی اسناد میں وہ راوی ہیں جو مشہور نہیں علی نمیریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا مسلمان کا مسلمان بھائی ہے جب ملے سلام کرے جب سلام کرے تو بہتر جواب دے اور ماعون کا انکار نہ کرے میں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماعون کیا ہے؟ فرمایا پتھر لوہا اور اسی جیسی اور چیزیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر سورۃ الکوثر

سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثُ اٰیَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُل آیات: ۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے ○

عطاءِ کوثر:

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی اور دفعتہً سر اٹھا کر مسکرائے پھر یا تو خود آپ نے فرمایا یا لوگوں کے اس سوال پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں مسکرائے؟ آپ نے فرمایا مجھ پر اس وقت یہ سورت اتری پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں فرمایا جنت میں وہ ایک نہر ہے جس پر بہت بھلائی ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے جس پر میری امت قیامت والے دن آئے گی اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں بعض لوگ اس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب یہ بھی میرے ہی امتی ہیں تو کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں[1] اور حدیث میں آیا ہے کہ اس پر رونالے آسمان سے گرتے ہوں گے نسائی کی حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ مسجد میں گزرا اسی سے اکثر قاریوں کا استدلال ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اکثر فقہا نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت میں اس کے ساتھ ہی نازل ہوئی تھی اور ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے مسند احمد کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ کوثر عنایت کی گئی ہے جو ایک جاری نہر ہے لیکن گڑھا نہیں ہے اس کے دونوں کنارے موتی کے خیمے ہیں اس کی مٹی خالص مشک ہے اس کے کنکر بھی سچے موتی ہیں اور روایت میں ہے کہ معراج والی رات آپ نے آسمان پر جنت میں اس نہر کو دیکھا اور جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون سی نہر ہے؟ جبرائیل نے فرمایا یہ کوثر ہے جو خدا نے آپ کو عطا فرمائی ہے اور اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں اور بہت سی دوسری سورہ اسراء کی تفسیر میں ہم نے بیان بھی کر دی ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے میٹھا ہے جس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہیں صدیق اکبرؓ نے سن کر فرمایا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے آپ نے فرمایا کھانے میں بھی وہ بہت لذیذ ہیں (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ انسؓ نے حضورؐ سے سوال کیا کہ کوثر کیا ہے؟ اس پر آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو حضرت عمرؓ نے ان پرندوں کی نسبت یہ فرمایا (مسند احمد) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ نہر جنت کے وسط میں ہے ایک منقطع سند سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ کوثر کے پانی کے گرنے کی آواز جو سننا

[1] اللہ اکبر! یہ ہے اس بدعت کی سزا جس پر آج بعض بھائی اصرار کر رہے ہیں۔

☆☆☆ چاہے وہ اپنے دونوں کانوں میں اپنی دونوں انگلیاں ڈال لے اولاً تو اس کی سند ٹھیک نہیں دوسرے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی آواز آتی ہے کہ خاص اسی کی آواز ہو واللہ اعلم۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے ابوالبشیر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے یہ سن کر کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ جنت کی ایک نہر ہے تو حضرت سعیدؒ نے فرمایا وہ بھی ان بھلائیوں اور خیر میں سے ہے جو آپ کو خدا کی طرف سے عنایت ہوئی ہے اور بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد بہت سی خیر ہے تو یہ تفسیر شامل ہے حوض کوثر وغیرہ سب کو کوثر ماخوذ ہے کثرت سے جس سے مراد ہے خیر کثیر اور اسی خیر کثیر میں حوض جنت بھی ہے جیسے کہ بہت سے مفسرین سے منقول ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بہت بہت بھلائیاں مراد ہیں عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ نبوت قرآن ثواب آخرت کوثر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کوثر کی تفسیر نہر کوثر سے بھی مروی ہے جیسے کہ ابن جریر میں سنداً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونا چاندی ہے جو یاقوت اور موتیوں پر بہہ رہی ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے (ابن جریر) ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت مرفوع بھی آئی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے گھر تشریف لے گئے آپ اس وقت گھر پر نہ تھے آپ کی بیوی صاحبہ جو قبیلہ بنونجار سے تھیں انہوں نے کہا یا نبی اللہ ﷺ وہ تو ابھی ابھی آپ ہی کی طرف گئے ہیں شاید بنونجار میں رک گئے ہوں آپ تشریف لائیے پھر حضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ نے آپ کے سامنے ملیدہ رکھا جو آپ نے تناول فرمایا آپ خوش ہو کر فرمانے لگیں کہ خدا رچائے بچائے اچھا ہوا کہ خود تشریف لے آئے ہیں میں تو حاضر دربار ہونے کا ارادہ کر چکی تھی کہ آپ کو حوض کوثر عطا ہونے کی مبارک باد دوں مجھ سے ابھی ابھی حضرت ابوعمارہؓ نے کہا تھا آپ نے فرمایا ہاں اس حوض کوثر کی زمین یاقوت اور مرجان اور زمرد اور موتیوں کی ہے اس کے ایک راوی حزام بن عثمان ضعیف ہیں لیکن واقعہ حسن ہے اور اصل تو تواتر سے ثابت ہو چکی ہے بہت سے صحابہ تابعین وغیرہ سے ثابت ہے کہ کوثر نہر کا نام ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے تمہیں خیر کثیر عنایت فرمائی اور ایسی پر شوکت نہر دی تو تم بھی صرف میری ہی عبادت کرو خصوصاً نفل فرض نماز اور قربانی اسی وحدہ لاشریک لہ کے نام کی کرتے رہو جیسے فرمایا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورہ انعام: ۱٦۲) مراد قربانی سے اونٹوں کا نحر کرنا وغیرہ ہے مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے تو یہاں حکم ہوا کہ تم صرف اللہ ہی کے نام کی مخلصانہ عبادتیں کیا کرو اور جگہ ہے: لَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (سورہ انعام: ۱۲۱) جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ یہ تو فسق ہے اور کہا گیا ہے کہ مراس وانحر سے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر نماز میں سینے پر رکھنا ہے یہی حضرت علیؓ سے غیر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے حضرت شعبیؒ اس لفظ کی یہی تفسیر کرتے ہیں حضرت ابوجعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع الیدین کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اپنے سینے سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو یہ تینوں قول ابن جریر منقول ہیں ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک بہت منکر حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ جب یہ سورت نبی اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ پر اتری تو آپ نے فرمایا اے جبرائیل علیہ السلام وانحر سے کیا مراد ہے؟ جو مجھے میرے پروردگار کا حکم ہو رہا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد قربانی نہیں بلکہ خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرو اور رکوع کے وقت بھی اور جب رکوع سے سر اٹھاؤ تب بھی اور جب سجدہ کرو یہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرنا ہے یہ حدیث اسی مستدرک حاکم بھی ہے حضرت عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں وانحر سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو

یعنی اطمینان حاصل کرو (ابن ابی حاتم) یہ سب اقوال غریب ہیں اور صحیح پہلا قول ہے کہ مراد نحر سے قربانیوں کا ذبح کرنا ہے اسی لئے رسول مقبول ﷺ نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی قربانی ذبح کرتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہم جیسی قربانی کرے اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا اس کی قربانی نہ ہوئی ابو بردہ بن دینارؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی یہ سمجھ کر کہ آج کے دن گوشت کی ضرورت ہو گی آپ نے فرمایا بس وہ تو کھانے کا گوشت ہو گیا صحابی نے کہا اچھا یا رسول اللہ ﷺ اب میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ محبوب ہے کیا یہ کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں تجھے تو کافی ہوگا لیکن تیرے بعد چھ مہینے کا بکری کا بچہ کوئی قربانی نہیں دے سکتا امام ابو جعفر بنؒ فرماتے ہیں ٹھیک قول اسی کا ہے جو کہتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام نمازیں خالص اللہ ہی کے لئے ادا کرو اس کے سوا کسی اور کے لئے نہ کرو اسی طرح اس کی راہ خون بہہ کسی اور کے نام پر قربانی نہ کر اس کا شکر بجا لاؤ جس نے تجھے یہ عظمت دی ہے اور وہ نعمت دی جس جیسی کوئی اور نعمت نہیں تجھ ہی کو اس کے ساتھ خاص کیا یہی قول بہت اچھا ہے محمد بن کعب قرظیؒ اور عطاؒ کا بھی یہی قول ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ تجھ سے اور تیری طرف اتری ہوئی وحی سے دشمنی رکھنے والا ہی قلت و ذلت والا بے برکتا اور دم بریدہ ہے یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں اتری ہے یہ پاجی جہاں حضور ﷺ کا ذکر خیر سنتا تو کہتا اسے چھوڑ دو وہ دم کٹا ہے اس کے پیچھے اس کی نرینہ اولاد نہیں اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے اٹھ جائے گا اس پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی ہے عمر بن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ عقبہ بن ابو معیط کے حق میں اتری ہے ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور جماعت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ میں آیا تو قریشیوں نے اس سے کہا کہ آپ تو ان کے سردار ہیں آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے جو اپنی ساری قوم سے الگ تھلگ ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کے اہل ہیں در و بست بیت اللہ ہمارے ہاتھوں میں ہے زمزم پر ہمارا قبضہ ہے تو یہ خبیث کہنے لگا کہ بے شک تم ان سے بہتر ہو اس پر یہ آیت اتری اس کی سند صحیح ہے حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ ابولہب کے بارے میں یہ آیت اتری ہے جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو یہ بدنصیب مشرکین سے کہنے لگا کہ آج کی رات محمد ﷺ کی نسل کٹ گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ منقول ہے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ کا ہر دشمن ہے جن جن کے نام لئے گئے وہ بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا وہ بھی ابتر کے معنی ہیں تنہا عرب کا یہ بھی محاورہ ہے کہ جب کسی کی نرینہ اولاد مر جائے تو کہتے ہیں ابتر حضور علیہ السلام کے صاحبزادوں کے انتقال پر بھی انہوں نے دشمنی کی وجہ سے یہی کہا جس پر یہ آیت اتری تو مطلب یہ ہوا ہے کہ ابتر وہ ہے جس کے مرنے کے بعد اس کا ذکر مٹ جائے ان مشرکین نے حضور ﷺ کی نسبت بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کے لڑکے تو انتقال کر گئے وہ نہ رہے جن کی وجہ آپ کے انتقال کے بھی ان کا نام رہتا حاشا وکلا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نام رہتی دنیا تک رکھے گا آپ کی شریعت ابد الاباد تک باقی رہے گی آپ کی اطاعت ہر کہہ و مہہ پر فرض کر دی گئی ہے آپ کا پیارا اور پاک نام ہر ایک مسلمان کے دل و زبان پر ہے اور قیامت تک فضائے آسمانی عروج و اقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا بحر و بر میں ہر وقت اس کی منادی ہوتی رہے گی اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل اولاد پر اور ازواج و اصحاب پر قیامت تک درود و سلام بے حد و بکثرت بھیجتا رہے۔ آمین۔

تفسیر سورہ کافرون مکیہ

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو اور سورہ قُلْ هُوَاللّٰهُ کو طواف کے بعد دو رکعت نماز میں تلاوت فرمایا صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ صبح کی دو سنتوں میں بھی آنحضرتؐ انہی دو سورتوں کی تلاوت

کیا کرتے تھے مسند احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے صبح کے فرضوں سے پہلے کی دو رکعتوں میں اور مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں بیس اوپر کچھ دفعہ یا دس اور کچھ مرتبہ سورہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور سورہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی (یعنی اتنی مرتبہ میں نے آپ کو یہ سورتیں ان نمازوں میں پڑھتے ہوئے سنا) مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ صبح کی دو سنتوں میں پڑھتے ہوئے بخوبی دیکھا۔ مسند ہی کی دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے کہ مہینہ بھر میں نے آپ کو ان دونوں رکعتوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے پایا یہ روایت ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں وہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور اِذَا زُلْزِلَتِ بھی مسند احمد میں روایت ہے کہ نوفل بن معاویہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا کہ ہماری ربیبہ زینبؓ کی پرورش تم اپنے ہاں کرو میرے خیال میں یہ زینب تھیں یہ ایک مرتبہ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہو بچی کیا کر رہی ہے؟ کہا میں انہیں ان کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں فرمایا اچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا کہ آپ سے کوئی وظیفہ سیکھ جاؤں جو سوتے وقت پڑھ لوں آپ فرمایا قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ کر سو جایا کرو اس میں شرک اور بدعت سے بے زاری ہے طبرانی کی روایت ہے کہ جبلہ بن حارثؓ کو بھی آپ نے یہی فرمایا تھا طبرانی کی اور روایت میں ہے کہ حارث بن جبلہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے کوئی چیز بتایئے کہ میں سونے کے وقت اسے پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا جب تو رات کو اپنے بستر پر جائے تو سورہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ پڑھ لیا کر یہ شرک سے بیزاری ہے۔ واللہ اعلم۔

سُوْرَةُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّةٌ وَّهِیَ سِتُّ اٰیٰتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کُل آیات: ۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝۶

ع ۱ ۲۲

آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ فی الحال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا ○

ایک خطاب:

اس سورہ مبارکہ میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اعلان ہے اور خدا کی عبادت کے اخلاص کا حکم ہے گو یہاں خطاب مکہ کے کفار قریش سے ہے لیکن دراصل روئے زمین کے تمام کافر مراد ہیں اس کی شان نزول یہ ہے کہ ان کافروں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو اگلے سال ہم بھی خدا کی عبادت کریں گے اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی برحق ﷺ کو یہ حکم دیا کہ ان کے دین سے اپنی پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں کہ میں تمہارے بتوں کو اور جن جن کو تم خدا کا شریک مان رہے ہو ہرگز نہ پوجوں گا گو تم بھی میرے معبود برحق خدا وحدہ لاشریک کو نہ پوجو پس ما یہاں پر معنی میں من کے ہے پھر دوبارہ یہی فرمایا کہ میں تم جیسی عبادت نہ کروں گا تمہارے مذہب پر میں کاربند نہیں ہو سکتا نہ میں تمہارے پیچھے لگ سکتا ہوں بلکہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا اور وہ بھی اس طریقہ پر جو اسے پسند ہو اور جیسے وہ چاہے اسی لئے فرمایا کہ نہ تم میرے رب کے احکام کے آگے سر جھکاؤ گے نہ اس کی عبادت اس کے فرمان کے مطابق بجا لاؤ گے بلکہ تم نے تو اپنے طریقے مقرر کر لئے ہیں جیسا ایک اور موقع پر ہے: اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ...... (سورہ انعام:۱۱٦) یہ لوگ صرف اٹکل اور گمان کے اور خواہش نفسانی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت پہنچ چکی ہے پس جناب نبی خدا ﷺ نے ہر طرح سے اپنا دامن ان سے چھڑا لیا اور صاف طور پر ان کے معبودوں سے اور ان کی عبادت کے طریقوں سے علیحدگی اور ناپسندیدگی اعلان فرما دیا ظاہر ہے کہ ہر عابد کا معبود ہو گا اور طریقہ عبادت ہو گا پس رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور طریقہ عبادت ان کا یہ ہے جو سرور رسل ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے اسی لئے کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا راستہ وہی ہے جس کے بتانے والے محمد ﷺ ہیں جو خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں (ﷺ) اور مشرکین کے معبود بھی خدا کے سوا غیر ہیں اور طریقہ عبادت بھی خدا کا بتلایا ہوا نہیں اسی لئے فرمایا کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے جیسے اور جگہ ہے: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (سورہ یونس:۴۱) یعنی یہ اگر تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم کو میرے اعمال سے کوئی سروکار نہیں اور میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں اور جگہ فرمایا: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (سورہ بقرہ:۱۳۹) ہمارے عمل ہمارے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام۔ یہ لفظ اصل میں دینی تھا لیکن چونکہ اور آیتوں کا وقف نون پر ہے اس لئے ان میں بھی یا کو حذف کر دیا جیسے فَهُوَ يَهْدِيْنِ میں اور يَسْقِيْنِ میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میں اب تو تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا نہیں اور آگے کے لئے بھی تمہیں ناامید کر دیتا ہوں کہ عمر بھر میں بھی یہ کفر مجھ سے نہ ہو سکے گا اسی طرح نہ تم اب میرے خدا کو پوجتے ہو نہ آئندہ اس کی عبادت کرو گے اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا خدا کو معلوم تھا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (سورہ مائدہ:٦۴) یعنی تیری طرف جو اترتا ہے اس سے اس میں کے اکثر تو سرکشی میں اور کفر میں بڑھ جاتے ہیں ابن جریرؒ نے بعض عربی دان حضرات سے نقل کیا ہے کہ دو مرتبہ اس جملہ کا لانا صرف تاکید کے لئے ہے جیسے: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (سورہ انشراح:۵-٦) میں اور جیسے: لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (سورہ تکاثر:٦-۷) بہر حال ان دونوں جملوں کو مکرر لانے کی حکمت میں یہ تین قول ہوئے ایک تو یہ کہ پہلے جملے سے مراد معبود اور دوسرے سے طریق عبادت دوسرے یہ کہ پہلے جملے سے مراد حال اور دوسرے سے مراد استقبال یعنی آئندہ تیسرے یہ کہ پہلے جملے کی تاکید دوسرے جملہ سے ہے ایک چوتھی توجیہہ ان کے علاوہ بھی ہے جیسے حضرت امام ابن تیمیہؒ اپنی بعض تصنیفات میں ترجیح دیتے ہیں وہ یہ کہ پہلے تو جملہ فعلیہ ہے دوبارہ جملہ اسمیہ ہے تو مراد یہ ہوئی کہ نہ تو میں غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوں نہ مجھ میں کبھی بھی کوئی امید رکھ سکتا ہوں یعنی واقعہ کی بھی نفی ہے اور شرعی طور پر ممکن ہونے کا بھی انکار ہے یہ قول بھی بہت بہتر ہے واللہ اعلم۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی ملت ہے اس لئے یہودی نصرانی کا اور نصرانی یہودی کا وارث ہو سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں نسب یا سبب وراثت کا پایا جائے اس لئے کہ اسلام کے سوا کفر کی جتنی راہیں ہیں وہ سب باطل ہونے میں ایک ہی ہیں حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ان کے خلاف ہے کہ نہ یہودی نصرانی کا وارث ہو سکتا ہے نہ نصرانی یہودی کا کیونکہ حدیث میں ہے کہ دو

مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

تفسیر سورہ نصر مدنیہ

پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عبید اللہ بن عبداللہ سے پوچھا جانتے ہو سب سے آخر کون سی سورت اتری؟ جواب دیا کہ ہاں یہی سورت اِذَا جَآءَ تو آپ نے فرمایا تم صحیح کہتے ہو (نسائی) حافظ ابو بکر بزار اور حافظ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے درمیان کے دن اتری تو آپ سمجھ گئے کہ یہ رخصت کی سورت ہے اسی وقت حکم دیا اور آپ کی اونٹنی قصویٰ کسی گئی اور آپ اس پر سوار ہوئے اور اپنا وہ پرزور خطبہ پڑھا جو مشہور ہے بیہقی میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور فرمایا مجھے میرے انتقال کی خبر آ گئی ہے حضرت زہراؓ رونے لگیں پھر یکا یک ہنس پڑیں جب اور لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا خبر انتقال نے تو رلا دیا لیکن روتے ہوئے حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا بیٹی صبر کرو میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۳

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣ ع

(اے محمد ﷺ) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آ پہنچے (یعنی واقعہ ہو جائے) اور (آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ○

نصر من اللہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروقؓ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوتی ہو گی اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو ایک دن سب کو بلایا اور مجھے یاد فرمایا میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا چاہتے ہیں جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المومنینؓ نے ہم سے پوچھا کہ سورہ اذا جآء کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد خدا آ جائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں اور بعض بالکل خاموش رہے تو آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو میں نے کہا یہ رسول خدا ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے آپ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے آپ تسبیح اور حمد اور استغفار میں مشغول ہو

جائے حضرت فاروقؓ نے فرمایا یہی میں جانتا ہوں (بخاری) جب یہ سورت اتری تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا مجھے میرے انتقال کی خبر دے دی گئی ہے (مسند احمد) مجاہد ابوالعالیہ ضحاک وغیرہ بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ مدینہ شریف میں تھے فرمانے لگے اللہ اکبر اللہ اکبر خدا تعالیٰ کی مدد آ گئی اور فتح بھی یمن والے آ گئے پوچھا گیا حضور ﷺ یمن والے کیسے ہیں؟ فرمایا وہ نرم دل لوگ ہیں سلجھی ہوئی طبیعت والے ہیں ایمان تو نبیوں کا ہے اور سمجھ بھی غیبوں کی ہے اور حکمت بھی یمن والوں کی ہے (ابن جریر) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری تو چونکہ اس میں آپ کے انتقال کی خبر تھی تو آپ نے اپنے کاموں میں اور کمر کس لی اور تقریباً وہی فرمایا جو اوپر گزرا (طبرانی) حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ سورتوں میں پوری سورت نازل ہونے کے اعتبار سے سب سے آخری سورت یہی ہے (طبرانی) اور حدیث میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو آپ نے اس کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگ ایک کنارہ میں اور میں اور میرے اصحاب دوسرے کنارہ میں ہیں سنو فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے مروان کو جب حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ نے سنائی تو کہنے لگا جھوٹ کہتا ہے اس وقت مروان کے ساتھ تخت پر حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی بیٹھے ہوئے تو حضرت ابوسعیدؓ فرمانے لگے کہ ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے یہ بھی اس حدیث کو بیان کر سکتے ہیں لیکن ایک کو تو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے سبکدوش ہو جانے کا ڈر ہے مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھایا اور حضرت ابوسعید خدریؓ کو مارنا چاہا ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان سن حضرت ابوسعیدؓ نے سچ بیان فرمایا ہے (مسند احمد) یہ حدیث ثابت ہے حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت ہے جب تمہیں چلنے کو کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے ہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض صحابہؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان کیا کہ جب ہم پر اللہ تعالیٰ شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریفیں بیان کریں نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں یہ مطلب بھی بالکل صحیح ہے اور یہ تفسیر بھی نہایت عمدہ ہے دیکھو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی گو یا لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضحیٰ کی نماز تھی لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضحیٰ کی نماز آپ ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے پھر اس دن جب کہ اور کام بہت زیادہ تھا مسافرت تھی یہ کیسے پڑھی آپ کی اقامت فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف میں رمضان شریف کے آخر تک انیس دن رہی آپ فرض کو بھی قصر کرتے رہے روزہ بھی نہیں رکھا اور تمام لشکر جو تقریباً دس ہزار تھا اسی طرح کرتا رہا ان حقائق سے یہ بات صاف ثابت ہوتی ہے کہ یہ نماز فتح مکہ کے شکریہ کی نماز تھی اسی لئے سردار لشکر امام وقت پر مستحب ہے کہ جب کوئی شہر فتح ہو تو داخل ہوتے ہی آٹھ رکعت نماز ادا کرے سعد بن ابی وقاصؓ نے فتح مدائن والے دن ایسا ہی کیا تھا ان آٹھ رکعتوں کو دو دو رکعتیں کر کے ادا کرے گو بعض کا یہ قول بھی ہے کہ آٹھ رکعتوں کو ایک ہی سلام سے پڑھ لے لیکن ابوداؤد میں صراحتاً ہے کہ حضور ﷺ نے اس نماز میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا ہے دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو ابن عباسؓ وغیرہ نے کی ہے کہ اس میں آپ کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی کہ جب آپ مکہ فتح کر لیں جہاں سے ان کفار نے آپ کو نکل جانے پر مجبور کیا تھا اور آپ اپنی آنکھوں اپنی محنت کا پھل دیکھ لیں کہ فوجوں کی فوجیں آپ کے جھنڈے تلے آ جائیں جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو ہماری طرف آنے کی اور ہم سے ملاقات کی تیاری میں لگ جائیں سمجھ لو کہ جو کام ہمیں تم سے لینا تھا پورا ہو چکا اب آخرت کی نگاہیں ڈالو جہاں آپ کے لئے بہت بہتری ہے اور اس دنیا سے بہت زیادہ بھلائی آپ کے لئے وہاں ہے وہیں آپ کی مہمانی تیار ہے اور مجھ جیسا میزبان ہے آپ ان نشانات کو دیکھ کر بکثرت میری حمد و ثنا کرو اور توبہ و استغفار میں لگ جاؤ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رکوع میں سجدے میں بکثرت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ پڑھا کرتے تھے آپ قرآن کی اس آیت فَسَبِّحْ...... پر عمل کرتے تھے اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ

اپنی آخری عمر میں ان کلمات کا اکثر ورد کرتے تھے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ خدا کی ذات پاک ہے اسی کے لئے سب تعریفیں سزاوار ہیں اس خدا سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف جھکتا ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجوں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بکثرت کہوں چنانچہ بحمد اللہ میں اسے دیکھ چکا لہٰذا اب اس وظیفے میں مشغول ہوں (مسند احمد) ابن جریر میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اپنی آخری عمر میں بیٹھتے اٹھتے چلتے پھرتے آتے جاتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے تھے میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضور ﷺ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے اس سورت کی تلاوت کی اور فرمایا مجھے حکم خدا یہی ہے کہ کسی مجلس میں بیٹھیں پھر وہ مجلس برخاست ہو تو کیا پڑھا چاہئے اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں لکھ چکے ہیں مسند احمد میں ہے کہ جب یہ سورت اتری تو حضور ﷺ اسے اکثر اپنی نماز میں تلاوت کرتے اور رکوع میں تین مرتبہ یہ پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے اس پر اتفاق ہے عموماً عرب قبائل اس کے منتظر تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ جائیں اور مکہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے اس کے بعد دو سال شبہ نہیں اب جب کہ خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو یہ سب اسلام میں آ گئے اس کے بعد دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر قبیلے میں اسلام اپنا راج کرنے لگا والحمد للہ صحیح بخاری شریف میں بھی حضرت عمرو بن سلمہؓ کا یہ مقولہ موجود ہے کہ مکہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف سبقت کی ان سب کو اسی بات کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آ ئیں گے اور مکہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا ہم نے غزوہ فتح مکہ کا پورا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے جو صاحب تفصیل دیکھنا چاہیں وہ اس کتاب کو دیکھ لیں الحمد للہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے پڑوسی جب اپنے کسی سفر سے واپس آئے تو حضرت جابرؓ ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے انہوں نے لوگوں کے باہمی اختلاف کا حال بیان کیا اور ان کی افسوسناک بدعتوں کا ذکر کیا تو صحابی رسول کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے حبیب خدا شافع روز جزا حضرت محمد مصطفیٰ فداہ امی وابی سے سنا ہے کہ لوگوں کی فوجوں کی فوجیں خدا کے دین میں داخل ہوئی لیکن عنقریب جماعتوں کی جماعتیں ان سے نکلنے بھی لگ جائیں گی۔

تفسیر سورہ لہب مکیہ

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی و مال سے مراد سرمایہ اور ما کسب سے

مراد اس کا نفع اور (آخرت میں) وہ عنقریب (مرنے کے متصل) ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا وہ بھی اور اس کی بیوی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے (مراد خاردار لکڑیاں ہیں جن کا شان نزول میں ذکر ہے اور دوزخ میں) اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی ○

اور یہ مردود ابولہب:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطحا میں جا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور اونچی اونچی آواز سے یَا صَبَاحَاہُ یَا صَبَاحَاہُ فرمانے لگے آپ کی آواز پر جب قریش سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کہوں کہ صبح یا شام دشمن تم پر چھاپہ مارنے والا ہے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں خدا تعالیٰ کے سخت عذاب کے آنے کی خبر دے رہا ہوں تو ابو لہب کہنے لگا تجھے ہلاکی ہو کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت اتری (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ ہاتھ جھاڑتا ہوا یوں کہتا ہوا اٹھا کھڑا ہوا تبت بددعا ہے اور تب خبر ہے یہ ابولہب آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا اس کی کنیت ابو عتبہ تھی اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی وجہ سے اسے ابولہب یعنی شعلے والا کہا جاتا تھا یہ حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا ہر وقت ایذا دہی تکلیف رسانی اور نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتا تھا ربیعہ بن عباد اپنے اسلام لانے کے بعد اپنا جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو فلاں پاؤ گے لوگوں کا آپ کے آس پاس لگا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ آپ کے پیچھے ہی ایک گورے چٹے چمکتے دمکتے چہرے والا بھینگی آنکھ والا جس کے سر کے بڑے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں آیا اور کہنے لگا لوگو یہ بے دین ہے جھوٹا ہے غرض کہ حضور ﷺ لوگوں کے مجمع میں جا کر خدا کی توحید کی دعوت دیتے تھے اور یہ شخص پیچھے یہ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے لعنۃ اللہ (مسند احمد) ابوالزناد نے راوی حدیث حضرت ربیعہ سے کہا کہ آپ تو اس وقت بچہ سے ہوں گے فرمایا نہیں میں اس وقت خاصی عمر کا مشک لاد کر پانی بھر لایا کرتا تھا دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا ان دنوں جوان تھا اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو میں تمہاری طرف خدا کا رسول ﷺ بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو مجھے سچا جانو مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجا لاؤں جس کا حکم مجھے دے کر خدائے تعالیٰ نے بھیجا ہے آپ جہاں یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے کہ آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تو تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک ابن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں سے تمہیں دور کر رہا ہے اور اپنی لائی ہوئی گمراہی کی طرف تمہیں بھی گھسیٹ رہا ہے خبردار نہ اس کی سننا نہ ماننا (طبرانی و احمد) اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے کہ ابولہب برباد ہوا اس کی کوشش غارت ہوئی اس کے اعمال ہلاک ہوئے بالیقین اس کی بربادی ہو چکی ہے اس کی اولاد اس کے کام نہ آئی ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا ﷺ نے اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق بھی ہوں تو میں قیامت کے دن اپنا مال اولاد خدا تعالیٰ کو فدیہ میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا اس پر یہ آیت: مَا اَغْنٰی...... اتری پھر فرمایا کہ یہ شعلے مارنے والی آگ میں جو سخت جلانے والی اور بہت تیز ہے داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو قریش عورتوں کی سردار تھی اس کی کنیت ام جمیل تھی نام اروی تھا حرب بن امیہ کی لڑکی تھی ابو سفیان کی بہن تھی اور اپنے خاوند کے کفر و جحود اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی اسی لئے قیامت کے دن عذاب میں بھی اس کے ساتھ ہوگی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہو ڈالتی جائے گی اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد اس کا غیبت گو ہونا ہے امام ابن جریرؒ اسی کو پسند کرتے ہیں ابن عباسؓ وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن کر لا

کرتی تھی اور حضور ﷺ کی راہ میں بچھا دیا کرتی تھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ عورت نبی ﷺ کو فقیری کا طعنہ دیا کرتی تھی تو اسے اس کا لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم۔ سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا کہتی تھی کہ میں اسے فروخت کر کے محمد (ﷺ) کی مخالفت میں خرچ کروں گی تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا مسد کے معنی کھجور کی رسی کے ہیں حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے جوہریؒ فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ کی کھال اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے مجاہد فرماتے ہیں کہ یعنی لوہے کا طوق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضور ﷺ کے پاس آئی۔ مُذَمَّمًا اَبَيْنَا ...... وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا ...... وَاَمْرَهٗ عَصَيْنَا

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں اس کے دین کے دشمن ہیں اور اس کے نافرمان ہیں اس وقت رسول اللہ ﷺ کعبۃ اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر بھی تھے صدیق اکبرؓ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ آ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھ لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا صدیقؓ بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی پھر آپ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی تا کہ اس سے بچ جائیں خود قرآن نے فرمایا ہے: وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (سورہ بنی اسرائیل: ۴۵) یعنی تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں یہ خبیثنی پھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی گو حضور ﷺ بھی حضرت صدیقؓ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکی حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے یعنی شعروں میں میری مذمت کی ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا نہیں نہیں رب البیت کی قسم حضور ﷺ نے تیری کوئی ہجو نہیں کی تو یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں (ابن ابی حاتم) ایک مرتبہ یہ اپنی لمبی چادر اوڑھے طواف کر رہی تھی پیر چادر میں الجھ گیا اور پھسل پڑی تو کہنے لگی مذمم غارت ہو ام حکیم بنت عبدالمطلب نے کہا میں تو پاک دامن عورت ہوں اپنی زبان نہیں بگاڑوں گی اور درست کرنے والی ہوں پس داغ نہ لگاؤں گی اور ہم سارے ایک ہی دادے کی اولاد میں ہیں اور قریش ہی پھر تو زیادہ جاننے والے ہیں بزار میں ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھا کر جواب دیا کہ نہ تو آپ شعر گوئی جانتے ہیں نہ کبھی آپ نے شعر کہے اس کے جانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں آپ نے فرمایا فرشتہ آڑ بن کر کھڑا ہوا تھا جب تک وہ واپس نہ چلی گئی بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس کے گلے میں جہنم کی آگ کی رسی ہوگی جس سے اسے کھینچ کر جہنم کے اوپر لایا جائے گا پھر ڈھیلی چھوڑ کر جہنم کی تہ تک پہنچایا جائے گا یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا ڈول کی رسی کو عرب مسد کہہ دیا کرتے تھے عربی شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ہاں یہ یاد رہے کہ یہ بابرکت سورت ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی ایک اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ جس طرح ان کی بدبختی کی خبر اس سورت میں دی گئی تھی اسی طرح واقعہ بھی ہوا ان دونوں کو ایمان لانا آخر تک نصیب نہ ہوا نہ تو وہ ظاہر میں مسلمان ہوئے نہ باطن میں نہ چھپے نہ کھلے پس یہ سورت زبردست بہت صاف اور روشن دلیل ہے حضور ﷺ کی نبوت کی۔

تفسیر سورہ اخلاص مکیہ

اس کی شان نزول اور اس کی فضیلت کا بیان مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو اس پر یہ سورت نازل ہوئی صمد کے معنی ہیں جو نہ تو پیدا ہوا ہو نہ اس کی اولاد ہو اس لئے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ ایک وقت مرے گا بھی اور

دوسرے اس کے وارث ہوں گے اللہ عزوجل نہ مرے نہ اس کا کوئی وارث ہو اس جیسا اور اس جنس کا کوئی نہیں نہ اس کے مثل کوئی چیز ہے ترمذی وغیرہ میں بھی روایت ہے ابو یعلی موصلی میں بھی ہے کہ ایک اعرابی نے سوال کیا تھا اور روایت میں ہے کہ مشرکین کے اس سوال کے جواب میں یہ سورت اتری بھی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی نسبت ہے اور خدا کی نسبت یہ سورت ہے صمد اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو بخاری شریف کتاب التوحید میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر کہیں بھیجا جس وقت وہ پلٹے تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے ہم پر جسے سردار بنایا تھا وہ ہر نماز کی قرأت کے خاتمہ پر سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ...... پڑھا کرتے تھے آپ نے فرمایا ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی پسند ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے خبر دو کہ خدا بھی اس سے محبت رکھتا ہے بخاری شریف کی کتاب الصلوۃ میں ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا میں امام تھے ان کی عادت تھی کہ الحمد ختم کر کے پھر اس سورت کو پڑھتے پھر جونسی سورت پڑھنی ہوتی یا جہاں سے چاہتے قرآن پڑھتے ایک دن مقتدیوں نے کہا کہ آپ اس سورت کو پڑھتے ہیں پھر دوسری سورت ملاتے ہیں یہ کیا؟ یا تو آپ صرف اسی کو پڑھیے یا چھوڑ دیجئے دوسری سورت ہی پڑھا کیجئے انہوں نے جواب دیا کہ میں تو جس طرح کرتا ہوں کرتا رہوں گا تم چاہو تو مجھے امام رکھو کہو تو میں تمہاری امامت چھوڑ دوں اب انہیں یہ مشکل معلوم ہوا کہ ان سب میں زیادہ افضل یہ ہیں ان کی موجودگی میں دوسرے کا نماز پڑھانا بھی انہیں گوارا نہ ہو سکا ایک دن جب کہ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے امام صاحب سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ساتھیوں کی بات نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس سورت سے بڑی محبت ہے آپ نے فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں پہنچا دیا ترمذی اور مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ نے کہا کہ میں اس سورت کو پڑھتے ہوئے رات کے وقت سنا کہ وہ بار بار اسی کو دہرا رہا ہے صبح کے وقت آ کر اس نے حضور ﷺ سے ذکر کیا گویا وہ اسے ہلکے ثواب کا کام جانتا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ سورت مثل تہائی قرآن ہے (بخاری) صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ کو دشوار معلوم ہوا اور عرض کیا کہ اتنی طاقت تو ہر ایک میں نہیں آپ نے فرمایا سنو سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... تہائی قرآن ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت بن نعمانؓ ساری رات اسی سورت کو پڑھتے رہے حضور ﷺ جب ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت آدھے قرآن یا تہائی قرآن کے برابر ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے کہا کہ کیا تم میں سے کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ ہر رات تیسرا حصہ قرآن پڑھ لیا کرے عرض کیا گیا یہ کس سے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا سنو: قُلْ هُوَ اللّٰهُ...... تہائی قرآن کے برابر ہے اتنے میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے آپ نے سن لیا اور فرمایا کہ ابو ایوب ٹھیک کہتے ہیں (مسند احمد) ترمذی میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جمع ہو جاؤ میں تمہیں آج تہائی قرآن سناؤں گا لوگ جمع ہو کر بیٹھ گئے آپ گھر سے تشریف لائے سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... پڑھی اور پھر گھر تشریف لے گئے اب صحابہ میں باتیں ہونے لگیں کہ وعدہ تو حضور ﷺ کا یہ تھا کہ تہائی قرآن سنائیں گے شاید آسمان سے کوئی وحی آ گئی ہو اتنے میں آپ پھر واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے تہائی قرآن سنانے کا وعدہ کیا تھا سنو یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر دن تہائی قرآن پڑھ لیا کرو لوگوں نے عرض کیا حضور ہم سے بہت مشکل اور دشوار ہے آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تین حصے کیے ہیں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... تیسرا حصہ ہے (مسلم نسائی وغیرہ) ایسی ہی روایتیں صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول ہیں آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے آپ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے تو آپ نے ایک شخص کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سن کر فرمایا کہ واجب ہو گئی حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت (ترمذی و نسائی) ابو یعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے

کہ کیا تم میں سے کوئی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورہ قل ہواللہ کو رات میں تین مرتبہ پڑھ لے؟ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے مسند احمد میں ہے کہ عبداللہ بن خبیبؓ فرماتے ہیں کہ ہم پیاسے تھے رات اندھیری تھی حضور ﷺ کا انتظار تھا کہ آپ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں آپ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے پڑھ میں چپکا رہا آپ نے پھر فرمایا پڑھ میں نے عرض کیا کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہر صبح شام تین تین مرتبہ سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیا کرو یہ کافی ہو جائے گی نسائی کی ایک روایت میں ہے ہر چیز سے تجھے یہ کفایت کرے گی مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھ لیا اسے چالیس لاکھ نیکیاں ملیں گی وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اس کے راوی خلیل بن مرہ ہیں جنہیں حضرت امام بخاریؒ وغیرہ بہت ضعیف بتلاتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس پوری سورت کو دس مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر کرے گا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پھر تو ہم بہت سے محل بنوالیں گے آپ نے فرمایا خدا اس سے زیادہ اور اس سے بھی اچھے دینے والا ہے دارمی میں ہے کہ دس مرتبہ پر ایک محل بیس پر دو تیس پر تین یہ حدیث مرسل ہے ابو یعلی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو پچاس مرتبہ پڑھ لے تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسی کی ایک اور ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو ایک دن میں دو سو مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو ترمذی کی ایک حدیث غریب میں ہے کہ جو شخص سونے کے لئے اپنے بستر پر جائے پھر داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو دفعہ اس سورت کو پڑھ لے تو قیامت کے دن رب عزوجل فرمائے گا اے میرے بندے اپنی داہنی طرف سے جنت میں چلا جائے بزار کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے دو سو سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دعا مانگ رہا ہے اپنی دعا میں کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کی گواہی دے کر کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز ہے نہ اس کے ماں باپ نہ اولاد نہ ہم سر اور ساتھی کوئی اور آپ یہ سن کر فرمانے لگے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے خدا کے اس بڑے نام کے ساتھ کہ جب کبھی اس نام کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا ہو اور جب کبھی اس نام کے ساتھ دعا کی جائے تو قبول ہو ابو یعلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کو لے وہ جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے جو اپنے قاتل کو معاف کر دے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... پڑھ لے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جو ان تینوں کاموں میں سے ایک کرے آپ نے فرمایا ایک پر بھی یہی درجہ ہے طبرانی میں ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورت کو گھر میں جاتے وقت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے فقیری دور کر دے گا اس کی اسناد ضعیف ہے مسند ابو یعلی میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان تبوک میں تھے سورج ایسی روشنی نور اور شعاعوں کے ساتھ نکلا کہ ہم نے اس سے پہلے ایسا صاف شفاف روشن اور منور نہیں دیکھا تھا حضور ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آج سورج کی اس تیز روشنی اور زیادہ نور اور چمکیلی شعاعوں کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا آج مدینہ میں حضرت معاویہ بن معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے جن کے جنازے کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے آسمان سے بھیجے ہیں پوچھا ان کے کس عمل کے باعث؟ فرمایا وہ سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... کو دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے پڑھا کرتے تھے اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں زمین سمیٹ لوں اور آپ ان کے جنازے کی

نماز ادا کرلیں؟ آپ نے فرمایا بہت اچھا پس آپ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی اس حدیث کو حافظ ابوبکر بیہقیؒ نے بھی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یزید بن ہارون کی روایت سے لائے ہیں وہ علا بن محمد سے روایت کرتے ہیں ان پر موضوع حدیثیں بیان کرنے کا الزام ہے واللہ اعلم۔ مسند ابویعلی میں اس کی دوسری سند بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں اس میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول مقبول ﷺ کے پاس تشریف لائے اور معاویہ بن معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی اور فرمایا کیا آپ ان کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین پر مارا تمام درخت اور سب ٹیلے وغیرہ پست ہو گئے ان کا جنازہ حضور ﷺ کو نظر آنے لگا آپ نے نماز شروع کی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے آپ نے دریافت کیا کہ آخر اس مرتبہ کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا ان کی اس سورت سے محبت اور ہر وقت آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اس کی تلاوت اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے اور بیہقی کی سند میں محبوب بن ہلال ہیں ابوحاتم رازی فرماتے ہیں کہ یہ مشہور نہیں ابویعلی میں یہ راوی نہیں وہاں ان کی جگہ ابوعبداللہ بن محمود ہیں لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ محبوب اس میں ہیں اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں اور سب ضعیف ہیں ہم نے اختصار کے لئے انہیں یہاں نقل نہیں کیا مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری رسول خدا ﷺ سے ملاقات ہوئی میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ! زبان تھامے[1] رکھ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہا کر[2] اور اپنی خطاؤں پر روتا رہ پھر دوبارہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے خود میرا ہاتھ پکڑ لیا فرمایا عقبہ کیا تمہیں توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن میں اتری ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورتیں بتاؤں؟ میں نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے پس آپ نے مجھے سورہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں پھر فرمایا دیکھو عقبہ انہیں نہ بھولنا اور ہر رات انہیں پڑھ لیا کرنا فرماتے ہیں پھر نہ میں بھولا اور نہ کوئی رات ان کے پڑھے بغیر گزاری میں نے پھر آپ سے ملاقات کی اور جلدی کر کے آپ کے دست مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بہترین اعمال کا ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا سن جو تجھ سے توڑے تو اس سے جڑ[3] جو تجھے محروم رکھے تو اسے دے جو تجھ سے ظلم کرے تو اس سے درگزر کر اور معاف کر دے اس کا بعض حصہ امام ترمذی نے بھی زہد کے باب میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مسند احمد میں بھی اس کی اور ایک سند ہے صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر دم کر کے اپنے جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے جہاں تک ہاتھ پہنچتے پہنچاتے پہلے سر پر پھر منہ پر پھر اپنے سامنے کے جسم پر تین مرتبہ اسی طرح کرتے یہ حدیث سنن میں بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۴

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

[1] یعنی اپنی زبان پر قابو رکھو کسی کو برا بھلا مت کہو غیبت نہ کر جھوٹ نہ بولو غیر حق بات منہ سے نہ نکالو واقعہ یہ ہے کہ تمام امراض کی جڑ تو یہی زبان ہے۔

[2] بلاضرورت گھر سے نہ نکلو لوگوں کے ساتھ کم اٹھنا بیٹھنا رکھو کہ اٹھنے بیٹھنے سے آدمی سینکڑوں قسم کی برائیوں میں پھنستا ہے۔

[3] یعنی مسلمان اگر تم سے ملنا جلنا چھوڑیں ترک تعلق کریں لیکن تم اس کے باوجود ان سے بااخلاص برابر ملتے جلتے رہو تعلق ختم نہ کرو۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

ع ۲۷

آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے اللہ (ایسا) بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ○

یہ معبودِ برحق:

اس کے نازل ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے ہم حضرت عزیر علیہ السلام کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور نصرانی کہتے تھے ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں جو خدا کے بیٹے ہیں اور مجوسی کہتے تھے ہم سورج چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مشرک کہتے تھے ہم بت پرست ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دو کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو واحد اور احد ہے اس جیسا کوئی نہیں جس کا کوئی وزیر نہیں جس کا کوئی شریک نہیں جس کا کوئی ہمسر نہیں جس کا کوئی ہم جنس نہیں جس کا برابر کوئی نہیں جس کے سوا کسی میں الوہیت نہیں اس لفظ کا اطلاق صرف اسی کی ذات پر ہوتا ہے وہ اپنی صفتوں میں اور اپنے حکمت بھرے کاموں میں یکتا ہے اور بے نظیر ہے وہ صمد ہے یعنی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں اپنی شرافت میں اپنی بزرگی میں اور اپنی عظمت میں اپنے حلم وعلم میں اپنی حکمت وتدبر میں سب سے بڑھا ہوا ہو یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ میں ہی پائی جاتی ہیں اس کا ہمسر اور اس جیسا کوئی اور نہیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب پر غالب ہے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور بے نظیر ہے صمد کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جو تمام مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے جو ہمیشہ بقا والا سب کی حفاظت کرنے والا ہو جس کی ذات لازوال اور غیر فانی ہو حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں صمد وہ ہے جو نہ کچھ کھائے نہ اس میں سے کچھ نکلے نہ وہ کسی میں سے نکلے یعنی نہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ یہ تفسیر بہت عمدہ ہے اور ابن جریرؒ کی روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ سے صراحتاً یہ منقول ہے جیسے کہ پہلے گزرا اور بہت سے صحابہ وتابعین سے مروی ہے کہ صمد کہتے ہیں ٹھوس چیز کو جو کھوکھلی نہ ہو جس کا پیٹ نہ ہو شعبی کہتے ہیں کہ جو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو عبداللہ بن بریدہؒ فرماتے ہیں صمد وہ نور ہے جو روشن ہو اور چمک دمک والا ہو ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں صحیح یہ ہے کہ موقوف ہے حافظ ابوالقاسم طبرانیؒ اپنی کتاب السنہ میں لفظ صمد کی تفسیر میں ان تمام اقوال وغیرہ کو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ دراصل یہ سب ٹھیک ہے اور صحیح ہیں یہ کل صفتیں ہمارے رب عزوجل میں ہیں اس کی طرف سب محتاج بھی ہیں وہ بھی سب سے بڑھ کر سردار اور سب سے بڑا ہے اسے نہ پیٹ ہے نہ وہ کھوکھلا ہے نہ وہ کھائے نہ پیئے سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وغیرہ پھر فرمایا کہ اس کی اولاد نہیں نہ اس کے ماں باپ ہیں نہ بیوی جیسے اور جگہ ہے : بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (سورہ انعام:۱۰۱) یعنی وہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے اسے اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی بیوی نہیں ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے یعنی وہی ہر چیز کا خالق مالک ہے پھر اس کی مخلوق اور ملکیت میں ہے اس کی برابری اور ہمسری کرنے والا کون ہوگا؟ وہ ان تمام عیوب اور نقصان سے پاک ہے جیسے اور جگہ فرمایا : وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا...... (سورہ مریم:۸۸: ۹۵) یعنی یہ کفار کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے تم تو بڑی بری ایک چیز لائے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں اس بنا پر

کہ انہوں نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ خدا کو یہ لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو تمام زمین و آسمان میں کل کے کل خدا کے غلام ہی بن کر آنے والے ہیں خدا کے پاس تمام کا شمار ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور یہ سب کے سب تنہا تنہا اس کے پاس قیامت کے دن حاضر ہونے والے ہیں اور جگہ ہے :وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ ...... (سورہ انبیاء:۲۶) یعنی ان کافروں نے کہا کہ رحمٰن کی اولاد ہے خدا اس سے پاک ہے بلکہ وہ تو خدا کے باعزت بندے ہیں بات میں بھی اس سے سبقت نہیں کرتے اسی کے فرمان پر عامل ہیں اور جگہ ہے :وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ...... (سورہ صافات:۱۵۸) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان نسب قائم کر رکھا ہے حالانکہ جنات تو خود اس کی فرمانبرداری میں حاضر ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بیان کردہ عیوب سے پاک و برتر ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سنتے ہوئے صبر کرنے میں خدا سے زیادہ صابر کوئی نہیں لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور پھر بھی انہیں وہ روزیاں دیتا ہے اور عافیت و تندرستی عطا فرماتا ہے بخاری کی اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ اسے ایسا نہ چاہئے مجھے گالیاں دیتا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اولاً خدا تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے ایسے ہی پھر نہیں لوٹائے گا حالانکہ پہلی پیدائش دوسری پیدائش سے آسان تو نہ تھی جب میں اس پر قادر ہوں تو اس پر کیوں نہیں اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا ہوں میں ایک ہی ہوں میں صمد ہوں نہ میری اولاد نہ میرے ماں باپ نہ مجھ جیسا کوئی اور۔[1]

تفسیر سورہ فلق و سورہ ناس مدنی یا مکی

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس سورت کو اور اس کے بعد کی سورت کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری گواہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے فرمایا :قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ...... تو میں نے بھی یہی کہا پھر فرمایا :قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ...... تو میں نے بھی کہا تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا حضرت ابی بن کعبؓ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو ان دونوں سورتوں کو قران شریف سے علیحدہ کر دیا کرتے تھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہو میں نے کہا پس ہم بھی کہتے ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا (ابوبکر حمیدہ) مسند میں بھی یہ روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ موجود ہے اور بخاری شریف میں بھی مسند ابو یعلی وغیرہ میں ہے کہ ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے اور نہ قرآن میں انہیں شمار کرتے تھے بلکہ قاریوں اور فقیہوں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ان دونوں سورتوں کو قرآن شریف میں نہیں لکھتے تھے شاید انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو اور تواتر کے ساتھ ان تک نہ پہنچا ہو پھر یہ اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آتے ہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سورتوں کو ائمہ کے قرآن میں داخل کیا جس کے نسخے ہر طرف پھیلے وللہ الحمد والمنۃ صحیح مسلم شریف میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ چند آیتیں مجھ پر اس رات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی

[1] صورت اخلاص کے فضائل پر بڑی سیر حاصل بحث تو ابن کثیر نے کر لی ہے لیکن صاحب تفسیر کبیر کی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح سورہ کوثر شان رسالت میں کامل و مکمل ہے ایسے ہی سورہ اخلاص توحید کے بارے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی توحید ذاتی توحید صفاتی اور توحید امثال بعض محققین نے لکھا ہے کہ اجر و ثواب کے اعتبار سے سورہ اخلاص کو پڑھنے پر اتنا ثواب ملتا ہے جتنا ثلث قرآن کی تلاوت پر۔

نہیں دیکھی گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی یہ حدیث مسند احمد میں ترمذی میں اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی گلیوں میں آپ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جا رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اب آؤ تم سوار ہو جاؤ میں نے اس خیال سے کہ اگر آپ کی بات نہ مانی تو نافرمانی ہوگی سوار ہونا منظور کر لیا تھوڑی دیر کے بعد میں اتر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے پھر آپ نے فرمایا عقبہؓ کیا میں تجھے دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سکھایئے پس آپ نے مجھے سورہ: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں پھر نماز کھڑی ہوگئی آپ نے نماز پڑھائی اور ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت کی پھر مجھ سے فرمایا تو نے دیکھ لیا؟ سن تو جب سوئے اور جب کھڑا ہو انہیں پڑھ لیا کرو ترمذی ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے وقت ان سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا یہ حدیث بھی ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں ہے امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں اور روایت میں ہے کہ ان جیسی سورتیں تم نے پڑھی ہی نہیں حضرت عقبہؓ والی حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ آپ کا ہونا مذکور ہے اس کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورتیں بتلائیں تو مجھے کچھ زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھ کر فرمایا کہ شاید تو چھوٹی سی سورتیں سمجھتا ہے سن نماز کے قیام میں ان جیسی سورتوں کی قرأت اور ہے ہی نہیں نسائی شریف کی حدیث میں ہے کہ ان جیسی سورتیں کسی پناہ پکڑنے والے کے لئے اور نہیں ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عقبہؓ سے یہ سورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھوائیں پھر فرمایا کہ ان جیسی پناہ مانگنے کی اور سورتیں نہیں ایک روایت میں ہے کہ صبح کی فرض نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دونوں سورتوں سے پڑھائی اور حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں اور آپ کے قدم پر ہاتھ رکھ کر عرض کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سورہ ہود یا سورہ یوسف پڑھایئے آپ نے فرمایا خدا کے پاس نفع دینے والی کوئی سورت: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نہیں اور حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے ان دونوں سورتوں سے افضل سورت اور کوئی نہیں پس بہت سی حدیثیں اپنے تواتر کی وجہ سے اکثر علماء کے نزدیک قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ حدیث بھی بیان ہو چکی کہ آپ نے ان دونوں سورتوں اور سورہ اخلاص کی نسبت فرمایا کہ چاروں کتابوں میں ان جیسی اور سورتیں نہیں اتریں نسائی وغیرہ میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے سواریاں کم تھیں باری باری سوار ہوتے تھے حضرت نے ایک شخص کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اور فرمایا جب نماز پڑھے تو انہیں پڑھا کر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص عقبہ بن عامر ہوں گے واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن اسلم کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا کہہ وہ نہ سمجھے کہ کیا کہیں پھر فرمایا کہ تو انہوں نے سورہ: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ...... پڑھی آپ نے فرمایا کہہ پھر سورہ فلق پڑھی آپ نے پھر بھی یہی فرمایا تو سورہ ناس پڑھی تو آپ نے فرمایا اسی طرح پناہ مانگا کر اس جیسی سورتیں پناہ مانگنے کی اور نہیں (نسائی) نسائی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ دونوں سورتیں آپ نے پڑھوائیں پھر فرمایا انہیں پڑھتا رہ ان جیسی سورتیں تو اور نہیں پڑھے گا ام المومنین حضرت عائشہؓ والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے سر چہرے اور جسم پر پھیر لیتے تھے موطا امام مالکؒ میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیا کرتے تھے جب آپ کی بیماری سخت ہوئی تو حضرت عائشہؓ معوذات پڑھ کر خود آپ کے ہاتھوں کو آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھیں اور اس سے قصد آپ کا

آپ کے ہاتھوں کی برکت کا ہوتا تھا سورہ نٓ کی تفسیر کے آخر میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی آنکھوں سے پناہ مانگا کرتے تھے جب یہ دونوں سورتیں اتریں تو آپ نے انہیں لے لیا[1] اور باقی سب چھوڑ دیں امام ترمذی اسے حسن قرار دیتے ہیں۔

سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — کُل آیات: ۵

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

آپ (اپنے استعاذہ کے لئے) کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور (بالخصوص) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے (اور شب میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور (بالخصوص گنڈے کی) گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے ○

پناہ اِس مقتدر کامل کی:

حضرت جابرؓ وغیرہ فرماتے ہیں فلق کہتے ہیں صبح کو خود قرآن میں اور جگہ ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ...... (سورہ انعام: ۹۶) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فلق سے مراد مخلوق ہے حضرت کعبؓ احبار فرماتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک جگہ ہے جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو اس کی گرمی اور سختی کی وجہ سے تمام جہنمی چیخنے لگتے ہیں ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی کے قریب قریب ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے یہ بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کا نام ہے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ٹھیک قول پہلا ہی ہے یعنی مراد اس سے صبح ہی ہے امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے تمام مخلوق کی برائی سے جس میں جہنم میں داخل ہے اور ابلیس اور اولاد ابلیس بھی غاسق سے مراد رات ہے اذا وقب سے سورج کا غروب ہو جانا مراد ہے یعنی رات کے اندھیرا لئے ہوئے آجائے ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ عرب ثریا ستارے کے غروب ہونے کو غاسق کہتے ہیں بیماریاں اور وبائیں اس کے واقع ہونے کے وقت بڑھ جاتی تھیں اور اس کے طلوع ہونے کے وقت اٹھ جاتی تھیں[2]۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ستارہ غاسق ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مراد اس سے چاند ہے ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس غاسق کی برائی سے پناہ مانگ اور روایت میں ہے کہ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سے یہی مراد ہے دونوں قولوں میں با آسانی یہ تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا چڑھنا اور ستاروں کا ظاہر ہونا وغیرہ یہ سب رات ہی کے وقت ہوتا ہے جب رات آجائے واللہ

[1] یعنی اس مقصد کے لئے صرف ان ہی سورتوں کا پڑھنا شروع کیا اور پہلے سے پڑھنے کا جو معمول تھا اس کو چھوڑ دیا۔

[2] یعنی مشرکین عرب کے عقیدہ کے مطابق۔

اعلم ۔گرہ لگا کر پھونکنے والیوں سے مراد جادوگر عورتیں ہیں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ شرک کے بالکل قریب وہ منتر ہیں جنہیں پڑھ کر سانپ کے کاٹے پر دم کیا جاتا ہے اور آسیب زدہ پر دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بیمار ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی: بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ حَاسِدٍ وَّ عَيْنٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو تجھے دکھ پہنچائے اور ہر حاسد کی برائی اور بدنظر سے اللہ تعالیٰ تجھ شفا دے اس بیماری سے مراد شاید وہ بیماری ہے جب کہ آپ پر جادو کیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عافیت اور شفا بخشی اور حاسد یہودیوں کے جادو کے مکر کو ختم کیا اور ان کی تدبیروں کو بے اثر کر دیا اور انہیں رسوا اور ذلیل کیا لیکن باوجود اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے اوپر جادو کرنے والے کو ڈانٹا ڈپٹا نہیں خدائے تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی اور آپ کو عافیت اور شفا عنایت فرمائی مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کیا جس سے کئی دن تک آپ بیمار رہے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر بتایا فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں فلاں کنوئیں میں گرہیں لگا کر رکھا ہے آپ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجا اور اس کنوئیں سے وہ جادو نکلوا لیا گرہیں کھول دیں سارا اثر جاتا رہا پھر نہ تو آپ نے اس یہودی سے کبھی اس کا ذکر کیا اور نہ کبھی اس کے سامنے اظہار خفگی کیا صحیح بخاری شریف میں کتاب الطب میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواج مطہراتؓ کے پاس آئے حالانکہ نہ آئے تھے[1] ۔حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے جب یہ حالت آپ کی ہو گئی ایک دن آپ فرمانے لگے کہ عائشہؓ میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا ایک پائنتی سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن عاصم نے جو بنو زریق کے قبیلے کا ہے جو یہودی قبیلے کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں میں اور کنگھی میں پوچھا وہ کہاں کہاں ہیں؟ کہا تر کھجور کے درخت کی چھال میں پتھر کی چٹان تلے دروان کے کنوئیں میں پھر حضور علیہ السلام اس کنوئیں کے پاس تشریف لائے اور اس میں سے وہ نکلوایا اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی اس کے پاس کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے میں نے کہا بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بدلہ لینا چاہئے آپ نے فرمایا الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک کام کرتے نہ تھے اور اس کے اثر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کر چکا ہوں اور یہ بھی ہے کہ اس کنوئیں کو آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا یہ بھی مروی ہے کہ چھ مہینے تک آپ کی یہی حالت رہی تفسیر ثعلبی میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہود کا ایک بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اسے یہودیوں نے بہکا سکھا کر آپ کے چند بال اور کنگھی کے چند دانے منگوا لئے اور ان کا جادو کیا اس کام میں زیادہ تر کوشش کرنے والا لبید بن اعصم تھا پھر دروان نامی کنوئیں میں جو بنو زریق کا تھا اس میں ڈال دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے سر کے

---

[1] یعنی نسیان اور بھول جانے کا غلبہ آپ پر اس قدر ہو گیا تھا کہ ایک چیز آپ کرتے تک نہ تھے اور خیال آپ کو یہ ہوتا تھا کہ میں یہ امر کر چکا ہوں حضرت سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جادو کی ایک قسم ایسی ہے جس سے قوت مجامعت کو باندھ دیا جاتا ہے جس کے بعد وہ ہمبستری کرنے کے قابل نہیں رہتا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح کا سحر کیا گیا تھا لکھا ہے کہ حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں وہ مردانگی کی قوت کو باندھنے کے لئے ہی عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔

بال جھڑنے لگے خیال آتا تھا کہ میں عورتوں کے پاس ہو آیا حالانکہ آتے نہ تھے گو آپ اسے دور کرنے کی کوشش میں تھے لیکن وجہ معلوم نہ ہوتی تھی چھ ماہ تک یہی حالت رہی پھر وہ واقعہ ہوا جو اوپر بیان ہوا کہ فرشتوں کے ذریعے آپ کو اس کا تمام حال کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت علی کو حضرت زبیر کو اور حضرت عامر بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیج کر کنوئیں میں سے وہ سب چیزیں نکلوائیں ان میں تانت تھی جس میں بارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں اتاریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پر ہر گرہ پڑھتے جاتے تھے اور ایک گرہ اس کی خود بخود کھلتی جاتی تھی جب یہ دونوں سورتیں پوری ہوئی وہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ بالکل شفایاب ہو گئے ادھر جبرائیل علیہ السلام نے وہ دعا پڑھی جو اوپر گزر چکی ہے لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل کر دیں آپ نے فرمایا نہیں خدا تعالیٰ نے تو مجھے تندرستی عطا فرمائی اور میں لوگوں میں شر و فساد پھیلانا نہیں چاہتا یہ تفسیر ثعلبی میں بلا سند مروی ہے اس میں غرابت بھی ہے اور اس کے بعض حصے میں سخت نکارت ہے اور بعض کے شواہد بھی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے۔ واللہ اعلم۔

سورة الناس

سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

کُل رکوع: ۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کُل آیات: ۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

آپ کہئے (جس طرح کہ فلق میں گزرا) کہ میں آدمیوں کے مالک آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جن ہو یا آدمی (ہو) ۝

ربّ الناس:

اس میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی تین صفات بیان ہوئی ہیں پہلے یہ کہ وہی پالنے اور پرورش کرنے والے ہیں مالک اور شہنشاہ ہیں اور صرف وہی معبود لائق عبادت ہیں تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کی ملکیت میں ہیں اور اس کی بندگی میں مشغول ہیں پس وہ حکم دیتا ہے ان پاک و برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے جو بھی پناہ اور حفاظت کا طالب ہو شیطان جو انسان پر مقرر ہے اس کے وسوسوں سے وہی بچانے والا ہے ہر انسان کے ساتھ یہ ہے برائیوں اور بدکاریوں کو خوب آراستہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں کوئی کمی نہیں کرتا اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے خدا تعالیٰ بچا لے صحیح حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے ہر

شخص کے ساتھ ایک شیطان ہے لوگوں نے عرض کیا کیا آپ کے ساتھ بھی آپ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری[1] مدد فرمائی ہے پس میں سلامت رہتا ہوں وہ مجھے صرف نیکی اور اچھائی کی بات ہی کہتا ہے[2] بخاری مسلم کی اور حدیث میں حضرت انسؓ کی زبانی ایک واقعہ منقول ہے جس میں بیان ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں تھے تو ام المومنین حضرت صفیہ آپ کے پاس رات کے وقت آئیں جب واپس جانے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچانے کے لئے ساتھ چلے راستے میں دو انصاری صحابیؓ مل گئے جو آپ کو بی بی صاحبہ کے ساتھ دیکھ کر جلدی چل دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا سنو میرے ساتھ میری بیوی حضرت صفیہؓ بنت حی ہیں انہوں نے کہا سبحان اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہ میں شیطان گھومتا پھرتا رہتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں وہ کوئی بدگمانی نہ ڈال دے[3] حافظ ابو یعلی موصلی نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہیں اگر یہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تب تو اس کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ اللہ کا ذکر بھول جاتا ہے تو وہ اس کے دل پر پورا قبضہ کر لیتا ہے یہی وسواس الخناس ہے یہ حدیث غریب ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جار ہے تھے ایک صحابیؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے گدھے نے ٹھوکر کھائی تو ان کے منہ سے نکلا شیطان برباد ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو اس سے شیطان بڑھ جاتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے گرادیا ہے[4] اور جب تم بسم اللہ کہو تو وہ گھٹ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اللہ سے شیطان پست اور مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے وہ بڑا ہو جاتا ہے اور غالب آ جاتا ہے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے تھپکتا ہے اور بہلاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانور کو بہلاتا ہے پھر اگر وہ خاموش رہا تو وہ ناک میں نکیل یا منہ میں لگام چڑھا دیتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان فرما کر فرمایا کہ تم خود اسے دیکھتے ہو نکیل والا تو وہ ہے جو ایک طرف جھکا کھڑا ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو اور لگام والا وہ ہے جو منہ کھولے ہوئے ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے دل پر قبضہ کئے ہوئے ہے جہاں یہ بھولا اور غفلت کی اس نے وسوسے ڈالنے شروع کئے اور جہاں اس نے ذکر اللہ کیا اور پیچھے ہٹا سلیمانؒ فرماتے ہیں مجھ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیطان راحت و رنج کے وقت انسان کے دل میں سوراخ کرنا چاہتا ہے یعنی اسے بہکانا چاہتا ہے اگر یہ خدا کا ذکر کرے تو یہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ شیطان خود برائی سکھاتا ہے جہاں انسان نے اس کی مان لی پھر ہٹ جاتا ہے پھر فرمایا جو وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینے میں لفظ ناس جو انسان کے معنی میں ہے اس کا اطلاق جنوں پر بھی بطور غلبہ کے آجاتا ہے قرآن شریف میں اور جگہ :بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (سورہ جن:۶) کہا گیا ہے تو جنات کو لفظ ناس میں داخل کر لینے سے کوئی قباحت نہیں غرض یہ ہے کہ شیطان جنات کے اور انسان کے سینے میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے اس کے بعد کے جملے :

---

1. یعنی اس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں نے اس کو مغلوب کر لیا چنانچہ وہ مجھ کو برائی کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔
2. مسخر ہونے کے بعد شیطان آپ کے ساتھ وہی معاملہ کرنے لگا جو آپ کا اصل مزاج تھا یعنی خیر و نیکی میں انہماک۔
3. اور تم یہ سمجھو کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی غیر عورت تھی۔
4. اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو حادثہ پیش آیا انسان اس کو میری قوت کا کرشمہ سمجھ رہا ہے اور پھر وہ خوب خوش ہوتا ہے اور اگر انسان تمام طاقتوں کا مظہر میں صرف خدا تعالیٰ ہی کو قرار دے۔ جس کا ایک مظہر بسم اللہ ہے تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسان نے مجھ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس لئے کہ اب اس کا مقصد حاصل ہو گیا اب ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ جن بھی ہے اور انسان بھی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ وسواس ڈالنے والا خواہ کوئی جن ہو یا انسان جیسے اور جگہ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (سورہ انعام:۱۱۲) یعنی اس طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن انسانی اور جناتی شیطانی بنائے ہیں ایک دوسرے کے کان میں دھوکے کی باتیں بنا کر سنوار کر ڈالتے رہتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں آیا اور بیٹھ گیا آپ نے فرمایا نماز بھی پڑھی؟ میں نے کہا نہیں فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور ذرا دو رکعتیں ادا کر لو میں اٹھا اور دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو انسان شیطانوں اور جن شیطان سے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں؟[1] آپ نے فرمایا ہاں میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیسی چیز ہے آپ نے ارشاد فرمایا بہترین چیز ہے جو چاہے کم کرے جو چاہے زیادتی کرے[2] میں نے عرض کیا روزہ؟ فرمایا کافی[3] ہونے والا فرض ہے اور خدا کے پاس زیادتی ہے[4] میں نے پھر پوچھا صدقہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت ہی بڑھا چڑھا کر کئی کئی گنا کر کے بدلہ دیا جائے گا میں نے پھر عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا باوجود مال کی کمی کے صدقہ کرنا یا چپکے سے چھپا کر کسی مسکین فقیر کے ساتھ سلوک کرنا میں نے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے نبی علیہ السلام کون تھے؟ آپ نے فرمایا آدم علیہ السلام میں نے کہا کیا وہ نبی علیہ السلام تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ ان انبیاء میں سے تھے جن سے خدائے تعالیٰ نے کلام فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول کتنے ہوئے؟ فرمایا تین سو کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت اور کبھی فرمایا تین سو پندرہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے ان میں سب سے بڑی عظمت والی کون سی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیت الکرسی: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور ابو حاتم بن حبان کی صحیح ابن حبان میں تو دوسری سند سے دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بہت طویل ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں تو ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان کو زبان سے نکالنا مجھ پر آسمان سے گر پڑنے سے بھی زیادہ برا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ تعالیٰ ہی کیلئے حمد و ثنا ہے جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسے میں ہی لوٹا دیا[5] یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے۔[6]

---

[1] جو بھی دوسروں کو گمراہ کرے شیطان کا کردار ادا کرنے کی وجہ سے وہ شیطان ہی کہلائے گا۔

[2] یعنی فرائض کے علاوہ نوافل وغیرہ جو چاہے بکثرت پڑھے اور چاہے کم لیکن فرائض میں تو کوئی کمی ہو ہی نہیں سکتی۔

[3] یعنی مسلمان اگر روزہ اخلاص کے ساتھ رکھے تو اس کو یہی کافی ہوگا خدا تعالیٰ کے عذاب کو روکنے اور رحمت کو حاصل کرنے کا ایک قوی ذریعہ اور کافی وافی علاج یہی روزہ ہے۔

[4] یعنی اللہ تعالیٰ واجبی اجر پر جتنا چاہیں اضافہ فرما سکتے ہیں۔

[5] یعنی ایسے برے خیالات دل میں آتے ہیں کہ ان کو زبان سے کہہ بھی نہیں سکتا ظاہر ہے کہ برے خیالات پر اتنی نفرت اور رنج کہ آدمی اس کو زبان سے کہنا بھی گوارا نہ کرے خود اسلام اور ایمان کی کھلی دلیل ہے رہا دل تو وہ وساوس سے خالی نہیں ہو سکتا زبان اپنے کنٹرول میں ہے اس سے اظہار نہ کرنا عین ایمان ہے اسی لئے آنحضورؐ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ تمہارا معاملہ وساوس تک ہے جس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا ہاں بدعملی سے محفوظ رہنا کہ اللہ کا عذاب اسی پر آتا ہے۔

[6] بعض محققین نے لکھا ہے کہ سورہ فلق میں دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہنے کی مکمل تدبیر زیر بحث تھی تو سورہ والناس میں دینی مضرتوں سے حفاظت کی کامل تعلیم ہے۔ اسی لئے اس سورت پر ختم قرآن مجید مناسب ہے۔